اخلاق محمدی

حصہ دوم

حسینی

۷۸۶

انسانِ کامل

المعروف بہ

اخلاقِ محمدؐ

حصّہ دوم

مصنفہ

ایم ایچ حسینی

مطبوعہ .... ایجوکیشنل پریس کراچی

ناشر ....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (قرآن)، انک لعلیٰ خلق العظیم (قرآن)
سیرت پیغمبر اسلام حیات انسانی کیلئے بہترین دستور العمل ہے۔ اے محمدؐ یقیناً آپ خلق عظیم پر فائز ہیں
الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (قرآن)،
آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت کو تمہارے لئے پورا کر دیا اور میں تمہارے دین اسلام پر راضی ہوا

انسان کامل

المعروف بہ

اخلاق محمدؐ

حصہ دوم

اخلاق پیغمبر اسلام کو تاریخی واقعات کتب مستندہ و معتبرہ سے پیش کیا گیا ہے۔

مصنفہ

الحاج سید مجاور حسین رضوی المعروف بہ ڈاکٹر حسینی
قصر حسینی طارق روڈ سوسائٹی کراچی

انتساب

اس کتاب کو

ان ذوات مقدس، کے نام پر معنون کیا جاتا ہے، جو اسوہ حسنہ پیغمبر اسلام پر عمل کر کے قد افلح المومنون کے مصداق ہو چکے۔ اور نیز ان افراد کے نام پر انتساب کیا جاتا ہے جن کے کردار میں اس اسوہ حسنہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ اور وہ افراد معاشرہ انسانی کیلئے مشعل راہ اور منارۂ ہدایت ہیں۔

حسینی

باب
عفت وحیا

تعریف عفت بہ الفاظ حکماء

انسان جب اپنی قوت شہوی پر پورا قابو حاصل کر لیتا ہے (۱) اور وہ قابو اس درجہ کا ہو کہ وہ اکتسابِ حصول ضروریات زندگی کے جذبہ سے بے قابو نہ ہو سکے اور جبکہ انسان نقطہ اعتدال کا محتاج کو پا لیتا ہے اور اسی نقطہ کے مطابق اس کی قوت شہوی میں تحریک پیدا ہوتی ہے تو وہ صفت عفت کا مالک بن جاتا ہے

(۲) اخلاق ناصری ص ۱۲۱ مطبوعہ نولکشور ۱۹۰۶ء

تعریف عفت :-

ہر گاہ کہ حرکت نفس بہیمی باعتدال بود و مطاوعت نماید نفس عاقلہ را و اقتصار کند بر آنچہ نفس عاقلہ نصیب او نہد و اتباع ہوائے خویش مخالفت او کند ازاں حرکت فضیلت عفت حادث شود و فضیلت سخاوت بہ تبعیت لازم آید ---..

جبکہ نفس بہیمی و قوت شہوی کے حرکات میں اعتدال ہو اور وہ نفس عاقلہ انسانی کی اطاعت کرے اور جو نفس عاقلہ کا اقتضا ہو اسی کو وہ کافی سمجھے اور اپنی خواہشات سے مخالفت کرے اس حرکت نفس انسانی سے فضیلت عفت پیدا ہوتی ہے اور فضیلت سخاوت اس کے نتیجہ میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) اخلاق ناصری ص ۱۲۳ ء

پس فضائل نیز چہار بود، یکے از تہذیب قوت نظری و آں حکمت بود، دوم از تہذیب قوت عملی و آں عدالت بود، سوم از تہذیب قوت غضبی و آں شجاعت بود، و چہارم از تہذیب قوت شہوی و آں عفت بود۔

پس فضائل بھی صرف چار ہیں، اول تہذیب قوت نظری سے حکمت پیدا ہوتی ہے، دوم تہذیب قوت عملی سے عدالت پیدا ہوتی ہے، سوم تہذیب قوت غضبی سے شجاعت حاصل ہوتی ہے، چہارم تہذیب قوت شہوی سے عفت پیدا ہوتی ہے

(۴) اخلاق ناصری ص ۱۳۹ :-

انواع کہ در تحت جنس عفت است دوازدہ است، اول حیا، دوم رفق، سوم حسن ہدی، چہارم مسالمت، پنجم دعت، ششم صبر، ہفتم قناعت، ہشتم وقار، نہم ورع دہم انتظام، یازدہم حریت، دوازدہم سخا،

فضیلت عفت کے تحت یہ بارہ فضائل ہیں (۱) حیا (۲) رفق (۳) حسن ہدی (۴) مسالمت (۵) دعت (۶) صبر (۷) قناعت (۸) وقار (۹) ورع (۱۰) انتظام (۱۱) حریت (۱۲) سخاوت۔

مندرجہ عبارات سے واضح ہوگیا کہ اگر کسی انسان میں صفت عفت بدرجہ کمال موجود ہے تو یقیناً اس کے نفس میں وہ بارہ صفات و فضائل بھی موجود ہوں گے۔ جو تحت فضیلت عفت تسلیم کئے گئے ہیں۔ یعنی صاحب عفت مالک صفات سخاوت، حیا، رفق، وقار، صبر، قناعت، ورع و حریت ہوا کرتا ہے۔ گویا صفت عفت ایک ایسی جامع صفت ہے کہ جب وہ نفس انسانی میں پیدا ہو جاتی ہے۔ تو خود بخود اس انسان کامل کو باقی بارہ صفات از خود حاصل ہو جاتی ہیں۔ جب کوئی شخص نقطہ کمال صفت عفت پر قائم ہے تو یقیناً وہ صاحب وقار بھی ہے اور صاحب حیا بھی ہے۔ وہ صاحب قناعت بھی ہے اور صاحب صبر بھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

وہ صفت جو انسان کو تمام مخلوقات خصوصاً حیوانات سے ممتاز کرتی ہے، حقیقت میں وہ صفت عفت ہی ہے۔ انسان کا فطری جذبہ شہوانی ہی اسکو ایسا مغلوب بنالیتا ہے کہ پھر انسان اپنے پرائے، حلال وحرام، جائز و ناجائز، ظلم و جور، کسی چیز کے کرنے میں بھی باک نہیں کرتا، بلکہ اس کی یہی قوت اس کو بدترین حیوانات سے بھی پست تر بنا دیتی ہے، کیونکہ ہر حیوان اپنی فطری خواہش کو ہی پورا کرکے بس کرتا ہے، مگر انسان کی ہوس و حرص و خود غرضی و نفس پرستی کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا، اگر انسان کو ایک قسم کی دولت مل جاتی ہے، تو وہ دوسری قسم کی دولت چاہتا ہے، اور اسکی طلب کا سلسلہ لامتناہی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اور اسی مرض روحانی میں تمام عالم مبتلا نظر آتا ہے۔ افراد، اقوام، اہل ممالک آج اسی قوت شہوانیہ کا شکار ہیں، اگر وہ سائنسدان ہیں مگر ان کا سائنس ان کو ذرائع استبداد سکھاتا ہے، اگرچہ وہ فلسفی ہیں، مگر فلسفہ کی تمام و کمال طاقت صرف تدابیر سفاکی و خوں ریزی پر مرکوز ہے۔ اگرچہ وہ مدبران ممالک ہیں، مگر ان کی عقلیں صرف ذرائع حصول حکومت وسیع تر کرنے پر مصروف ہیں، گویا ہر طبقہ کے انسانوں کی عقل و فہم کا مرکز جاہ طلبی، نفس پرستی اور استبداد ہے۔

اس طرح وہ انسان جو تعمیر کیلئے پیدا ہوا تھا تخریبی کاروائی میں اپنی خداداد قوتوں کو صرف کر رہا ہے اس کا سبب کیا ہے، صرف یہی کہ انسان نے اپنے بچوں کو تعلیم تہذیب اخلاق کا درس دینا چھوڑ دیا، اور اس طرح معاشرہ انسانی یکساں بدنہاد و بدصورت ہوگیا، اب انسانوں کی دنیا، بنظر عمیق دیکھیئے، تو حیوانوں،

درندوں کی دنیا سے بھی مہیب تر و خوفناک تر ہے، آجکل کا انسان نہیں جانتا۔ کہ قدرت نے اس کو ظاہری جسم کی قوتوں اور ظاہری جسم کے اعضا کے علاوہ کچھ باطنی قوتیں و پاک جذبات بھی عطا کئے تھے۔ حکماء متقدمین و مصلحین متاخرین نے ضرور انسان کے اس تاریک پہلو پر غور کیا، مگر وہ کوئی تدبیر اسلئے نہ کر سکے کہ ان کے سامنے جسمانی و مادی شکل میں کوئی تمثیل کامل نظر نہ آئی۔ تاکہ وہ ہر عہد کے انسان کو اس مجسمہ فضائل کی مثال دیتے اور اس کی تقلید و پیروی کی تاکید کرتے، مذاہب کے اختلاف اور صاحبان مذاہب کے تعصب نے ان کی دلی آنکھوں کو ایسا اندھا کر دیا کہ وہ کسی کامل انسان کی ذات و صورت کو نہ پہچان سکے ۶۱۰ء میں قرآن نے اعلان کیا:۔

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔

"اے وہ انسانوں جو خدا پر ایمان لاچکے ہو خدا سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔"

قرآن کا یہ اعلان تمام انسانوں کیلئے عام تھا اور یہ حرف اتنی ہدایت تھی کہ اگر انسان اپنے کمالات انسانی پر فائز ہونا چاہتا ہے۔ یا وہ اپنے کمالات انسانی پر باقی رہنا چاہتا ہے۔ تو وہ صادقین کی تلاش کرے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلتا رہے۔ یہ صادقین بلا اختلاف مذاہب ہر مذہب کے پیشوا تھے۔ کم از کم انسانوں کو یہی چاہیئے تھا کہ وہ اپنے اپنے زمانہ کے نبی یا رسول یا رشی یا اوتار کے ہی پیرو رہتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کی حالت آج حیوانوں اور درندوں سے بدتر نظر نہیں آتی۔ اس کے بعد قرآن نے دوسرا اعلان کیا:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

"یقیناً رسول خدا محمد مصطفےٰ اہل عالم کیلئے نمونۂ اعلیٰ ہیں۔"

اہل عالم کا فرض تھا کہ وہ محمد صلعم کے حالات زندگی کا بغور مطالعہ کرتے اور اس کا تقابل سابقہ پیشوایان مذاہب سے کرتے اور یہ دیکھتے کہ تمام انبیاء، اوصیاء، اولیاء، وغیرہ کے تمام صفات ذات محمد صلعم میں موجود ہیں، اور ان میں سے ہر ایک سے زیادہ فضائل و صفات ذات محمد صلعم میں موجود ہیں۔ تو یقیناً اہل عالم کو محمد صلعم کو اپنا رہبر مان لینا چاہیئے تھا۔ اور ان کے نقش قدم پر چلکے تمام کمالات انسانی کو پالیا ہوتا...

مگر ایسا اسلئے نہیں کیا کہ ہر زمانہ کے انسانوں میں نفس پرستی، جاہ طلبی اور قوت استبداد و ظلم بدرجہ کمال موجود تھی، محمد صلعم کی اطاعت امن و امان عالم کی طرف لے جاتی تھی۔ اور ان انسانوں کی طبائع ان کو غلبہ حاصل کرنے اور فساد فی الارض کی دعوت دے رہی تھیں۔

۶۱۰ء میں محمد صلعم نے اعلان نبوت کیا۔ محققین، مدبرین و مصلحین جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جنکو علوم قدیمہ کا علم حاصل تھا۔ وہ جوق در جوق حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے آپ کی نبوت یا کمالات انسانیہ کا اعتراف کیا۔ اور جو نفس پرست حکومت طلب تھے۔ و نیز جاہل تھے وہ نہ سمجھ سکے اور انہوں نے پیغمبر اسلام کو بھی مثل اپنے سلطنت طلب سمجھا اور بر سر پیکار ہو گئے۔ اور آخر میں حق کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر مغلوب و مفتوح ہوئے۔

بہر حال یہ بتانا تھا کہ دنیائے انسانیت کے سامنے کوئی تمثیل و نمونہ کمالات انسانی موجود نہ تھا اسلئے وہ علوم جن کا تعلق انسان کے ارتقاء قوائے باطنیہ سے تھا۔ وہ تو فنا ہو گئے۔ یا صرف کتاب ہی ان کی قبر بن گئی۔ چونکہ میری اس تصنیف کا مقصد یہی ہے۔ کہ میں تمام روئے زمین کے انسانوں کے سامنے فضائل اخلاق و درجات کمالات انسانی کا صحیح مرقع و تمثیل پیش کروں۔ اسلئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ محمد صلعم کی ذات میں اعلیٰ نمونے کمالات انسانی کے موجود ہیں اور بجز ذات محمد صلعم اتنا کامل نمونہ اہل عالم کو نہ ملا نہ مل سکے گا۔

صفت عفت ہی وہ اعلیٰ صفت ہے۔ جو انسان کے کمالات کو انسانی روپ میں پیش کر سکتی ہے۔ اور جہاں یہ صفت موجود نہیں ہے۔ وہاں انسان درندہ ہے۔ نفس پرست ہے، عیار، مکار ہے ظالم و جابر ہے اور ہر صفت مذموم کا موصوف ہے۔ اتنا لکھنے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام کے ہر دور حیات طفلی، جوانی، پیری و ہر عہد رزم، بزم، خانہ داری، ہمسائیگی وغیرہ میں صفت عفت کو دیکھوں اور اس کے اعلیٰ نمونے اہل عالم کے سامنے رکھ دوں، تاکہ وہ اور ان کے بعد کی آنے والی نسلیں، اس منارہ ہدایت سے صحیح راستہ پا سکیں۔

قبل اس کے کہ میں اصل موضوع کو بیان کروں، یہ ضروری ہے کہ یہ بھی بتاتا چلوں کہ انسان میں کچھ تو اوصاف خلقی، ذاتی، پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔ اور کچھ اوصاف بذریعہ ماحول و تربیت و اکتساب کے پیدا ہوتے ہیں۔ اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ عہد طفلی و عہد جوانی یا عہد شعور، عہد پیری ہی میں انسان کی عادات و فضائل بدل جاتے ہیں۔ اگر وہ بچپن میں شریر تھا تو جوانی میں سلیم الطبع اور بڑھاپے میں نیکوکار و متحمل مزاج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شریر الطبع بچہ کو بہتر ماحول اور اچھی تربیت دی جاتی ہے۔ تو اس میں خصائل حمیدہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اوصاف حمیدہ ترقی کرتے ہوئے ارتقاء درجات عمر کے ساتھ بہتر سے بہتر ہو جاتے ہیں۔ اور آخر عمر میں وہ ایک اعلیٰ اخلاق کا انسان بن جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ بچپن میں اگر کسی بچہ کو اچھا ماحول ملگیا اور جوانی تک اس کی صحیح تربیت و تعلیم جاری رہی تو وہ اوصاف حمیدہ کا موصوف بن جاتا ہے

مگر جیسے ہی وہ ماحول بگڑ جاتا ہے اور اس کی نگرانی ختم ہو جاتی ہے تو وہ جوانی سے تا عہد پیری بد سے بدتر ہو جایا کرتا ہے۔ اور تمام اجناس رذائل کا ایک پیکر مہیب بن جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات، خاندان، قوم و ملک کے لئے سبب ننگ بن جاتا ہے۔

اس مذکورہ قاعدہ و کلیہ کو نظر میں رکھتے ہوئے ہمکو پیغمبر اسلام کے عہد طفلی سے تا عہد پیری حالات وعادات وخصائل کا جائزہ لینا ہے۔ اور یہ دیکھنا ہے کہ ماحول، تربیت تعلیم ونگرانی آباواجداد کے باقی رہنے اور باقی نہ رہنے کی حالت میں، پیغمبر اسلام کی صفت عفت میں کیا فرق پیدا ہوا۔ آیا وہ بہتر سے بہتر ہی ہوتے گئے۔ یا کہیں ان میں جھول بھی پڑ گیا تھا۔ میرے خیال میں انسان کو فضیلت عفت پر پرکھنا اور اس کی ابتدائی وانتہائی عمر کا جائزہ اس صفت عفت کی روشنی میں لینا نہایت ہی دشوار کام ہے۔ اور کسی شخص کا اس معیار پہ کامل اترنا آسان تو کیا ممکن ہی نہیں ہے۔ اگر میرے اس قول پہ ناظرین کو عدم اعتماد ہے تو وہ ہر عہد کے پیشوایان مذاہب، مدبران ممالک، مصلحین اقوام۔ صاحبان کمال، فلاسفروں اور حکماء کا جائزہ لیکر خود فیصلہ کرلیں میرے قول کی تصدیق ہو جائے گی۔ اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ:۔

از آدم تا محمد مصطفٰےؐ تمام انبیاء انسان تھے۔ اور ان کے ہر عہد۔ طفلی، جوانی، پیری میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ ہر صفت محمود سے آراستہ اور صفات مذموم سے پاک وصاف تھے۔

اہل اسلام کا دعویٰ ہے کہ ان تمام انبیاء سے کامل تر نبی آخر الزمان محمد مصطفٰے تھے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال خلقی، پیدائشی، ذاتی، ہر فرد عالم سے اعلیٰ و برتر تھا۔ اسی دعوے کو تاریخی روشنی میں ثابت کردینا اس کتاب کا مقصد و موضوع ہے۔ ملاحظہ ہو۔

واقعہ اوّل عفّت وحیا | (۱) بحار الانوار جلد ششم ترجمہ عبارت عربی:۔

حلیمہ دائی سے روایت ہے کہ محمدؐ کے واسطے اس سے زیادہ کہ وہ برہنہ ہو جائیں کوئی بات زیادہ غضب ناک کرنے والی نہ تھی۔ اور جب میں ان کو برہنہ کرنا چاہتی تھی تو آپ چیخیں مارتے تھے۔ حتیٰ کہ مجھ کو ان کا جسم ڈھانک دینا پڑتا تھا۔ تو وہ خاموش ہو جاتے تھے۔ اور جب آپ کی عمر ایک سال کی ہوئی تو شب کو جب میری آنکھ کھل جاتی تھی تو میں دیکھتی تھی کہ محمد جاگ رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں:۔

لا الٰہ الا اللہ قدوسًا قدوسًا وقد نامت العیون والرحمٰن لا تاخذہ سنۃ ولا نوم۔

خدا واحد ہے، پاک ہے پاک ہے۔ جبکہ تمام مخلوق سو رہی ہے اس وقت بھی خدا واحد کو نہ

غنودگی ہے نہ خواب ہے۔"

۲ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب محمد کچھ بڑے ہوئے تو آپ جب بچوں میں باہر نکل جاتے تھے تو جب بچے آپ کو آتا ہوا دیکھتے تھے تو کھیل کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس وقت آپ اپنے رضاعی بھائیوں کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ :۔

انا لم نخلق لهذا۔ ہم کھیل کیلئے پیدا نہیں کئے گئے ہیں۔

۳ ابن عباس سے روایت ہے کہ ابو طالب نے ایک روز اپنے بھائی جناب عباس بن عبدالمطلب سے کہا کہ اے عباس میں تم کو ایک بات کی خبر دیتا ہوں۔ میں ہمہ وقت محمد کو اپنے ہمراہ رکھتا ہوں اور رات دن میں کسی وقت ان کو اپنے سے جدا نہیں کرتا اور محمد کو ان کے بارہ میں لاوجہ خطرہ جان، کسی پر اطمینان نہیں ہے۔ جب تک کہ میں اس کو اپنے ہمراہ اپنے بستر پر نہیں سلا لیتا ہوں۔ لیکن ایک عجیب بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ جب سوتے وقت میں محمد سے کہتا ہوں کہ اپنے کپڑے اتار ڈالو تو وہ میرے چہرہ کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں۔ چچا جان آپ اپنا منہ پھیر لیجئے تاکہ میں اپنے کپڑے اتار کر بستر میں لیٹ سکوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے جسم پر کسی کی نظر پڑے۔ میں اپنی نظر کو اس سے پھیر لیا کرتا ہوں۔ لیکن پھر بھی میں جب ان کو بستر میں دیکھتا ہوں تو ایک باریک کپڑا پھر بھی ان کے جسم پر پاتا ہوں۔

۴ کتاب مناقب ص۲۱ :۔

ابن عباس۔ قال ابوطالب لاخیه یا عباس اخبرك عن محمد انی ضممته فلما افارقه ساعة من لیل ونهار فلم ائتمن احدا حتی نومته فی فراشی فامرته ان یخلع ثیابه وینام معی فرایت فی وجهه کراهیة فقال یا عماه اصرف وجهك عنی حتی اخلع ثیابی وادخل فراشی فقلت له ولم ذالك فقال لا ینبغی لاحد ان ینظر الی جسدی فتعجبت من قوله وصرفت بصری

ابن عباس سے روایت ہے۔ ابوطالب نے اپنے بھائی سے کہا اے عباس میں محمد کے بارہ میں ایک بات کہوں کہ میں محمد کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں اور کسی وقت بھی جدا نہیں کرتا ہوں۔ مجھ کو کسی پہ ان کے بارہ میں اعتماد نہیں ہے۔ حتیٰ کہ میں ان کو اپنے بستر میں اپنے ساتھ سلاتا ہوں۔ ایک بار میں نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے لباس کو اتار دیں اور میرے ساتھ سو جائیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ نظر کراہت سے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے

عنه حتی دخل فراشه فاذا دخلت انا الفراش اذا بینی و بینه ثوب واللّٰہ ما دخلت فی فراشی فامسته فاذا هو الین ثوب ثم شممته کانه غمسه فی مسك وکنت اذا اصبحت فقدت الثوب فکان هذا ادابی و دابه ۔

بعد اس نے کہا اے چچا جان میری جانب سے اپنا منہ پھیر لیجئے تاکہ میں اپنے لباس کو اتار سکوں اور بستر خواب میں لیٹ جاؤں میں نے اس سے کہا یہ کس لئے؟ جواب دیا اس لئے کہ میں نہیں چاہتا کہ کسی کی نظر میرے جسم پہ پڑے۔ مجھ کو اس کے ایسا کہنے پر تعجب ہوا اور میں نے اپنی آنکھیں اس کی طرف سے پھیر لیں۔ وہ بستر میں لیٹ گیا۔ جب میں بستر میں لیٹا تو میں نے دیکھا کہ میرے اور اس کے درمیان میں ایک کپڑا ہے۔ جب میں نے اس کو دیکھا تو وہ باریک کپڑا تھا۔ جب میں نے سونگھا تو وہ مشک سے لبسا ہوا تھا جب صبح ہوئی تو وہ کپڑا غائب ہوگیا۔ یہ تھا اس کے اور میرے درمیان میں طریقہ و ادب و عادت

مذکورہ حوالجات سے یہ امر ثابت ہوگیا کہ پیغمبر اسلام وقت ولادت سے ہی فضیلت عفت کے مالک تھے احساس حیاء و وقار عفت بحالت رضاعت ہی موجود تھا۔ اور جوں جوں عمر بڑھتی گئی یہ احساس اور بھی بڑھتا گیا حتیٰ کہ جب عبدالمطلب جد پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی ہے۔ اس وقت پیغمبر اسلام کی عمر ۸ سال کی تھی۔ اور عبدالمطلب نے محمدؐ کو ابوطالب کے سپرد کیا تھا۔

ابوطالب نے اپنا چشم دید واقعہ عباس بن عبدالمطلب (اپنے بھائی) سے بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ جب بعمر ۸ سال ابوطالب نے اس بچہ کو اپنے بستر میں سونے اور لباس اتارنے کا حکم دیا تو پیغمبر اسلام نے اس حکم کو بنظر کراہت دیکھا۔ اور صاف صاف کہہ دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے جسم پر کسی کی نظر پڑے اور چنانچہ ابوطالب کو بچہ کم سن کی اس بات پر تعجب ہوا اور یہ تعجب صحیح بھی تھا۔ کیونکہ یہ بات عمومیت کے لحاظ سے عام بچوں میں نہیں پائی جاتی تھی۔

پیغمبر اسلام کے عہد طفلی کے یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ محمدؐ میں صفت عفت فطری طور پہ موجود تھی نہ کہ حصول واکتساب سے پیدا ہوئی تھی۔ اور جب صفت عفت فطری تھی تو یہ ماننا پڑے گا کہ جب غیر مکلف ہونے کے زمانہ میں عفت کا یہ عالم تھا تو بعد شعور و کمال عقلی خلاف عفت کوئی فعل سرزد کبھی ہو ہی نہیں سکتا اور اسی صفت کو جب کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ تو عصمت کہا جاتا ہے اور اسی اصول وقانون کے ماتحت پیغمبر اسلام معصوم سمجھے جاتے ہیں۔

عفت: واقعہ دوم: خطبہ خدیجہ

ترجمہ کتاب بحارالانوار جلد ششم :-

صاحبان علم و واقفان تاریخ آگاہ ہیں۔ کہ خدیجہ بن خویلد عرب کی مشہور تاجرہ و ملکہ تھیں۔ ابو طالب نے محمد کو خدیجہ کا مال تجارت دلوایا تھا اور محمد صلعم بعمر ۲۰ تا ۲۵ سال کئی بار مال واسباب تجارت لیکر غیر ملکوں کو بغرض تجارت گئے تھے۔

ایک بار پیغمبر اسلام خدیجہ کا بہت سامال لیکر ملک شام کی طرف بغرض تجارت گئے اس سفر میں خدیجہ نے اپنے معتمد غلام میسرہ کو بھی ہمراہ کر دیا تھا۔ جب سفر سے واپسی ہوئی تو میسرہ نے تمام حالات سفر و منافع تجارت و طرز تجارت محمد صلعم کو بیان کیا۔ خدیجہ نے جب یہ سب کچھ سنا تو بے اختیار زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے :-

"فقالت حسبکہ یا میسرہ لقد زدتنی شوقاً الی محمد اذھب فانت حرّ لوجہ اللہ

خدیجہ نے میسرہ سے کہا کہ اے میسرہ تونے یہ سب صفات محمد بیان کر کے میرے شوق کو محمد کے بارہ میں اور بھی زیادہ کر دیا۔ جا میں نے تجھ کو راہ خدا میں آج سے آزاد کیا۔"

اس کے بعد خدیجہ نے اس کو بہت سا روپیہ انعاماً دیا اور عمدہ خلعت عطا کئے۔ اس محفل میں خویلد پدر خدیجہ بھی موجود تھا۔ یہ عالم علوم سالبقہ تھا۔ اور محمد صلعم بھی موجود تھے۔ خدیجہ نے محمدؐ سے مخاطب ہو کر کہا :-

"اے محمد میں آپ کے تشریف لانے سے بہت خوش ہوئی۔ آپ کا مجھ پر بہت حق ہے۔ آپ کو اگر کوئی حاجت ہو تو بیان فرمائیے میں اس کو پورا کرنے کو تیار ہوں۔"

محمد صلعم نے فرمایا :-

"کہ میں مکان سے واپسی پر اپنے مدعا کو کہہ سکوں گا۔"

اس کے بعد آپ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے چچاؤں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب آپ ابوطالبؑ کے پاس آئے تو ابو طالب نے دریافت کیا۔

"اے بیٹا تم کو خدیجہ نے کیا دیا۔"

آپ نے فرمایا کہ :-

"جو کچھ قرارداد تھا اس سے زیادہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

اس پر ابو طالب بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ اے نور چشم میری دلی آرزو بس اتنی ہے کہ

جب میں دنیا سے جاؤں تو تمہارے واسطے دو عمدہ نسل کے اونٹ چھوڑ جاؤں۔ تاکہ تم ان پر سفر کر سکو اور دو عمدہ گھوڑے۔ تاکہ تمہاری شان و شوکت ان کی سواری سے دو بالا ہو اور اتنے سونے چاندی کی ضرورت ہے کہ تمہاری شادی عرب کے بہترین خاندان کی کسی لڑکی سے ہو جائے اور اس کا مہر دے دیا جائے۔ اور جب یہ سب کچھ ہو جائے۔ تو مجھ کو اپنی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ابو طالب کے الفاظ یہ ہیں :-

ثم لا ابالی بالموت حیث اتی وکیف نزل ۔

"پھر مجھ کو موت کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ کیونکر آئے گی اور کیسے نازل ہوگی ۔"

بعد ازاں محمدؐ نے آرام کیا۔ اور دوسرے روز بعد غسل لباس فاخرہ پہن کر دولتکدہ خدیجہ پر تشریف لے گئے۔

خدیجہ نے بہت اکرام و اعزاز سے ایک آبنوس کی کرسی پیش کی اور عرض کی کہ آج تو آپ اپنی حاجت بیان فرمائیں گے ۔"

محمد صلعم نے یہ سنکر اپنی گردن جھکالی اور آپ کی پیشانی سے پسینہ کے قطرے ٹپکنے لگے اور جب خدیجہ کا اصرار حد سے بڑھا تو آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب کے الفاظ کا اعادہ کیا۔

یہ سنکر خدیجہ مسکرائیں اور کہنے لگیں :-

"یا محمدؐ اگر ہم تمہارے واسطے ایک ایسی عورت تلاش کر دیں کہ جو مال و جمال میں بہترین ہو اور نسب میں تمہارے قریب ہو تو کیا تم راضی ہو جاؤ گے ۔"

محمدؐ نے دریافت کیا کہ وہ عورت کون ہے۔ مجھ کو بتائیے تاکہ میں اس کا تذکرہ اپنے چچا سے کروں اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ کروں۔

خدیجہ نے عرض کیا :-

"اے محمدؐ خدیجہ خود اپنے کو آپ کی کنیزی میں دینا چاہتی ہے۔ خدا نے تمہاری محبت کو میرے دل میں ڈال دیا ہے اور یہ الفاظ بھی کہے - وانی علمت انک موید من رب السماء ۔ میں خوب جانتی ہوں کہ آپ پروردگار عالم کی جانب سے موید ہیں ۔"

جب محمد صلعم نے خدیجہ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو آپ نے سر کو جھکا لیا۔ اور بوجہ شرم و حیاء کے آپ کی پیشانی پر سے پسینہ کے قطرات ٹپکنے لگے۔

محمد صلعم نے جب خدیجہ کا یہ ارادہ معلوم کیا اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ نور اسلام خدیجہ کے

قلب میں ضو فشانی کر رہا ہے۔ تو آپ وہاں سے اٹھ کر اپنے چچا کے پاس آئے اور آپ نے ابو طالب سے عرض کیا کہ آپ خویلد کے پاس جائیے۔ جب ابو طالب نے یہ سنا تو فرمایا کہ اے بیٹا تمہاری بات کی میرے دل میں عزت و توقیر ہے۔ میں اس کام کے کرنے کو تیار ہوں۔ مگر تم جانتے ہو کہ اول تو خدیجہ بیوہ ہے اس کے دو شوہر ہو چکے ہیں۔ علاوہ بریں رؤسائے عرب اس کے خواستگار ہیں۔ اور پھر وہ متمول ترین ہے۔ ایسی صورت میں وہ ہرگز رضامند نہ ہوگی۔ بہر حال میں کوشش کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اپنے اقرباء کو جمع کیا۔ اور ان سے اپنی خواہش کو بیان کیا۔ اس وقت ابولہب نے سخت مخالفت کی۔ اس کی مخالفت دیکھ کر عباس ابن عبدالمطلب کھڑے ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا کہ :۔

"اے ابولہب تو نہیں جانتا کہ محمدؐ کے کیا کیا شرف ہیں۔ اگر خدیجہ اپنے مال پر نازاں ہے اور اس کا مہر زیادہ ہوگا تو اس کی مجھ کو مطلق پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ میں رب کعبہ کی قسم اپنے اسپ بادپا پر سوار ہو کر شاہان وقت کے پاس جاؤں گا اور جتنا مہر وہ چاہے گی ہیں لاکر اس کے اور اس کے باپ کے سامنے رکھ دوں گا۔"

اس کے بعد جناب صفیہ بنت عبدالمطلب کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ :۔

"میرے بھتیجے کی جو خواہش ہے میں اسے ضرور پورا کروں گی۔ اور کوئی نہیں جانتا جو کچھ وہ جانتا ہے۔"

بعد ازاں عمدہ لباس زیب تن فرمایا اور خدیجہ کے مکان پر تشریف لے گئیں۔ اور انہوں نے اثنائے گفتگو میں اپنی خواہش کو بیان فرمایا۔ جب خدیجہ نے سنا تو کہا :۔

"بیشک میں نے محمد سے خود خطبہ کی خواہش کی تھی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ محمد خدا کی جانب سے مؤید ہیں۔" پھر خدیجہ نے یہ الفاظ کہے جو بحارالانوار سے پیش کئے جاتے ہیں۔ :۔

خطبت محمد لنفسی فلا تکذبوه ان کان قد ذکر لکم بشئی وانی علمت انه موید من رب السماء ۔

"میں نے اپنے لئے محمد سے خود خطبہ کیا ہے۔ اگر محمد نے کوئی بات اس بارہ میں کہی ہے تو اس کو نہ جھٹلاؤ اور میں خوب جانتی ہوں کہ محمد من جانب خدا موید ہیں۔"

جس وقت جناب صفیہ بنت عبدالمطلب نے واپسی کا ارادہ کیا تو خدیجہ نے ایک خلعت فاخرہ ان کو پہنایا، گلے لگایا اور رخصت کیا۔ جناب صفیہ نے تمام واقعہ ابو طالب سے بیان کیا۔ جناب ابو طالب نے تمام اقرباء اعزاء کو جمع کیا اور محمد صلعم کو نہایت قیمتی اور عمدہ خلعت پہنایا، تلوار پہلو میں باندھی، عمدہ عربی گھوڑے پر بٹھایا یہ برات اس طرح چلی کہ محمد صلعم مثل ماہ چہاردہم درمیان میں تھے اور شجاعان بنی ہاشم اور اقرباء و

صلعم مثل نجوم درخشاں ان کے گرد حلقہ کئے ہوئے تھے ۔۔

جب یہ حضرات مکان خویلد پر پہنچے تو ان کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا۔ جب مجمع مکان پر پہنچ گیا اور وہاں بیٹھ چکا تو جناب ابوطالب نے خویلد کو مخاطب کرکے اور اپنے اکرام و شرافت منصبی و نسبی کو بیان کرتے ہوئے کہا

"اے خویلد قد جئنا خاطبین ابنتک خدیجہ لسیدنا محمد و نحن لھا راغبون

ہم اے خویلد تمہاری لڑکی کا پیغام لیکر آئے ہیں اور خدیجہ کا خطبہ اپنے سردار محمد سے کرنا چاہتے ہیں"

"خویلد نے جب یہ سنا تو اس نے کہا کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ خدیجہ خود عاقل و دانا ہے۔

وہ اپنے امور کا کلی اختیار خود رکھتی ہے۔"

خویلد نے ان بہانہ بازیوں سے چاہا کہ یہ لوگ واپس چلے جائیں۔ یہ سنکر مجمع واپس ہوا۔ یہ خبر خدیجہ کو پہنچی تو اس نے اپنے چچا ورقہ بن نوفل کو بلایا۔ یہ عالم علوم کتب سابقہ تھا۔ اور اس سے کہا کہ آپ محمد بن عبد اللہ صلعم کے حالات بیان کیجئے۔

ورقہ نے کچھ دیر کیلئے سر جھکا لیا اس کے بعد بولا ہ

"اے خدیجہ میں نے مصحف انبیاء کو پڑھا ہے۔ ان کی رو سے اگر میرا اندازہ علم سچا ہے۔ تو محمد ضرور نبی آخر الزمان ہونے والا ہے۔ علاوہ اس کے ان کی اصل پاک و طاہر ہے۔ ان کا خاندان بڑا ہے صورت و شکل بہت اچھی ہے۔ ان کی بزرگیوں اور فضائل کے سب ہی قائل ہیں۔ ان کی بخشش سب کے واسطے یکساں ہے ان کی گفتگو بہترین اور دلچسپ ہے ان کی سیرت اعلیٰ ہے۔ اور فضائل میں وہ یکتائے روزگار ہیں۔"

اس کے بعد ورقہ نے یہ شعر پڑھے ہ

لقد علمت کل القبائل والملاء ۔۔۔ بان حبیب اللہ الطھر ھم قلباء

واصدق من فی الارض قولا وموعدا ۔۔۔ وافضل خلق اللہ کلھم قرباء

کل قبائل اور کل لوگ جانتے ہیں کہ محمد صلعم خدا کے حبیب ہیں اور ان کا قلب پاک ہے اور روئے زمین کے انسانوں میں سب سے زیادہ صادق ہیں۔ اور خلق اللہ میں سب سے افضل ہیں۔

اس کے بعد ورقہ بن نوفل خویلد کے مکان پر پہنچے اور فرمایا کہ اولاد عبد المطلب تم سے سخت ناراض ہیں۔ خویلد نے کہا ۔ کہ میں نے اولاد عبد المطلب کا کیا بگاڑا ہے ۔ ورقہ نے کہا۔ میری رائے میں تو تم کو اولاد عبد المطلب سے بگاڑنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی بات پر آگئے تو وہ شیر غضبناک ہیں۔ علاوہ بریں خدیجہ کی رضا بھی معلوم ہوتی ہے ۔

اور پھر ورقہ خویلد کو ہمراہ لیکر خانہ ابو طالب پر پہنچا دق الباب کیا۔ اس وقت جناب ابو طالب اور جناب حمزہ تشریف فرما تھے۔ کچھ دیر بات چیت ہوتی رہی۔ خویلد نے معذرت چاہی اور معذرتاً کہا۔

"ما کان ذلک منی یا سیدی وانتم تعلمون	اے میرے سردار میں نے جو کچھ کہا اپنی جانب سے
ان خدیجہ وافرۃ العقل مالکۃ لنفسہا	نہیں کہا۔ آپ جانتے ہیں خدیجہ خود کامل عقل
وانما تکلمت بہذا الکلام حتی اسمع ما	مالک نفس خود ہے۔ ہم نے یہ باتیں کیں تاکہ سمجھ
تقول والان عرفت ان المرأۃ فیکم	سکیں کہ خدیجہ خود کیا چاہتی ہے۔ اب معلوم
راغبۃ فلا تواخذونی مما جبرلی	ہوا کہ وہ خود اس امر پر راضی ہے۔ پس آپ

لوگ مجھ کو مورد الزام نہ بنائیں اور جو کچھ ہو چکا ہے اس کو قطع انداز کریں۔"

اور پھر خویلد نے ورقہ بن نوفل کو وکیل کیا۔ قریب کعبہ مجمع عام میں جبکہ اشراف مکہ جمع تھے خدیجہ کا عقد محمد صلعم سے ہوا۔ وقت نکاح محمد صلعم کے جسم پر یہ لباس تھا۔:-

عمامہ سیاہ سر مبارک پر۔ اور عبد المطلب کی قمیص جسم پر تھی، حضرت الیاس کی چادر دوش مبارک پر تھی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا عصا دست اقدس میں تھا۔ عقیق سرخ کی انگشتری انگشت مبارک میں زیب دے رہی تھی۔ آپؐ کے اعمام برہنہ شمشیریں کھینچے ہوئے چاروں طرف کھڑے تھے۔ اور محمد صلعم کرسی زرنگار مرصع کار پر جلوہ افروز تھے۔

مہر خدیجہ ۔ آپ کا مہر معجل علاوہ مہر موجل کے یہ قرار پایا۔ چار لاکھ دینار نقرہ و ایک لاکھ ناقہ سیاہ و سرخ رنگ، دس خلعت قیمتی، اٹھائیس غلام، ۔

اس کے بعد نکاح ہوا اور حضرت حمزہ نے دولہا پر درہم نچھاور کئے اور برات واپس آگئی۔ دوسرے روز جناب ابو طالب نے دعوت ولیمہ میں تمام اہل مکہ کو بلایا۔ اور یہ دعوت ولیمہ تین دن تک جاری رہی، پیغمبر اسلام کے چچا مہمانوں کی تواضع و خاطر داری میں شبانہ روز مصروف رہے۔

پیغمبر اسلام کی عفت و حیا کا نقشہ واقعہ مذکورہ نے پیش کر دیا۔ پیغمبر اسلام کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور جناب خدیجہ کی عمر چالیس سال کی تھی اور پھر دو شوہر بھی کر چکی تھیں اور بیوہ بھی ہو چکی تھیں۔ اور محمدؐ ابھی بچہ تھے بالکل نوجوان تھے۔ مگر واقعات شادی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کے نفس پاک میں عفت و حیا کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپؐ کے جتنے بھی افعال اس معاملہ میں ہیں وہ عفت کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ خدیجہ خود خطبہ نکاح کرتی ہیں۔ اور پیغمبر اسلام بجائے اقرار کرنے کے اور اس موقعہ کو غنیمت سمجھنے کے فرماتے ہیں کہ میں اپنے بزرگوں سے مشورہ کر لوں؛ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ خدیجہ کی زبانی عقد نکاح کا نام سنتے ہی آپ کی پیشانی سے پسینے

کے قطرات ٹپکنے لگتے ہیں۔ گویا آپ مجسمہ عفت وحیا بن جاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ عقد کے معاملات میں آپ وہ طریقہ اختیار فرماتے ہیں جو اعلیٰ نمونہ عفت وحیا ہے۔ انسانی دور زندگی میں تمام مراحل سے زیادہ اہم مرحلہ نکاح وشادی ہے۔ انسان کی پوشیدہ نفسیاتی خواہشات جاذبہ جا کے اظہار کا ایک ہی موقع ہوا کرتا ہے اور انسان کسی نہ کسی صورت سے اپنی منشاء کو اس موقع کیلئے مخصوص کر لیتا ہے اور اس کا اظہار بھی کر دیتا ہے۔ اگر اس میں مادہ حیا کچھ بھی موجود ہے تو اس کو در پردہ ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ سو میں ننانوے تو اس موقع پر حیا و عفت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے ارادہ کو پورا کر لیتے ہیں۔ اور اس معاملہ میں وہ بزرگوں حتیٰ کہ والدین کی رائے کی بھی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔۔۔

علاوہ بریں ہر مرد عورت کے معاملہ میں چند امور کو مزید پیش نظر رکھتا ہے۔ اول یہ کہ وہ صاحب جمال ہو، دوم یہ کہ وہ کم سن ہو۔ سوم یہ کہ وہ کنواری ہو، چہارم یہ کہ وہ شریف خاندان سے ہو، پنجم یہ کہ وہ عاقل و فرزانہ ہو، ششم یہ کہ وہ ایسی عمر کی عورت ہو کہ اس سے اولاد کثیر پیدا ہو سکے تاکہ اس کا نام و نشان باقی رہے۔۔۔

خدیجہ میں اس میں سے بہت سی باتیں موجود نہ تھیں، اول تو خدیجہ کا سن قریب ۴۰ یا اس کے پہنچ چکا تھا اور ان میں اولاد ہونے کی صلاحیت کے صرف چند سال باقی رہ گئے تھے۔ عموماً عورت ۴۵ سال اور زیادہ سے زیادہ پچاس سال کے بعد بچہ جننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ لہذا خدیجہ اس لحاظ سے نقص رکھتی تھیں۔ علاوہ بریں دو شوہر رکھنے کے بعد بیوہ ہو چکی تھیں۔

لہذا اصولی طور پر کسی کم سن اور شریف خاندان اور اعلیٰ منصب انسان کیلئے وہ کسی طرح موزوں نہ تھیں صرف ایسے ہی لوگ ان کے خواستگار تھے جو مال دنیا کے لحاظ سے شادی کرنا چاہتے تھے اور وہ اپنا زمانہ شباب دیگر عورتوں کے ساتھ گذار چکے تھے۔ اور اب اپنی بچی کھچی عمر میں ایک دولتمند عورت کرنا چاہتے تھے۔ اور آجکل بھی ادھیڑ عمر کے لوگ اسی قسم کے رشتہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور ایسے عقد ہوتے بھی رہتے ہیں مگر اس وقت کا نوجوان بھی چاہے وہ غریب ہو، کم خاندان یا کم علم ہو۔ ایسی عمر رسیدہ عورت سے شادی پسند نہیں کرے گا۔ مگر پیغمبر اسلام کا اس رشتہ کو قبول کر لینا اور خدیجہ کی خواہش کا احترام کرنا ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام میں بدرجہ اتم اور بمرتبہ کمال عفت نفس موجود تھی۔ لہذا آپ نے اپنی قوت نفس کا دخل نہ ہونے دیا۔ اور اپنی عقل و ادراک کو اس پر غالب رکھا اور خدیجہ سے اپنا عقد کر لیا۔ اور صرف عقد ہی نہیں کیا۔ بلکہ تاحیات خدیجہ دوسرا عقد نہیں کیا۔

خدیجہ اور پیغمبر اسلام کا ساتھ ۲۴ سال رہا۔ خدیجہ نے بعثت کے آٹھ سال بعد وفات پائی اور ان کی

عمر ۶۵ سال کی ہوئی، پیغمبر اسلام کے ساتھ جب عقد ہوا تھا تو ان کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اور پیغمبر اسلام کی عمر ۲۵ سال کی تھی، اور وقت وفات خدیجہ پیغمبر اسلام کی عمر قریب پچاس سال کے تھی، گویا پیغمبر اسلام نے اپنی پوری عمر خدیجہ کے ساتھ بہ محبت کامل گذار دی اور اس طرح خدیجہ کے بطن سے پیغمبر اسلام کے بیٹے قاسم، طاہر یا عبداللہ اور ایک بیٹی فاطمہ پیدا ہوئی۔

آپؐ نے خدیجہ سے ایسی محبت کی جو بعد کو دوسری زوجات کیلئے سبب حسد و رشک ثابت ہوئی۔ اور پیغمبر اسلام تا آخر عمر خدیجہ کی محبت و خلوص کے معترف رہے، ان تمام باتوں پہ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو اپنے قوائے نفس پر پورا قابو تھا۔ اور کبھی آپ نے خلاف قوانین عفت کوئی فعل نہیں کیا۔ اس موقعہ پر ایک واقعہ بیان کر دینا بیجا نہ ہوگا۔ اس واقعہ سے بخوبی ظاہر ہوگا کہ عفت پیغمبر اسلام میں کس حد تک تھی۔ اور آپ نے خدیجہ کے ساتھ کس محبت سے زندگی بسر کی تھی۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام صـ ۱۰۶ :-

قال ابن هشام حدثني من اثق به ان جبرئيل اتى رسول الله فقال اقرأ السلام من ربها فقال رسول الله يا خديجه هذا جبرئيل يقرئك السلام من ربك فقالت خديجه الله السلام ومنه السلام وعلى جبرئيل السلام

ترجمہ۔ ابن ہشام اپنے معتبر ذریعہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن پیغمبر اسلام پر جبرئیلؑ نازل ہوئے اور عرض کی کہ خدیجہ کو ان کے خدا کا سلام پہنچا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے خدیجہ یہ جبرئیل ہیں تم سے تمہارے خدا کا سلام کہہ رہے ہیں۔ خدیجہ نے جواباً کہا اللہ سلام ہے اور اس کی جانب سے سلامتی ہے اور جبرئیل پہ بھی میرا سلام ہو۔

(۲) خلاصۃ السیر محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری المتوفی ۶۹۴ھ فصل العاشر۔ :-

عن عائشه قالت كان رسول الله اذا ذكر خديجه لم يكد يسئم من ثناء عليها و استغفار لها فذكرها ذات اليوم فاحملني الغيرة فقلت لقد عوضك الله من كبيرة السن قالت فرايت رسول الله غضب غضبا شديدا وسقت في جلدي فقلت اللهم

عائشہ ناقل ہیں کہ پیغمبر اسلام خدیجہ کا ذکر فرماتے تھے تو ان کی تعریف اور ان کے لئے طلب مغفرت سے رکتے ہی نہ تھے۔ ایک روز مجھے رشک و غیرت آیا اور میں نے کہا کہ اب تو آپ کو خدا نے اس بڑھیا کے عوض ایک کم سن دلہن دیدی۔ میں نے دیکھا کہ آپ پہ شدید غیظ و غضب طاری ہوا اور میں لرز کر دل میں کہنے

ان اذهبت غضب رسولك لم اعد د اذکرها البسوٴ ما بقیت وقال کیف قلت واللہ لقد امنت بی اذ ترکنی الناس وادلتنی اذ رفضنی الناس و صدقتنی اذ کذبنی الناس ورزقت الولد حیث حرمتموہ۔

لگی کہ اے خدا اگر اس مرتبہ تو اپنے رسول کا غصہ ٹال دے گا تو زندگی بھر کبھی خدیجہ کو برا نہ کہوں گی۔ اتنے میں پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تم نے کیا سمجھ کر ایسا کہا۔ خدا کی قسم جب لوگوں نے مجھ کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ ایمان لائیں اور اس وقت مجھ کو پناہ دی جب سب چھوڑ کر چلے گئے تھے اور انہوں نے میری تصدیق کی جب لوگ مجھ کو جھٹلا رہے تھے۔ خدا نے ان سے مجھ کو اولاد مرحمت کی اور تم کو محروم رکھا۔

(۳) اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۸:۔

عن عائشہ ما غرت علی احد من ازواج النبی ما غرت علی خدیجہ وما لی ان اکون ادرکتہا وما ذاك الا لکثرۃ ذکر رسول اللہ لہا وان کان مما تذبح الشاۃ صدائق خدیجہ فیھدیھا

عائشہ سے مروی ہے کہ مجھے سوتاپے کا رشک جسقدر خدیجہ سے تھا آنحضرت کی کسی بی بی سے نہ تھا۔ میں نہیں جانتی کہ اگر میں ان کے ساتھ ہوتی تو مجھ پر کیا بن جاتی۔ میرا حسد اسلئے تھا کہ آنحضرت خدیجہ کا ذکر بکثرت کرتے تھے۔ اگر آپ ایک بکری ذبح کرتے تھے تو خدیجہ کی سہیلیوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ہدیۃً گوشت بھیجا کرتے تھے۔۔۔

مذکورہ حوالہ جات تاریخی سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کبیر السن بیوی خدیجہ کو بہت چاہتے تھے اور ان کی یہ محبت نوجوان و حسین زوجہ کے متوجہ کرنے کے بعد بھی کم نہ ہوئی اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کو اپنے نفس اور قوائے خواہشات پر اتنا کامل تصرف و قبضہ تھا کہ کسی حالت و کسی زمانہ میں بھی اس میں کمی و فرق پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی نظر حقائق، مصالح پر تھی۔ یہی تو وجہ تھی کہ آپ نے بعد وفات خدیجہ بھی عائشہ کو ٹوک دیا۔ اور اظہار غیظ و غضب کیا۔ کیونکہ کلام عائشہ پر اگر پیغمبر اسلام اظہار رضامندی کرتے تو یقیناً یہ الزام آجاتا کہ پیغمبر اسلام بھی خواہشات ذاتی سے مغلوب ہو جاتے تھے اور اقتضاء وقت سے کام لیتے تھے۔۔ مگر آپ کی برمحل ناراضگی نے دامن پیغمبر اسلام کو اس الزام سے صاف بچالیا اور معلوم ہو گیا کہ آپ کا ہر فعل مطابق عقل و حکمت تھا۔ اور قوانین عفت و حیا کے ماتحت تھا۔

پیغمبر اسلام کا عائشہ کے اعتراض و الزام کے جواب میں یہ کہنا کہ خدیجہ نے میری اس وقت تصدیق کی

جب لوگ مجھ کو اور میرے دین کو جھٹلا رہے تھے، خدیجہ نے اس وقت میری مدد کی جبکہ لوگ مجھ کو چھوڑ چکے تھے۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام پر کبھی خواہشات کا غلبہ نہیں ہوا۔ بلکہ آپؐ نے خدیجہ سے صرف اسلئے عقد کیا کہ وہ اول مومن و مصدق توحید و نبوت تھیں۔ چونکہ پیغمبر اسلام کو ایک دائمی دین کی تبلیغ کرنا منظور تھی لہٰذا آپؐ کیلئے عند العقل و حکمت یہی ضروری تھا کہ اس ذات کو اپنا کر لیا جائے۔ جو آپ کے امر کار تبلیغ میں معاون و مددگار ہو سکے اور اس طرح کار تبلیغ کو تقویت حاصل ہو۔

چونکہ خدیجہ نے سب سے پہلے تصدیق توحید و نبوت کر دی تھی اور نور ایمان ان کے دل میں جنوفگن ہو چکا تھا لہٰذا پیغمبر اسلام کو ان کی ہر ممکن عزت و احترام کرنا ہی تھا۔ خدیجہ مالدار ترین عرب تھیں۔ مگر خدیجہ نے اپنے کل مال کو تبلیغ دین مبین کیلئے وقف کر دیا تھا۔ اور پیغمبر اسلام نے تاسیس بنیاد اسلام میں اس کل مال و متاع کو صرف کر دیا۔۔۔

اس لحاظ سے بھی خدیجہ کا احسان اسلام پر تھا اور اس طرح بانیٔ اسلام بھی زیر بار احسان خدیجہ تھے۔ اگر اس کا حق ادا نہ کیا جاتا اور پیغمبر اسلام حسب رائے و اعتراض عائشہ خوشنودیٔ عائشہ کیلئے ترک ذکر و تعریف خدیجہ کر دیتے تو بیشک پیغمبر اسلام کا یہ فعل کسی طرح بھی مطابق حکمت نہ ہوتا۔ بلکہ خوشنودیٔ زوجہ خوشرو و جوان پیغمبر اسلام کیلئے خلاف قانون و اصول عفت ہوتی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے سخت ترین لہجہ اختیار فرمایا اور انتہائی غیظ و غضب کا اظہار کر کے اپنے دامن عفت کو الزام نفس پرستی سے صاف بچا لیا۔

عفت واقعہ سوم خصائل

چونکہ فضیلت عفت کے تحت۔ حیاء، رفق، حسن ہدیٰ، مسالمت، دعت، صبر، قناعت، وقار، ورع، انتظام، حریت اور سخاوت بارہ اجناس فضائل ہیں۔ لہٰذا ناظرین کے سامنے ایسے واقعات پیش کئے جاتے ہیں جو ان سب پر جداگانہ روشنی ڈالتے ہیں، اور ان سب اجناس کی مطابقت سے فضیلت عفت کا ثبوت حاصل ہوگا۔

(۱) حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۲۰۶:

دچوں شادمی شد دیدہ برہم می گذاشت و بسیار اظہار فرح می نمود، واکثر خندیدن آں حضرت تبسم بود وکم بود کہ صدائے خندہ آنحضرت ظاہر شود۔	جب آپ مسرور ہوتے تھے تو اپنی آنکھیں بند کر لیتے تھے۔ اور خوب اظہار مسرت فرماتے تھے لیکن بیشتر آپ کا ہنسنا صرف تبسم و مسکراہٹ ہوتا تھا اور آپ باواز بلند کبھی نہیں ہنستے تھے۔۔۔۔
(۲) دچوں بخانہ می رفت اوقات شریف خود را سہ قسمت می نمود و ہیچ کار دیگر نمی پرداخت	اور جب آپؐ اپنے گھر میں آتے تھے تو اپنے وقت کے تین حصہ کرتے تھے۔ ایک حصہ تو عبادت

جزئی برائے عبادت حق تعالیٰ و جزئی برائے زنان واہل خود و جزئی برائے خود و جزئی که برائے خود گذاشته بود بر مردم قسمت می نمود ـ...

خدا میں صرف فرماتے تھے اور دوسرا حصہ اپنے اہل وعیال میں خرچ کرتے تھے۔ اور تیسرا حصہ اپنی ذات کیلئے مخصوص تھا۔ مگر اسی حصہ میں دوسرے افراد کا بھی کام کرتے تھے۔

(۳) وکسے را با جرمش وخطا سخن مواخذه نمی فرمود ہے۔[۲۰]

اگر کسی سے کوئی خطا یا جرم سرزد ہو جاتا تھا تو اس سے مواخذہ کی بات نہیں کرتے تھے۔

(۴) وامورش ہمه معتدل بود وافراط وتفریط واختلاف در کارہائش نه بود و ہرگز غافل از احوال مردم نمی شد۔

آپ کے تمام کام اعتدال پر مبنی و منحصر تھے افراط و تفریط اور اختلاف آپکے کاموں میں نہ تھا اور آپ ہمہ وقت لوگوں کے کاموں سے باخبر رہتے تھے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔

(۵) بزرگ ترین مردم نزد او کسے بود که مواسات ومعاونت واحسان ویاری بمردم بیشتر می کند ـ...

۵۔ پیغمبر اسلام کے نزدیک سب سے زیادہ قابل عزت و بزرگ شخص وہ تھا جو دوسروں کے ساتھ غم خواری، امداد و احسان اور نصرت زیادہ سے زیادہ کرتا ہو۔

(۶) وخلق عمیم اش ہمه خلق را گرفته بود و ہمه کس نزد او در حق مساوی بودند مجلس شریف مجلس بردباری وحیاء، راستی و امانت بود، صدا ہا دراں بلند نمی شد و بد کسے دراں گفته نمی شد واگر از کسے خطائے صادر می شد نقل نمی کردند ہمه با ہمدیگر در مقام عدالت وانصاف و احسان می بودند ـ...

۶۔ پیغمبر اسلام کا خلق عام سب کیلئے عام تھا آپ کے نزدیک سب حق میں مساوی تھے آپ کی مجلس صرف بردباری، حیاء سچائی، اور امانت داری کی مجلس ہوتی تھی اس میں شور نہیں ہوتا تھا۔ اس میں کسی کی برائی نہیں کی جا سکتی تھی، کسی سے اگر خطا ہو جائے تو اس کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا، تمام حاضرین باہم مقام عدالت و انصاف و احسان میں رہتے تھے۔

(۷) کسے از ہمنشیں او متضرر نمی شد و زشت خود درشت گو نبود و صدا بلند نمی کرد و فحش نمی گفت وعیب مردم نمی کرد و کسے از و ناامید نبود و با کسے مجادله نمی کرد و بسیار

پیغمبر اسلام کی ہمنشینی سے کسی کو ضرر نہیں پہنچتا تھا۔ نہ آپ کی عادت بری تھی نہ آپ سخت مزاج تھے۔ کبھی با آواز بلند زور سے نہیں بولتے تھے۔ کبھی فحش بات زبان پر نہیں لاتے

سخن نمی گفت.............

....

(۸) حیات القلوب ص۲۰۸ :-

سکوت آنحضرت بر چہار وجہ بود یا بر وجہ حلم بود کہ در برابر جاہلے کہ نا ملائم گوید انہ وے بر دبارہ ی یا ساکت شود یا از برائے حذر از ضرر بود یا برائے اندازہ قدر ہر کس بود یا برائے تفکر اندازہ ....

برائے آنحضرت جمع شدہ بود حلم و صبر پس ہیچ امرے او را بغضب نمی آورد و از ہیچ چیز از جا بدر نمی آمد ...

کبھی کسی کے عیب بیان نہیں کئے۔ کوئی بھی ان سے ناامید نہیں ہوتا۔ کسی سے وہ جھگڑا نہیں کرتے تھے۔

پیغمبر اسلام کی خاموشی چار وجہ سے ہوتی تھی۔ یا تو بوجہ حلم کے جبکہ کوئی جاہل انسان کلام نامناسب کرے۔ یا کسی کے ضرر پہنچانے کے خیال سے۔ یا بلحاظ حفظ مراتب انسانی یا کسی معاملہ اور اندازہ کے غور و فکر کی وجہ سے پیغمبر اسلام میں حلم و صبر جمع ہوگیا تھا۔ کوئی بات انکو غضبناک نہیں کرتی تھی۔ اور کسی وجہ سے بھی ان کے استقلال میں فرق نہیں آتا تھا۔

ناظرین نے عبارت مذکورہ پر غور کیا ہوگا۔ یہ تمام صفات ایسے ہی انسان میں جمع ہوسکتے ہیں۔ جو اپنے نفس اور قوائے شہوانیہ و غضبیہ پر کامل تصرف رکھتا ہو۔ نہ اس کو کوئی خواہش نفسی مغلوب کرسکے نہ کوئی غصہ کی بات ناجائز کام پر آمادہ کرسکے۔ نہ کسی کے حق کو غصب کرنے کا خیال اپنے فائدہ کی غرض سے اس کے دل و دماغ میں آئے۔ اس کا سلوک اور برتاؤ ہر صنف کے انسان کے ساتھ عادلانہ و مساویانہ ہو۔ اس کو اپنے نفس و قلب و دماغ پر اتنا قابو کہ اسکو نہ حرص، نہ غصہ، نہ حظ نفس، نہ اقتدار جاہ طلبی، نہ ملک گیری کا جذبہ کوئی شے بھی راہ اعتدال سے قدم نہ ہٹا سکے۔

عفت، قناعت واقعہ چہارم

(۱) حیات القلوب جلد دوم ترجمہ :-

امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ پیغمبر اسلام کا لباس پرانا ہوگیا تھا۔ ایک شخص خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بارہ درہم ہدیہ کے طور پر پیش کئے۔ پیغمبر اسلام نے علی ابن ابی طالب سے فرمایا۔ اے علی یہ درہم لے جاؤ اور میرے لئے لباس خرید لاؤ۔ علی نے کہا کہ میں بازار گیا اور بارہ درہم میں ایک پیراہن خرید کیا۔ جب میں خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا تو آپ نے لباس کو دیکھا اور فرمایا کہ اے علی اس سے کم درجہ کا لباس میں پسند کرتا ہوں۔ اے علی یہ ممکن ہے کہ تم دوکاندار سے کہو کہ یہ واپس لے لے۔ علی نے عرض کیا۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں کہ دوکاندار واپس لیگا یا نہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا اچھا جاؤ اور کوشش کرو کہ یہ لباس واپس ہوجائے۔ بہرحال میں

دوکاندار کے پاس واپس گیا اور اس سے کہا کہ خدا کا رسول اس لباس کو نہیں چاہتا تم واپس لے لو وہ دوکاندار راضی ہوگیا اور اس نے روپیہ واپس کر دیا۔ جب وہ روپیہ آپ کو مل گیا تو آپ وہ روپیہ لیکر میرے ساتھ بازار آئے اثنائے راہ میں دیکھا کہ ایک کنیز راستہ میں بیٹھی رو رہی ہے۔ آپؐ نے کنیز سے دریافت کیا کہ کیوں روتی ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے مالک خانہ نے مجھ کو چار درہم دیئے تھے کہ میں بازار سے سودا خرید کر لاؤں۔ وہ درہم کھوگئے ہیں اب میری ہمت نہیں ہوتی کہ گھر واپس جاؤں۔ پس آپؐ نے اپنے بارہ درہم سے چار درہم اس کو عطا فرما دیئے اور کہا کہ تو اپنے گھر واپس چلی جا۔ پھر آپ بازار تشریف لائے اور چار درہم کا ایک لباس خرید کیا اور شکر خدا ادا کیا۔ جب آپ واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں ایک برہنہ انسان کو دیکھا اور اس کی درخواست سنی تو آپ نے لباس خرید کردہ اس کو عطا فرما دیا۔ اور بازار واپس ہو کر باقی چار درہم کا دوسرا لباس خریدا اور شکر خدا کیا اور آپ پھر واپس ہوئے راستہ میں پھر اسی کنیز کو دیکھا کہ راہ میں بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اب راہ میں کیوں بیٹھی ہے کیوں اپنے گھر نہیں گئی۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ گھر سے نکلے ہوئے دیر ہو گئی ہے۔ اب گھر جاؤں گی تو مار پڑے گی آپ نے فرمایا کہ آگے آگے چل اور مجھے بھی ساتھ لے چل۔ کنیز آگے آگے اور پیغمبر اسلام اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ در خانہ پر پہنچ کر پیغمبر اسلام نے فرمایا۔

"سلام علیکم اے صاحبان خانہ" مکان کے اندر سے کوئی جواب نہیں آیا پھر آپ نے۔ "سلام علیکم یا اہل خانہ" فرمایا پھر جواب آیا پھر آپ نے سلام کیا۔ پھر جواب آیا علیک السلام یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ نے اہل خانہ سے فرمایا کہ میرے پہلے اور دوسرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ صاحبان خانہ نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ ہم جانتے تھے کہ آپ کے بار بار سلام کرنے سے ہمارے گھر کی سلامتی و برکت زیادہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری کنیز کو راستہ میں دیر زیادہ ہو گئی ہے اس کو کچھ نہ کہنا اور مواخذہ نہ کرنا۔ صاحبان خانہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہم نے اس کو آزاد کر دیا ہے۔۔

پیغمبر اسلام نے شکر خدا ادا کیا اور فرمایا کہ ایسے بارہ درہم کبھی نہیں دیکھے تھے۔ کہ جن کی برکت کا یہ حال ہے کہ دو برہنہ اشخاص کو اس سے لباس پہنایا گیا اور ایک کنیز کو ان کے ذریعہ سے آزاد کرا دیا گیا۔

عفت (قناعت) واقعہ پنجم نان گندم

(۱) حیات القلوب جلد دوم ص۲۱۵ :-

در حدیث صحیح منقول است کہ از حضرت صادق علیہ السلام پرسیدند کہ روایت کنند از پدر شما کہ حضرت رسول صلعم ہرگز از نان گندم سیر نہ شد، فرمود نہ چنین ست بلکہ نان گندم ہرگز نخورد و از نان جو ہرگز سیر نہ شد۔۔۔

ترجمہ :- حدیث صحیح میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے پدر بزرگوار سے روایت ہے کہ حضرت رسول صلعم نے کبھی گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ پیغمبر اسلام نے گیہوں کی روٹی تو ہرگز نہیں کھائی اور جو کی روٹی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی

واقعہ قرض خواہ

(۲)، ص۲۱۵ :-

از حضرت موسیٰ بن جعفر علیہم السلام منقول است کہ یہودی از حضرت رسول صلعم چند دینار می طلبید، روزے آمد و مطالبہ آں نمود۔ حضرت فرمود کہ اے یہودی ندارم کہ بدہم۔ یہودی گفت از تو جدا نہ شوم تا بدہی فرمود کہ پس می نشینم در ینجا با تو۔ آنحضرت باں یہودی دراں موضع نشست تا نماز ظہر و عصر و مغرب و عشاء و بامداد و دراں موضع کرد اصحاب آنحضرتؐ یہودی را تہدید و وعید می نمودند پس آنحضرت متوجہ ایشاں شد و فرمود کہ چہ کار دارید باد۔ گفتند یا رسول اللہ یہود ترا حبس کردہ است و نمی گذارد کہ بجائے روی۔ حضرت فرمود کہ حق تعالیٰ مرا مبعوث نگردانید است کہ ستم کنم بہ کسیکہ در امان است یا غیر او پس چوں

امام موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے منقول ہے کہ ایک بار ایک یہودی نے پیغمبر اسلام سے چند دینار طلب کئے آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس نہیں ہیں۔ اس کا اصرار بڑھتا گیا حتیٰ کہ اس نے کہا کہ میں جب تک آپ کو کہیں نہ جانے دوں گا جب تک آپ مجھ کو زر مطلوبہ نہ دینگے پیغمبر اسلام اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ نماز ظہر و عصر و مغرب و عشاء اور دوسرے روز نماز صبح آپ نے وہیں پڑھی اصحاب رسول جمع ہو گئے اور انہوں نے یہودی کو ڈرایا دھمکایا۔ تو رسول نے فرمایا کہ تم کو اس سے کیا کام ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس یہودی نے آپؐ کو گھیر رکھا ہے۔ اور آپ کو کہیں جانے نہیں دیتا ہے۔ آپؐ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ خدا نے مجھ کو اسلئے

روز بلند شد یہودی گفت :-
اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان
محمد عبدہ ورسولہ ۔

مبعوث نہیں کیا ہے کہ میں اس پر ظلم و ستم کروں
جسکو امان دی جا چکی ہے یا اس کے علاوہ
کسی اور پر ستم کروں۔ جب دوسرے روز
صبح ہو گئی تو اس یہودی نے پیغمبر اسلام کو دیکھ کر اسلام قبول کیا اور کلمہ شہادت خدا اور رسول زبان
پر جاری کیا۔

عفت (صبر) واقعہ ششم

(۳) حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۱۵ ترجمہ :-

امام موسیٰ بن جعفرؑ سے منقول ہے کہ بستر پیغمبر اسلام ایک عبا تھی اور آپ کا تکیہ ایک چمڑہ تھا۔
جس میں لیف خرما بھرا ہوا تھا، ایک شب ایسا ہوا کہ بہ نظر ترحم گھر والوں نے آپ کے اس بستر کو دو تہ
کر دیا تھا۔ تاکہ وہ نرم ہو جائے اور آپ کو زیادہ آرام مل جائے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا۔
آئندہ کبھی میرے بستر کو دو تہ نہ کرنا کیونکہ اس کی نرمی کی وجہ سے میں بدیر بیدار ہوا اور نماز صبح
کیلئے آج میں بہ نسبت دوسرے دنوں کے دیر سے اٹھ سکا۔

عفت (ورع) واقعہ ہفتم

(۴) حیات القلوب ص ۲۱۶ جلد ۲ :-

امام جعفر صادقؑ نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام ایک شب اپنی زوجہ ام سلمیٰ کے مکان میں تھے
نصف شب کے قریب ام سلمیٰ نے دیکھا تو پیغمبر اسلام کو بستر پر نہ پایا۔ ام سلمیٰ نے ہر چہار طرف تلاش
کیا۔ آخر دیکھا کہ آپ ایک گوشہ مکان میں کھڑے ہیں اور دونوں ہاتھ دعا کیلئے اٹھائے ہوئے
ہیں اور آپ رو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ :-

"اے خدا مجھ سے سلب کرنا ان چیزوں کو جو تو نے مجھ کو عطا کی ہیں۔ اور حاسد و دشمن کو مجھ پر
خوش و خرم ہونے کا موقعہ نہ دے۔ اے خدا مجھ کو اس برائی کی طرف نہ لوٹانا جس سے تو مجھ
کو نجات دے چکا ہے اور اے خدا مجھ کو ایک لحظہ کیلئے بھی نہ چھوڑ۔"

جب ام سلمیٰ نے پیغمبر اسلام کے یہ الفاظ دعا سنے تو آپ باواز بلند رونے لگیں۔ اور وہاں سے
واپس آئیں۔ جب پیغمبر اسلام نے ام سلمیٰ کے گریہ کی آواز سنی تو فرمایا کہ اے ام سلمیٰ کیوں روتی ہو۔
ام سلمیٰ نے عرض کیا اے خدا کے رسول میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں کیونکر نہ روؤں کہ
جب کہ آپ اس بلند مرتبہ پر ہیں کہ خدا نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں تو آپ ایسے الفاظ
کہہ رہے ہیں اور آپ گریہ کر رہے ہیں۔"

"آپ نے فرمایا اے ام سلمیٰ میں کیونکر ایمن ہو جاؤں جبکہ خدا نے صرف ایک لحظہ کیلئے یونس پیغمبر کو چھوڑ دیا

تھا کہ ان سے صادر ہوا جو صادر ہوا۔

عفت (سخا) واقعہ ہشتم

(۵) حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۶ :۔

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ایک بار پیغمبر اسلام کی خدمت میں ایک سائل آیا اور کچھ سوال کیا۔ آپ نے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ :۔

"کوئی ہے جو مجھ کو قرض دیدے۔ بس ایک شخص انصار میں سے اٹھا اس نے کہا کہ میرے پاس ہے آپ نے فرمایا کہ چار وسق (وزن عرب) خرما اس سائل کو دیدو۔ وہ خرمے سائل کو دیدئیے گئے اور ایک زمانہ گذر گیا وہ صحابی خدمت رسولؐ میں آیا اور اس نے خرمے طلب کئے آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ جب میرے پاس آجائیں گے دیدو نگا۔ کچھ روز کے بعد پھر وہ آیا اور قرضہ طلب کیا آپ نے فرمایا کہ جب ہوگا دیدوں گا۔ انشاء اللہ، پھر آیا، پھر یہی جواب سنا، پھر آیا پھر یہی جواب سنا۔ تو آخر اس نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ آپ بار بار کہہ چکے ہیں کہ انشاء اللہ جب آئے گا دیدوں گا۔ یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔"

پیغمبر اسلام بالفاظ حیات القلوب "حضرت در برابر سخن نا ملائم او تبسم فرمود" اس کی نامناسب گفتگو پر مسکراتے رہے اور فرمایا کہ کوئی ہے جو مجھ کو قرض دے۔ ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے پاس ہے آپ نے پوچھا کتنا ہے اس نے کہا جتنا آپ چاہیں آپ نے فرمایا کہ آٹھ وسق خرما اس مرد کو دیدو۔ اس انصاری نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے تو صرف چار وسق خرما آپ کو دیا تھا آپ نے فرمایا کہ چار وسق مزید میں نے تجھ کو بخشا۔

عفت (قناعت) واقعہ نہم

(۶) حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۶ :۔

در حدیث معتبر دیگر فرمود کہ چوں حضرت رسولؐ از عالم دنیا برفت نہ گذاشت درہم و دیناری و نہ غلامی و نہ کنیزی و نہ گوسفند و نہ شتری بغیر از شتر سواری خود و چوں برحمت الٰہی واصل شد زرہ اش در گرو ی بود نزد یہودی از یہودان مدینہ برائے بست صاع جو کہ از برائے نفقہ عیال خود از و بقرض گرفتہ بود و فرمود کہ در زمان آنحضرت نقرا در مسجد

امام جعفر صادق نے دوسری حدیث معتبر میں فرمایا کہ جب پیغمبر اسلام دنیا سے رحلت فرما گئے تو آپ نے نہ کوئی درم نہ دینا نہ غلام نہ کنیز نہ کوئی بکری نہ اونٹ بجز سواری کے اونٹ کے کچھ ترکہ نہیں چھوڑا۔ اور جب آپ کا وقت وفات آیا تو اس وقت آپ کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اس کو رہن کر کے آپ نے بیس صاع جو اپنے اہل و عیال کے

می خواہیدند شبے کہ بایشاں افطار کرد نزد ممبر خود در دیگ سنگے وسی نفر ازاں خوردند وسیر شدند وبقیہ آنرا از برائے زناں خود آوردند کہ ہمہ سیر شدند ــــ

لئے قرض لئے تھے۔ امام جعفر نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام کے زمانہ میں فقراء مسجد میں سوتے تھے۔ ایک رات ان کے ساتھ کھانا کھایا۔ ایک پتھر کی دیگ میں کھانا پکایا تیس افراد اس سے سیر ہو گئے باقی کھانا پیغمبر اسلام اپنے اہل وعیال کیلئے لے گئے اور وہ بھی سیر ہو گئے۔

عفت (قناعت) واقعہ دہم

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۷ :ـ

حضرت سر را بسوئے آسمان بلند کرد وگفت پروردگارا می خواہم یک روز سیر باشم وترا حمد کنم ویک روز گرسنہ باشم واز تو سوال کنم وفرمود کہ آنحضرت سہ روز از نان گندم سیر نشد تا برحمت الٰہی واصل شد ـ

پیغمبر اسلام نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا اے رب میں چاہتا ہوں کہ ایک روز سیر ہو کر کھاؤں اور تیرا شکر وثنا کروں۔ اور ایک روز بھوکا رہوں اور تجھ سے سوال کروں امام صادق نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام نے تین روز گیہوں کی روٹی سیر ہو کر کھائی اور خدا کی رحمت سے واصل ہو گئے۔ وفات ہو گئی۔

عفت (ورع) واقعہ یازدھم

حیات القلوب ص ۲۲۹ ترجمہ عبارت :ـ

ایک شخص خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا دیکھا کہ آپؐ ایک چٹائی پر سو رہے ہیں اور چٹائی پر سونے سے اس کے نشانات جسم پر ابھر آئے ہیں اور آپؐ کے سر کے نیچے لیف خرما کا تکیہ رکھا ہے کہ اس کے نشانات آپ کے رخسار پر پڑ گئے ہیں۔ پس اس شخص نے کہا کہ عجم وروم کے بادشاہ ریشم ودیبا کے بستروں پر سوتے ہیں، آپ ایسے بستر وتکیہ پر سوتے ہیں۔؟

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ قسم بخدا میں ان سے بہتر ہوں اور خدا کے نزدیک ان سے بہتر ومعزز تر ہوں، مجھ کو دنیا کی چیزوں سے کیا کام ہے۔ دنیا کی مثال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ایک سوار کسی درخت کے پاس سے گذرے اور کچھ اس درخت کے سایہ میں آرام کرے اور جب سایہ اس درخت سے ہٹ جائے تو وہ سامان اٹھا کر روانہ ہو جائے۔

عفت (ورع) واقعہ دوازدہم

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۳۳ :ـ

اصل عبارت فارسی :ـ

پست ترین طعام ہانگاہ می داشت مانند جو

پیغمبر اسلام بہت ہی معمولی غذاء کھاتے تھے۔

وخرما، ہر چہ می طلبیدند عطا می فرمود وبہ
زمین می نشست و بہ زمین طعام می خورد
و بر زمین می خوابید و نعل و جامہ خود را
پنبہ می کرد و در خانہ خود می گشود و گوسفند
را خود می دوشید و پائے شتر خود را خود می بست
و چوں خادم از گردانیدن آسیا ماندہ می شد
مدد او می کرد و آب وضو را بدست خود حاضر
می کرد و در شب و پیوستہ سرش در زیر بود
و در حضور مردم تکیہ نمی نمود و خدمت ہائے
اہل خود را می کرد و آزاد و بندہ کہ آں حضرت
را بضیافت می طلبیدند اجابت می نمود۔
اگر چہ از پاچہ گوسفندے بود و ہدیہ را قبول
می نمود اگر یک جرعہ شیر بود و تصدق را نمی
خورد و نظر بروئے مردم بسیار نمی کرد و ہرگز
از برائے دنیا بخشم نمی آمد و از برائے خدا غضب
می کرد و از گرسنگی گاہے سنگ بر شکم می بست
و ہر چہ حاضر می کردند تناول می فرمود و ہیچ
چیز را رد نمی فرمود و برد یمنی می پوشید و جبہ
پشم می پوشید و جامہ ہائے گندہ از پنبہ
و کتان می پوشید و اکثر جامہ ہائے آنحضرت
سفید بود و عمامہ بر سر می بست و ابتدائے
پوشیدہ جامہ را از جانب راست می نمود
و جامہ فاخرے داشت کہ مخصوص روز جمعہ
بود و چوں جامہ نو می پوشید جامہ کہنہ را می کند
و می بخشید و عبائے داشت کہ ہر جا کہ می

مثل جو و خرما۔ اور آپ سے جو کچھ مانگا جاتا
تھا آپ عطا فرما دیتے تھے، آپ زمین پر بیٹھتے
تھے زمین ہی پر کھانا کھاتے تھے، آپ زمین ہی
پر سوتے تھے۔ اپنے جوتے و لباس کو خود سی لیتے
تھے۔ مکان کا دروازہ خود کھولتے تھے، اپنی
بکری کو خود دوہتے تھے، اپنے شتر کو خود
باندھتے تھے، جب نوکر چکی چلانے سے تھک
جاتا تھا تو خود اسکی مدد کرتے تھے، وضو کا
پانی رات کو خود بھرتے تھے۔ آپ کا سر
ہمیشہ جھکا رہتا تھا۔ آپ لوگوں کی موجودگی
میں تکیہ نہیں لگاتے تھے، اپنے گھر والوں کی
خود خدمت کرتے تھے، آزاد یا غلام جو دعوت
میں بلاتا تھا شرکت کرتے تھے اگر چہ وہ دعوت
ایک پارچہ گوشت پر ہی کیوں نہ ہو، ہدیہ
کو قبول کرتے تھے اگر چہ وہ ایک جرعہ شیر ہی
کیوں نہ ہو، صدقہ نہیں کھاتے تھے۔ تادیر
لوگوں کی طرف نہیں دیکھتے تھے دنیوی معاملات
کیوجہ سے کسی پر غصہ نہیں کرتے تھے، خدا کے
بھوک کی وجہ سے کبھی کبھی پیٹ پر پتھر باندھ
لیتے تھے، جو کچھ بھی سامنے لایا جاتا تھا کھا
لیتے تھے۔ کسی چیز کو رد نہیں کرتے تھے۔
یمنی چادر اوڑھتے تھے ان کا جبہ اور موٹا لباس
کتان یا سوتی پہنتے تھے۔ اکثر آپ کا لباس
سفید ہوتا تھا، عمامہ سر پر باندھتے تھے لباس
سیدھی طرف سے پہلے پہننا شروع کرتے تھے

رفت دوتہ می کرد وتبر بر خود می افگند و،
انگشت نقرہ در انگشت کوچک دست راست
می کرد ۔۔۔۔۔۔۔۔۔
و با قصائے مدینہ می رفت برائے تشیع جنازہ
وعیادت بیماراں و با فقراء ومساکین می
نشست و باایشاں طعام می خورد و صاحبان
علم و صلاح و اخلاق حسنہ را دوست می
داشت و شریف ہر قوم را تالیف قلب می
نمود و خویشاں خود را احسان می کرد ۔۔۔
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ و آداب
ہر کس را رعایت می کرد و ہر کہ عذر می طلبید
قبول عذر می نمود و تبسم بسیار می کرد در
وقت نزول قرآن و موعظہ و ہرگز صدائے
خندہ اش بلند نمی شد و در خورش و
پوشش بر بندگان خود زیادتی نمی کرد و ہرگز
کسے را دشنام نداد و ہرگز زنان و خدمت
گاراں خود را نفرین نہ کرد و دشنام نہ نداد
و ہر آزاد و غلام و کنیز کہ برائے حاجتے می
آمد برمی خواست و با او می رفت و درشت
خو نہ بود و در خصومت صدا بلند نمی کرد و
بدی را بہ نیکی جزا می داد و بہر کہ می رسید ابتدا
السلام می کرد و ابتدائے بمصافحہ می نمود و
ہر مجلسے کہ می نشست یاد خدا می کرد و اکثر
نشستن آنحضرت رو بہ قبلہ بود و ہر کہ
نزد او می آمد او را گرامی می داشت وگاہے

آپ کا لباس فاخرہ بھی تھا مگر وہ جمعہ کو
پہنتے تھے۔ جب نیا لباس پہنتے تو پرانا لباس
خیرات کر دیتے تھے، اپنی عبا کو بچھا لیتے تھے
سیدھے ہاتھ کی چھنگلی میں چاندی کی انگوٹھی
پہنتے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اطراف مدینہ میں
مشایعت جنازہ و عیادت مرضا کیلئے
جاتے تھے، فقراء و مساکین کے ساتھ بیٹھتے
تھے۔ ان کے ہمراہ کھانا کھاتے تھے۔ صاحبان
علم و صلاح و اخلاق حسنہ کو دوست رکھتے
تھے، ہر قوم کے شرفاء کی تالیف قلوب کرتے
تھے۔ اپنے عزیزوں پر احسان کرتے تھے۔
ہر شخص کے آداب کا لحاظ رکھتے تھے۔ جو
عذر پیش کرتا تھا عذر قبول کرتے تھے وحی و
موعظہ کے اوقات کے علاوہ آپ تبسم زیادہ
کرتے تھے۔ آپ کے ہنسنے کی آواز کبھی بلند نہیں
ہوتی تھی، لباس و خوراک کے معاملہ میں اپنے
غلاموں پر زیادتی نہیں کرتے تھے، کبھی آپ
نے کسی کو گالی نہیں دی، کبھی آپ نے خدمتگاروں
اور عورتوں کو برا نہیں کہا، کبھی گالی نہ دی
جب کبھی کوئی آزاد یا غلام اپنی ضرورت سے
آپ کے پاس آتا تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے
اور اس کے ساتھ جاتے تھے۔ آپ سخت
مزاج نہ تھے، غصہ سے کبھی صدا بلند نہیں کرتے
تھے برائی کا بدلہ نیکی سے دیتے تھے۔ جب کسی
سے ملاقات ہوتی تو پہلے خود سلام کرتے تھے

ردائے خود را برائے او پہن می کرد و او را ایثار می نمود .... و شکار نمی کرد اما گوشت شکار می خورد۔

(ابن شہر آشوب)

اور خود مصافحہ کرتے تھے۔ جب کسی مجلس میں بیٹھتے تو ذکر خدا کرتے تھے۔ آپ رُو بہ قبلہ بیٹھتے تھے جو آپ کے پاس آتا اس کی عزت کرتے تھے۔ اور اس کیلئے اپنی عبا بچھا دیتے تھے اور اس پر ایثار کرتے تھے .... آپ شکار نہیں کرتے تھے۔ مگر شکار کا گوشت کھاتے تھے۔ (ابن شہر آشوب)

عفت مسامحت واقعہ سیزدھم

روزے با آنحضرت شخصے سخن می گفت و می لرزید فرمود کہ چرا از من می ترسی کہ من بادشاہ نیستم ....

(۳) حیات قلوب :۔
شیخ طبرسی گفتہ است :۔
شیخ طبرسی نے کہا ہے :۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا کچھ بات کر رہا تھا مگر کانپ رہا تھا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا تو مجھ سے کیوں ڈرتا ہے۔ میں بادشاہ نہیں ہوں ....

صبر و حلم واقعہ چہاردہم

از انس منقول است کہ گفت روزے اعرابی آمد و ردائے آنحضرت را بعنف کشید بحدے کہ در گردن مبارکش کنارہ ردا ماند پس گفت از مال خدا چیزے بمن دہ آنحضرت از روئے لطف باد التفات فرمود و خندید و فرمود کہ باو عطا دادند پس حق تعالیٰ فرستاد انك لعلى خلق عظیم۔

انس سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آیا اور پیغمبر اسلام کی ردا کو اس زور سے کھینچا کہ ردا کا کنارہ آپ کی گردن میں رہ گیا اور کہا کہ مال خدا سے مجھ کو کچھ دو۔ پیغمبر اسلام نے لطف سے اس سے بات کی اور آپ ہنسے اور آپ نے کہا کہ اسکو کچھ دیدو دے دیا گیا اسپر خدا نے آیت نازل کی کہ :۔

یقیناً اے محمد تم خلق عظیم پر قائم ہو۔

عفت سخاوت واقعہ پانزدھم

کتاب آئیڈیل پرافٹ خو: جہ کمال الدین مطبوعہ لنڈن صفحہ ۲۱ بحوالہ ترمذی۔ ترجمہ :۔
ابو ہریرہ اہل صفہ میں تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دن میں بہت بھوکا تھا کہ چل نہیں سکتا تھا

سڑک کے کنارہ بیٹھ گیا تھا۔ ابوبکر کا ادھر سے گذر ہوا، میں نے اپنا حال کہا اور قرآن کی ایک آیت پڑھی تاکہ میری بھوک پرشائد کچھ توجہ کریں مگر وہ چلے گئے اس کے بعد عمر ابن خطاب گذرے میں نے ان کے سامنے بھی قرآن کی آیت پڑھی وہ بھی چلے گئے۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام ادھر سے گذرے۔ ابوہریرہ کو دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ میرے ساتھ گھر چلو پیغمبر اسلام نے گھر پہنچ کر ایک ظرف میں دودھ رکھا ہوا دیکھا۔ معلوم ہوا کہ تحفۃً آیا ہے آپ نے ابوہریرہ سے کہا کہ سب اہل صفہ کو بلاؤ اس کے بعد آپ نے ابوہریرہ سے دودھ تقسیم کرایا اور سب سیر ہو گئے

سخاوت بعمر ۷ سال

۱۳ - کتاب مناقب ص ۲۲ :-

قالت ام علی علیہ السلام وکان فی صحن داری شجرۃ وقد یبست وخلست دلھا زمان یابسۃ .... علی صبیان بنی ھاشم

علی ابن ابی طالب کی والدہ گرامی نے فرمایا کہ میرے مکان کے صحن میں ایک درخت خرما تھا۔ جو خشک ہو گیا تھا اور اس کو خشک ہوئے زمانہ دراز گذر چکا تھا۔ ایک روز محمد بعمر کم سنی اس کے پاس آئے اور اس کو مس کیا اس کے بعد وہ درخت سرسبز ہوا اور اس میں رطب آنے لگے۔ میں اس درخت کے رطب ایک تھیلی میں محمد کیلئے جمع کر رکھتی تھی۔ جبکہ وقتِ دوپہر ہوتا تھا تو محمدؐ میرے پاس آتے اور کہتے کہ اے چچی جان مجھ کو رطب دیدیجئے اور میں ان کو رطب کا تھیلہ دیدیا کرتی تھی اور وہ اس کو باہر لے جا کر بنی ہاشم کے بچوں پر تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کا روزانہ کا معمول تھا۔

عفت قناعت واقعہ شانزدہم

۱۴ کتاب مناقب ص ۲۹ :-

وقال اھل مکہ ترکت ملّت قومک وقد علمنا .... من اغنائنا۔

قریش مکہ نے پیغمبر اسلام سے کہا کہ تم نے اپنی قوم کے دین کو ترک کر دیا اور ہمکو معلوم ہوا ہے کہ آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔ مگر صرف فقر و غربت کی وجہ سے۔ اگر ایسا ہے تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تمہارا شمار بھی ہمارے اغنیا اور امراء میں ہونے لگے گا۔ تو پیغمبر اسلام نے ان کے جواب میں فرمایا:-

"اغیر اللہ اتخذ ولیا" کیا غیر خدا کو میں اپنا ولی بنا لوں ؟ - معنی یہ ہیں کہ مجھ کو تمہارے مال کثیر کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میرا یہ کام تبلیغ دین متین ہے اور میرا وارث حقیقی یا ولی

صرف اللہ کافی ہے۔

عفت، صبر واقعہ ہفدہم

۱۵ مناقب ص ۳۳ :۔

ونھی ابوجھل رسول اللہ عن الصلوٰۃ وقال عن رایت محمد الیصلی لاطان عنقہ الخ۔

ابوجہل نے پیغمبر اسلام کو نماز ادا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ اگر اب نماز ادا کرتے دیکھ لیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔

مگر پیغمبر اسلام نے برابر نماز ادا کی اور جان کی پرواہ نہ کی۔

عفت، صبر و وقار واقعہ ہشتدہم

۱۶ - مناقب ص ۳۳ :۔

تاریخ طبری وبلاذری انہ لما نزل فاصدع بما تؤمر صدع النبیؑ ونادی قومہ .... واسلم بعض الناس

ترجمہ :۔ طبری وبلاذری نے آیت فاصدع بما تؤمر کی تفسیر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ مطابق حکم قرآن جب پیغمبر اسلام نے ارادہ تبلیغ کیا اور اپنی قوم کو ندائے خطاب دی تو اہل مکہ مخالفت پیغمبر اسلام پر آمادہ ہو گئے اور سب نے اجماع کیا تو ابو طالب نے بہ نرمی معاملہ کو سلجھایا مگر فقام عتبہ والولید والوجہل والعاص الی ابی طالب فقالوا ۔ پس عتبہ ولید اور ابوجہل وعاص وغیرہ نے ابو طالب کو مخاطب کر کے کہا۔ اے ابو طالب تمہارے بھتیجے نے ہمارے خداؤں کو گالیاں دی ہیں ۔ ہمارے دین کو عیب لگائے ہیں ۔ ہمارے عقلا کو بیوقوف قرار دیا ہے۔ ہمارے بزرگوں اور آباء کو گمراہ کہا ہے۔ آپ یا تو محمد کو ایسا کرنے سے باز رکھیں یا ہمارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ ہم خود سمجھ لیں گے۔

فقال لھم ابو طالب قولاً رفیقاً وردھم رداً جمیلاً ۔ ابو طالب نے ان کے جواب میں بنرمی گفتگو کی اور بہت خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو واپس کیا اور پیغمبر اسلام اپنے خدا کے دین کی تبلیغ اسی طرح کرتے رہے اور دین اسلام کو اہل مکہ پہ پیش کرتے تھے اور آپؐ نے بعض اہل مکہ کو مسلمان بنا لیا ...

عفت، حسن ہدی و وقار ونبیل واقعہ نوزدہم

۱۷ - مناقب ص ۳۳ :

قال ابن اسحاق ان ابو طالب قال لہ — صاحب مناقب نے بحوالہ ابن اسحاق لکھا کہ

فی السر لا تحملنی من الامر مالا اطیق فظن رسول اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انہ واللہ ما اخذلك ابدا۔

کہ ایک روز ابوطالب نے تنہائی میں پیغمبر اسلام سے کہا کہ بیٹا مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کے برداشت کی مجھ میں طاقت نہ ہو۔ پیغمبر اسلام نے جب سنا تو آپ نے گمان کیا کہ شاید چچا ابوطالب دل برداشتہ ہو گئے ہیں۔ اور ان کو تنہا چھوڑ دینا چاہتے ہیں یا وہ اپنے کو میری نصرت کرنے میں کمزور و ضعیف محسوس کرتے ہیں تو پیغمبر اسلام نے چچا سے فرمایا :۔

یا عماہ لو وضعت الشمس فی یمینی والقمر فی شمالی ما ترکت ھذا القول الخ

اے چچا جان اگر میرے دست راست میں سورج رکھدیا جائے اور دست چپ میں چاند رکھدیا جائے تو بھی میں تبلیغ توحید کو ترک نہ کروں گا یہ کہہ کر پیغمبر اسلام اٹھ کھڑے ہوئے اور روتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ پس ابوطالب نے بھتیجے کو تسلی دی اور کہا اے محمدؐ جو تم چاہو کرو واللہ میں تم کو ہرگز تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ابوطالب نے چند شعر پڑھے جن میں دو شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

اشعار ابوطالب

واللہ لن یصلوا الیك بجمعھم
حتی اوسد فی التراب دفینا
وعرضت دینا قد عرفت بانہ
من خیر ادیان البریۃ دینا

۱ - ترجمہ :۔ بخدا اہل مکہ کی جماعت کبھی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی جب تک کہ ہم کو زمین میں دفن نہ کر دیا جائے۔

۲ - اے محمدؐ تم نے دین مبین پیش کیا ہے اور میں جانتا ہوں تمام دنیا کے دینوں میں سب سے بہتر دین اسلام ہے۔

عفت، صبر و تحمل واقعہ بستم

۱۸ - مناقب ص ۳۵ :۔

ابن عباس دخل النبیؑ الکعبہ و افتتح الصلوٰۃ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والقی علیہ ۔۔

پیغمبر اسلام کعبہ میں داخل ہوئے اور آپؐ نے نماز شروع کی۔ ابوجہل نے لوگوں سے خطاب

کرتے ہوئے کہا۔ کون ایسا ہے جو اس شخص کی نماز کو فاسد و خراب کردے پس ابن الزبعری کھڑا ہوگیا اور وہ خون اور گوبر و سرگین شتر، وغیرہ لایا اور اس نے حالت نماز میں پیغمبر اسلام پر لا ڈالا۔ اتنے میں ابو طالب عم رسول آگئے اور آپ نے یہ حالت دیکھتے ہی تلوار نیام سے کھینچ لی مگر مشرکین بھاگ گئے۔ ابو طالب نے کہا قسم بخدا ان میں کا کوئی کھڑا رہتا تو میں اس کے ٹکڑے کر ڈالتا۔ اس کے بعد ابو طالب نے پیغمبر اسلام سے دریافت کیا۔

یا ابن اخی من الفاعل بک ھذا۔ اے بھتیجے بتا وہ کون تھا جس نے ایسا کیا تھا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ عبد اللہ نے یہ حرکت کی تھی۔ ابو طالب نے وہ سرگین اور خون جمع کیا اور اس کو اٹھا کر عبد اللہ کے اوپر ڈال دیا۔

عفت، صبر و تحمل واقعہ بست و یکم

مناقب ص ۳۸ :-

لما توفی ابو طالب لم یجد النبی علیہ السلام ناصرا ونثروا علی راسہ تراب۔

جب ابو طالب عم رسول کی وفات ہو چکی تو پیغمبر اسلام کا کوئی مددگار و ناصر نہ رہا۔ اور لوگ پیغمبر اسلام کے سر پر خاک ڈال دیتے تھے۔

عفت، عفو، واقعہ بست و دوم

مناقب ص ۳۹ ترجمہ :-

جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ پیغمبر اسلام ایک درخت کے نیچے پہنچے آپ نے اپنی تلوار شاخ درخت میں لٹکائی اور خود زمین پر سو گئے ایک اعرابی آگیا اور اس نے تلوار اٹھالی اور پیغمبر اسلام کے سرہانے بہ ارادہ قتل کھڑا ہوگیا اتنے ہی میں پیغمبر اسلام کی آنکھ کھل گئی۔ یہ دیکھتے ہی اعرابی نے کہا :-

یا محمد من یعصمک الان منی۔ اے محمدؐ تم کو کون بچائے گا۔ پیغمبر اسلام نے اس کو جواب دیا۔ خدائے یگانہ بچائے گا۔ اتنا کہنا تھا کہ رعب پیغمبر اسلام سے اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر گئی۔ پس پیغمبر اسلام نے تلوار اٹھالی اور آپ کھڑے ہو گئے اور آپ نے کہا اے اعرابی اب مجھ سے تجھ کو کون بچائے گا۔؟ اعرابی کانپ گیا اور کہا :-

لا احد او انا اعھد ان لا اقتالک ابداً۔

مجھ کو اب کوئی نہیں بچا سکتا ہے اور میں عہد کرتا ہوں کہ میں آپؐ سے کبھی جنگ نہیں کروں گا۔ پس پیغمبر اسلام نے یہ سنتے ہی بہ نظر کرم عفو فرمایا اور اسکو آزاد کر دیا اور اس کی جان بخشی کی

عفت، عفو، لبست وسوم

مناقب آل ابی طالب ص۲۴ :-

پیغمبر اسلام یہودیوں کے قلعوں میں سے کسی قلعہ میں میسرہ کو ہمراہ لئے ہوئے داخل ہوئے تاکہ کھانے کیلئے روٹی وغیرہ خرید کریں۔ یہودی نے کہا کہ ہاں میرے پاس آپ کی مطلوبہ شے موجود ہے۔ اور اس کے بعد وہ گھر میں چلا گیا۔ اور اپنی زوجہ سے کہا کہ میں کوٹھے پر جاتا ہوں۔ جب یہ شخص داخل ہوگا تو میں اوپر سے اس پر پتھر پھینک دوں گا۔ وہ یہودی یہ کہہ کر کوٹھے پر چلا گیا۔ اور چکی کا پاٹ ساتھ لے گیا۔ اور اس نے پیغمبر اسلام پر وہ پتھر پھینکا مگر قدرت خدا سے وہ پتھر اسی کی گردن میں حلقہ بن گیا۔ اور وہ بیہوش ہوگیا۔ جب اس کو ہوش آیا تو چیخیں مار کر رونے لگا۔ پیغمبر اسلام نے اس سے پوچھا کہ کیوں روتا ہے۔؟ تو یہ بتا کہ کس نے تجھے ایسا کرنے کو کہا تھا۔۔

"یہودی نے کہا، اے محمد مجھ کو مال دنیا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ میں تو صرف تجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔ وانت معدن الکرم وسید العرب وعجم اعف عنی۔ مگر اے محمد آپ تو معدن کرم ہیں اور سردار عرب وعجم ہیں میری خطا معاف کردیجئے۔"

پیغمبر اسلام نے اس کو دیکھا اور معاف کردیا اور اس پتھر کو جو اس کی گردن میں پھنسا ہوا تھا نکال دیا۔۔

عفت، جامع الصفات لبست وچہارم

کتاب مناقب ص۶۶ مولفہ محمد بن علی مازندرانی مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۶ھ

وکان النبی علیہ السلام قبل البعثۃ موصوفا العشرین خصلۃ من خصال الانبیاء لو انفرد واحد باحد ھا لدل علی جلالہ فکیف من اجتمعت فیہ کان نبیاً، امیناً، صادقاً، حاذقاً، اصیلاً، نبیلاً، مکیناً فصیحاً - عاقلاً - فاضلاً عابداً، زاھداً، سخیاً، کمیاً قانعاً، متواضعاً، حلیماً، رحیماً

پیغمبر اسلام قبل بعثت کے بیس ایسی خصلتوں سے موصوف تھے جو خصائل انبیاء تھیں اور اگر ان میں سے ایک خصلت سے کوئی شخص موصوف ہوتا تو اس کی جلالت کیلئے کافی ہوتا۔ پھر جس میں بیس ایسی صفات جمع ہوگئی ہوں تو اس کی جلالت وقدر کا کیا مرتبہ ہوگا۔ پیغمبر اسلام نبی تھے امین، صادق، حاذق، اصیل، نبیل، مکین، فصیح عاقل، فاضل، عابد، زاہد، سخی، شجاع قانع، متواضع، حلیم، رحیم، غیور،

غیوراً، صبوراً، موافقاً، مرافقاً
لم یخالط، منجماً ولا کاھناً ولا
عیافاً۔

صابر، حامی، مددگار، کبھی آپ کسی
منجم اور کاہن و فال گیر وغیرہ سے نہیں
ملے۔۔۔۔

کتاب مناقب آل ابی طالب مولفہ محمد بن علی
مازندرانی ص ٦٧ ۔

عفت، قناعت، بست و پنجم

ولما شک فی موت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ و آلہ وسلم وضعت اسماء
بن عمیس یدھا بین کتفیہ فقالت
قد توفی رسول اللہ صلعم قد رفع
الخاتم لبطنہ کان شد علیہ الحجر
من الغرث ...

جب وقت وفات پیغمبر اسلام میں شک
ہوا کہ وفات ہو گئی یا نہیں تو اسماء بنت
عمیس نے اپنے ہاتھ کو آپ کے دو شانوں
کے درمیان رکھا اور کہا کہ پیغمبر اسلام نے
یقیناً وفات پائی ہے۔ پھر آپ کے شکم مبارک
کا پٹکا اٹھایا گیا تو آپ کے شکم پر بوجہ گرسنگی
پتھر بندھا ہوا تھا۔

مناقب آل ابی طالب ص ٦٧ ۔

عفت، بست و ششم

ولد مسروراً مختوناً وما احتلم قط
لان ذلک من الشیطان۔

پیغمبر اسلام جب پیدا ہوئے تو آپ مسرور
اور مختون تھے۔ آپ کو تمام زندگی کبھی
احتلام نہیں ہوا۔ کیونکہ وسوسہ شیطان سے ہوتا ہے۔

کتاب مناقب آل ابی طالب ص ٧٩ ۔

عفت، بست و ہفتم

وکان النبی احکم الناس واعلمھم
واشجعھم واعدلھم واعطفھم لم
تمس یدہ ید امرأۃ لا تحل واسخی
الناس لا یثبت عندہ دینار و
درھم وان فضل۔

پیغمبر اسلام سب سے بہتر حاکم سب سے
زیادہ عاقل، سب سے زیادہ شجاع
سب سے زیادہ عادل و مہربان تھے
آپ نے کسی غیر محرم عورت کو کبھی ہاتھ سے
نہیں چھوا۔ آپ سب سے زیادہ سخی تھے۔
آپ کے پاس درہم و دینار باقی نہیں رہتا تھا۔ آپ سب تقسیم کر دیتے تھے۔

مناقب آل ابی طالب ص ٨١ ۔

عفت، وقار، بست و ہشتم

پیغمبر اسلام نے ابوہریرہ کو مزاح عرب سے منع فرمایا۔ پس ایک دفعہ ابوہریرہ نے کیا کیا

کہ پیغمبر اسلام کا جوتا چرا لیا اور اس کو لعوض رطب کے رہن کردیا اور پیغمبر اسلام کے سامنے رطب لاکر کھانے شروع کردیئے۔ پیغمبر اسلام نے پوچھا۔ ابوہریرہ کیا کھا رہے ہو؟ ابوہریرہ نے عرض کیا۔ فقال نعل رسول اللّٰہ ۔ میں رسول خدا کے جوتے کھا رہا ہوں۔ آپ خاموش ہو گئے اور آپ نے مزاح عرب کو منع فرمایا۔

مزاح دین ۔ صنہ :۔ پیغمبر اسلام نے ایک بار ایک عرب عورت جس کا نام اشجعیۃ تھا فرمایا یا اشجعیۃ لاتدخل العجوز الجنۃ۔ اے اشجعیۃ جنت میں بوڑھی عورتیں داخل نہ ہونگی وہ عورت رونے لگی۔ بلال نے اس کو روتے ہوئے دیکھا تو پیغمبر اسلام سے اس کے گریہ کا حال بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے بلال ایسے ہی سیاہ رنگ بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ پس بلال اور وہ عورت دونوں بیٹھ کر رونے لگے۔ ان کو روتا ہوا عباس نے دیکھا اور پیغمبر اسلام سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ بوڑھا مرد بھی تو جنت میں داخل نہ ہوگا۔ پھر ان تینوں افراد کو اپنے پاس بلایا۔ اور ان کے قلوب کو مسرور خوش کیا۔ اور فرمایا کہ خدا بہترین صورت میں تم کو اٹھائے گا۔ اور فرمایا:۔

انھم یدخلون الجنۃ شباناً منورین کہ ایسے لوگ جوان بنا کر جنت میں داخل کیے جائینگے اور ان کے جسم و چہرے نورانی ہوں گے۔

عفت عفو، لبست و نہم

مناقب صـ۱۲۸ :۔

پیغمبر اسلام جب صاحب فراش تھے اور سخت بیمار تھے اور اسی بیماری میں آپ نے رحلت فرمائی اسی حالت میں آپ نے فرمایا کہ خدائے قدیر نے فرمایا ہے کہ ظالم کا ظلم معاف نہ کیا جائے گا۔ پس اے حاضرین میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ جس کا میرے ذمہ کوئی معاوضہ ہو وہ اس کا بدلہ مجھ سے لیلے۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

"فالقصاص فی دار دنیا احب الیّ من القصاص فی دار الآخرۃ علی روس الملائکۃ والانبیاء۔"

"دنیا میں بدلہ و قصاص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس قصاص و بدلہ سے جو آخرت میں لیا جائے جبکہ تمام ملائک و انبیاء موجود ہوں گے۔"

پس یہ سنکر ایک شخص حاضرین میں سے کھڑا ہو گیا۔ اس شخص کا نام سوادہ بن قیس تھا۔ اس نے عرض کیا کہ آپؐ طائف کو جا رہے تھے اور آپؐ ناقہ عضباء پہ سوار تھے اور آپ کے دستِ

مبارک میں ایک کوڑا تھا۔ آپ نے اپنے ناقہ پہ کوڑا اٹھایا اور مارنا چاہا کہ میرے شکم پہ وہ کوڑا لگا
پیغمبر اسلام نے جب یہ سنا تو بلال کو حکم دیا کہ فاطمہ کے گھر جاؤ اور ان سے وہ کوڑا مانگ لاؤ۔
جب بلال خانہ سیدہ پر پہنچے اور وہ کوڑا مانگا تو فاطمہ نے کہا کہ اس کو بابا بحالت مرض کیا کریں گے
بلال نے وجہ بیان کی فاطمہ رونے لگیں۔ وہ کوڑا لایا گیا۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے شیخ اپنا
قصاص لے لے تاکہ تو راضی ہو جائے۔ سوادہ بن قیس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اپنا شکم کھول
دیجئے اور مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں اپنا چہرہ آپ کے شکم پر رکھ دوں۔ پیغمبر اسلام نے اجازت
دی اس نے شکم مبارک کے بوسے لئے پیغمبر اسلام نے اس کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی۔

اللھم اعف عن سوادہ بن قیس کما عفا عن نبیک محمد۔

اے خدا سوادہ بن قیس کو معاف کر دے جیسا کہ اس نے تیرے نبی محمد کو معاف کیا۔

عفت، ورع، سی ام

کتاب صحیح بخاری ترجمہ مرزا حیرت کتاب الصوم۔

ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر رمضان میں
دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ سال آیا جس میں آپ کی وفات ہوئی ہے تو آپ نے بیس
دن اعتکاف کیا

عفت، صبر و قناعت، سی و یکم

صحیح بخاری کتاب ھبہ ترجمہ پارہ دس۔

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ انہوں
نے عروہ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے بیشک ہم ایک ہلال دیکھتے تھے پھر دوسرا ہلال دیکھتے تھے
اسی طرح دو مہینہ میں تین ہلال دیکھ لیتے تھے۔ غرضیکہ دو مہینے کامل گذر جاتے تھے اور رسول
خدا کے گھروں میں آگ نہ جلائی جاتی تھی۔ عروہ نے پوچھا اے میری خالہ تمہاری زندگی کیونکر
ہوتی تھی، عائشہ نے کہا دو چیزوں کے سبب سے چھوارہ اور پانی، مگر ہاں رسول خدا صلعم
کے پڑوس میں کچھ انصار رہتے تھے اور ان کے پاس دودھ کے کچھ جانور تھے۔ وہ اپنے گھر سے
رسول خدا کیلئے دودھ بھیجتے تھے۔ تو وہ دودھ ہمیں پلا دیا کرتے تھے۔

عفت، مسامحت اجتناب رذائل، سی و دوم

بخاری پارہ ۱۱ کتاب الجہاد

رسول خدا صلعم فرمایا کرتے تھے۔

اللھم انی اعوذبک من العجز والکسل والجبن والھرم واعوذبک من الفتنۃ المحیا
والممات واعوذبک من عذاب القبر واعوذبک ان ارد الی ارذل العمر واعوذبک

من فتنة الدنیا۔

اے خدا میں پناہ مانگتا ہوں عجز و سستی و بزدلی و پیری سے اور پناہ مانگتا ہوں زندگی و موت کے فتنہ سے، میں پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں کہ ناقص عمر تک پہنچایا جاؤں اور دنیا کے فتنوں سے پناہ مانگتا ہوں۔

عفت، مروت، سی و سوم

صحیح بخاری پارہ ۱۱ کتاب الجہاد

محمد بن جبیر کہتے ہیں کہ مجھ سے جبیر بن مطعم نے بیان کیا کہ اس حالت میں کہ غزوہ حنین سے واپسی کے وقت وہ رسول خدا کے ساتھ جا رہے تھے اور آپ کے ہمراہ کچھ اور لوگ بھی تھے اثنائے راہ میں کچھ اعراب آپ سے لپٹ گئے اور آپ سے کچھ مانگنے لگے یہاں تک وہ درخت کے نیچے آپ کو لے گئے اور آپ کی چادر ان لوگوں نے اتار لی۔ پس نبی اللہ صلعم وہاں ٹھہر گئے اور آپ نے فرمایا کہ:۔

مجھے میری چادر دیدو اگر میرے پاس ان درختوں کے برابر بکریاں ہوتیں تو میں ان کو تم میں تقسیم کر دیتا، اور تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا۔ اور نہ بزدل۔

عفت، حیا، سی و چہارم

صحیح بخاری پارہ ۱۴ قصہ زید

ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمگین تھے جو اپنے پردہ میں رہتی ہو۔

عفت، وقار، حیا، سی و پنجم

صحیح بخاری پارہ ۱۴۔

عائشہ سے مروی ہے کہ نبی صلعم اس طرح ٹھہر ٹھہر کے بات کرتے تھے کہ اگر کوئی گننے والا حروف کا شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا۔

پارہ ۲۵ کتاب الادب صحیح بخاری۔

(۱) رسول خدا نے فرمایا ہے۔ تم سب میں اچھا وہ شخص ہے جو خلق میں تم سے اچھا ہو۔

(۲) پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ حیا ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

عفت، قناعت، مواسات، سی و ششم

صحیح بخاری پارہ ۲۷ کتاب الرقاق

مجاہد نے بیان کیا ہے کہ ابو ہریرہ کہتے تھے قسم خدا جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ بعض دفعہ میں بھوک کی وجہ سے زمین پر پیٹ لگا کر لیٹ جاتا تھا۔ اور بعض دفعہ پیٹ سے پتھر باندھ لیتا تھا اور ایک روز میں پیغمبر اسلام اور اس کے اصحاب کی راہ میں بیٹھ گیا اور وہاں سے ابو بکر گذرے

میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت پوچھی اسلئے کہ میرا مقصد سمجھیں اور مجھے کھانا کھلائیں۔ لیکن وہ
چلے گئے۔ پھر عمر گذرے ان سے بھی ایسے ہی کہا وہ بھی چلے گئے پھر ابوالقاسم محمد صلعم ادھر سے گذرے
مجھے دیکھ کر سمجھ گئے اور مسکرا کر فرمایا۔ اے ابوہریرہ۔ میں نے کہا لبیک یا رسول اللہ فرمایا
میرے ساتھ آئیں ساتھ ہولیا آپ مکان میں داخل ہوئے میں نے اندر آنے کی اجازت لی مجھے
اجازت دی۔ میں گیا۔ آپ نے ایک دودھ کا پیالہ دیکھا۔ پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا ہے گھر والوں
نے کہا کہ ایک عورت آپ کیلئے دے گئی ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابوہریرہ میں نے کہا لبیک یا رسول
اللہ فرمایا اہل صفہ کو بلالا۔ ابوہریرہ نے بیان کیا کہ اہل صفہ کے نہ رہنے کی جگہ تھی نہ کچھ کھانے
کا ٹھکانا تھا۔ مسجد میں پڑے رہتے تھے۔ جب کوئی صدقہ کا مال آتا رسول اللہ خود نہ لیتے
انہیں کو بھیج دیا کرتے تھے اور اگر کوئی تحفہ آتا تو کچھ اپنے لئے رکھ لیتے اور کچھ انہیں بھیج دیتے
اس وقت مجھے برا معلوم ہوا کہ یہ دودھ ان لوگوں کو دیا جائے۔ اور دل میں خیال ہوا کہ یہ
دودھ کا پیالا اہل صفہ کو کیسے کافی ہو سکتا ہے۔ اسے میں پی لیتا تو میری سیری ہو جاتی۔
جب اہل صفہ آئیں گے تو یہ دودھ ان کو دیا جائے گا تو میرے لئے کچھ نہ بچے گا۔ اور اللہ کے
رسول کے حکم بجالانے کے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ میں اہل صفہ کو بلا لایا۔ حضور نے مجھے فرمایا
کہ اے ابوہریرہ انہیں یہ دودھ پلاؤ۔ میں نے ایک کو دیا اس نے پی کر مجھے دیا پھر میں نے دوسرے
کو دیا اس نے پی کر مجھے دیا ایسے ہی سب پی چکے اور رسول کریم کی باری آگئی آپ نے پیالہ ہاتھ پر
رکھ کر میری طرف دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا تو اور میں باقی رہ گئے۔ میں نے کہا بیشک آپ نے
فرمایا بیٹھ اور پی میں نے بیٹھ کر پیا۔ پھر بااصرار کہا اور پی میں نے اور پیا۔ آپ نے پھر اصرار
سے پلایا۔ آخر کار میں نے کہا۔ واللہ اب میرے پیٹ میں جگہ نہیں۔ فرمایا مجھے دے میں نے دیا
آپ نے اللہ کی تعریف بیان کی اور بسم اللہ کہہ کر باقی بچا ہوا دودھ نوش فرمایا۔

عفت، صبر و قناعت، سی و ہفتم

صحیح بخاری پ ۲۶ کتاب الرقاق ترجمہ:-

(۱) عائشہ نے کہا اہل وعیال نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب سے آپ مدینہ میں تشریف لائے
آپ کی وفات کے وقت تک تین رات متواتر گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

(۲) عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ کا بستر چمڑے کا تھا اس میں کترنیں وغیرہ بھری ہوئی تھیں۔

(۳) قتادہ نے بیان کیا کہ ہم انس کے پاس آئے ان کے پاس ان کا باورچی کھڑا ہوا تھا ہم سے انس نے
کہا کہ کھاؤ اور بیان کیا کہ میں نہیں جانتا کہ رسول خدا صلعم نے وفات کے وقت تک پتلی چپاتی اور

سالم بکری بھنی ہوئی اپنی آنکھ سے بھی دیکھی ہو۔

(۴) عائشہؓ نے بیان کیا کہ ہمیں چولہے میں آگ جلائے ہوئے ایک ایک مہینہ گذر جاتا تھا۔ اور فقط چھوارے اور پانی کھاتے تھے۔ مگر کہیں سے ذرا سا گوشت آجاتا تو وہ پکا لیتے تھے۔

عفت، سخاوت و ایثار

کتاب صحیح مسلم سے خواجہ کمال الدین نے اپنی کتاب آئیڈیل پرافٹ میں نقل کیا ہے۔ ترجمہ ص ۳۱۰:۔

مقداد کا بیان ہے کہ فاقوں نے میری اور میرے رفقاء کی آنکھوں کی روشنی زائل کر دی تھی۔ ہم نے بہت سے لوگوں سے مانگا اور چاہا کہ روزانہ کا کھانا کہیں مقرر ہو جائے۔ مجبور ہو کر اپنا حال پیغمبر اسلام سے عرض کیا۔ آپ ہمکو اپنے گھر لے گئے اور تین بکریاں ہمیں عطا کر دیں اور کہا کہ ان کا دودھ پیا کرو۔

عفت، مساوات بین النساء کا ثبوت

صحیح بخاری پارہ ۲۶ :۔

(۱) سہیل بن سعد نے روایت کی ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ جو اپنی زبان اور شرمگاہ کا ضامن ہو۔ میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں۔

(۲) صحیح بخاری پارہ ۱۰ کتاب الہبہ مترجمہ مرزا حیرت دہلوی ص ۳۵۶ :۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب نبی صلعم بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری بڑھ گئی تو آپ نے اپنی بیبیوں سے اسبات کی اجازت طلب کی کہ آپ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے۔ چنانچہ سب نے آپ کو اجازت دیدی۔ پس آپ دو آدمیوں کے درمیان سہارا دیئے نکلے آپ کے دونوں پیر زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ اور آپ عباس کے اور ایک اور شخص کے درمیان میں تھے۔

عفت ۔ ناسخ التواریخ جلد اول ص ۳۴۷ وصایا رسول بہ علی :۔

(۳) یا علی ثلاثۃ یحسن فیھن الکذب المکیدۃ فی الحرب وعدتک ازوجتک والاصلاح بین الناس و ثلاثۃ مجالستھم تمیت القلب مجالسۃ الانواک و مجالسۃ الاغنیاء والحدیث مع النساء۔

اے علی تین موقعوں پر دروغگوئی پسندیدہ ہے۔ جہاد میں دشمن کو دھوکا دینا اپنی زوجہ کو وعدے وعید میں رکھنا۔ فتنہ و فساد سے لوگوں کو بچانے کیلئے۔ اور تین اشخاص کی ہمنشینی دل کو مردہ کرتی ہے۔ حسین تر کون کے ساتھ بیٹھنا، دولتمندوں کے ساتھ رہنا اور عورتوں سے باتیں کرتے رہنا۔

عفو، نوزدھم ۔ جنگ بدر میں امیہ بن خلف مارا گیا اس کا بیٹا صفوان اور عمیر ابن وہب

جسکا لڑکا مدینہ میں اسیر تھا۔ دونوں نے عہد کیا کہ محمد کو قتل کر دیا جائے۔ عمیر نے تلوار حمائل کی اور مدینہ گیا پیغمبر اسلام مسجد میں تھے عمیر کو شمشیر بکف دیکھ کر فرمایا۔ عمیر کیسے آنا ہوا عمیر نے بتانے سے انکار کر دیا۔ پیغمبر نے خود صفوان اور اس کے معاہدہ کی خبر دی اور فرمایا اے عمیر تمہاری تلوار میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، عمیر تادیر سکوت میں رہا اور اس نے عفو و بخشش چاہی اور وہ مسلمان ہوگیا۔ پیغمبر نے اس کی خطا معاف فرمائی۔ ابن ہشام جلد دوم صـ۳۲ ۔

استنباط نتائج | باب عفت پیغمبر اسلام کو واقعات تاریخی سے پیش کیا گیا۔ واقعات مذکورہ سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ تصویر عفت ہے اور آپکے ہر فعل سے عفت اور اجناس تحت عفت، حیا رفق، حسن ہدی، مسالمت، دعت، صبر، قناعت، وقار ورع، انتظام، حریت، سخاوت، کرم، ایثار، عفو، مروت، نبل، مواسات، سماحت وسامحت، وغیرہ پر روشنی پڑتی ہے، اور آپ کی ذات گرامی میں یہ تمام اجناس فضائل بہتات کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ باب شجاعت و باب حکمت میں آپ نے غزوات پیغمبر اسلام کو پڑھا۔ اگرچہ وہ سب لڑائیاں تھیں اور سخت ترین دشمنان اسلام، طاقتور ترین اعدائے رسول سے لڑائیاں ہوئی تھیں ایسے مواقع پر بجا بے جا ہر قسم کا فعل انسان سے سرزد ہو جاتا ہے۔ اور اس کا جذبہ انتقام اس کو افراط کی جانب مائل کر دیتا ہے اور وہ ایسے مواقع پر ظلم کا مرتکب ہو جاتا ہے...

مگر آپ کسی ایک واقعہ سے بھی یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ پیغمبر اسلام پر خواہش نفس نے غلبہ پایا ہو۔ اور آپ نے اپنے حصول مقصد کے لئے کوئی فعل خلاف قوانین عفت کیا ہو۔ عفت کی تعریف حکماء و فلسفیین کے نزدیک یہی ہے کہ انسان قوت شہوانیہ سے مغلوب نہ ہو۔ اور اس کو قوت عقل کے ماتحت رکھتے ہوئے جائز افعال کا مرتکب ہو۔ یہ خواہشات دو طرح کی ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اپنے حصول مقصد کے لئے اس کو جنگ کرنا پڑے۔ اور وہ جنگ بڑی بڑی لڑائیوں کی شکل میں تبدیل ہو جائے۔ یا انسان اپنی خواہش نفسانی کی وجہ سے کوئی فعل خلاف قوانین عفت کر بیٹھے۔ ان دونوں صورتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے۔ واقعات حیات پیغمبر اسلام کا مطالعہ کر جائیے۔ آپ کو ہر موقعہ پر نمایاں طور پر یہی نظر آئے گا کہ پیغمبر اسلام کا ایک ایک لمحہ حیات قوانین عفت کی تصویر کشی کر رہا ہے۔ اور کسی موقعہ پر آپ جذبہ بشری سے مغلوب نہیں ہوتے۔ بلکہ جو طریق کار اختیار فرماتے ہیں وہ بلحاظ فعل نمونہ کمال انسانی نظر آتا ہے۔ اس موقعہ پر یہ ممکن تو تھا کہ میں واقعات غزوات کو پھر نقل کرتا اور اس کے ہر پہلو سے ثابت کرتا کہ پیغمبر اسلام کا ہر فعل مطابق قوانین عفت تھا۔ مگر بوجہ طوالت ترک کرتے ہوئے ناظرین کتاب

ہی کو موقعہ دیتا ہوں کہ وہ خود ان واقعات پر نظر ثانی کر کے جانچ کر لیں تو وہ میرے قول کی تصدیق کرنے پر مجبور ہوں گے۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پیغمبر اسلام جیسی با اقتدار ذات جو ابتدا میں سرداران قریش اور شجاعان بنو ہاشم کی اولاد ہو اور قبائل عرب میں اعلیٰ ترین نسب رکھتی ہو جس کے اجداد سیّدانِ عرب صاحبِ مسند ہوں اور سرزمین عرب کے مشہور معبدِ کعبہ کے متولی ہوں۔ اور ان کی شجاعت، دولت، ثروت و فضیلت تمام قبائل عرب میں تسلیم شدہ ہو۔ وہی ذاتِ یکتا جب ۲۵ سال کی عمر تک پہنچے اور عرب کی امیر ترین خاتون خدیجہ اس سے شادی کر لے اور خدیجہ عرب کی متمول ترین شخصیت اور شہرۂ آفاق تاجرہ اپنی تمام دولت اس ذات کی نذر کر دے اور اس کی دولت کی کوئی حد نہ رہے تو اس حالت میں ایک نظر اس ذات والا صفات پر ڈالئے کہ:۔

(۱) یہ ذاتِ یکتا صفات (محمد صلعم) ایک تو امراءِ عرب اور سرداران عرب کی اولاد ہے۔
(۲) دوسرے ۲۵ سالہ عالمِ شباب کا سن ہے۔
(۳) عرب کی امیر ترین تاجرہ خاتون کی پوری دولت پر قبضہ ہے۔

اب ان تمام لوازماتِ فریبِ نفس اور سامان عشرت کی موجودگی میں اس ذات اقدس یکتا صفات (پیغمبر اسلام) نے از آغاز شباب تا آخر عمر اپنے نفس پر پورا پورا مکمل قابو رکھا۔ اور کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونے دیا جو قوانین و اصول عفت کے خلاف ہوتا۔ اور جب آپ کو فتوحات پر فتوحات حاصل ہوتی گئیں، قلعے پر قلعے فتح ہوتے گئے، شہروں پر شہر اور علاقوں پر علاقے حاصل ہوتے چلے گئے اور لاکھوں انسانوں پر حکومت قائم ہوتی گئی اور آپ کی حیثیت ایک شہنشاہ کی مانند ہو گئی۔ تو یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر کوئی فردِ بشر شان و شوکت اور جوش و خروشِ نفسانی سے بچ ہی نہیں سکتا اور کوئی قوتِ بشری ایسے عالم میں تقاضائے نفس اور جذبات و جوشِ انسانی کو روک ہی نہیں سکتی۔ یہ وہ مقامِ جلال و سطوتِ حکمرانی ہے جہاں پہنچ کر بڑے سے بڑا عادل، شجاع، عابد، زاہد، متقی پرہیزگار بھی ڈگمگا جاتا ہے۔ مگر۔

حوالجات سابقہ بتاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کے لباس کا انداز فقیرانہ رہا، بیویاں بحالت غربت زندگی گذارتی رہیں، بیٹی اور نواسے عالمِ عسرت میں گذر کرتے رہے۔ لاکھوں روپے اور لاتعداد چاندی اور سونا مال غنیمت میں آتا رہا، مال صدقہ و خمس و زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہو کر تقسیم ہوتا رہا۔ مگر پیغمبر اسلام کے گھر میں آگ تک نہ جلی اور گھر سے دھوآں بھی نہ اٹھا۔ سابقہ و مذکورہ حوالہ جات تاریخی بتاتے ہیں کہ:۔

پیغمبر اسلام کے شکم اقدس پر بوجہ گرسنگی (فاقہ کشی) پتھر بندھا رہتا تھا۔ اور وقت وفات بھی شکم پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپ کے گھر میں بقول ام المومنین عائشہ کے دو دو ماہ روٹی نہیں پکائی گئی۔ بقول ابوہریرہ اصحابِ صفہ و رفقائے پیغمبر اسلام فاقہ پر فاقہ کیا کرتے تھے۔

کیا اہل انصاف یہ سب کچھ دیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی زندگی نمونہ عفت و حیا نہیں ہے۔ کیا اب بھی ان حالات کی موجودگی میں پیغمبر اسلام کی زندگی پہ کوئی اعتراض نفس پرستی کر سکتا ہے۔ کسی وجہ سے یا مذہبی تعصب کی بنا پر کسی میں کوئی عیب نکال دینا یا کسی پر اعتراض کر دینا تو آسان ہے۔ کیونکہ یہ کام صرف جنبش نوک قلم یا جنبش نوکِ زبان سے بہت آسانی سے ہو سکتا ہے۔ مگر صاحبان علم و کمال جنبش زبان و قلم کی ذمہ داریاں جانتے ہیں۔ بعض غیر مذاہب کے متعصب مورخین نے پیغمبر اسلام کی عفت پہ ناپاک حملے کئے ہیں۔ اور یہ اعتراض کیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی تعدد ازدواج آپ کی عفت کے منافی ہے۔ مگر انہوں نے صرف تعداد ازواج پر معاندانہ نظر ڈالی اور ان واقعات سے نظر پھیر لی جو آپ کی عزت و تقدس نفس کو ظاہر کرتے ہیں۔ میں آئندہ سطور میں صرف تعدد ازدواج پر روشنی ڈالوں گا۔

عفت و حیا تعدد ازدواج، سی و ہشتم

موقف زنان۔ صاحبان علم جانتے ہیں کہ مورخین عالم نے اپنی کتب تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ عورت کا موقف مردان عالم کی نظر میں کیا رہا ہے۔ میں بہ نظر تعصب کسی قوم یا کسی مذہب کو نامزد نہیں کرنا چاہتا، مگر یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ جب سے تاریخ کا وجود ہے اسی وقت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ مردنے عورت کو اپنی ہوس رانیوں کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ اگر وہ بیٹی کی شکل میں پیدا ہوئی تو اس کو زندہ در گور کر دیا گیا، اگر وہ زوجہ کی شکل میں آئی تو۔ نمعلوم اس کو کتنی مرتبہ چھوڑا گیا اور نمعلوم کتنے مردوں سے بار بار رشتہ زوجیت قائم ہوا، وہ نیم عریاں بازاروں میں مثل حیوانات فروخت کی گئی۔ وہ سخت ترین محنتوں اور مشقتوں میں ڈالی گئی۔ وہ تخلیوں میں نشانہ ہوس رانی بنتی رہی۔ وہ محفلوں میں نچائی گئی، وہ درباروں میں مشغلہ تفریح بنائی گئی، اگر وہ بوڑھی ہو گئی اور بدرجہ مادری پہنچ گئی تو اس کی منزلت گھر کی پالتو بکری وگائے سے بھی بدتر سمجھی گئی۔ یہ سب کچھ تو اس وقت کا ذکر ہے۔ جس وقت کو عہد جاہلیت کہا جاتا ہے۔ اور موجودہ تہذیب کے انسان بہت سرخرو ہو کر اس عہد کو عہد جاہلیت کہہ کر اپنے چہرہ کی گرد مذلت کو جھاڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے کو اس بدنما داغ سے بری سمجھتے ہیں۔ مگر موجودہ تہذیب و تمدن کے زمانہ میں بھی عورت کا موقف عہد جاہلیت سے کم وحشتناک نہیں ہے عہد قدیم میں عورت کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا۔ اس کا انداز ظالمانہ، سفاکانہ تھا۔ مگر عہد موجودہ کا انداز پہلے انداز سے مختلف ضرور ہے۔ مگر بلحاظ نتیجہ کے پہلے انداز سے بھی بدتر اور مہیب ہے۔ آج بھی عورت کا

کوئی صحیح موقف کسی قوم کسی مذہب کے نزدیک کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اپنی پوزیشن کو صاف کرنے کیلئے میرے اس بیان کی تردید کردی جائے اور اپنے منہ آپ میاں مٹھو بن لیا جائے۔ مگر حقیقت ہر یہ ہے کہ عورت کا موقف دورِ جدید آج بھی پست سے پست تر ہے۔ آپ اس دورِ جدید و عہدِ مہذب کے انداز پر غور کیجئے۔ کہ عورت مرد کیلئے کیسا آلہ ہوس رانی بنائی گئی ہے۔۔

اگر وہ ابھی لڑکی ہے تو اس کو ترقی کے نام پر گھر سے بے گھر کیا جاتا ہے اور وہ دربدر خاک بسر کوچہ بکوچہ گھومتی ہوئی کسی مکتب یا اسکول پہنچتی ہے۔ اگر خوشحال گھرانے کی ہے تو ناشتہ کرکے ورنہ فاقے سے گھر سے صبح نکل جاتی ہے۔ اسکول میں پڑھتی ہے۔ کامل چھ گھنٹہ صرف کرکے واپس ہوتی ہے۔ یہ تو صرف اس کے بارہ سال کے سن تک کا حال ہے۔ اس کے بعد وہ نوجوانی کی سرحد میں قدم رکھتی ہے۔ فطری جذبات اس کے دل میں گدگدی کرتے ہیں۔ مگر وہ خاموش ہے۔ راہ گلی کے نظر پھینک آوارہ گرد اس کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ اشارے کرتے ہیں۔ مگر وہ بیچاری لمبے قدم کے ڈگ بھرتی اسکول یا گھر کی طرف بڑھتی جاتی ہے مگر تابکے آخر وہ کبھی نہ کبھی کسی کی ہوس کا شکار ہو جاتی ہے۔ مگر اپنی تعلیمات کی مساعی میں لگی رہتی ہے۔ آخر کیوں۔؟

اس کا جواب بہت دلگداز اور دل سوز ہے۔ صرف اسلئے کہ اس کے والدین کا کہنا ہے۔ کہ اگر وہ بے پڑھی رہ گئی تو اس کو تعلیمیافتہ شوہر پسند نہیں کرے گا۔ اس کا جواب اور بھی جگر سوز ہے۔ صرف اسلئے کہ وہ مرد اپنی خواہشات نفسانی کی آگ کو بجھانا چاہتا ہے۔ مگر یہ نہیں چاہتا کہ اس کی رفیقہ حیات کے خورد و نوش لباس و مکان کا بوجھ بھی اس کی کمائی پر پڑے۔ یا اگر اولاد ہو جائے تو اس کی پرورش کا بار بھی اس کی جیب پر پڑے۔ اس حقیقت کے پیش نظر عورت کو اس قابل بنتا ہے کہ وہ جب شوہر کے گھر پر جائے تو وہ معقول تنخواہ پاتی ہو بچے جنے تو انہیں کھلائے پلائے پہنائے اول تو خود پڑھائے ورنہ اسکول کی تعلیم کا بوجھ اٹھائے۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ شوہر کے ساتھ کلب بھی جائے اور اس کے دوستوں کی تفریح کا سامان بھی بنے۔ اور کلب کے آداب سے بھی پوری پوری واقف ہو۔ تاکہ رقص و سرود و مے نوشی و کیف اندوزی سے بہرہ اندوز ہو سکے اور دوسروں کو لطف اندوز کر سکے۔ اور پھر اسی پر ہی بس نہیں بلکہ وہ رات بھر کلب میں جاگنے کے باوجود صبح سویرے ناشتہ بھی تیار کرے یا کروائے ناشتہ کی میز سجائے اور پھر بچوں کی خدمات و ضروریات بھی انجام دے اور دیگر امور خانہ داری کی ذمہ داریاں بھی سنبھال سکے اور اگر ان لاتعداد خدمات میں سے کسی ایک میں بھی کمی رہ گئی تو پھر شوہر کی ابرو پر شکن ہے۔

اب دو ہی صورتیں ممکن ہوں گی کہ یا تو شوہر کسی دوسری بیگم سے دل لگا بیٹھیں گے اور اس بیچاری پر عالم

یا اس میں سکوت طاری ہو جائے گا۔ اور پھر یہ بھی کسی دوسرے صاحب کو اپنا ہدف نگاہ بنائے گی۔

یہ تصویر کا ایک ہی رخ ہے۔ دوسرا رخ اس سے بھی زیادہ بھیانک ہے۔ ابھی پوری جوانی تک عورت نہیں پہنچی کہ والدین نے اسکے لئے ماہر موسیقی استاد رکھ دیئے ہیں۔ رقص وسرود کی مشق جاری ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ سوسائٹی میں بلند مرتبہ مرد ایسی عورت کو پسند کرتے ہیں جو ہر قسم کے گانے ناچنے میں مشاق ہوتا کہ وہ شوہر کیلئے ہر محفل میں سبب فخر ہو سکے اور شوہر کے احباب کیلئے لطف اندوزی بن سکے۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو اور کوئی شوہر اس کے درجہ کا نہ ملے تو پھر اس کو فلم اسٹار بننے کیلئے تو تیار کر ہی دینا چاہیئے۔ تاکہ وہ عزت کی زندگی سے دوچار نہ ہو۔

ایک مثل مشہور ہے کہ ایک انار اور صد بیمار، یہ مثل سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مگر موجودہ تہذیب کی رنگا رنگی نے ثابت کر دیا کہ وہ ایک انار صرف عورت ہے اور وہ صد بیمار اس کے مریضانِ چشم و ابرو ہیں، انگریزی و اردو کے اخبارات کے صفحات اس عورت کی بیحیائیوں کا اشتہار دے رہے ہیں۔ جوق در جوق ہوس ران اور مہوس اس کے کرشموں کو دیکھنے کیلئے سینما ہاؤس کے دروازوں پر قطار در قطار کھڑے ہوئے ہیں۔

میری اس تالیف کے ناظرین خود صاحبان علم و نظر ہیں۔ لہٰذا مشتے نمونہ از خروارے۔ میں عورت کی ایسی درگتوں اور خرابیوں کو بیان کرنے ہی پر بس کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد قدیم و عہد جدید کے مردوں نے عورت کو اپنی نفسانی خواہشات و لذات کا مرکز بنایا ہے۔ اور اس کی وہ درگت بنائی ہے جو بابید و شاید اب سے ہم ہزار سال قبل کی تاریخ جو کچھ عورتوں کے بارہ میں پیش کرتی ہے۔ وہ بھی کم عبرتناک نہیں ہے۔ اب آپ غور فرمائیں کہ (جو شخص ہدیۂ مصلح اقوام عالم بنکر آیا ہو، جو معاشرہ کی اصلاح کو انسانی، ذاتی و نفسانی طریقہ پر کرنا چاہتا ہو۔ جو حقوق مرد و عورت کو معین کر کے اصلاح معاشرہ کرنا چاہتا ہو۔ جو انسانوں کو ہر برائی و عیب سے پاک و صاف بنانا چاہتا ہو، جو اخلاق انسانی کو اعلیٰ سے اعلیٰ تر بنانا چاہتا ہو، جو ایک پاک و پاکیزہ معاشرہ قائم کر کے حدود انسانیت مقرر کرنا چاہتا ہو، اور جو ایسے قوانین عفت و پاکدامنی مقرر کرنا چاہتا ہو جو قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے لئے منارہ ہدایت بن سکیں۔ اس کو کیا کرنا چاہئے۔ وہ فطرت بشریت سے واقف ہے۔ وہ تغیر جذبات مرد و عورت سے مطلع ہے۔ جو آئندہ آنیوالی خرابیوں سے واقف ہے۔ لہٰذا اس کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے قوانین و اصول مقرر کر دے جو انسان کو درندگی و حیوانیت سے بلند تر کر سکیں اور اس کے مرتبۂ شرافت و دعوائے افضلیت کو قائم رکھ سکیں۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ عورت انسانی زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ عورت کا کردار اعلیٰ ہی اس کے بچوں کو کردار اعلیٰ کا وارث بناتا ہے، عورت کا اخلاق بلند ہی اسکی اولاد کو تصویر و مرقع اخلاق بناتا ہے، عورت

کی عفت اور پاکدامنی ہی قلوب اولاد میں حیا و شرم کے جواہر بھرتی ہے۔ عورت کی غیرت و حمیت ہی اقوام کو باغیرت و باحمیت بناتی ہے۔ عورت کی مذہبی و دینی رغبت ہی اصول معاشرہ کا پابند بناتی ہے۔ عورت کی مشقت و محنت ہی نسلوں کو محنتی و کارکن بناتی ہے۔ عورت کی شجاعت و بہادری ہی مردوں کو شجاع و بہادر بناتی ہے دنیا کی کوئی قوم یہ ثابت نہیں کر سکتی ہے کہ اس نے بدکردار عورتوں کے ذریعہ باکردار قوم پیدا کرلی ہو۔ جس طرح کوئی بہترین بیج بھی ریگستان کی ناقص زمین میں پیدا نہیں ہو سکتا اسی طرح غیور اقوام کا نطفہ بدکردار عورت کے رحم سے، شجاع، باحیا، غیور و باحمیت بچہ پیدا نہیں کر سکتا۔ جب یہ امر واضح ہو گیا کہ معاشرہ انسانی میں عورت کا اہم درجہ ہے تو اس کے حقوق اور حدود بھی مصلح عالم کیلئے مقرر کردینا لازمی ہیں۔

پیغمبر اسلام مصلح عالم ہیں انہوں نے صرف یہی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ صرف قوم عرب کی اصلاح کیلئے سب کچھ کر رہے تھے۔ بلکہ پیغمبر اسلام نے تو یہ فرمایا کہ:

جہاں تک رب العالمین کی خدائی ہے وہاں تک میری نبوت و ہدایت کی رسائی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"بعثت لاتمم مکارم اخلاق"

میرا وجود دنیا میں اسی لئے ہوا ہے کہ میں عالم کے انسانوں کے اخلاق کو کامل کروں۔ اور یہی نہیں کہ اس عہد کے اخلاق کو کامل کروں۔ بلکہ قیامت تک کی آنے والی نسلوں کے اخلاق کی درستی میرے ذمہ ہے۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ یہ خطہ ارض، ہند، سندھ، چین، جاپان، انگلینڈ امریکہ، افریقہ، عرب و عجم تمام ممالک و اقوام کیلئے میں وہ قوانین تہذیب بنا دوں گا۔ جو ہر آب و ہوا کے لحاظ سے قابل عمل ہوں۔ اور جو انسانی معاشرہ کی حدود بندی کرتے ہوں۔ پیغمبر اسلام کی تمام تعلیمات میں اس بات کا التزام ہے کہ وہ تعلیمات ہر خطۂ ارض کیلئے یکساں طور پر قابل قبول و قابل عمل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اشاعت خود بخود تمام اطراف عالم میں روز بروز ہو رہی ہے۔ اور روئے زمین کے ہر گوشہ میں کلمہ گو مسلمان موجود ہیں۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے عورت کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ عورت کا موقف صحیح قائم کر دیا اور اگر وہ کم سن بچی ہو تو اس کے والدین پر اس کے حقوق معین کر دیئے۔ اور اگر وہ جوان ہو گئی تو اس کے والدین کے بعد اس کے شوہر پر اس کے حقوق مقرر کر دیئے۔ اور اگر وہ صاحب اولاد ہو گئی تو اس کی اولاد پر اس کے حقوق فرض کر دیئے اور سوسائٹی کے ہر پہلو میں عورت کے درجات و مراتب کا تعین کر دیا۔

ظاہر ہے کہ عورت بلحاظ عورت ایک اہم فریضہ حیات ادا کرتی ہے۔ اور وہ وجہ بقائے عالم ہے۔ عورت کے ہی ذریعہ سلسلہ توالد و تناسل قائم ہے۔ اور وہی وجہ حیات ثانیہ و دائمہ ہے ایسی صورت میں سب سے پہلے مصلح و مدبر عالم کو چاہیئے تھا کہ مرد کیلئے عورت کی تعداد کا تعین کر دیا جائے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام

نے ہر مرد کیلئے چار عورتوں کی اجازت بیک وقت دیدی - اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر تم ان میں درجہ عدالت قائم نہ رکھ سکو تو پھر ایک ہی عورت کو زوجیت میں رکھو۔

اس حکم میں دونوں فائدے حاصل ہو گئے۔ ایک تو عورت کے حقوق کی ادائیگی مرد کے ذمہ فریضہ اہم ہو گئی دوسرے سلسلہ توالد و تناسل کی بقا ہو گئی۔

عناصر دنیا کی اگر تقسیم کی جائے تو صرف دو ہی عناصر کا پتہ ملے گا۔ ایک مرد دوسری عورت۔ گویا ایک نر اور ایک مادہ، نباتات وحیوانات ہر مخلوق میں نر و مادہ کا وجود پایا جاتا ہے، چوپائے، طیور وغیرہ میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں۔ ان حیوانات میں سے بعض تو جفت جفت علیحدہ علیحدہ پائے جاتے ہیں، یعنی ایک مادہ ایک ہی نر کے ساتھ رہتی ہے اور سلسلہ توالد و تناسل جاری رہتا ہے۔ بدیہی و ظاہری مثال میں، سارس کبوتر، تیتر، فاختہ، چیل، عقاب، اور درندوں میں شیر، ہاتھی، چیتا، ریچھ، بھیڑیا، وغیرہ وغیرہ۔

مگر ان کے علاوہ - قدرت نے جن کی نسلوں کی افزائش بقائے عالم کیلئے ضروری سمجھی ہے۔ ان کے ایک نر کیلئے متعدد مادہ بنائی گئی ہیں، آفات ارضی و سماوی ہوں۔ یا قحط و وبا کی آفت ہو۔ مگر ایسی نسلیں دنیا سے فنا نہیں ہوئیں بلکہ ان کی نسلیں بڑھتی ہی جاتی ہیں۔ اور یہ نسلیں تعمیر عمارت تہذیب و تمدن انسانی میں اینٹ کا کام دیتی ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو تاریخ عالم بتاتی ہے کہ آدم تا ایندم روئے زمین پر ایسے سیلاب و طوفان، وبائیں، قتل و غارت، تباہیاں، زلزلے اور عالمگیر جنگوں کے تاریک و تار بادلوں میں یہ نسلیں کب کی غائب ہو گئی ہوتیں۔ مگر ایسی نسلیں روز افزوں ترقی پر ہیں۔ مثلاً - ا-

بکرا کہ اس کے لئے متعدد مادہ بکریاں درکار ہیں۔ اسپ و دنبہ، گوسفند، گائے، بیل، بھینس مرغی، بطخ، ہرن، خرگوش، وغیرہ جانوروں کی افزائش نسل کا سبب صرف یہی ہے کہ ان کے ایک نر کے لئے متعدد مادہ ہوتی ہیں..

المختصر مجھے یہ بتانا مقصود ہے کہ قدرت نے نظام حیات عالم کیلئے جن مخلوقات کی افزائش نسل کو زیادہ ضروری سمجھا ہے اس کیلئے یہ دستور بنایا ہے کہ ایک نر کیلئے متعدد مادہ ہوں۔ اور جن مخلوقات کی نسلوں کی حد بندی قدرت کو منظور تھی اس نے ایک نر کے لئے ایک مادہ کا جوڑا بنایا ہے۔ اس کلیہ کو نظر میں رکھتے ہوئے اگر انسان اپنے لئے کوئی معیار بنائے گا تو وہ غلطی کرے گا۔ کیونکہ اگر وہ صرف ایک نر کیلئے ایک مادہ رکھتا ہے۔ تو نسل آدم اس تعداد پر نہیں پہنچ سکتی تھی جس پر آج ہے۔ کیونکہ نسل آدم پر بھی شدید ترین طوفان قتل و غارت ٹوٹتے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ ان کے سروں پر وبائیں، آفات قحط، جنگیں، منڈلاتی رہی ہیں۔ اور کثیر تعداد انسان ہر سال ان حادثات کی نذر ہوتے رہے ہیں، اگر انسان مثل دیگر حیوانات کے ایک نر کیلئے جوڑے

مادہ کا اصول بنائے تو بھی وہ غلطی پہ ہے۔ کیونکہ پھر وہ حقوق انسانی کو مقرر نہیں کر سکتا ہے۔ اور وہ حدود مراتب و درجات انسانی کو معین نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے جو اس کو مخلوقات عالم پر فضیلت و فوقیت دیتی ہے، انسان صاحب عقل و ادراک ہے۔ اور اس کی عقل و ادراک کا اقتضا یہی ہے کہ وہ متمدن اور مہذب زندگی کا حامل ہو اور متمدن و مہذب زندگی اسی وقت بن سکتی ہے۔ جبکہ قوانین حقوق انسانی معین کر دیئے جائیں اور اس پر عمل بھی کیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے قوانین حقوق و درجات انسانی کو بے مثل طریقہ پر مدون کیا ہے، اور ہر شعبہ زندگی کیلئے حدود و اصول معاشرہ مقرر کئے ہیں لہٰذا آپ نے اس باب میں بھی اعلیٰ نمونہ حکمت و تدبیر پیش کیا ہے، اور انسان کی فضیلت اس کی اشرفیت کو اس طرح باقی رکھا ہے کہ وہ حیوانات بلکہ کل مخلوقات سے اپنی خصوصیات و صفات کے لحاظ سے اعلیٰ و برتر نظر آئے اور آپ نے ایسا بھی انتظام کیا ہے۔ کہ چونکہ نسل انسانی ہی وارث مخلوقات روئے زمین ہے۔ اور انسان ہی شہنشاہ و حاکم روئے زمین بننے کی استعداد اور صلاحیت رکھتا ہے۔ اور بغیر اس کے روئے زمین کی ہر مخلوق گویا عبث و بیکار ہے اور صرف اس کے وجود ہی سے کائنات عالم کا ہر ذرہ متحرک و کار آمد ہے گویا انسانی مخلوقات روئے زمین کیلئے بمنزلہ دولہا کے ہے اور دیگر تمام اشیاء و مخلوقات عالم اس دولہا کے براتی ہیں۔ یا جسد عالم کی روح وجود انسان ہے۔ جبکہ یہ بات قرین عقل معلوم ہوتی ہے۔ تو مدبر عالم کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ انسانی نسل کی افزائش اور بقا کی صحیح ترین تدابیر، ذرائع، اسباب و حدود مقرر کرے چنانچہ پیغمبر اسلام نے انسان کو صرف ایک مرد ایک عورت سے ملا کر جوڑا بنایا اور اس کام کو اتنا ضروری قرار دیا کہ آپ نے فرمایا:۔

النکاح من سنتی من رغب عن سنتی لیس منی۔

"نکاح میری سنت ہے میرا طریقہ زندگی ہے۔ جو میرے اس طریقے سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔"

آپکے ارشاد کا مقصد واضح ہے کہ انسان کی انسانیت و فضیلت اسی امر میں ہے کہ وہ اپنا جوڑا عورت کو بنائے اور اپنی ذات کو معیار انسانیت پر باقی رکھے۔ لیکن چونکہ صرف ایک نکاح ہی کا پابند بنا دینا گویا نسل انسانی کی افزائش کو روک دینا تھا۔ تو آپ نے فرمایا اگر تم میں طاقت رجولیت مطابق آب و ہوائے ملکی و جغرافیائی زیادہ ہے۔ اور تم بدکاری سے بچنا چاہتے ہو اور بین النساء عدالت و حقوق قائم رکھ سکتے ہو تو تم ایک سے چار تک عورتیں بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو۔

گویا پیغمبر اسلام نے مرد کی ہوس رانی ظلم و جبر جو صدیوں سے عورتوں کیلئے روا تھا ختم کر دیا اور غرض اصل

یعنی افزائش نسل آدم کا بھی کامل انتظام کر دیا۔ اگر مرد عدالت حقوق کر سکے تو چار ازواج بھی کر سکتا ہے یہی شرط مرد کو اس کی انسانی ذمہ داریاں یاد دلاتی ہے۔ اور قوانین تمدن و تہذیب کا پابند بناتی ہے... حکیم اسلام کے اس ارشاد سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مرد ہندی ہو کہ سندھی، یو۔پی ہو کہ افریقی یا پاکستانی ہو کہ ایرانی، عجم ہو کہ عرب مطابق اثرات جغرافیائی صرف ایک عورت کے حقوق ادا کر سکتا ہے اور بحالت استثنا دو تین اور چار عورتوں کے بھی حقوق نفسانی و معاشی پورے کر سکتا ہے۔ مگر اس سے زائد تعداد پر وہ قادر نہیں ہے، پیغمبر اسلام چونکہ ہر عہد کیلئے قوانین معاشرہ مقرر کرنے کے دعویدار رہے ہیں اور ہر خطۂ ارض کو دعوت اسلام دے رہے ہیں۔ لہٰذا آپ کے ہر حکم میں یہ گنجائش ہونی لازمی ہے کہ وہ روئے زمین کے انسانوں کیلئے یکساں قابل عمل و قابل قبول ہو۔

صاحبان علم اور ماہران علم جغرافیہ بخوبی واقف ہیں کہ مختلف خطۂ ارض کے انسانوں کے قوائے صحانیہ و نفسانیہ میں کتنا فرق ہے۔ اگر ایک ہی عورت کی قید پیغمبر اسلام لگا دیتے تو دین اسلام قابل عمل نہ رہتا اور مرد مثل سابق ہوس رانی کا شکار رہتا۔ مگر حکم پیغمبر اسلام اتنا معتدل ہے جو ہر خطۂ زمین کے باشندہ کیلئے قابل عمل ہے۔ اور اس کا ثبوت ہے کہ ۱۴ سو سال سے یہ حکم قابل عمل سمجھا جا رہا ہے۔ اور اس پر عمل کیا جا رہا ہے اور اہل اسلام کی افزائش نسل ہو رہی ہے اور اب ان کا پلہ تعمیر اقوام کے لحاظ سے گراں ہے۔ اور روز بروز اس کا وزن اہل عالم خود زیادہ سے زیادہ محسوس کر رہے ہیں۔ اور اس کو کم کرنے کی سعی کرنے کیلئے خاندانی منصوبہ بندی (نسلی روک تھام) کی پابندیاں اہل اسلام پر لگانا چاہتے ہیں۔ مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہونگے اور اس کا نقصان پچاس سال یا سو سال میں ان دشمنان اسلام اقوام کو پہنچے گا۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے کہ:-

انی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط۔

"میں روز قیامت تم امتیوں کی کثرت تعداد پر فخر و مباہات کروں گا۔ اگرچہ وہ ساقط شدہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔"

گویا پیغمبر اسلام بہ نظر حق شناس دیکھ رہے تھے کہ میرے معین کردہ اصول و قوانین تعدد ازدواج کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک زمانہ میں اہل اسلام کی تعداد و طاقت دشمنان اسلام سے بھی زیادہ ہو جائے گی۔ اور دشمنان اسلام اہل اسلام کی اس روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت و کثرت کو دیکھ کر خاندانی منصوبہ بندی کے قوانین نافذ کریں گے۔ مگر میرا یہ حکم پہلے سے ہی نافذ ہوگا۔ مسلمان ہرگز دشمنان اسلام کے قانون کے پابند نہ ہوں گے اور آخر ایک دن ایسا آئے گا کہ اہل اسلام ہی روئے زمین کے مالک ہوں گے۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ انسان کیلئے بھی ضروری ہے کہ ان کی تعداد ازواج معین ہو۔ اور یہ تعداد ایسی ہو کہ ہر خطار ض کے انسان کے سامنے قابل عمل ہو۔ پیغمبر اسلام نے یہ تعداد ایک، زیادہ طاقت ہو تو دو، اس سے بھی زیادہ طاقت ہو تو تین اس سے بھی زیادہ طاقت ہو تو چار تک معین کی ہے۔ قوت و طاقت کی تعریف یہ ہے کہ حقوق زوجہ، خورد و نوش، لباس و مکان، سامان تربیت و تعلیم اطفال و نیز قوت نفسانی اور دل پہ ایسا قابو کہ جو مرد کو کسی ایک عورت کی طرف زیادہ مائل نہ کر سکے۔ بلکہ ہر ایک کے ساتھ مساویانہ و عادلانہ سلوک جنسی و معاشرہ و معاش ہو۔

اس قانون کے بنانے کے بعد عہد حاضر کے انسان، یا آئندہ آنے والی نسلیں یا غیر اقوام و غیر ممالک میں اسلام قبول کرنے والے افراد یہ اعتراض کر سکتے تھے یا ان کے دل میں ایسا خیال آسکتا تھا کہ پیغمبر اسلام نے ہر شعبہ زندگی کو تو عملاً باحسن وجوہ کر کے دکھایا۔ مگر تاہل کی زندگی اتنی دشوار تھی کہ پیغمبر اسلام نے اس شعبہ حیات کو عملی روشنی سے محروم رکھا اور یہ پہلو تعلیمات اسلام کا تاریک رہا۔ پیغمبر اسلام مصلح عالم تھے نباض فطرت انسانی تھے، مقنن قوانین معاشرہ و تمدن تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنی زندگی کے اس پہلو کو روشن سے روشن تر کر دکھایا، حوالہ جات تاریخی سے جو میں نے صفحات سابقہ میں لکھے ہیں واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی گھریلو زندگی کے ہر کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیا ہے۔ بکری کا دودھ خود دوہا ہے۔ اونٹ خود باندھا ہے۔ چکی خود چلائی ہے، اصحاب کے ساتھ محنت و مشقت خود کی ہے، بچوں کو خود پالا کھلایا ہے۔ اوقات شبانہ روز کے تین حصے کئے ہوئے تھے۔ اور ان میں سے ایک حصہ ازواج اطفال کے ساتھ گذارا ہے۔ مگر اس انداز سے کہ دنیاداری کا دھبہ دامن تقدس نبوی پہ نہیں آیا۔ اور آپ کی روحانیات تعلیمات و غزوات کا پہلو نمایاں تر رہا۔ اہل اسلام کو صرف چار بیویاں کرنے کی اجازت تھی۔ مگر اس اعتراض کو کہ پیغمبر اس ذمہ داری مساوات و عدل بین النساء کو کتنا پورا کر سکے اس طرح دور کر دیا کہ آپ نے بیک وقت نو ۹ ازداج رکھیں مگر پھر بھی عدل و انصاف میں فرق نہ آنے دیا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کی ازواج نے کبھی شکوہ شکایت نہیں کی اور یہ نہیں بتایا کہ آپ نے کوئی لمحہ بھی ایسا گذارا ہو جس میں عدالت بین النساء کو ملحوظ نہ رکھا ہو۔ آپ کی زندگی کے تمام واقعات آپ کی ازواج کی روایات سے باقی ہیں۔ ان میں آپ کی خصائل اعلیٰ ہی کا ذکر ہے۔ مگر کوئی امر بھی ایسا مندرج کتب نہیں پایا جاتا۔ جو خلاف قانون و اصول عدالت و عفت ہو۔

انسان کے اعلیٰ کردار کا ثبوت اس کی گھریلو زندگی سے ملتا ہے۔ پست و بلند غریب و امیر رعایا و بادشاہ ہر طبقہ کا انسان اپنی ایک زوجہ اور اس کے بچوں کو راضی نہ رکھ سکا۔ وقتاً فوقتاً نزع، جھگڑے، ناراضگیاں جدائی، طلاق کے واقعات سے کتب تاریخ کے صفحات مملو ہیں، ہر ملک کی عدالتیں ایسے واقعات سے پر نظر

آتی ہیں۔ اور جب کبھی ایک عورت کے علاوہ دو عورتیں یا تین و چار عورتیں ایک مرد نے کرلی ہیں۔ تو وہ بوجہ قوانین عدالت پر عمل نہ کرنے کے اعتراضات و مصائب کا شکار بن گیا ہے۔ اور آئے دن کے جھگڑوں سے اس کا توازن دماغ و کاروبار زندگی میں خلل پڑ گیا ہے۔

لیکن پیغمبر اسلام نے بیک وقت نو ازواج کو رکھا۔ مگر ہر زوجہ آپ کی زندگی و بعد وفات آپ کے فضائل کی مداح ہی نظر آئی ہے۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض حضرات کا یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ پیغمبر اسلام بھی اپنی بعض ازواج سے ناراض رہے اور بعض ازواج نے آپ کو آزار پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ صحیح ہے۔ اس واقعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی ازواج بھی مثل دیگر زنان حسد رشک و شرارت کا مادہ رکھتی تھیں۔ سب ازواج نیک دل پاک طینت نہ تھیں۔ اگر سب ازواج نبی پاک دل و پاک طینت ہوتیں اور کوئی زوجہ بھی کوئی دل آزاری کی بات نہ کرتی۔ تو یہ خوبی ازواج نبی کی سمجھی جاتی، اس میں پیغمبر اسلام کی کوئی تعریف نہ پیدا ہوتی۔ بعد میں آنے والی نسلیں کہہ دیتیں کہ پیغمبر اسلام کو بدخو و بدطینت عورتوں سے سابقہ ہی نہیں پڑا۔ پھر کیا خوبی ہوئی جو پیغمبر اسلام نے نو ازواج کے ساتھ بدون ملال زندگی گذارلی۔ یا یہ کہا جا سکتا تھا کہ بوجہ کا احترام نبوت و خوف خدا ازواج نبی نے کوئی شرارت و دل آزاری نہ کی، اس صورت میں بھی پیغمبر اسلام کی کوئی تعریف نہیں پیدا ہوتی تھی۔

بعض ازواج نبی کی شرارت و دل آزاری کے واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ ازواج نبی میں ہر قسم کی عورتیں تھیں اور ان کو باہمی رشک و حسد بھی تھا۔ مگر پھر بھی وہ ذات پیغمبر و اطوار پیغمبر میں کوئی عیب نہ نکال سکیں۔ اور حیات پیغمبر میں یا بعد وفات پیغمبر وہ عورتیں بھی خلاف پیغمبر کوئی واقعہ بیان نہ کر سکیں۔ بلکہ ان ازواج کی زبانی ہی پیغمبر اسلام کے زیادہ اوصاف بیان ہوئے۔ جو زندگی پیغمبر میں حسد کا زیادہ شکار رہی تھیں۔

بعض متعصب و تنگ نظر مورخین نے پیغمبر اسلام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ کا نو ازواج کرنا ہی خلاف روحانیت و تقدس نفس پیغمبری تھا۔ در حقیقت یہ معترضین وہی ہیں جو صرف رہبانیت و گوشہ نشینی و ترک دنیا ہی کو وصف پیغمبری سمجھتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو مذہباً عیسائی ہیں۔ عیسائی ولغرانی کے پیش نظر اپنے راہبوں کی زندگی ہے۔ مگر ان راہبوں کی زندگی اور عیسائیت کا ترک دنیا کا عقیدہ نہ کبھی قابل عمل رہا ہے۔ اور نہ آج قابل عمل سمجھا جاتا ہے۔ مجھکو ضرورت نہیں ہے کہ اس کی اندرونی حالات کا جائزہ لوں اور اس کے معائب بیان کروں۔ مجھ کو تو صرف یہ بتانا مقصود ہے۔ کہ اسلام رہبانیت کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ اسلام زوجہ کے حقوق کی ادائیگی اور اطفال کے حقوق کی تکمیل، ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک، اقربا

کے ساتھ نیکی کرنے ہی کو عین خدا پرستی سمجھتا ہے۔ اسلام تو یہ عقیدہ پیش کرتا ہے کہ اگر خدا کو راضی رکھنا ہے تو اس کے پاک باطن بندوں کو راضی کر لیا جائے۔ اور بندوں میں سب سے زیادہ قابل ترجیح زوجہ، بچے اور اقرباء ہیں۔ پیغمبر اسلام نے اپنی ازواج اور اپنی اولاد کے ساتھ اعلیٰ ترین حسن سلوک کی مثالیں قائم کی ہیں۔ اور یہی پیغمبر اسلام کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اور باوجود اس سب کچھ کرنے کے عبادات، روحانیات، تعلیمات پیغمبر اسلام میں سرِمو فرق نہ آیا۔ بلکہ آپ نے عبادات اس طرح ادا کیں کہ خود معبود نے زیادتی عبادت کو روک دیا۔

"یاایہا المزمل قم الیلا الا قلیلا۔"

"اے کملی اوڑھنے والے رات کو عبادت کرو مگر کم۔"

روحانیات و تعلیمات پیغمبر اسلام کا اقرار تو دوست دشمن نے کیا ہے۔ پیغمبر اسلام کی گھریلو زندگی بھی عین عبادت تھی۔ اور یہ زندگی بھی اہل عالم کیلئے اعلیٰ نمونہ ہے۔ اتنا لکھنے کے بعد اب میں بتانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام کی ازواج کی کیا نوعیت تھی اور وہ کن مصالح دینی و اغراض باطنی کی وجہ سے کی گئی تھیں۔ آپ جب ان ازواج کے حالات تاریخی کو ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو عفت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ حاصل ہوگا۔

خدیجہ بنت خویلد

پیغمبر اسلام نے بعمر ۲۵ سال خدیجہ بنت خویلد سے عقد کیا۔ خدیجہ کی عمر ۴۰ سال کی تھی اور وہ اس عقد سے قبل دو عقد کر چکی تھیں اور ان دو شوہروں سے ان کی اولاد بھی تھی۔ خدیجہ کا پہلا شوہر عتیق بن عائذ المخزومی تھا۔ اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جاریہ تھا۔ اس کے بعد خدیجہ نے ابو ہالہ بن منذر اسدی سے عقد کیا۔ ابو ہالہ کا نام مالک تھا۔ اس سے دو بچے پیدا ہوئے ایک کا نام ہالہ اور دوسرے کا نام ہند تھا۔ میں عقد خدیجہ کا پورا حال و قصہ دوم باب عفت میں لکھ چکا ہوں۔ ملاحظہ کیجئے۔ اس موقعہ پہ اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام کا خدیجہ سے ان حالات میں عقد کرنا صاحبان نظر و انصاف کے نزدیک کیا درحقیقت قابل اعتراض تھا کیا اس رشتہ میں کوئی طبعی چاشنی پائی جاتی ہے۔ ماننا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام نے یہ عقد مصالح دینی کیلئے کیا تھا۔ اور آپ کی غرض اس رشتہ سے صرف تبلیغ توحید ربانی کے اسباب کی فراہمی تھی اور بس۔ اور ایسا ہی ہوا کہ خدیجہ عمارت اسلام کی خشت اساس ثابت ہوئیں اور ان کی لاتعداد دولت کا تعمیر قصر اسلام میں اہم حصہ رہا۔ اور وہ پیغمبر اسلام کے لائے ہوئے دین کی پہلی مصدق اور مومنہ ہوئیں۔

سودہ بنت زمعہ

تذکرہ الصحابیات ص۱۲ بحوالہ طبقات جلد ۸ ص۳۶۔

سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد الشمس اور ماں کا نام سموس بنت قیس بن زید بن عمر ہے، ان کے پہلے شوہر سکران بن عمران کے ابن عم تھے اور دونوں (زوجہ و شوہر) مکہ ہی میں

اسلام لائے۔ یہ عہد اسلام کا سخت ترین عہد تھا۔ مسلمان ہونا اور اسلام لانا آسان نہ تھا۔ اسلئے یہ دونوں زن و شوہر زیادہ دنوں تک مکہ میں قیام نہ کرسکے اور کفار قریش کے دست ستم سے عاجز آکر ہجرت ثانی کرنے والوں کے ہمراہ ارض حبشہ کی طرف کوچ کر گئے۔ واپسی کے بعد سکران نے مکہ میں توطن کا ارادہ کیا۔ لیکن مکان بننے سے پہلے وقت موت آپہنچا۔۔

سکران کے انتقال کے بعد آنحضرت نے پیغام نکاح بھیجا سودہ نے قبول کیا اور اپنا اختیار ذات مختار کے سپرد کیا۔ پھر آنحضرت کی طلب پر حاطب بن عبدالشمس کو اپنا ولی کرکے بھیجا ماہ رمضان نبوت کے دسویں سال میں یہ نکاح ہوگیا۔ مہر کی تفصیل نہیں معلوم مگر امید ہے کہ پانچسو درم ہوگا اسلئے کہ اکثر ازواج نبی کا یہی مہر تھا۔

(۲) تذکرہ الصحابیات :۔

حضرت سودہ کا عہد اسلام اور ان کے شوہر اولی کی وفات ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ اسلام کو کوئی قوت حاصل نہ تھی اور مسلمانوں میں افلاس کا مرض عام تھا۔ اسلئے سودہ کی لاوارثی اور لیگانگت مذہب ان کی حفاظت کا فرض عائد کرتی تھی۔

(۳) تذکرہ الصحابیات بحوالہ طبقات جلد ۸ ص۳۷ و خلاصہ السیر :۔

جب اسلام کو دست کفار سے سکون و اطمینان حاصل ہوا اور شوکت اسلام نے بت پرستوں کے حوصلے لپست کردیئے اس وقت حفاظت سودہ کی ضرورت ختم ہوگئی اور آنحضرت نے طلاق دیدی۔ جب سودہ کے پاس یہ پیغام پہنچا تو آپ خانہ عائشہ کی راہ پر آبیٹھیں اور قسم دیکر پوچھا کہ کیا آپ نے مجھ میں کوئی خاص بات قابل طلاق ملاحظہ فرمائی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ سودہ نے قسم دیکر کہا کہ پھر آپ رجوع فرمالیجئے میں ضعیف ہوچکی ہوں مجھے خواہش مرد نہیں ہے۔ البتہ آرزو ہے کہ روز حشر آپ کے ازواج میں شامل رہ کر قبر سے اٹھوں اور میں اپنی باری کے روز و شب عائشہ کو دیدیتی ہوں۔ آنحضرت نے قبول فرمالیا اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی

وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزاً واعراضاً فلاجناح علیہما الخ۔

"اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی طرف سے ظلم و بے رغبتی کا اندیشہ رکھے پھر وہ دونوں باہم صلح کرلیں تو کوئی الزام نہیں ہے۔" (سورہ لنساء پ۵)

(۴) تذکرہ الصحابیات ص۴۸ :۔

آنحضرت جب مدینہ پہنچ گئے تو زید بن حارثہ و ابو رافع (آزاد کردہ آنحضرت) کو پانچسو درم اور دو شتر دیکر آپ نے مکہ معظمہ روانہ فرمایا کہ حضرت سیدۂ عالم سودہ بنت زمعہ، ام کلثوم، اسامہ ام ایمن کو ساتھ لے

آئیں ۔۔۔

(۵) حضرت سودہ جسیم اور بلند قامت تھیں .... آپ کی جسامت کے خیال سے حجتہ الوداع میں آنحضرت نے تمام حاجیوں کے مزدلفہ سے پہلے حضرت سودہ کو روانگی کی اجازت دیدی تھی، اسلئے کہ مجمع اور بھیڑ میں چلنا آپ کو دشوار تھا۔

(۶) تذکرہ الصحابیات صـ۵۲ بحوالہ زرقانی جلد ۳ صـ۲۶۔

آپ کے شوہر اول سے صرف ایک صاحبزادہ عبدالرحمٰن نام پیدا ہوئے جو جنگ جلولا رفارس میں شہید ہو گئے آپ کی وفات عمر بن خطاب کے آخر عہد خلافت ۲۳ھ میں ہوئی۔

(۷) سیرت النبی علامہ شبلی نعمانی :-

حضرت سودہ عادات و اخلاق رسالت کا نمونہ تھیں اسلئے کہ مدت سے شرف ملازمت و خدمت پر ممتاز تھیں و معارف نبوت کی خلوت و جلوت میں ہمراز و دمساز تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ایک بار ان کے وظیفہ کی رقم تھیلی میں رکھ کر ان کے پاس بھیجدی۔ لانے والا جب وہ تھیلی ان کے پاس لایا۔ تو حضرت سودہؓ نے استفسار فرمایا۔ اس میں کیا ہے۔ اس نے کہا روپے ہیں۔ فرمایا کہ اب تھیلیوں میں روپے بھر بھر کر بھیجے جانے لگے۔ اور وہ تمام روپیہ مستحقین کو دیدیا ۔۔۔

نتیجہ عبارات

ناظرین بہ نظر انصاف تاریخی حوالہ جات کو مطالعہ فرمائیں۔

(۱) سودہ بنت زمعہ کا پہلا شوہر سکران تھا۔ بعد وفات سکران، سودا بیوہ ہو چکی تھیں اور سکران سے ایک لڑکا بھی پیدا ہو چکا تھا۔

(۲) سودہ کی عمر کافی تھی، گویا ادھیڑ عمر کی عورت تھیں، جسم فربہ تھا قد لانبا تھا۔ اور اتنا لمبا قد تھا کہ مجمع میں چلتی تھیں تو نمایاں رہتی تھیں اسی وجہ سے پیغمبر اسلام نے حجتہ الوداع کے موقعہ پر سب سے پیچھے چلنے کا حکم دیا تھا۔

(۳) سکران کے انتقال کے بعد سودہ پر مصائب یوں گویا ایسے طاری ہو گئے تھے کہ کوئی پرسان حال و خبر گیر نہ رہا تھا۔ اور ایسی عمر بھی نہ تھی کہ کسی سے عقد ثانی کر لیں۔

(۴) سودہ خود مسلمان ہو چکی تھیں اور ان کا بھائی اور رشتہ دار کافر تھے۔ اسلئے کوئی رشتہ داروں میں بھی کفیل نہیں تھا۔

(۵) اسلام کا یہ عہد تھا جبکہ اہل اسلام پر غربت و افلاس چھایا ہوا تھا۔ اور غریب مسلمانوں کو پیٹ بھر روٹی بھی میسر نہ تھی۔ اور اس پر بھی اہل مکہ کے مظالم تھے اس وجہ سے سودہ مع شوہر کے ہجرت حبشہ کر گئی تھیں

اور جب واپسی ہوئی تو شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اب بے بسی و ناچارگی کی حالت تھی۔

ان حالات میں دو ہی صورتیں تھیں اول تو یہ کہ فاقوں سے تنگ آکر سودہ پھر اپنے کافر بھائی بندوں سے مل جاتی اور خود بھی مرتد ہو کر کافر ہو جاتی۔ دوسری صورت یہ تھی کہ بحالت افلاس معہ بچہ کے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتی اور تیسری صورت یہ تھی کہ فاقہ کر کے جاں بحق ہو جاتی۔ ان صورتوں کے علاوہ کوئی صورت ممکن نہ تھی۔

پیغمبر اسلام کی زندگی میں اگر ایک نومسلمہ عورت اور ایک یتیم بچہ کی یہ درگت بنتی اور وہ دونوں برباد ہوتے رہتے یا فاقوں سے مر جاتے تو پیغمبر اسلام کی تدبیر، رحمدلی، مروت و حکمت پر حرف آجاتا اور ہمیشہ کیلئے ایک بہت بڑا اعتراض پیغمبر اسلام کی ذات پر قائم رہتا۔ دوسرے اس وقت کے نومسلم جماعت کیلئے بھی سودہ اور اس کے بچہ کی ناگفتنی حالت دل شکن اور ہمت شکن ہوتی۔

لہٰذا اقتضائے حکمت رسول یہی تھا اور درحقیقت بہتر و اعلیٰ صورت یہی تھی۔ کہ پیغمبر اسلام سودہ کو اپنی رفیقہ حیات بنالیں اور اس کی بگڑی ہوئی حالت کو سہارا دیں کہ اس کے دین و دنیا کا پلہ بھاری ہو جائے۔ چنانچہ خدیجہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ پیغمبر اسلام کو ضرورت تھی کہ وہ کوئی زوجہ اختیار کریں۔ اگر کوئی دوسرا اس موقعہ پر ہوتا تو کوئی جوان خوشرو و مالدار عورت سے عقد کرتا۔ مگر پیغمبر اسلام کا ہر فعل مطابق حکمت و عفت تھا۔ لہٰذا آپ نے اس ضعیف العمر بیوہ عورت سے اپنا عقد کیا اور ہر ممکن اعتراض کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔ اور اعلیٰ نمونہ عفت پیش کر دیا۔ ناظرین خود غور فرمالیں کہ آیا پیغمبر کے اس عقد ثانی پر کوئی عقلی اعتراض ممکن ہے یا نہیں ... غیر مسلم متعصب مورخین نے۔ جو کچھ اعتراضات کئے ہیں۔ وہ ان کا صرف تعصب ہے اور حقیقت امر سے لاعلمی ...

عقد عائشہ ۳ تاریخی حوالہ جات صحیح بخاری پ ۲۱ باب النکاح ترجمہ :۔

(۱) عروہ روایت کرتے ہیں کہ۔ جب حضرت نے عائشہ سے نکاح کیا ان کی ۶ برس کی عمر تھی اور ۹ برس کی عمر میں خلوت کی اور کل ۹ برس عائشہ آپ کے نکاح میں رہیں۔

(۲) عائشہ فرماتی ہیں جب مجھ سے رسول خدا نے نکاح کیا میری ماں آکر مجھے گھر میں لے گئی میں کیا دیکھتی ہوں کہ انصار کی عورتیں گھر میں جمع ہیں وہ کہنے لگیں اللہ خیر و برکت کیجیو اور نیک نصیب ہو جیو۔

(۳) اسوۃ الرسول جلد سوم صفحہ ۵۰۰ :۔

اسم مبارک عائشہ تھا صاحب اولاد نہیں تھیں۔ مگر عبداللہ بن زبیر اپنے بھانجے کی رعایت سے جنہیں آپ نے پالا تھا ام عبداللہ کی کنیت سے مشہور تھیں۔ ماں کا نام زینب تھا اور ام رومان کنیت ان کی ولادت بعثت رسول سے چار برس بعد واقعہ ہوئی۔ والدین نے پہلے جبیر ابن مطعم کے ہاں بات لگائی تھی۔ اسلئے

جب خولہ بنت حکیم آنحضرت صلعم کے ساتھ ان کی بات لیکر آئیں تو پہلے ابوبکر نے اسی بنا پر انکار کر دیا۔ مگر جب خولہ نے کہا کہ اب وہ اسلام کی وجہ سے تمہارے ساتھ پیوند نہ کریں گے تو حضرت ابوبکر جیسا کہ روضۃ الاحباب میں کتب الانساب سے بیان کیا گیا ہے۔ دریافت حال کی غرض سے خود جبیر کے ہاں گئے جبیر سے تو ملاقات نہ ہوئی مگر ان کی بیوی نے انکو دیکھتے ہی کہا کہ تم اپنی بیٹی بیاہ کر میرے ہاں اسلام کے قدم جمانا چاہتے ہو۔ میں تمہیں ایسا نہ کرنے دوں گی۔

ابوبکر وہاں سے براہ راست واپس آئے۔ اور بلا ذریعہ و واسطہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں معروض پیش کیا۔ فوراً قبول فرمایا گیا اور شوال کی بارھویں تاریخ کو حضرت عائشہ سے نکاح کر لیا گیا۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر ۶ سال کی تھی۔ (طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۳۹)

ہجرت کے تیسرے سال مدینہ میں عروسی ہوئی۔ وہ بھی شوال ہی کا مہینہ تھا۔ احادیث کی مرویات صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ رسم عروسی کی تحریک بھی حضرت ابوبکر ہی کی طرف سے پیش ہوئی۔ جناب رسالت مآب نے اپنی تنگدستی کی مجبوری ظاہر فرمائی۔ تو حضرت ابوبکر نے پچاس درہم قرض حسنہ دیکر عرض کیا کہ اس سے سامان عروسی کر لیا جائے بات طے ہو گئی۔

(۴) سیرۃ النبی علامہ شبلی جلد دوم حالات ازواج ص ۳۲۵ :۔

مدینہ میں آکر حضرت عائشہ بخار میں مبتلا ہو گئیں۔ اشتداد مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی کے ادا کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت ان کی عمر ۹ سال کی تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ ام رومان نے حضرت عائشہ کو آواز دی۔ ان کو اس واقعہ کی خبر تک بھی نہ تھی ماں کے پاس آئیں انہوں نے منہ دھویا بال درست کئے۔ گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں۔ یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارکباد دی۔۔۔ چاشت کے وقت آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی شوال ہی میں نکاح ہوا اور شوال ہی میں یہ رسم بھی ادا کی گئی۔

(۵) روضۃ الاحباب محدث شیرازی ص ۲ :۔

از حضرت عائشہ منقول است حضرت با من زفاف کرد و ہیچ شترو گوسفندے نکشتند و طعام عروسی ما کاسہ شیرے بود کہ از خانہ سعد بن عبادہ فرستادہ بودند و من دراں روز نہ سالہ بودم۔	عائشہ سے منقول ہے کہ پیغمبر اسلام نے مجھے زفاف کیا اور نہ کوئی شتر نحر ہوا نہ کوئی بکری ذبح ہوئی میری عروسی کا ولیمہ صرف ایک کاسہ شیر تھا۔ جو سعد بن عبادہ کے گھر سے آیا تھا اور میری عمر بوقت زفاف ۹ سال تھی۔

نتائج

مذکورہ حوالہ جات تاریخی نے مندرجہ ذیل ثبوت فراہم کیئے۔

(۱) پیغمبر اسلام کا نکاح عائشہ سے اس وقت ہوا جبکہ عائشہ کی عمر ۶ سال کی تھی۔ ظاہر ہے کہ اتنی کمسن بچی کا کوئی خواستگار نہیں ہو سکتا ہے۔ اور نہ اتنی کمسن بچی میں نسائی دلفریبی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ۶ سال کی عمر میں کسی ملک کی بھی لڑکی بالغ ہو سکتی ہے۔ اور نہ اتنی سی عمر میں علامات بلوغ لڑکی میں پیدا ہو سکتے ہیں، پھر پیغمبر اسلام کا عائشہ کا خواستگار ہونا اور نکاح کرنا خلاف دستور زمانہ معلوم ہوتا ہے۔

ممکن صورت یہی ہو سکتی ہے کہ عہد جاہلیت کے مطابق عائشہ کے والدین جبیر بن مطعم کے ہاں عائشہ کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ مگر جب جبیر بن مطعم کی زوجہ نے صاف صاف انکار کر دیا تو پھر ابو بکر نے خود پیغمبر اسلام کی خدمت میں یہ معاملہ رکھا۔ اور خواستگار ہوئے کہ عائشہ کو اپنی زوجیت میں قبول کر لیں۔ پیغمبر اسلام کا اس موقعہ پر کیا فریضہ تھا۔ اگر وہ ابو بکر ضعیف العمر معمر صحابی کی دلشکنی کرتے۔ تو خلاف اخلاق پیغمبری تھا۔ اگر جائز بات کو رد کرتے۔ تو خلاف احکام شرع تھا۔ اگر صرف انکار کر دیتے۔ تو صرف ایک معمر صحابی کی ہتک ہی نہ ہوتی۔ بلکہ عائشہ کیلیئے یہ انکار کر دینا ایک بدنما دھبہ تھا۔ اور پھر دیگر رشتے بھی ممکن نہ ہو سکتے۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے پیغمبر اسلام کا اخلاقی و دینی فریضہ یہی تھا کہ وہ عائشہ کے والدین کی خوشی کو پورا کریں اور یہ فرماویں کہ ابھی جوان ہونے دو۔ میں اس نکاح کو منظور کرتا ہوں رخصت چند سال کے بعد ہوگی۔

چنانچہ تین سال تک عائشہ والدین کے یہاں پرورش پاتی رہیں۔ اور ان کی والدہ ان کو بلند و بالا قد آور و فربہ ہونے کیلیئے اعلیٰ اغذیہ بتوجہ کمال کھلاتی رہیں۔ تاکہ پیغمبر اسلام پھر کوئی عذر نہ پیش کریں اور پھر یہ نہ فرماویں کہ ابھی عائشہ کم سن ہے۔ چند سال مزید انتظار رخصت کرو۔

ابن ماجہ باب القثاء والرطب و تذکرہ صحابیات ص ۶۲:-

"حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میری ماں ککڑی اور کھجوریں مجھے کھلایا کرتی تھیں۔ تاکہ میں جلدی سے موٹی ہو جاؤں۔ اور یہ علاج مفید بھی ہوا۔ میں جلدی سے موٹی تازی ہو گئی۔"

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ والدین عائشہ کو بہت کچھ اندیشہ تھا کہ بوجہ کمسنی کے پھر پیغمبر اسلام بات کو نہ ٹال دیں۔ لہٰذا والدین اپنی لڑکی کو عمدہ اغذیہ کھلاتے تھے۔ علاوہ بریں۔ جب عائشہ کی عمر ۹ سال کی ہو گئی۔ اور پیغمبر اسلام نے پھر بھی تقاضائے رخصت نہیں کیا۔ تو خود ابو بکر نے حاضر خدمت ہو کر معروض کیا۔ اس پر پیغمبر اسلام نے جواب دیا کہ ابھی میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ میں عائشہ سے شادی کر سکوں۔ اور ولیمہ کر سکوں۔ اس پر ابو بکر نے خود پچاس درہم خدمت پیغمبر میں حاضر کیئے۔ اور عرض کیا کہ اس سے سامان عروسی کر لیا جاوے۔

یہ واقعہ بھی ثابت کرتا ہے کہ اب بھی پیغمبر اسلام اس رشتہ کو کرنا نہ چاہتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی کا یہ لکھنا کہ

عائشہ گھر سے باہر بچوں میں کھیل کود رہی تھیں کہ ان کی ماں نے آواز دی۔ اور جب وہ آگئیں۔ تو منہ دھلایا، چوٹی کنگھی کی۔ اور کچھ عورتوں کو جمع کیا۔ اور عائشہ کو دلہن بنا دیا، پیغمبر اسلام کو اطلاع دی گئی۔ تو وہ اسی وقت خانہ ابوبکر پر تشریف لیگئے۔ اور رسم رخصتی ادا ہوئی۔ یہ حالات و واقعات بھی ظاہر کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے صحابی کے لحاظ و مروت سے اس رشتہ کو قبول کیا تھا۔ اور دیگر مصالح دنیوی اور دینی اس میں مضمر تھے۔ جنکو میں ابتداء میں لکھ چکا ہوں۔

علاوہ بریں روضتہ الاحباب صفحہ ۲۰۵ کی یہ عبارت کہ:۔

از حضرت عائشہ منقول است کہ حضرت با من زفاف کرد۔ و ہیچ شتر و گوسفندے نکشتند و طعام عروسی ما کاسہ شیرے بود کہ از خانہ سعد بن عبادہ فرستادہ بودند۔

"عائشہ سے منقول ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے مجھ سے زفاف کیا تو نہ کوئی اونٹ نحر کیا اور نہ کوئی بکری ذبح کی میری عروسی یا ولیمہ کا کھانا صرف ایک کاسہ شیر تھا اور وہ بھی سعد بن عبادہ نے بھیج دیا تھا۔" یہ واقعہ بھی ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام اس عقد کیلئے ابھی بخوشی تیار نہ تھے۔ ورنہ پیغمبر اسلام نے اپنے ہر نکاح میں اعلیٰ قسم کے انتظامات کے ساتھ ولیمے کئے ہیں۔

ان واقعات و تنقیحات کی روشنی میں انصاف پسند غیر مسلم معترضین عفت پیغمبر اسلام پر نظر ڈالیں تو ان کو حقیقت حال معلوم ہوگی۔ غیر مسلم مورخین خصوصاً بعض ہندو و یورپین مورخین نے پیغمبر اسلام کے اس عقد و نیز تعدد ازواج پیغمبر پہ اعتراض کیا ہے۔ در حقیقت یہ ان غیر مسلم مورخین کی جہالت و کم علمی ہے۔ وجہ یہ ہوئی ہے کہ ان کو چند کتب تاریخ اسلام کے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اور انہوں نے مبالغہ آمیز و غلط روایات کتب اسلامی کو پڑھا۔ انہوں نے سمجھا کہ خود مسلمان مورخین جبکہ پیغمبر اسلام کی ان حرکات کو لکھ رہے ہیں۔ تو ہم کو اعتراض کا بھی کامل حق ہے۔۔

مگر وہ مورخین یہ سمجھ سکے کہ تاریخ پیغمبر اسلام کو جس طرح منافقین اسلام نے مسخ کیا ہے۔ اس کی مثال کہیں نہیں مل سکتی ہے۔ کیونکہ ان غلط احادیث و روایات و تاریخ لکھنے والوں کی پشت پناہی حکومتیں بعد یک دیگر کرتی رہیں۔ اور صدیاں اسی کوشش میں گذر گئیں۔ اگر قرآن موجود نہ ہوتا۔ اور قرآن میں خدا کا یہ دعویٰ نہ ہوتا کہ:۔ نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اسی کی حفاظت کریں گے۔ تو نہ معلوم کب کا دین اسلام فنا ہو گیا ہوتا۔ اور نہ معلوم کب سے پیغمبر اسلام کی ہستی بھلائی جا چکی ہوتی۔ کسی ہستی و ذات مخصوص کی بقا اس کے کارناموں کی بدولت ہوا کرتی ہے۔ اور منافقین اسلام نے پیغمبر اسلام کے کارناموں ہی کو خاک میں ملایا۔ اور ان کارناموں کو مسخ کر کے وہ شکل دیدی جو عیوب انسانیت میں شمار کی جاتی ہے۔

اس حالت میں کیونکر ممکن تھا کہ ذات پیغمبر اسلام باقی رہ جاتی۔ صرف ذات پیغمبر اسلام کی بقا بوجہ قرآن کے ہوئی قرآن کی حفاظت خود خدا نے اپنے ذمہ لی تھی۔ اور قرآن محمد پر نازل ہوا تھا۔ لہٰذا جسطرح قرآن باقی ہے اور جب تک قرآن باقی رہے گا اس وقت تک نام محمود کارنامہ ہائے محمد بھی باقی رہیں گے۔

مختصر یہ کہ میں یہ بتا رہا تھا کہ معترضین غیر مسلمین کی کم علمی کی وجہ سے ذات اقدس پیغمبر اسلام پر اعتراضات ہوئے۔ اگر یہ مورخین کما حقہ تاریخ اسلام و علم رجال اسلامی سے واقف ہوتے تو ہرگز وہ ایسی فاش غلطی نہ کرتے اور نہ ان پر الزام کم علمی آتا۔ میں نے باب عفت پیغمبر اسلام میں عقد عائشہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ غیر مسلم مورخین نے اس عقد کو زیادہ ہدف ملامت و اعتراض بنایا ہے۔ اور کہا ہے کہ اتنی کم سن بچی سے تو کبھی کسی ایک پچاس سال کے مرد نے شادی نہیں کی ہوگی۔ اور یہ فعل پیغمبر اسلام کا بالکل خلاف عقل تھا و خلاف قانون عفت تھا۔

اس اعتراض کو دور کرنے کیلئے مجھکو ضرورت محسوس ہوئی کہ میں عقد عائشہ کے تاریخی واقعات قلمبند کروں۔ اور ان پر تنقیحات بھی کروں۔ میری غرض کسی کی منقصت سے نہیں ہے۔ بلکہ حقیقی عزت اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہے۔ دالبستگان دامن رسول کی عزت اس وقت ممکن ہے جبکہ حقیقی عزت خدا اور رسول باقی رہے۔

میں نے پیغمبر اسلام کے تین عقدوں کا ذکر کیا ہے۔ اول خدیجہ بنت خویلد، دوم سودہ بنت زمعہ سوم عائشہ بنت ابوبکر۔ ناظرین، مسلم یا غیر مسلم دوست یا دشمن بہ نظر غائر و بہ نظر انصاف ان تین عقدوں پر غور کریں اور کوشش کریں کہ وہ دامن عفت پیغمبر اسلام میں کوئی دھبہ تلاش کر لیں اور ایسی کوئی بات نکال لیں جو خلاف شان عفت پیغمبر اسلام ہو۔ بخدا وہ ایسا نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کے پہلے دو عقد ایسی عورتوں سے ہوئے جو بلحاظ عمر کسی طرح سے بھی قابل توجہ نہیں ہوسکتی تھیں۔ جبکہ وہ دونوں عمر رسیدہ تھیں اور پیغمبر اسلام بمقابلہ کم عمر تھے۔ تیسری عورت کا حال تاریخی پیش کیا گیا ہے۔ یہ عورت اتنی کم سن تھی کہ جو عورت کہے جانے کے بھی ابھی قابل نہ تھی۔ بلکہ ایک چھوٹی بچی تھی۔ مگر اس بچی کے والدین کی خوشی کی وجہ سے اور ان کی دلشکنی نہ کرنے کی وجہ سے پیغمبر اسلام نے اس اخلاقی فریضہ کو ادا کیا۔

مورخین و محدثین اسلام نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام عائشہ کی محبت میں سرشار تھے۔ اور سب سے زیادہ انہی کو محبوب رکھتے تھے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ پہلے تو اسلئے کہ عدالت پیغمبر کے خلاف تھا کہ وہ کسی عورت کو محبوب رکھیں اور کسی سے نفرت کریں۔ یا اسکو کم محبوب رکھیں۔ اگر پیغمبر اسلام ایسا کرتے تو یقیناً خلاف عدالت و عصمت فعل کے مرتکب ہوتے اور ان کے اس فعل سے ظلم سرزد ہوتا۔ اور یہ ظلم خلاف عصمت فعل ہی نبوت و رسالت کو فنا کر دیتا۔ نبی و رسول کبھی ظالم نہیں ہوسکتا اور نہ غیر معصوم ہوسکتا ہے۔

مورخین اسلام کی ایسی ہی احادیث و روایات سب موضوع ہیں جو عدالت و عصمت رسول کے

خلاف ہیں۔ دوم یہ کہ پیغمبر اسلام اپنی بعض ازواج سے ناراض ہوئے ہیں۔ جس کا ثبوت کتاب صحیح بخاری سے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) کتاب صحیح بخاری پارہ نواں کتاب مظالم و قصاص ترجمہ مرزا حیرت دہلوی ص ۳۳۷ :-

دفعہ ۲۲۶۴ - حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں۔ کہ میں برابر اس خواہش میں رہتا تھا کہ حضرت عمر سے نبی صلعم کی ازواج میں سے ان دونوں بیبیوں کی بابت پوچھوں جن کی نسبت اللہ نے فرمایا ہے :-

ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔

(اگر تم دونوں توبہ کرو کیونکہ یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں) مگر موقع نہ ملتا تھا۔ پھر میں ان کے ہمراہ حج کرنے گیا۔ تو ایک دن وہ راستہ سے ہٹ گئے اور میں بھی ان کے ساتھ پانی کا ایک ظرف لیکر چلا۔ پھر انہوں نے پاخانہ پھر بعد اس کے آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر اس ظرف سے پانی ڈالا۔ اور انہوں نے وضو کیا۔ بعد اس کے میں نے کہا کہ

"اے امیر المومنین نبی صلعم کی ازواج میں سے وہ دو بیبیاں کون ہیں جنکی نسبت اللہ عزو جل نے فرمایا ہے کہ۔ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ انہوں نے کہا کہ اے ابن عباس تم پر تعجب ہے کہ تم کو یہ بات معلوم نہیں وہ عائشہ و حفصہ ہیں۔

(یہ حدیث طولانی ہے اور مکمل واقعہ اس میں موجود ہے)

اس صورت سے واضح ہو گیا ہے کہ پیغمبر اسلام ان ازواج سے ناراض ہوئے تھے۔ اور ایک ماہ تک ان سے گفتگو نہ کی بعد کو رضامندی ہو گئی۔ بہر حال یہ امر صاف ہو گیا ہے کہ پیغمبر اسلام پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ خلاف عدالت و عفت فعل کے مرتکب ہوئے تھے۔ اور عائشہ کو سب سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ بالکل غلط ہے۔ بلکہ آپ کا طرز عمل سب ازواج کے ساتھ مساویانہ و عادلانہ تھا۔ اور کبھی پیغمبر اسلام سے ایسا فعل سرزد نہ ہوا جو خلاف قوانین عدالت و عفت ہو۔ بلکہ آپ نے تعدد ازدواج سے یہ امر واضح کر دیا کہ وہ اپنے نفس پر کسقدر غالب و قادر تھے۔ کہ کبھی کسی حالت میں بھی آپ سے کوئی فعل خلاف عفت سرزد نہیں ہوا۔

عقد حفصہ رض | ناظرین اول اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا مطالعہ کریں بعدہٗ استنباط نتائج میں آسانی ہوگی۔

تذکرۃ الصحابیات ص فصل ۴ :-

(۱) نام حفصہ ہے اور آپ حضرت عمر کی بیٹی ہیں۔ آپ کی ماں زینب بنت مظعون خواہر عثمان بن مظعون

رصحابی)، ہیں آپ کے ہم بطن بھائی حضرت عبداللہ ابن عمر ہیں۔

(۲) آپ ہجرت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں آپ کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ یا حصن بن حذافہ سے ہوا۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۴۲۵)

خنیس بدری سپاہی اور مہاجرین حبشہ میں سے تھے۔ انہیں کے ساتھ حضرت حفصہ نے مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی تھی۔ حضرت خنیس بدر کی لڑائی میں زخمی ہوئے۔ مدینہ پہنچ کر یہی زخم جنت اور شہادت کی دستاویز بن گئے۔ حضرت حفصہ نے ایام عدت پورے کئے تو حضرت عمر کو عقد ثانی کی فکر ہوئی۔ آپ نے سب سے پہلے حضرت ابوبکر کو نکاح پر آمادہ کرنا چاہا۔ مگر ان کے سکوت پر ناراض ہوکر حضرت عثمان کو دعوت دی۔

(ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۵۶)۔ مگر حضرت عثمان نے بھی انکار کر دیا۔ اس پر آپ کو اور بھی غصہ آیا اور آپ نے آنحضرت سے حضرت عثمان کی شکایت کی۔ آنحضرت نے اس آپس کی پھوٹ کو خود نکاح فرما کر ختم کر دیا۔ یہ نکاح شعبان ۲ یا ۳ ہجری میں واقع ہوا۔

(۳) سیرت النبی علامہ شبلی بحوالہ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۵۳۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان سے ان کے نکاح کی خواہش کی تھی۔ .... دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بیٹھے تھے۔ حضرت عمر ادھر سے گذرے اور پوچھا کہ حفصہ سے نکاح کرتے ہو اس کی عدت گذر گئی۔

(۴) سیرۃ النبی علامہ شبلی۔

حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر نے ان کے نکاح کی خواہش حضرت عثمان سے کی۔ انہوں نے کہا کہ اس معاملہ میں غور کروں گا۔ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے ذکر کیا۔ انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ حضرت عمر کو ان کی بے التفاتی سے رنج ہوا۔

(۵) سیرۃ النبی جلد دوم صفحہ ۳۲۷۔

حضرت حفصہ آخر حضرت عمر کی بیٹی تھیں اسلئے مزاج میں ذرا تیزی تھی۔

(۶) اسوۃ الرسول جلد سوم صفحہ ۵۰۸۔

حضرت حفصہ نے ۴۵ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ مروان الحکم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور ابنائے حضرت عمر نے قبر میں اتارا، جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

(۲) حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت ابوبکر کی خاموشی سے رنجیدہ ہوکر حضرت رسالتمآب صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں حضرات کی بے التفاتی عرض کی آپ نے ان کی استمالت اور معذرت

وقتی کے لحاظ سے حضرت حفصہ کو اپنی زوجیت میں لے لینے کیلئے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی۔ ان کی مایوسانہ شکایت کے جواب میں جو الفاظ آپ کی زبان مبارک سے نکلے تھے۔ وہ یہ تھے۔

کہ اچھا جب کوئی شخص حفصہ سے نکاح کیلئے تیار نہیں ہوتا تو میں سب سے اچھا شخص ان کے لئے تجویز کرتا ہوں۔ اور وہ میں ہوں۔

حفصہ اس وقت ۳۵ برس کی ہو چکی تھیں ....

(۷) تفریح الاذکیاء عرف احوال الانبیاء مولفہ مولوی ابوالحسن حسن صاحب کاکوروی ص۳۵۔

چوتھی زوجۂ رسولؐ حضرت حفصہ بنت حضرت عمر ابن خطاب قرشیہ عدویہ ماں ان کی زینب بنت مظعون تھیں اول خنیس ابن حذافہ سہمی بدری کے نکاح میں تھیں .... بعد انقضاء عدت سال سوم یا سال دوم ہجرت میں حضرت صلعم نے نکاح کیا .... روایت میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں تیزی و غصہ بہت تھا۔ یہاں تک کہ حضرت صلعم نے چاہا کہ طلاق دیدیں بلکہ پہلے طلاق دی تھی۔ جب عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنا تو ان کو بہت رنج ہوا ...... اسی وقت حضرت نے رجوع فرمائی۔

ناظرین عبارت مذکور کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور خود انصاف کریں کہ پیغمبر اسلام کا یہ عقد ۳۵ سالہ عورت سے کن حالات میں ہوا۔ بدفعات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حفصہ بنت عمر ابن خطاب بیوہ تھیں عمر ۳۵ سال تھی۔ مزاج کی تند و تیز تھیں۔ ان کے باپ کا مزاج بھی تند اور طبیعت سخت گیر تھی۔ حفصہ کے باپ عمر ابن خطاب نے اپنے ہمراز احباب سے عرض کیا کہ وہ حفصہ سے عقد کر لیں۔ مگر نہ عثمان بن عفان ہی راضی ہوئے اور نہ ابوبکر بن قحافہ نے اظہار رضامندی کیا عمر ابن خطاب کو ان اصحاب پیغمبر کی بے التفاتی ناگوار ہوئی تھی کہ انہوں نے پیغمبر اسلام سے ان دونوں اصحاب کی شکایت کی اور باہمی منافرت کا سلسلہ اصحاب پیغمبر میں پیدا ہو گیا۔ ۳ھ کا یہ واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام گھر سے بے گھر وطن سے دور عالم مسافرت میں اہل مدینہ کے مہمان۔ کفار و قریش مکہ و یہودان مدینہ و اطراف مدینہ دشمن، اہل اسلام کی ناداری و افلاس دشمنوں کے حملوں پر حملے۔ گویا ذات پیغمبر اسلام بتیس دانتوں میں مثل زبان تھی۔ ان حالات میں اگر ممتاز و معروف اصحاب رسول میں خانہ جنگی چھڑ جاتی تو نتیجہ کیا ہوگا۔ فطرت اہل عرب یہ تھی کہ معمولی باتوں پر بگڑ جاتے تھے۔ اور معمولی باتیں ہی ان کی پارٹی بندیوں کا سبب بن جاتی تھیں۔ اور یہ پارٹیاں برسوں جنگوں میں گذار دیتی تھیں یہ تاریخی شواہد ہیں۔ اس موقع پر عمر ابن خطاب و عثمان بن عفان و ابوبکر بن قحافہ کے مابین رنجش پیدا ہو گئی تھی۔ اور ایسی بات پر یہ رنجش ہوئی

تھی جس کا تعلق ناموس سے تھا۔ لہٰذا بہت ممکن تھا۔ بلکہ یقینی تھا کہ ان کے مابین کشیدگی بڑھ جائے اور ان کے اہل قبیلہ ان کے ہم خیال ہو جاتے اور یہ باہمی جنگ جماعت اسلامی میں تفرقہ و انتشار کا سبب بن جاتی۔ ابھی تو اسلام کی ابتداء تھی۔ جتنے بھی مسلمان تھے وہ ابھی راسخ الاعتقاد نہیں ہوئے تھے۔ بہت جلد شیرازہ اسلام بکھر جاتا۔ اس موقعہ پر پیغمبر اسلام نے جس حکمت و تدبر کو پیش کیا وہ بہت ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب تم کچھ بھی ملال دل پر پیدا نہ کرو۔ میں حفصہ کیلئے ایسا شوہر منتخب کئے دیتا ہوں۔ جو سب سے بہتر ہوگا۔ اور وہ میں خود ہوں...

چنانچہ عمر ابن خطاب کا غصہ فرد ہو گیا۔ اور بڑھتی ہوئی دشمنی مبدل بہ دوستی ہو گئی۔ اور معاملہ یہیں ختم ہو گیا...

کتب احادیث و تواریخ اسلام میں یہ واقعہ بھی ملتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے تندخوئی حفصہ کی وجہ سے حفصہ کو طلاق دیدی تھی۔ مگر بعد کو بوجہ عمر ابن خطاب کے اصرار و ملال کے پھر رجوع فرمایا۔ اس واقعہ سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام ابتداء سے انتہا تک اس رشتہ سے مسرور نہ تھے۔ جب ایسا تھا تو یہ بات تو بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس عقد سے پیغمبر اسلام کو ذرا بھی دلچسپی نہ تھی۔ نہ کہ خیال تعیش و حصول راحت و لذت...

اگر حفصہ سے عقد کیا تو صرف تین اصحاب کے اختلاف و خانہ جنگی کو دور کرنے کی خاطر۔ اور اگر بعد طلاق کے رجوع کیا تو اپنے ایک صحابی کی خوشنودی کیلئے۔ اس معاملہ میں کہیں سے کہیں تک بھی قابل اعتراض کوئی بات پائی نہیں جاتی۔ اور نہ یہ صورت تعدد ازدواج کے قابل الزام و اعتراض ہو سکتی ہے..

آج سے ۱۴ سو سال قبل عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیا کرتے تھے۔ مگر وہ اپنی اس ناموس کو غیر کی زوجیت میں دینا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اور کسی کو اپنا کفو نہیں گردانتے تھے۔ اور اپنی لڑکی دیکر اپنی آنکھیں نیچی کرنی نہیں چاہتے تھے۔ اور اس رشتہ کو اپنے لئے انتہائی سبب ذلت و حقارت سمجھتے تھے۔ اور اگر کسی کو اپنا کفو سمجھ کر یہ رشتہ قبول کر لیتے تھے۔ تو پھر اس کی حمایت میں اپنا جان و مال سب کچھ قربان کر ڈالتے تھے۔ پیغمبر اسلام کا مقصد اصلی تبلیغ دین اسلام تھا۔ اور توحید ربانی کی اشاعت آپ کا اصلی مدعا تھا۔ اور جس ملک میں آپ اس توحید کی اشاعت چاہتے تھے وہاں کا ہر فرد۔ بلکہ ہر ذرہ بت پرستی پر شادہ تھا۔ اس ماحول میں بھلا تبلیغ توحید ربانی ہو تو کیونکر..؟

پیغمبر اسلام نے اپنا سب کچھ اس مقصد کیلئے قربان کر دیا تھی کہ اپنی زوجہ خدیجہ کی لامحدود دولت کو اسی راہ میں صرف کر دیا۔ اپنے وطن کو چھوڑ دیا ہجرت طائف کی۔ اور بے انتہا مصائب برداشت کئے۔ اہل وطن نے تاریکی شب میں قتل کا ارادہ مصمم کر لیا۔ اور آپ وہاں سے پردہ شب میں نکل گئے۔ اور مدینہ کی ہجرت کی۔ مدینہ

میں نہ رہنے کا معقول انتظام تھا نہ آپ کے ساتھیوں کے رہنے و خورد و نوش کا بندوبست تھا۔ ان حالات میں عقد پر عقد کرنا اور وہ بھی حصول لذت کیلئے یہ محال عقلی ہے۔ اور خلاف واقعہ ہے۔ البتہ پیغمبر اسلام نے جہاں تبلیغ دین اسلام کیلئے دیگر تدابیر اختیار کیں۔ ان میں سے ایک موثر تدبیر یہ بھی تھی۔ کہ اشراف و رؤساء و با اثر افراد عرب کی لڑکیوں کو اپنی زوجیت میں رکھا جائے۔ اگر وہ رؤساء عرب و ممتاز افراد اپنی بیٹیاں دیدیں گے۔ تو یقیناً ان کی ایذا رسانیاں کم ہو جائیں گی۔ اور ان کی اور ان کے افراد و قبائل کی حمایت حاصل ہو جائے گی۔ اور ایسا کرنے سے ان نو مسلم افراد کے دین سے مرتد ہونے کا اندیشہ بھی مٹ جائے گا۔ پیغمبر اسلام نے جیسا خیال فرمایا تھا۔ وہی ہو کر رہا۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ قبائل عرب آپ کی حمایت پر آمادہ ہوتے گئے۔

آج بھی اس متمدن و مہذب دنیا میں حکومتیں اپنے بلاک بناتی ہیں اور دیگر ممالک کے با اقتدار افراد و بادشاہوں وغیرہ سے معاہدے کرتی ہیں اور حکومتوں کے سرگروہ افراد دیگر ممالک کے سرگروہ افراد کے یہاں ایسے رشتہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی طاقت کو بڑھاتے ہیں۔ حالانکہ اس دور سائنس و اسلحہ جدید میں ان تدابیر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مگر پھر بھی ایسا ہوتا ہے۔

مگر آج سے ۱۴ سو سال قبل کے حالات میں یہ رشتہ ایک اہم کڑی تھا۔ اور اس سے قبائل و اقوام باہم متحد ہو جاتی تھیں۔ پیغمبر اسلام نے بھی اپنے مقصد اصلی و اشاعت توحید کی خاطر اس جائز و مناسب صورت کو اختیار کیا۔ اور ایسے رشتے کرنے میں وہ صورت اختیار کی جس سے کوئی شبہ حصول لذت کا پیدا نہ ہو اور نہ مغرور و ممتاز افراد قبائل کو کوئی ملال خاطر پیدا ہو۔ میں نے اس وقت تک پیغمبر اسلام کے چار ازواج کا ذکر کیا ہے...

ناظرین خود فیصلہ فرمالیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی تو قابل التفات رشتہ نہ تھا۔ ان میں سے تین ازواج تو عمر رسیدہ تھیں اور بیوہ تھیں اور دو، دو یا ایک ایک شوہر کر چکیں تھیں۔ اور ایک زوجہ اتنی کمسن تھی کہ جو مرد کیلئے کسی طرح بھی قابل توجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جس کے عقد کے حالات تفصیلی اور وجوہ و اسباب میں درج کر چکا ہوں، ہر صاحب عقل و فہم سمجھ سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے یہ تمام رشتے صرف ان مصالح و وجوہ پر کئے۔ جنکو میں سطور مذکورہ میں لکھ چکا ہوں۔

زینب ؓ، عقد پنجم

تذکرہ صحابیات ص ۱۰۸ ؎۔

زینب نام ہے۔ آپ کے بزرگوار خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمر بن عبد مناف ہیں۔ آپ کا پہلا نکاح طفیل بن حارث بن عبدالمطلب سے ہوا پھر طلاق ہو گئی۔ عبداللہ طفیل کے بھائی ابو عبیدہ بن حارث نے عقد کیا۔ حضرت ابو عبیدہ نے جنگ بدر میں شہادت پائی تو حضرت عبداللہ جحش

جحش نے نکاح کیا۔ لیکن آپ نے بھی جنگ احد میں جام شہادت نوش فرمایا۔ عبداللہؓ کے بعد رمضان ۳ھ میں آنحضرت نے عقد فرمایا۔ چار سو درہم مہر مقرر ہوا (جیبب السیر و ناسخ التواریخ)

لیکن آپ کی عمر بھی کم باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ ربیع الثانی ۴ھ میں وفات پائی۔ پیغمبر اسلام نے خود نماز جنازہ پڑھائی۔

ناظرین کتاب خود فیصلہ فرمالیں کہ پیغمبر اسلام کا زینب بنت خزیمہ سے عقد کرنا کیا معنے رکھتا ہے زینب کے تین نکاح یکے بعد دیگرے تین شوہروں سے ہوئے۔ ان میں سے دو شوہر مسلمان تھے۔ اور جنگ بدر جنگ احد میں شہید ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جب عورت کے تین شوہر ہو چکے ہوں۔ اور دو شوہر یکے بعد دیگرے شہید ہو چکے ہوں اس عورت کے بارہ میں آج سے ۱۴ سو سال کے لوگ کیا کیا بدشگونی کرتے ہوں گے اور اس کو شوہر کیلئے کسقدر منحوس تصور کرتے ہوں گے۔ جبکہ آج کی دنیا کے لوگ بھی ایسی عورتوں کو منحوس ہی سمجھتے ہیں اور کوئی شخص اپنا عقد ایسی عورت سے کرنا پسند نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں تین شوہر کرنے کے بعد تو عورت میں کوئی دلفریبی اور دلکشی باقی نہیں رہتی۔ جو مرد کو اپنی طرف مائل کر سکے۔ اس کے علاوہ زینب کا ایسی حالت میں کون خبر گیر و پرسان حال تھا۔ دو جاں نثاران اسلام کی ناموس ان کے مرنے کے بعد دربدر پھرے فاقہ کرے دوسروں کی دست نگر ہو یہ کب قابل مدح عمل ہو سکتا ہے۔ اور پیغمبر اسلام کی حیات میں اگر ایسا ہو تو کتنا نامناسب ہے۔

پیغمبر اسلام زینب سے عقد نہ کرتے تو گویا اس کے حقوق کی داد نہ دیتے اور نہ اس کے مجاہد و جانثار شوہروں کا حق ادا کرتے۔ بیشک پیغمبر اسلام کو یہی کرنا چاہیئے تھا۔ اسی میں زینب کی عزت بھی رہی اور توقیر بھی۔ اور اسی سے اصحاب پیغمبر کی ناموس کی حفاظت کا فریضہ بھی ادا ہو گیا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر پیغمبر اسلام کو اپنے اصحاب کے ناموس کی عزت کرنی تھی تو زینب کا وظیفہ یا تنخواہ مقرر کردی ہوتی اور وہ بیچاری اپنی زندگی گذار لیتی۔

مگر یہ وہی شخص کہہ سکتا ہے جو کم علم ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام ایک دین کامل کی تبلیغ کر رہے تھے۔ اس میں یہ نقص کیسے چھوڑ دیتے کہ عورت کے جذبات فطری کا لحاظ نہ کیا جائے۔ اور اس کو بعد بیوہ ہونے کے مثل قیدیوں کے رکھا جائے۔ عورت کا تو یہ حق ہے کہ وہ اپنے فطری و نفسانی و جسمانی کل حقوق حاصل کر سکے اور یہ جب ہی ممکن تھا کہ زینب کا عقد کسی مرد سے کر دیا جاتا۔ مگر پھر بھی ممکن تھا کہ دوسرے اس کے ساتھ عقد کو پسند نہ کرتے اور اپنے لئے اس کو بار زندگی تصور کرتے اور اس صورت میں زینب کے بھی جذبات زندگی کو ٹھیس لگتی۔ لہذا سب سے بہتر صورت یہی تھی کہ پیغمبر اسلام اس کی ہر ضرورت کے خود ہی کفیل بن جائیں۔

اور اس کو ہر ممکن عزت و آرام بہم پہنچائیں۔
واقعات تاریخی نے ثابت کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا زینب بنت خزیمہ سے عقد کرنا عین حکمت تھا اور مطابق قوانین عفت تھا۔

عقد ام سلمہ

تذکرہ صحابیات ص۱۰۹:۔
ام سلمیٰ کا نام ہند یا رملہ اور کنیت ام سلمہ ہے۔ ان کے والد ابو امیہ سہیل بن مغیرہ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبد المطلب ہے۔

(۱) ام سلمہ کے پہلے شوہر ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد تھے۔ ان سے ایک بچہ ہجرت حبشہ کے وقت پیدا ہوا۔ اس کا نام سلمیٰ تھا۔ یہ بچہ ام سلمیٰ سے بجبر کفار مکہ بنی عبد الاسد نے چھین لیا تھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب یہ ام سلمیٰ مدینہ کی جانب سفر کر رہی تھیں۔

(۲) تذکرۃ الصحابیات ص۱۱۳:۔
ام سلمہ کو مدینہ آئے ہوئے چند ہی روز گذرے تھے کہ ابو سلمہ کا جذبہ ایمان میدان احد کی گھاٹیوں سے گذرا جہاد میں شرکت کی اور تیر کا ایک گہرا زخم کھایا۔ گھر واپس ہوئے علاج شروع کیا زخم روبہ صحت نظر آیا اس کے بعد ابو سلمہ ایک سریہ پر جنگ کیلئے روانہ ہوگئے۔ وہاں سے انتیس روز کے بعد واپس ہوتے۔ مگر زخم کا انگور پھٹ چکا تھا۔ محبت والی بیوی نے فرش بیماری پہ خدمت شروع کی۔ آنحضرت صلعم بہ نفس نفیس عیادت کو تشریف لائے۔ مگر دوا نے کچھ فائدہ نہ کیا۔ اور ۳ھ ۸ جمادی الاول کو وفات پائی۔ ابو سلمہ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آنحضرت نے خود بند کیں اور دعا فرمائی۔

"خداوندا ابو سلمہ کو بخش دے اور ان کے مرتبہ کو ہدایت یافتہ اصحاب میں بلند فرما اور ان کے پسماندگان کی نگرانی و حفاظت کر اور ہماری اور اس کی بخشش فرما اے دونوں عالموں کے خدا۔ خداوندا ابو سلمہ کی قبر کو کشادہ کر اور ان کے لئے ان کی قبر کو روشن کر۔"

ابو سلمہ نے دو ہجرتیں کیں خدا نے دو جہادوں کا ثواب بھی عطا فرمایا۔ آنحضرت نے نماز جنازہ میں نو تکبیریں فرمائیں۔ خوش عقیدہ گروہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ بھول گئے۔ فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ ہزار تکبیروں کے قابل تھے۔۔۔

دفن کے بعد آنحضرت تعزیت کیلئے تشریف لائے۔ تو گھر کا وہ عالم دیکھا کہ جو ایک چاہنے والی بی بی کی موجودگی میں شوہر کی وفات کے بعد ہو سکتا ہے۔ ام سلمہ بین کر رہی تھیں۔ "ہائے غربت ہائے غربت کی موت۔" آنحضرت ایک چٹائی پہ ہاتھ ٹیک کر بیٹھ گئے۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ اتنی دیر تک ابو سلمہ کے مراتب جنت اور جو کچھ ان کو اس دنیا میں عطا کیا گیا ہے۔ اس سب کا ذکر فرماتے رہے کہ دست مبارک میں چٹائی کے نشان پڑ گئے۔

ص ۱۱۵۔ ام سلمہ کی چار اولادیں تھیں۔ (۱) سلمہ (۲) عمر (۳) درہ (۴) زینب ان کا پہلا نام برہ تھا۔ حضرت ام سلمیٰ کا زمانہ عدت ۲۰ شوال سنہ ھ کو تمام ہوا اور پیام وسلام ہونے لگے حضرت ابو بکر و عمر نے بھی پیام دیئے۔ مگر ام سلمہ نے صاف انکار کر دیا۔ آنحضرت نے بھی تین مرتبہ پیام دیا مگر آپ نے عذر فرمائے ....

پہلا عذر تھا کہ میرا سن زیادہ ہو چکا ہے۔ دوسرا عذر یہ تھا کہ میری اولاد ہے اور کمسن ہے اور تیسرا عذر تھا کہ میں سخت غیور عورت ہوں

ام سلمہ کا نکاح پیغمبر اسلام سے شوال ۴ھ ہجری کی آخری تاریخوں میں واقع ہوا ....

آپ کی وفات کے بارہ میں تحقیق یہ ہے کہ آپ سنہ ۶۱ھ کے آخر تک زندہ تھیں۔ آپ نے یزید کے آخر عہد سنہ ۶۱ھ چوراسی سال کی عمر میں وفات پائی ...

(مذکورہ تاریخی واقعات کتب حبیب السیر جلد ۱ ص ۶۔ مسند امام احمد حنفی جلد ۲ ص ۲۹۱ طبقات جلد ۸ ص ۶۱ سے نقل ہوئے۔)

(۳) تفریح الاذکیا مولانا مولوی ابو المحسن حسن کاکوروی ص ۳۵۱ ہ۔

اول ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد بن عبد بالیل کے نکاح میں تھیں۔ ان سے عمر، سلمہ، زینب اور درہ پیدا ہوئے۔ جب ابو سلمہ غزوہ احد میں مجروح ہو کر بتازگی جراحت کسی سریہ میں فوت ہوئے۔ تو ابو بکر نے پیغام نکاح کیا۔ ام سلمہ نے انکار کیا۔ پھر حاطب ابن بلتعہ نے حضرت کا پیغام کہا۔ اور تیسیر الوصول میں ہے کہ عمر ابن خطاب حضرت کا پیغام لائے۔ ام سلمہ نے کہا۔ مرحبا برسول اللہ۔ لیکن میں عورت بوڑھی ہوں۔ اور لڑکے یتیم رکھتی ہوں۔ اور میرے مزاج میں غیرت بھی ہے ..

نتائج ۔ مذکورہ حوالہ جات تاریخی سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے ام سلمہ سے عقد کن حالات میں کیا۔ خود ام سلمہ کی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بوڑھی عورت تھیں، چار بچوں کی ماں تھیں۔ وہ اپنے کو خود اس قابل نہیں سمجھتی تھیں۔ کہ ان سے کوئی مرد نکاح وشادی کرے۔ علاوہ بریں وہ بیوہ تھیں۔ ان حالات کی موجودگی میں یہ خیال کرنا کہ پیغمبر اسلام نے یہ عقد صرف حظ نفس کیلئے کیا تھا۔ بالکل غلط ہے۔ البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسی ہی اہم غرض تھی کہ پیغمبر اسلام کو پانچ عورتوں کے ہوتے ہوئے اس چھٹی عورت سے نکاح کرنا پڑا۔ حالانکہ اس عورت میں کوئی وجہ رغبت نہ تھی۔ مگر ہاں ایک بیوہ کی سرپرستی، چار یتیم بچوں کی پرورش اور ایک مومنہ اور ایک مومن ومجاہد کی بیوہ کی عزت وتوقیر کا انتظام کرنا تھا۔ اور یہ اغراض ہرگز دوسرے شوہر سے

پورے ہونے ممکن نہ تھے۔ بلکہ یہ چاروں یتیم پریشان حال و برباد ہو جاتے۔ ان کی ماں افلاس کا شکار ہو جاتی اور ہدف ذلت و خواری بن جاتی۔ پیغمبر اسلام نے ام سلمہ سے عقد کر کے اس کی عزت و توقیر کو باقی رکھ لیا۔ اس کے چار یتیموں کی پرورش کر لی۔ اور ان کے قلوب کو نور ایمان سے بھر دیا۔ اور آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے ام سلمہ جیسی زوجہ کو نمونہ عفت و ایمان بنا دیا۔ اور اپنی مخصوص وصایا و نصائح کا راوی بنا دیا۔

ام سلمہ کا ایک ہی بچہ سلمہ مجاہد، دیندار، مومن کامل تھا۔ اسی سلمہ نے حسن بصری کو بچپن میں خرید کیا اور ایسی تعلیم دلوائی کہ جس نے حسن بصری کو یگانہ روزگار بنا دیا (اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۵۱۰)

آج ۱۴ سو سال کے بعد عہد پیغمبر اسلام کا اندازہ کرنا۔ اور اس پر حکم لگانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے کامل فہم اور بے انتہا علم درکار ہے۔ پیغمبر اسلام اس عہد میں دین اسلام کی اساس و بنیاد کو مضبوط فرما رہے تھے۔ اور ریگستان عرب سے ایسے جواہر ریزوں کو چن رہے تھے۔ جو عمارت اسلام کو قیامت تک کیلئے منور کر دیں۔ اور جگمگاتے رہیں۔ چنانچہ واقفان تاریخ جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام کی ان منتخب ہستیوں نے اساس عمارت اسلام کیلئے خشت اول کا کام کیا ہے۔ انہی میں سے ام سلمہ، پسر ام سلمہ منتخب ہستیاں تھیں۔

بہر حال عبارات تاریخی نے بخوبی واضح کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا یہ عقد ششم بھی حظ نفس کے حاصل کرنے کیلئے نہ تھا۔ بلکہ اس کی مصلحتوں کی گہرائیوں میں بھی استحکام اسلام کے راز مضمر تھے۔

عقد زینب بنت جحش

پہلے واقعات تاریخی ملاحظہ کیجئے اور بعد کو استنباط نتائج کیجئے۔

(۱) اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۵۱۲:۔

یہ وہی محترمہ زینب بنت جحش تھیں جو زید بن حارثہ کے عقد نکاح میں تھیں اور زید کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت کے شرف زوجیت پر ممتاز ہوئیں .... حضرت زینب نے ۵۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۲) تذکرہ صحابیات فصل، ص ۱۳۷:۔

حضرت زینب بنت جحش کی کنیت ام الحکم ہے۔ آپ کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب بن ہاشم عم رسول خدا ہیں آپ آنحضرت کی پھوپھی زاد بہن ہیں .... آپ کا پہلا نکاح زید بن حارثہ غلام رسول خدا سے ہوا۔ جس میں دو عظیم مصالح تھے۔ پہلی مصلحت تو یہ ہے کہ آنحضرت نے تعلیم مذہب کے لئے آپ کو زید کے سپرد کر دیا تھا۔ اور دوسرے آپ اپنے ہی گھر سے مساوات اسلام کی تعمیر شروع کرنا چاہتے تھے۔ جس پر اسلام کو تمام اقوام و ملل کے مقابل میں ممتاز کرنا تھا۔۔

(ب) حضرت زید خدیجہ کے غلام تھے۔ جو بعد کو آنحضرت کی خدمت میں رہے۔ پھر آپ نے ان کو آزاد فرمادیا۔ اور متبنیٰ کر لیا۔ یہاں تک کہ جاہل عرب زید بن حارثہ کی جگہ زید بن محمد پکارنے لگے..... رسول خدا نے زید کی طرف سے خود ہی حضرت زینب کو پیغام نکاح دیا۔ حضرت زینب کو یہ پیغام اپنے خاندانی اعزاز کے مناسب حال نہ معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ (ابن ہشام)

یارسول اللہ لا ارضاہ لنفسی و انا ایّم قریش قال فانی قد رضیتہ۔

"یارسول اللہ میں اپنے نفس کیلئے زید سے راضی نہیں ہوں۔ کیونکہ میں قریش کی ذی عزت عورت ہوں"۔ آنحضرت نے فرمایا کہ مگر میں راضی ہوں۔ اس پر حضرت زینب نے مزید عذر و فکر کیلئے وقت مانگا۔ .... پھر آپ نے اپنا معاملہ آنحضرت کے سپرد فرمادیا۔ اور یہ نکاح ہوگیا۔ عرب کی معدن فخر زمین پر یہ واقعہ بالکل نیا تھا۔ کہ بنی ہاشم کی لڑکی ایک غلام کے نکاح میں دیدی جائے۔

ج - عرب میں یہ قاعدہ تھا کہ لے پالک لڑکا لڑکی میراث میں حصہ دار ہوتے تھے۔

د - زید کے نزدیک زینب بدزبان تھیں۔ زید نے کئی مرتبہ رسول خدا سے شکایات کیں۔ آنحضرت نے ہر مرتبہ ان کو یہ کہہ کر واپس فرمادیا:-

امسك عليك زوجك واتق الله۔

اے زید اپنی عورت کو اپنے پاس رکھ اور خدا سے ڈر۔

مگر زید کی شکایات اس حد تک پہنچ گئیں کہ وہ زینب کی ہمراہی پر راضی نہ ہوسکے۔ اور آخر طلاق کی نوبت آگئی۔ اور ایک سال کے بعد طلاق ہوگئی۔

حضرت زینب کی کفالت و پرورش ابتدا سے پیغمبر اسلام نے کی تھی۔ اور جب زید نے طلاق دی تو اس وقت زینب کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ غزوہ بنی مصطلق و نکاح ام سلمہ کے بعد یہ نکاح ماہ ذلیقعدہ ۵ھ میں واقع ہوا۔ نکاح کے بعد اچھی خاصی دھوم دھام سے ولیمہ کیا گیا۔ اہل ولیمہ گروہ گروہ کر کے آتے تھے۔ اور کھا کر دوسروں کیلئے جگہ خالی کر دیتے تھے۔

ص ۱۴۹ :-

آپ نے پچاس برس کی عمر میں بعہد حضرت عمر ۲۰ھ میں انتقال فرمایا۔ ازواج آنحضرت میں سے سب سے پہلے انتقال انہی معظمہ کا ہوا۔

(۳) حیات القلوب مصنفہ ملا محمد باقر مجلسی جلد دوم ص ۱۰۵ :-

شیخ طبرسی روایت کردہ است کہ چوں زینب — شیخ طبرسی کی روایت ہے کہ زینب دختر جحش جو کہ

دختر جحش مادرش امیمہ دختر عبد المطلب بود و حضرت اورا برائے زید خواستگاری کرد امتناع بسیار کرد و گفت من دختر عم توام و ہرگز راضی نمی شوم کہ زن زید شوم و برادرش عبد اللہ بن جحش نیز چنین گفت پس آیہ: وماکان لمومن ولا مومنۃ - نازل شد پس زینب گفت راضی شدم و امر خود را بحضرت گذاشتم۔ و حضرت اورا بہ زید نکاح کرد و دہ دینار طلا شصت درہم نقرہ برائے او فرستاد و مقنعہ و چادرے فرستادہ و پیراہنے و ازارے و پنجاہ مد طعام و سی صاع خرما برائے ایشاں فرستاد۔

ماں کا نام امیمہ تھا اور عبد المطلب کی بیٹی تھیں ان کو جب پیغمبر اسلام نے زید بن حارثہ کا پیغام نکاح دیا۔ تو زینب نے بہت منع کیا اور کہا۔ میں تمہارے خاندان سے ہوں اور تمہاری پھوپھی کی بیٹی ہوں میں ہرگز راضی نہ ہونگی کہ ایک غلام زید کی زوجہ بنوں زینب کے بھائی عبد اللہ بن جحش نے بھی کہا۔ پس آیت قرآن وماکان لمومن ولا مومنۃ الخ نازل ہوئی پس زینب راضی ہوگئیں اور اپنا دلی پیغمبر اسلام کو بنا دیا۔ پس پیغمبر اسلام نے زینب کا عقد زید (غلام) سے کر دیا۔ اور دس دینار سونا اور ساٹھ درم چاندی زینب کو بطور مہر بھیجا ایک مقنعہ و چادر پیراہن و جامہ اور پچاس مد کھانا، و تیس صاع خرما ان کیلئے بھیجے۔

(۴) تفریح الاذکیا مولفہ محمد محسن حسن کاکوروی جلد ۲ ص ۳۵ ۔

اول نکاح (زینب کا) زید بن حارثہ سے ہوا اور جب زید نے طلاق دی تو حضرت صلعم نے نکاح کیا اور روایت ہے کہ حضرت صلعم نے زینب کے ساتھ زید کا نکاح کرنا چاہا تو خود زینب اور عبد اللہ برادر زینب نے بسبب شرافت نسب اپنی اور نازک مزاجی اور حسینہ ہونے کے انکار کیا تو حضرت صلعم نے فرمایا وماکان لمومن ولا مومنہ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرہ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا۔"

"یعنی جب خدا و رسول کسی کام کا لوگوں کو حکم دے تو پھر ان لوگوں کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے کام میں اپنا اختیار صرف کریں۔ اور جو خدا و رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو وہ کھلی گمراہی میں ہے۔"

یہ سنکر زینب و عبد اللہ راضی ہوئے کہ حضرت صلعم نے نکاح کر دیا۔ اور معالم میں ہے کہ حضرت نے دس دینار اور ساٹھ درم اور ایک اوڑھنی اور ایک کرتہ اور ایک لنگ اور ایک چادر کلاں اور پچاس مد گیہوں اور تیس صاع خرمے خشک زینب کے پاس بھجوائے، بالجملہ زینب زید کے گھر میں رہنے لگیں۔ مگر زید ان کی نظر میں حقیر و کم مرتبہ لگتے۔ اس سبب سے باہم لڑائی ہوا کرتی اور موافقت مزاجی نہ ہوتی۔ اور زید ہمیشہ حضرت صلعم

سے شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں۔ مگر حضرت صلعم منع کرتے اور کہتے کہ میری خاطر سے اس نے تجھ کو قبول کیا ہے۔ اب چھوڑ دینا دوسری ذلت ہے۔ لیکن جب مکرریہ معاملہ گزرا اور باربار قضیہ ہوا تو حضرت صلعم کے دل میں آیا کہ اگر زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے نہیں کہ میں نکاح کروں ....

آخر کار ایک دن زید نے آکر کہا یا حضرت تنگ ہو کر میں نے زینب کو طلاق دی۔ آنحضرت خاموش رہے جب عدت کے ایام گذر گئے تو زید ہی کو بھیجا کہ تم جاکر میرے ساتھ نکاح کا پیغام دو ....

منافقوں نے طعنے دیئے کہ محمد نے اپنے بیٹے کی عورت کو گھر میں ڈالا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولاکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔

تمہارے مردوں میں سے محمد کسی کے باپ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ خدا کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں ...

.... اللہ تعالیٰ نے سورہ احزاب میں یہ آیت نازل فرمائی:۔

فلما قضی زید منھا وطرا زوجنکھا۔

"یعنی پھر جب تمام کر چکا زید اس عورت سے اپنی غرض کو تو ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دیدیا۔"

یعنی جب زید نے اس کو چھوڑ دیا تب ہم نے تیرے ساتھ نکاح کر دیا۔

(۵) تفریح الاذکیا مولانا محمد محسن حسن کاکوروی ۔:۔

حالات زید ۔ ناظرین پر یہ امر پوشیدہ نہ رہے کہ سبب جیقر لگنے زید کا نظر زینب میں اور انکار کرنا عبداللہ کا تزوج سے یہ تھا کہ زید بن حارثہ کو ان کی والدہ مسماۃ سُعدہ بنت ثعلبہ کہ قبیلہ بنی معن بن طے میں سے تھی۔ ساتھ لیکر واسطے ملاقات اپنی قوم کی نکلی اور بنی معن نے ایک قوم کو جاہلیت میں لوٹ لیا تھا۔ تو ان کا گذر بنی معن پر ہوا۔ تو ان لوگوں نے زید کو اٹھا لیا تھا۔ یہ ان دنوں آٹھ برس کے تھے۔ سو ان کو بازار عکاظ میں لاکر بیچا اور حکیم بن حزام بن خویلد نے اپنی پھوپھی خدیجہ کیلئے چار سو درہم کو مول لیا۔ جب حضرت صلعم نے خدیجہ سے نکاح کیا تو انہوں نے آنحضرت کو ہبہ کر دیا۔ بعد اس کے ان کی خبر ان کے اہل کو پہنچی سو حارثہ اور کعب دونوں بھائی لینے کو آئے اور کچھ روپیہ دینے لگے۔ حضرت نے زید کو اختیار دیدیا کہ چاہو یہاں رہو میرے پاس یا اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جاؤ۔ زید نے آنحضرت کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ سو حضرت نے زید کے بارہ میں فرمایا۔

اے حاضرین گواہ رہو زید میرا بیٹا ہے .... سو مشہور ہوئے زید ابن محمد یہاں تک کہ وقت ظہور اسلام آیا اور آیہ کریمہ ادعوھم لاباٗئھم الخ یعنی پکارو ان کو ساتھ نام ان کے باپوں کے

کہ یہ افضل ہے۔"

تب کہنے لگے لوگ ان کو زید بن حارثہ اور آنحضرت صلعم زید سے دس یا بیس برس بڑے تھے۔ اور ایک قول کے موافق اول مردوں سے زید ہی اسلام لائے ہیں ....

ازاں جملہ یہ کہ قرآن میں خدا نے کسی صحابی کا نام نہیں لیا مگر زید کا۔ کما قال فلما قضیٰ زید منہا وطرا زوجناکھا۔

استنباط نتائج - (۱) زید بن حارثہ خدیجہ کے غلام تھے۔ خدیجہ نے زید پیغمبر اسلام کو ہبہ کر دیا تھا۔.....

نظریہ اوّل

(۲) زینب بنت جحش خاندان رسول سے تھیں اور عرب کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

(۳) زینب کی کفالت پیغمبر اسلام کے ذمہ تھی۔

(۴) زینب زید سے نکاح کرنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتی تھیں۔ پیغمبر اسلام نے اصرار کیا اور آیات قرآن نے نافرمانی خدا اور رسول سے ڈرایا تو زینب زید کے ساتھ عقد پر راضی ہوئیں۔

(۵) خاندانی شرافت کی وجہ سے زینب کا زید سے دل نہ ملا روزانہ جھگڑے رہے۔

(۶) زید نے بار بار پیغمبر اسلام سے شکایت کی اور چاہا کہ زینب کو طلاق دیدے۔ مگر پیغمبر اسلام نے روک دیا ...

(۷) جب زید نے طلاق دے ہی دی تو پیغمبر اسلام نے زینب سے عقد کر لیا۔

نظریہ دوم

(۱) زید بن حارثہ کو پیغمبر اسلام نے متبنیٰ کیا تھا۔ اور عوام زید کو زید بن محمد کہتے تھے۔

(۲) قرآن کی آیت نے بحکم خدا منع کر دیا کہ متبنیٰ کو حقیقی بیٹا نہ سمجھا جائے۔

(۳) حکم قرآن ہے کہ:-

ان اکرمکم عند اللہ اتقیکم۔

خدا کے نزدیک انسانوں میں سے سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہو۔ نسب حسب کا درجہ تقویٰ سے پست تر ہے

(۴) زید بلحاظ مرتبہ کے اصحاب پر فضیلت رکھتے تھے۔ کیونکہ قرآن میں کسی صحابی کا نام مع فضیلت کے بیان نہیں ہوا۔ مگر زید کا۔ اور بقولے بعض زید اول مسلم تھے۔

ناظرین مذکورہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کی ذات پر جو ناپاک اعتراضات

بہ سلسلۂ نکاح زینب بنت جحش کیئے گئے ہیں آیا وہ کسی حد تک بھی قابل تسلیم ہو سکتے ہیں۔ اگر ان تمام امور پر تنقیح و ان کا تجزیہ کیا جائے تو میری یہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔ مگر مختصراً اتنا عرض کر دینا ہے۔ کہ ہوس رانی نفس پرستی اور حسن پرستی کی صورت میں یہ چیزیں پیش نہیں آیا کرتیں۔ آپ غور فرمائیے کہ پیغمبر اسلام نے خود زینب کی کفالت کی اور زینب بعمر ۳۴ سال تک نگرانی پیغمبر اسلام میں رہیں۔ گویا زینب کا تمام عہد شباب ختم ہو گیا۔ اس وقت تک پیغمبر اسلام نے زینب کو اپنے عقد میں کیوں نہیں لیا۔؟ کون مانع تھا اور کیا ہرج تھا۔ اور کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔۔؟

مگر جب زینب کے ۳۴ سال زندگی کے گذر گئے۔ اور ان کا شباب ادھیڑ عمر تک پہنچ گیا۔ تو آپ نے زینب کا عقد زید غلام سے کرنا چاہا۔ زینب کو خاندان بنی ہاشم و خاندان نبوت میں ہونے کا شرف ہے اور دوسری جانب ایک غیر قوم کا غلام ہے، مگر جتنا اصرار و انکار زینب کا بڑھتا جاتا ہے۔ اتنا ہی پیغمبر اسلام زید کے ساتھ عقد کرنے پر اصرار کر رہے ہیں۔ حتیٰ کہ قرآن کی آیت اتری اور زینب نے اپنے نفس کو پیغمبر اسلام کے حوالہ کر دیا۔ اور اپنا ولی نکاح بنا دیا۔ اب تو پیغمبر اسلام زینب کو اپنے عقد میں لا سکتے ہیں۔ کیونکہ زینب اپنا اختیار نفس بھی پیغمبر اسلام کو دے چکی ہیں۔ مگر پھر پیغمبر اسلام اپنے لئے زینب کو پسند نہیں کرتے۔ اور زینب کا نکاح زید سے کر دیتے ہیں۔ اور اس زمانہ میں تو نسلی امتیازات پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ اور عہد پیغمبر اسلام میں تو یہ اعتراض اہم ترین جزو زندگی تھا۔ اور وہ بھی اہل عرب کیلئے جو اپنے حیوانات کا بھی نسلی شجرہ آج تک رکھنے کے عادی ہیں۔

پیغمبر اسلام مدبر عالم حکیم روحانی، صاحب کتاب و شریعت، مقنن قوانین تہذیب و تمدن و معاشرہ۔ تھے۔ لہٰذا جہاں آپ نے لاتعداد اصلاحات معاشرہ کی ہیں۔ ان میں سے یہ اصلاح بھی انتہائی ضروری تھی۔ کہ مسلمان کو مسلمان حقیر نہ سمجھے، اسلام قبول کرنے کے بعد بس اسلامی بھائی چارہ کا رشتہ ہی ایک رشتہ باقی رہ جائے۔ اور باقی تمام امتیازات نسلی، قومی، قبائلی، فنا ہو جائیں۔ چونکہ اساس اسلام کے مضبوط کرنے کیلئے یہ مسئلہ بہت ہی اہم تھا۔ لہٰذا آپ نے اس مسئلہ پر بہت زور دیا۔ اور اسکے لئے بہت مناسب حالات پیدا کیئے۔ اور یہ چاہا کہ آپ اس مسئلہ کے طے کرنے میں کسی صورت سے بھی مجبور نہ ہونے پائیں کہ کار ضروری ناتمام رہ جائے۔ لہٰذا آپ نے اپنی قریبی رشتہ دار عورت کو اپنی کفالت میں رکھا۔ اس کا عہد جوانی گذر نے دیا۔ شادی نہ کی، جبکہ عرب میں ۹ سال کی بچی کی شادی ہو جاتی تھی۔ ادھر زید کے ایمان و درجات روحانی کو بڑھنے کا موقعہ دیا۔ اب ایک جانب خاندانی شرافت کی معراج کمال موجود تھی اور دوسری جانب معرفت، عبادت، اطاعت و تقویٰ کا مجسمہ کامل بصورت زید موجود تھا۔ اب اگر پیغمبر اسلام کو تبلیغ احکام و مشاغل

خدا کہ نی تھی تو اس سے بہتر موقعہ نہیں ملتا۔ لہٰذا آپ نے باصرار و بتائید حکم ربانی زینب کا نکاح زید سے کر دیا۔ گویا اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم کی تعمیل کامل ہو گئی۔ اور معاشرہ انسانی کی تباہ کن زنجیر کو توڑ دیا گیا۔ اب ہر قوم ہر قبیلہ کا ہر رنگ و نسل میں نکاح و بیاہ ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں۔

اسی کارنامہ پیغمبر اسلام نے اسلام کو ایسا مذہب بنا دیا کہ ارتقائے عہد بہ عہد انسانوں کو اس قانون اسلام کی پیروی کرنے میں ہی نجات دین و دنیا نظر آتی ہے۔ اور یہی چیز اسلام کو روز بروز عالمگیر مذہب بنا رہی ہے۔

نظریہ سوم

عہد اسلام سے قبل و نیز متمدن دنیا میں بھی قاعدہ ہے کہ کسی دوسرے کے بیٹے یا بیٹی کو اپنا بیٹا یا بیٹی بنا لیا جاتا ہے اور حقوق والدین و حقوق وراثت سب کا اسکو حقدار سمجھ لیا جاتا ہے۔ گویا خدا نے حقوق وراثت اولاد صلبی کیلئے مقرر کئے تھے۔ و نیز قوانین مذاہب عالم و نیز قوانین دنیائے تہذیب بھی حقوق و حدود وراثت کو خاندانی طریقہ پر مقرر و معین کرتے ہیں۔ اور اسی لئے حقوق زوجہ و شوہر و اقرباء وغیرہ معین کئے گئے ہیں۔ ان قوانین کو خلط ملط کرنے اور اس نظام صاف کو درہم برہم کرنے والی چیز یہ ہے کہ مرد نے کسی کو بیٹا اور کسی کو منہ بولی بیٹی بنا لیا۔ زوجہ نے اپنے خاندان کے کسی بچہ یا کسی بچی کو اپنا بیٹا یا بیٹی بنا لیا۔ پس یہ سلسلہ بڑھا اور جتنا بڑھتا گیا۔ حدود و حقوق اقربا، اولاد، والدین، ازدواج، وفیرہ وغیرہ میں خلل پڑتا گیا۔ اور قوانین وراثت گویا سب بیکار و معطل ہو گئے۔

پیغمبر اسلام ایک کامل دستور العمل انسانی پیش کر رہے تھے۔ لہٰذا آپ نے پہلے زید کو مجمع عام میں بیٹا بنایا اور بہت دنوں تک اسی بات پر راضی رہے کہ عوام زید کو زید بن محمد کہتے رہیں۔ جب زید کی ابنیت محمدیہ مشہور عام ہو گئی تو آپ نے حکم دیدیا کہ ہر شخص کو اس کے باپ کے نام کے ساتھ پکارا جائے۔ اور اب زید کو لوگ زید بن حارثہ کہنے لگے۔ گویا پیغمبر اسلام نے اپنے اس طریقہ سے اور اس حکم سے متبنیٰ کے تمام حقوق وراثت کو ختم کر دیا۔ لیکن ابھی ایک چیز باقی رہ جاتی تھی۔ وہ یہ کہ متبنیٰ کی زوجہ سے شادی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اس کیلئے بھی پیغمبر اسلام قوانین معاشرہ مکمل طور پر پیش کر چکے تھے اور یہ بتایا جا چکا تھا کہ عورت کیلئے کون کون سے مرد ناجائز رشتہ نکاح ہیں۔ اور مرد کیلئے کون کون رشتہ کی عورتیں حرام و نا جائز ہیں اور ان کے ذمہ شوہر و زن کے کیا حقوق معین ہیں۔ لہٰذا ان اصول و قوانین کے باقی رکھنے کیلئے اور ان سے گرد کدورت دور رکھنے کیلئے ان کے حقیقی صورت کو واضح کرنے کیلئے یہ ضروری تھا کہ پیغمبر اسلام اس راہ میں جو سنگ گراں آئے اس کو ہٹا دیں۔

متبنیٰ کے ساتھ عقد نہ کر سکنا بھی اس راہ میں ایک سنگ گراں کی حیثیت رکھتا تھا۔ لہٰذا آپ نے زید کے

زینب کو طلاق دینے کے بعد زینب کے پاس زید ہی کو اپنا پیغام عقد دیکر بھیجا۔ گویا آپ نے ایک ہی تیر سے دو شکار کئے۔ متبنیٰ کے وراثت کے حقوق کو بھی ختم کر دیا۔ اور متبنیٰ کی عورت کو بیٹے کی زوجہ سمجھ کر حرام کر لینے کو بھی ختم کر دیا۔ عوام و جاہل عرب مراسم عرب و جاہلیت کے مطابق پیغمبر اسلام کی ذات پر اعتراض کرنے لگے اور آج بھی ایسے کور بین کوتاہ نظر و کم علم لوگ موجود ہیں جو پیغمبر اسلام کے ان افعال پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کو لذت نفس کا مترادف سمجھتے ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ ان حکیمانہ و عاقلانہ و فلسفیانہ امور کی تہ تک ان عوام کے دماغ نہیں پہنچتے ۔۔

درحقیقت پیغمبر اسلام نے زینب بنت جحش سے زید کا نکاح کر کے زید کے زینب کو طلاق دینے کے بعد اپنا نکاح زینب سے کر کے قوانین تمدن و معاشرہ انسانی کو کامل کر دیا۔ ابتک جو کچھ لکھا گیا وہ حقائق امور تھے۔ مگر کچھ باتیں عمل و عقل کے لوازم بھی ہوا کرتی ہیں۔ پیغمبر اسلام قوانین علم الاخلاق کے مطابق

هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ احسان و نیکی کا بدلہ بجز احسان و نیکی کے کچھ اور نہیں ہے۔۔۔

زید اور زینب دونوں کو ان کا معاوضہ عمل ادا کر دیا۔ سطور بالا میں تاریخی حوالہ سے لکھا گیا ہے۔ کہ زید بن حارثہ کے اقربا پیغمبر اسلام کی خدمت میں آئے اور زید کو غلامی سے آزاد کرانے کیلئے کچھ روپیہ بھی ادا کرنا چاہتے تھے اور پیغمبر اسلام نے زید کو جانے کا اختیار بھی دے دیا تھا۔ مگر زید نے رفاقت پیغمبر اسلام کو ترک نہ کیا۔ اور اپنے اقربا اور اعمام کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ پیغمبر اسلام نے زید کو پہلا صلہ و معاوضہ یہ دیا کہ غلام کو اپنا بیٹا بنا لیا اور اس طرح یہ تاج فضیلت زید کے سر پہ رکھ کر داغ غلامی چھڑا دیا۔

دوسرے اپنی پھوپی زاد بہن زینب کو جو اعلیٰ ترین خاندان بنی ہاشم سے تھیں زید کی زوجیت میں دیدیا۔ اور تیسرے خود ہی زینب کا مہر بھی ادا کیا اور اس طرح اس غلام خدیجہ کی عزت بڑھائی کہ جو اعزاز و احترام کے لحاظ سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ اور پھر اپنے وقت آخر میں پیغمبر اسلام نے زید کے بیٹے اسامہ بن زید کی سرکردگی میں تمام اکابر صحابہ و لشکر اسلام کو دیدیا۔ اور اسامہ بن زید کو ان سب کا حاکم و سردار بنا دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جو اسامہ بن زید کی سرداری سے انکار کرے اور لشکر اسلام کے ہمراہ نہ جائے اس پہ خدا کی لعنت ہو گویا شرف و اعزاز زید و اولاد زید کو بلند ترین منازل تک پہنچا دیا۔ (ملاحظہ ہو ثبوت تاریخی)

(۱) روضۃ الصفا جلد دوم وقائع سال یازدھم ھ

روز چہار شنبہ ثامن عشرین صفر آنسرور را تپ و درد سر عظیم روئے نمودہ و روز پنجشنبہ

روز چہار شنبہ ۲۸ صفر کو پیغمبر اسلام کو بہت زیادہ بخار و درد سر تھا۔ اس کے باوجود کہ

بہمیں ماہ باوجود انحراف مزاج مبارک
لوائے بدست فرخندہ جنت اسامہ لبستہ باو
گفت اعظم بہ بسم اللّٰہ و فی سبیل اللّٰہ فقاتل
من کفر باللّٰہ واسامہ لوا را گرفتہ و بیروں
رفتہ . . . . و از
موقف نبوت فرمان واجب الاذعان صادر
گشت کہ صدیق و فاروق و ذی النورین
وغیرہم از اعیان مہاجر و اشراف انصار
دراں سفر با اسامہ مرافقت نمایند۔
بر خاطر بعضے از یاراں گراں آمدہ زبان طعن
دراز کردہ گفتند رسول اللّٰہ ایں غلام را بر
مہاجرین اولین و جماعتے ایں چنیں حاکم گردانیدہ
سخن طاعنان بسمع حبیب ملک منان رسیدہ
عظیم خشمناک شدہ ، عصابہ بر سر مبارک
بستہ باوجود صداع و تپ از منزل مقدس
بیروں آمدہ بر منبر رفتہ ۔ بعد از شکر و سپاس
فرمود کہ اے معشر الناس ایں چہ سخن است
کہ در باب امارت اسامہ از شما بمن رسیدہ
اگر امروز طعن در امارت وے می کنید البتہ
طعن در امارت پدر وے یعنی در سریہ موتہ
طعن کردہ اید بخدا سوگند کہ زید شائستہ امارت
بود و بعد از و پسرش شائستہ امارت است ۔
اکنون وصیت مرا در شان او بخیر و خوبی قبول
کنید کہ او از جملہ اخیار شما است ۔

مزاج مبارک ناساز تھا۔ بروز پنج شنبہ آپ
نے اپنے دست مبارک سے اسامہ کیلئے نشان
فوج باندھا۔ اور اسامہ سے کہا عظمت حاصل
کرو ساتھ بسم اللّٰہ کے اور راہ خدا میں قتل
کرو کافروں اور خدا کے منکروں کو۔ اسامہ
نے نشان فوج لیا۔ اور باہر آئے۔۔۔۔۔
اس وقت مکان نبوی سے حکم واجب الاطاعت
صادر ہوا کہ صدیق اور فاروق اور ذی
النورین وغیرہ و دیگر اشراف واکابر
مہاجرین و انصار اس سفر میں اسامہ کے
ہمراہ جائیں۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم بعض اصحاب
رسول کو ناگوار گذرا۔ اصحاب نے طعن شروع
کر دیا اور کہا کہ پیغمبر اسلام نے اس غلام کو
مہاجرین اولین و انصار پر سردار بنایا ہے
ان طعن کرنے والوں کی خبر پیغمبر اسلام کو معلوم
ہوئی۔ آپ کو بہت غصہ آیا۔ سر پر عصابہ باندھا
باوجود شدید بخار اور سر درد کے مکان سے
باہر آئے اور منبر پر جا کر بعد حمد و ثنا فرمایا۔
اے مسلمانوں یہ کیا بات ہے کہ اسامہ کی
سرداری کے بارہ میں تمہاری طرف سے مجھ کو
خبر معلوم ہوئی ہے کہ آج تم اس کی سرداری میں
طعن کر رہے ہو۔ تم نے پہلے بھی اس کے
باپ زید کی سرداری میں طعن کیا تھا (سریہ
موتہ میں) خدا کی قسم کہ زید لائق سرداری تھا
اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی لائق سرداری ہے اب تم سب میری وصیت کو اس کے حق میں بخیر و خوبی

قبول کرو کہ وہ تمہارے نیکوں میں سے ایک نیک ہے۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ پیغمبر اسلام نے زید کا ذکر اور اس کی تعریف کی اور وقت آخر بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ زید کا شرف یہی تھا کہ وہ تمہارا سردار و امیر بنے اور اس کے بیٹے اسامہ کا اعزاز اتنا ہے کہ وہ تم پر سردار و امیر بنکر لشکر اسلام کی سپہ سالاری کرے۔ پیغمبر اسلام نے قوانین مکارم اخلاق کے مطابق زید بن حارثہ کو اس کی نیکی کا پورا پورا بدلہ عطا فرمایا۔ اور یہی شان خاتم النبیین و مصلح عالمین کیلئے لازمی تھی۔

اب رہا معاملہ زینب کا تو یہ معاملہ بھی سہل نہ تھا۔ درحقیقت زینب نے بہت بڑا ایثار اور جہاد نفس کیا اور اپنی شرافت خاندانی کے اعتبار سے بہت بڑی قربانی بحکم پیغمبر اسلام پیش کی۔ آج کی دنیا میں یہ آسان امر نہیں ہے کہ کسی اعلیٰ خاندان عورت کا نکاح کسی پست خاندان یا غلام سے کردیا جائے۔ نہ کہ عہد پیغمبر اسلام میں جبکہ تفاخر خاندانی کیلئے ہر فرد عرب اپنا جان و مال سب کچھ قربان کردیتا تھا۔ زینب نے تعمیل حکم خدا و رسول کا بے مثل نمونہ پیش کیا ہے۔ پیغمبر اسلام کے پیام زید دینے پر پہلے تو انکار کیا۔ پھر اپنی خاندانی شرافت اور زید کی غلامی کی طرف اشارہ کیا۔ مگر جب دیکھا کہ مصلحت پیغمبر اسلام اسی میں ہے کہ زینب زید غلام سے نکاح کرے تو زینب نے اپنا ولی پیغمبر اسلام کو بنادیا۔ اور پیغمبر اسلام نے زید سے زینب کا نکاح کردیا۔

ایک سال تک زید و زینب کے تعلقات زن و شوہر کے رہے۔ مگر روزانہ کے نزاع و اختلاف نسل و مزاج کی وجہ سے نوبت علیحدگی تک پہنچ گئی اور زید نے باوجود پیغمبر کے روکنے کے گھریلو نزاعی حالات سے مجبور ہوکر زینب کو طلاق دیدی۔ بوقت نکاح زینب کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ گویا جوانی ختم ہوچکی تھی۔ بڑھاپا شروع ہوچکا تھا۔ اس پرطرہ یہ ہوا کہ اس عمر میں زید نے طلاق دیدی۔ اور یہ کہہ کر کہ زینب بدمزاج اور تنک مزاج بہت ہیں۔۔

ناظرین خود حالات کا ملاحظہ فرمالیں کہ اس نازک موقعہ پر پیغمبر اسلام کا اخلاقی و دینی و خاندانی کیا فریضہ تھا۔ اگر پیغمبر اسلام بجائے خود کے زینب کا نکاح کسی دوسرے صحابی سے کردیتے تو بہت بڑی ناانصافی ہوتی۔ کیونکہ پیغمبر اسلام نے خود ہی تو زینب جیسی عالی خاندان بی بی کا عقد غلام سے کیا۔ غلام کا شرف و اعزاز بڑھایا مگر زینب کا پایہ و مرتبہ گھٹا دیا۔ گویا زینب کے ساتھ یہ بے انصافی ہوئی۔ اس کا معاوضہ زینب کو کوئی نہیں دے سکتا تھا۔ اور اس کا بدل زینب کیلئے کوئی چیز نہیں بن سکتی تھی۔ روپیہ دولت جو بھی دیا جاتا۔ مگر وہ زینب کے ایثار نفس کا بدلہ نہ ہوتا۔ پس زینب کے ایثار نفس و تعمیل حکم پیغمبر کا صلہ یہی تھا کہ پیغمبر اسلام اب زینب کو اپنی زوجیت میں قبول کرلیں۔ اور جو نقص بوجہ غلام سے شادی کرنے کے زینب کے خاندانی وقار میں پیدا ہوگیا تھا اس کو اس طرح دور کردیں۔

بجز اس کے کوئی عمل زینب کیلئے باعث تسلی نہیں ہو سکتا تھا۔ اور نہ ان کے ایثار و قربانی کا بدل ہو سکتا تھا۔ پیغمبر اسلام جو مصلح عالم و مقنن قوانین معاشرہ و تہذیب انسانی تھے۔ لہٰذا آپ نے اپنے عمل صحیح سے اہل عالم کیلئے بہترین نمونہ عفت و حکمت قائم کر دیا۔

ناظرین خود بہ نظر انصاف غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کا یہ فعل منافی اصول عفت تھا۔ یا عین مطابق حکمت و عدالت و عفت تھا۔ اگر ان حالات میں پیغمبر اسلام کوئی دوسرا طریقہ اختیار فرماتے تو وہ عند العقلاء و حکما قابل قبول نہ ہوتا۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ ایسا نہیں تھا اور زینب کو احساسِ ایثار نہ تھا۔ تو میں اس کے ثبوت میں زینب کا وہ سجدہ پیش کرتا ہوں جو انہوں نے اس وقت کیا ہے جبکہ آپنے زید کی زبانی پیغمبر اسلام کے نکاح کا پیغام سنا ہے ملاحظہ ہو ۔۔۔

ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم صفحہ ۱۰۶ :-

زید گفت لبشارت باد ترا کہ پیغمبر مرا بخواستاری تو فرستادہ زینب گفت جواب من سخن نگویم تا با خدائے خود مشورت نکنم لبس بہ خواست و بسجدہ رفت ۔	زید نے زینب کے مکان پر جا کر کہا مژدہ باد کہ پیغمبر خدا نے مجھ کو تمہارے پیام دینے کیلئے بھیجا ہے۔ زینب نے کہا کہ میں جب تک اس بات کا جواب نہ دوں گی جب تک کہ خدا سے مشورہ نہ کر لوں گی۔ اور یہ کہہ کر سجدۂ خدا کیا۔

اس تاریخی عبارت نے ثابت کر دیا کہ زینب کو اپنی خاندانی عزت کے کم ہو جانے اور اپنے مقام خاندان سے پست ہو جانے کا احساس تھا۔ مگر جب زید کی زبانی سن لیا کہ افضل ترین فرد اشرف ترین خاندان نے پیام نکاح دیا ہے۔ اور اپنی زوجیت کیلئے منتخب کر لیا ہے تو سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور وہ اسلئے کہ اب زینب کی خاندانی عزت باقی رہ گئی اور زینب کا درجہ پہلے سے بھی بلند تر ہو گیا۔ اور غلام کے ساتھ عقد ہونے کا جو داغ دامن زینب پر آگیا تھا وہ صاف ہو گیا۔ اور زینب کے ایثار و قربانی کا پورا معاوضہ پیغمبر اسلام نے ادا کر دیا۔

حالات و واقعات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کا یہ چھٹا عقد بھی ایسے مصالح اور حکمتوں پر منحصر تھا۔ جس کے بغیر چارہ کار ہی نہ تھا اور جس کے فوائد تاقیام قیامت اہل دنیا کو پہنچنے والے تھے۔ کوئی صاحب فہم و عقل پیغمبر اسلام پر اس عقد کے بعد بھی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ یہ نکاح یا دیگر سابقہ نکاح حظ نفس کیلئے کئے گئے لہٰذا عفت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ اہل عالم کے سامنے زیادہ سے زیادہ نمایاں حیثیت سے موجود رہا۔

عقد ہفتم جویریہ بنت حارث

واقعاتِ تاریخی

اس واقعہ کو پہلے کتب تاریخ کی روشنی میں ملاحظہ کیجئے۔ پھر استنباط نتائج کر کے یہ معلوم کیجئے کہ آیا یہ نکاح منافی قوانین

واصول عفت ہے یا عین عفت ہے اور بہترین مصالح پر مبنی ہے۔

اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۵۱۳ :۔

(۱) قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس حارث بن ضرار کی لڑکی تھیں۔ مسافع بن صفوان سے بیاہی تھیں۔ غزوہ مرسیع میں مسافع مارا گیا۔ غزوہ مرسیع میں بہت سے مرد عورتیں اسیر ہوئیں۔ انہیں میں جویریہ بھی تھیں اور ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ غنیمت میں آئی تھیں۔ مگر جویریہ نے ثابت بن قیس سے اپنے کو بذریعہ مکاتبت آزاد کر لیا تھا۔ (اسیر اپنے آقا سے ایک رقم طے کر کے اور اس کو ادا کر کے آزاد ہو جائے۔)

(۲) سیرۃ النبی شبلی نعمانی واقعہ جویریہ :۔

جب ان کے ساتھ آپ کے نکاح کرنے کا چرچا ہوا تو لوگوں نے قبیلہ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلاموں کو اس بنا پر آزاد کر دیا کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگوں سے رشتہ مصاہرت قائم کر لیا۔ آزاد شدہ غلاموں کی تعداد ایک روایت میں سات سو بتائی گئی ہے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جویریہ کی برکت سے سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلعم سے خود جویریہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ نے تمام قیدیوں کو ان پر ہبہ کر دیا تھا۔ حضرت جویریہ نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کا سن ۶۵ برس کا تھا۔

(۳) تذکرہ صحابیات ص ۱۵۱ بحوالہ طبقات ابن سعد :۔

تقسیم نے آپ کو ثابت بن قیس کے حصہ میں پہنچایا۔ چونکہ سردار قبیلہ کی دختر تھیں۔ لونڈی بن کر رہنا پسند نہ فرمایا اور ثابت بن قیس کو نذر فدیہ (کتابت) دینے پر آمادہ ہو گئیں۔ مگر انہوں نے ۹ اوقیہ

(الف) سونا طلب کیا جو اس وقت آپ کے امکان میں نہ تھا۔ حضرت جویریہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ نے ثابت کے معاہدہ اور اپنی ناداری کا حال اظہار فرمایا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر تم راضی ہو تو تمہارا روپیہ دیکر میں تم سے نکاح کر لوں۔ حضرت جویریہ راضی ہوئیں اور آنحضرت نے روپیہ دیکر حضرت جویریہ کے جذبہ آزادی کو پورا کیا۔ حضرت جویریہ کے نکاح کا چرچا مسلمانوں میں ہوا۔ تو ان سب نے آنحضرت کی قرابت کا احترام واجب جان کر اپنے اپنے قیدی آزاد کر دیئے۔

مسلمانوں کا یہ سلوک ان کی محبت کا بہترین شاہد ہے جو ان کو اپنے رسول سے تھی۔ یہ آزاد شدہ بنی مصطلق سات سو تھے۔

(ب) تذکرہ صحابیات ص ۱۵۲ :۔

(ب) ادھر تو یہ نکاح ہوا اور ادھر جویریہ کے باپ حارث کو اپنی لونڈی کی فکر ہوئی۔ وہ بہت سے اونٹ اور مال لیکر مدینہ پہنچے (طبقات جلد ۸ صفحہ ۸۴) کہ زر فدیہ دیکر رہا کرا لوں۔ ان اونٹوں میں دو اونٹ نہایت عمدہ تھے۔ جب وادی عقیق میں پہنچے تو حارث نے ان دونوں اونٹوں کو چھپا دیا اور آنحضرت کی خدمت میں آکر تمام اسباب پیش کرنے لگے کہ یہ سب لے لیجئے اور جویریہ کو آزاد کر دیجئے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا:-

کہ یہ سب تو ہے مگر وہ اونٹ کہاں ہیں جن کو وادی عقیق میں چھپا دیا ہے۔ حارث اس غیب دانی کو دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا۔ ان کو جویریہ کے نکاح کی خبر ہوئی تو بہت مسرور ہوئے اور بیٹی سے ملکر اپنی قوم کے ساتھ واپس گھر چلے گئے۔

(۴) صحیح بخاری پارہ ۱۶ باب غزوہ بنی مصطلق:-

جنگ بنی مصطلق کا بیان جو قوم خزاعہ سے ہے اور اسی کو مریسیع کہتے ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا یہ لڑائی سنہ ۶ ھ میں ہوئی۔ اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا سنہ ۴ ھ میں ہوئی اور نعمان بن راشد نے زہری سے روایت کی تہمت عائشہ کا قصہ اسی لڑائی میں ہوا۔

(۵) ۲ شعبان سنہ ۵ ھ کا واقعہ ہے کہ مدینہ سے ۹ میل پر مقام مریسیع میں بنو مصطلق آباد تھے۔ اس قبیلہ کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا۔ اس نے مدینہ پر فوج کشی کی تیاری کی۔ اس غزوہ کے باقی حالات صاحب روضۃ الصفا کی زبانی سنیئے۔

روضۃ الصفا صفحہ ۱۰۳ جلد دوم مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۱ ھ:-

باعث بریں غزوہ آنکہ حارث بن ابی ضرار پیشوائے آں قوم بعضے از قبائل عرب را استدعا نمود کہ بادے اتفاق نمودہ بحرب حضرت رسالت پناہی روند و طائفہ نزد مجتمع گشتہ، بتہیہ اسباب محاربہ ومقابلہ مشغول گشتند۔

اس غزوہ کا سبب یہ ہوا کہ حارث بن ابی ضرار نے جو سردار بنو مصطلق عرب کے بعض قبیلوں سے استدعا کی کہ اس کے ساتھ ہو جائیں اور پیغمبر اسلام کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے چلیں ایک جماعت یا لشکر اس کے پاس جمع ہو گیا اور انہوں نے آلات جنگ و اسلحہ کی فراہمی شروع کر دی۔ تاکہ وہ جنگ کریں۔

(۶) تفریح الاذکیا صفحہ ۳۵۲:-

سال ششم ہجری میں نکاح فرمایا وفات ان کی سال سنہ ۵۶ ھ میں ہوئی ۶۳ سال کی عمر ہوئی۔

خلاصہ عبارات ـ مذکورہ عبارات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:-

(۱) حارث بن ابی ضرار رئیس وسردار قبیلہ مصطلق تھا۔ اور دشمن اسلام تھا اور اس نے فوج جمع کرکے مدینہ پر چڑھائی یا فوج کشی کا ارادہ کیا تھا۔

(۲) جویریہ حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھی۔ اور مسافع ابن صفوان اپنے چچیرے بھائی کو بیاہی تھی۔ اور مسافع جنگ میں مارا گیا تھا۔ لہٰذا جویریہ بیوہ ہو چکی تھیں۔

(۳) جویریہ بحیثیت کنیز مال غنیمت میں آئی تھی اور ثابت بن قیس ایک مسلم سپاہی کے حصہ میں آئی تھی۔

(۴) جویریہ نے مطابق دستور اسلامی کے اپنا زرِ فدیہ دیکر اپنی رہائی چاہی تھی اور زر فدیہ کی خاطر خدمت پیغمبر اسلام میں آئی تھی اور زر مکاتبہ کی خواستگار ہوئی تھی۔

(۵) پیغمبر اسلام نے زر مکاتبہ یا زر فدیہ ۹ اوقیہ سونا عطا فرمایا اور جویریہ کو آزاد کر دیا۔

(۶) حارث بن ابی ضرار خود بہت سامان اور متعدد اونٹ لیکر آیا اور اپنی دختر جویریہ کا زر فدیہ ادا کرنا چاہا مگر بہ برکت پیغمبر اسلام مسلمان ہو گیا۔

(۷) جویریہ کے ساتھ پیغمبر اسلام نے نکاح کیا تو سات سو بنی مصطلق کے قیدیوں کو مسلم فوجیوں نے جو ان کے حصہ میں آئے تھے۔ بلحاظ احترام زوجہ پیغمبر آزاد کر دیا۔

استنباط نتائج ۔ پیغمبر اسلام نے جویریہ بنت حارث سے جو عقد کیا وہ کن حالات کے تحت کیا۔ آیا ان حالات میں کوئی صحیح الرائے یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ یہ عقد حصول حظ نفس کیلئے ہوا۔؟ اور خلاف قوانین عفت تھا۔ پیغمبر اسلام کے اس عقد میں کہیں سے کہیں تک بھی حظ نفس و خواہش نفس کا پتہ نہیں ملتا۔ کیونکہ پہلے تو یہ کہ جویریہ بیوہ تھی۔ اور خود بیوگی ہی مانع کشش مرد و سبب منافرت مرد ہے۔ اور جبکہ کسی مرد کے پاس پہلے سے چھ عورتیں موجود ہوں۔

دوسرے یہ کہ جویریہ کو خود پیغمبر اسلام اپنے حصہ غنیمت میں لے سکتے تھے۔ کیا ضرورت تھی کہ باوجود پسندیدگی کے جویریہ کو ثابت بن قیس ایک مسلم سپاہی کے حصہ میں دیدیا جاتا۔ گویا ایک تو داغ بیوگی ہی کافی وجہ تنفر تھا۔ اور پھر وہ ایک سپاہی کی کنیزی میں آگئی یہ دوسری وجہ تنفر و حقارت ہو گئی۔ ایسی صورت میں کسی حاکم وسردار لشکر کیلئے یہ موزوں نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ کم درجہ سپاہی کی چھوڑی ہوئی کنیز عورت کو اپنی برابری کا شرف عطا کرے اور جبکہ وہ سپاہی بھی زندہ موجود ہو۔

تیسرے یہ کہ پیغمبر اسلام نے ۹ اوقیہ سونا جویریہ کو دیکر آزاد کرایا۔ گویا جویریہ پر داغ کنیزی بھی ثبت ہو چکا تھا۔ اور یہ بھی وجہ حقارت و نفرت ہو سکتی ہے۔ ان وجوہ و دلائل کی بنا پر کسی طرح بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پیغمبر اسلام نے جویریہ کو طلب حظ نفس کیلئے زوجیت میں قبول کیا تھا۔ بلکہ درحقیقت اس عقد رسول

میں دیگر مصالح قومی ملی مذہبی و تبلیغی موجود تھے اور چونکہ مقصد اصلی پیغمبر اسلام کا یہی مصالح ہوا کرتے تھے لہذا ان کے حصول کیلئے آپ کو یہ معاملات کرنا ہی پڑتے تھے۔

اول فائدہ تو اس عقد کا یہ ہوا کہ رئیس قبیلہ چاہے دشمن ہی کیوں نہ ہو اخلاق پیغمبر اسلام کی رو سے قابل احترام تسلیم کیا گیا۔ اور رئیس و سردار قوم کی لڑکی بھی چاہے وہ قیدی یا کنیز ہی کیوں نہ ہو۔ نظر پیغمبر اسلام میں قابل وقعت تھی۔ لہذا سب سے پہلے پیغمبر اسلام نے اس کا زر فدیہ اپنے پاس سے ادا کرکے اس کو کنیزی کی ذلت سے نکالا۔ اور اس کو آزاد کر دیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ فعل مراتب انسانی کے تحفظ کا سبب بن گیا۔ دوسرا فائدہ اس عقد سے یہ ہوا کہ جویریہ جو سردار قوم کی لڑکی تھی اپنے سے کم درجہ مرد کی زوجیت میں نہیں رہی اور اس کو احساس ذلت و حقارت پیدا نہ ہوا۔ بلکہ اس آزاد و شریف خاندان و رئیس زادی کو اپنے سے بہتر شوہر ملا۔ اور اس کا احترام و اعزاز پہلے سے بھی بہت بڑھ گیا۔

تیسرے یہ فائدہ ہوا کہ پیغمبر اسلام نے جویریہ سے عقد کیا تو اہل اسلام نے اپنے اپنے حصہ میں آئے ہوئے قیدیوں یا بالالفاظ دیگر اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور پیغمبر اسلام نے اپنے اس عقد کرنے سے پوری ایک قوم کو غلامی سے بچا لیا۔ جن کی تعداد سات سو تھی۔

چوتھا فائدہ اس نکاح کا یہ ہوا کہ وہ دشمن اسلام جو مدینہ پر فوج کشی کرنے کیلئے افواج عرب کو جمع کر رہا تھا۔ خود خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا اور بہ برکت کلام پیغمبر مسلمان ہو گیا۔ اور اس کے ساتھی بھی مسلمان ہو گئے۔

پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ اخلاق پیغمبر اسلام و رواداری اسلام کو تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اور اطراف و جوانب مدینہ کے لوگوں پر پیغمبر اسلام کی رواداری و اخلاق کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور تبلیغ اسلام و اشاعت اسلام کیلئے راستہ ہموار ہو گیا۔ اور حاکم و سردار بنو مصطلق کی لڑکی کے عقد پیغمبر اسلام میں آنے سے قبائل عرب کی آنکھیں جھک گئیں۔ اور وہ بمقابلہ ذات پیغمبر اسلام اپنے کو پست متصور کرنے لگے۔

چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ حارث جو مال و متاع و شتران اعلیٰ بطور زر فدیہ لایا تھا۔ اور اپنی لڑکی جویریہ کو آزاد کرانا چاہتا تھا۔ وہ سب مال و متاع و شتر اس کو واپس لے جانے پڑے، پیغمبر اسلام نے وہ فدیہ نہ لیا لہذا کفار و دشمنان اسلام کے قلوب پر یہ اثر پڑا کہ پیغمبر اسلام اور اہل اسلام بہت ہی سیر چشم و صاحب ایثار ہیں۔ اور بیشک دین اسلام صرف ہدایت مخلوق کیلئے آیا ہے۔ اور اس کے افراد میں ذرہ بھر بھی حرص مال و متاع نہیں ہے۔

ناظرین مذکورہ عبارات تاریخی و نتائج عبارات کو ملاحظہ کرکے خود ہی انصافاً کہدیں کہ پیغمبر اسلام کے اس

عقد میں کوئی امر بھی خلاف عفت ہے یا نہیں۔ اور یہ عقد بہترین مقاصد کے حصول کیلئے کیا گیا تھا۔ اور وہ تمام مقاصد حاصل ہو گئے۔ اور اگر پیغمبر اسلام اس موقعہ پر جویریہ کو اپنی زوجیت میں نہ لیتے۔ تو یقیناً وہ کسی سپاہی کی کنیزی میں ہوتی جو اس کے احترام قومی کے خلاف تھا۔ اور اس کے لئے سبب ذلت تھا۔ پھر نہ وہ سات سو قیدی غلام آزاد ہوتے اور نہ حارث کے اونٹ و دیگر مال و متاع واپس جاتا۔ اور نہ حارث اخلاق پیغمبر اسلام کو دیکھ کر مسلمان ہوتا۔ اور نہ اس کی جماعت اسلام قبول کرتی۔ اور نہ وہ رعب اسلام و شان پیغمبر اسلام قبائل دیگر پر ثابت ہوتی۔ جو اس عقد کے بعد قائم ہوئی۔ پیغمبر اسلام کا یہ عقد ہر لحاظ سے بہت مبارک ہوا اور حقیقت یہ عقد پیغمبر اسلام نے برمحل کیا اور عین مطابق حکمت و عفت کیا۔

عقد ام حبیبہ بنت ابوسفیان

ناظرین اس عقد رسول کے بارہ میں پہلے تاریخی اسناد و واقعات ملاحظہ فرمائیں بعدہٗ فیصلہ فرمائیں کہ آیا یہ عقد برائے حظ نفس و لذت تھا یا برائے اصل مقصد تبلیغ دین و حصول رعب و شان اسلام تھا۔ فراعنہ قریش و کفار عرب کو صرف زور اخلاق سے زیر کرنا ناممکن تھا۔ و نیز بزور شمشیر ان کو مطیع و منقاد بنانا محال عقلی تھا۔ کیونکہ اخلاق کی خوبیوں سے وہ بے بہرہ تھے شمشیر زنی و قتل و غارت ان کی طبیعت ثانیہ تھی اور ان کی فطرت و عادت تھی۔ پیغمبر اسلام اصول اسلام کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتے تھے اور دین اسلام کو قیامت تک باقی رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ ہر وہ کام بر احسن وجوہ انجام دیں جو رسوخ و استحکام و اشاعت و رعب اسلام کیلئے دیرپا ہو اسی کی ایک شاخ یہ بھی تھی کہ پیغمبر اسلام سرکشان قریش و فراعنہ عرب کے قلوب میں اپنی محبت و اقتدار پیدا کریں اور جس طرح وہ بہ نگاہ حقارت یتیم عبداللہ کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے سر ہمیشہ کیلئے اسی یتیم عبداللہ کے سامنے جھک جائیں۔ اور جب وہ خود حقیر و ذلیل ہو جائیں گے تو وہ اور ان کی آئندہ نسلیں بھی مغلوب و مرعوب رہیں گی۔ اور کبھی بمقابلہ اسلام سرتابی و سرکشی نہ کر سکیں گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جو پیغمبر اسلام نے سوچا تھا۔ اور جس کی تدابیر کی گئی تھیں۔

منجملہ ان تدابیر میں ایک تعدد ازدواج بھی تھی جو قبائل کے اس وقت کے ماحول میں اسلام کی طاقت و ترقی کیلئے نہایت مناسب و موزوں و کامیاب رہی۔ میں سات ازواج نبی کے حالات قلمبند کر چکا ہوں اور ناظرین کتاب پر مستند تواریخی حوالہ جات سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ وہ نکاح ہرگز ہرگز حظ نفس ذاتی کیلئے نہیں کئے گئے تھے۔ بلکہ ان کی تہ و گہرائی میں انتہائی ضروری مصلحتیں مضمر تھیں۔ اب آپ عقد ام حبیبہ کا حال ملاحظہ کیجئے۔

تذکرہ صحابیات مفصل ۹ بحوالہ اصابہ جلد ۸ ص ۸۴ ۔

نام و نسب ام حبیبہ

رملہ نام ہے مگر آپ کی کنیت کی شہرت غالب ہے۔ آپ کے باپ ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ اور ماں (۱) صفیہ بن ابو العاص حضرت عثمان بن عفان کی سگی پھوپی ہیں۔

۲ ام حبیبہ کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش کے ساتھ ہوا اور آپ نے ان کے ہمراہ حبشہ کی ہجرت بھی فرمائی جہاں وہ لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ حبش میں جاکر عبیدہ مرتد ہوکر نصرانی ہوگیا اور شراب نوشی کے لازمی نتیجہ کی بنا پر جلد ہلاک ہوگیا۔ لیکن حضرت ام حبیبہ مسلمان رہیں۔ اور عدت کے بعد لاوارثی کے دن گذارنے لگیں۔ آنحضرت نے عمر بن امیہ ضمیری کو وکیل کرکے بادشاہ حبش کے پاس بھیجا اور نجاشی شاہ حبش نے نکاح پڑھوا دیا اور چار سو دینار مہر کے اپنے خزانے سے خالد بن سعید وکیل ام حبیبہ کو ادا کئے۔ یہ نکاح ۶ھ میں ہوا۔ اور ام حبیبہ اس زمانہ میں واپس ہوئیں جب آنحضرت خیبر میں تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جعفر ابن ابی طالب کے ہمراہ تشریف لائیں۔

(۳) تذکرہ صحابیات ص ۱۵۵:۔

نکاح ام حبیبہ کی خبر جب ابوسفیان کو دی گئی تو انہوں نے کہا:۔

ذالك الفحل لا يقدع انفه (استیعاب جلد ۲ ص ۷۵۰)

یہ وہ شخص بزرگ ہے جو کبھی مغلوب و مجبور نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

(۴) آپ (ام حبیبہ) میں مذہب کا پاس بہت زیادہ تھا۔ ایک روز ابوسفیان آپ کے مکان میں آئے اور آنحضرت کے بچھے ہوئے فرش یا بستر پر بیٹھنے لگے۔ حضرت ام حبیبہ نے فوراً وہ بستر لپیٹ دیا ابوسفیان نے کہا کہ اے فرزند تم نے مجھ سے اس بستر کو عزیز کیا۔ آپ نے (ام حبیبہ) فرمایا کہ تم مشرک بت پرست اور نجس ہو اور یہ آنحضرت کا بستر ہے۔ اس پر تمہاری جگہ نہیں ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میرے بعد تم بڑے شر میں گرفتار ہوگئی ہو۔

آپ (ام حبیبہ) نے ایک روز آنحضرت سے کہا کہ آپ میری بہن سے عقد کرلیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے میرے لئے عقد جائز نہیں ہے۔

(۵) حضرت ام حبیبہ نے ۴۴ھ میں بعہد معاویہ مدینہ میں انتقال فرمایا۔ (اصابہ جلد ۸ ص ۸۵)

تفریح الاذکیاء ص ۳۵۴ مولوی محسن حسن صاحب کاکوروی:۔

بوقت عقد و زفاف — ان دنوں عمر ام حبیبہ کی تیس برس کی تھی۔ اور بعضے تیس برس کچھ بیشے بیان کرتے ہیں ...

استنباط نتائج

(۱) ام حبیبہ مسلمہ تھیں انتہائی پریشانی و مصائب کی حالت میں وطن چھوڑ کر حبشہ کو ہجرت کر گئی تھیں۔ پردیس میں شوہر نے مذہب اسلام ترک کر دیا اور نصرانی ہو گیا اور بعد کو مر گیا۔

(۲) ام حبیبہ ملک حبشہ میں بے یار و مددگار و لاوارث رہ گئیں۔

(۳) ام حبیبہ اسلام کے بدترین دشمن ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ کی بیٹی تھیں اور مسلمان ہو گئی تھیں۔

(۴) ام حبیبہ بیوہ تھیں اور ان کی عمر بھی تیس سال سے زیادہ تھی۔

ناظرین ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام کا اس موقعہ پر کیا فریضہ تھا۔ آیا ام حبیبہ مسلمہ کی طرف سے بے اعتنائی برتیں اور انہیں فاقے کرنے دیں اور حالت فقر و فاقہ میں مرتد ہونے کا موقعہ دیں یا کسی نصرانی حبشی کی زوجیت میں بجبر ہونے کو گوارا کریں۔؟

گویا ایک مسلمہ کی توہین و حقارت و ذلت کو گوارا کر لیں۔ یہ سب باتیں ہرگز قرین عقل و مناسب موقع نہ تھیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو کیا کریں۔ کسی مہاجر حبشہ کو حکم دیں کہ وہ ام حبیبہ سے عقد کر لے۔ تو وہ مہاجر خود ترک وطن کر کے گئے تھے۔ اور حالت عسرت و غربت میں گزار رہے تھے۔ یا ایسا کریں کہ ام حبیبہ کو کسی کی سپردگی میں دیکر مدینہ بلالیں اور مدینہ میں کسی مسلم کے ساتھ ان کا نکاح کر دیں۔ تو اس وقت مسلمان ہی کتنے تھے۔ مسلمان انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ پھر وہ سب مصیبت زدہ اور افلاس زدہ تھے ان باتوں میں سے کوئی بات بھی پیغمبر اسلام کرتے تو یہ سب خلاف عقل و عدالت و حکمت پیغمبری ہوتا۔ اور اگر بفرض محال مدینہ واپس بلا بھی لیتے اور ام حبیبہ کو بیوہ ہی رہنے دیتے تو یہ قوانین اسلام کے خلاف تھا۔ کہ ایک تیس سال کی عورت کو جس کا ایک بچہ بھی ہو بیوہ ہی رکھا جائے۔ اگر ایسا کیا بھی جاتا تو بہت ممکن تھا کہ اس کا باپ ابوسفیان اور اس کے دوست کفار قریش ام حبیبہ پر قابو پا کر اپنے پاس مکہ واپس لے جاتے اور اس کو بجبر مرتد بنا لیتے۔ جیسا کہ تاریخ سے واضح ہے کہ جو نادار مسلم مکہ میں بعد ہجرت رہ گئے تھے ان پر ابوسفیان کے ساتھیوں نے سخت ترین مظالم کئے۔ ہر صاحب فہم و عقل یہ کہے گا کہ یہ مذکورہ سب صورتیں نامناسب تھیں

اب آپ خود غور فرمائیں کہ مناسب صورت کیا ہو سکتی تھی۔ ہر صاحب انصاف یہی کہے گا کہ وہی صورت انسب و بہتر تھی جو پیغمبر اسلام نے اختیار کی۔ آپ کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ ام حبیبہ بیوہ ہو گئی ہیں۔ اور غیر ملک میں لاوارث ہیں۔ تو آپ نے ان کی نگرانی و کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ اور نجاشی شاہ حبش کو لکھا۔ اور اپنا وکیل بھیجا کہ وہ ام حبیبہ کا عقد پیغمبر اسلام کے ساتھ کر دے۔ نجاشی خود مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے حکم کی

تمیل کی اور ام حبیبہ کا مہر اپنے خزانہ سے ادا کیا۔ اور اب ام حبیبہ چونکہ پیغمبر اسلام کی زوجہ ہوگئی تھیں، کسی مسلم و غیر مسلم دشمن یا دوست کی یہ مجال نہ تھی کہ نگاہ بد سے ام حبیبہ کو دیکھ سکے۔ ام حبیبہ اب ناموس پیغمبر اسلام تھیں بلکہ ناموس اسلام تھیں۔ ہر مسلم کا فرض تھا کہ وہ حفاظت عزت ام حبیبہ کیلئے اپنا مال و جان سب کچھ قربان کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نجاشی نے بہت اعزاز و احترام کے ساتھ ام حبیبہ کو جعفر ابن ابو طالب برادر پیغمبر اسلام کے ہمراہ کر دیا۔ اور جب ام حبیبہ مدینہ آگئیں تو پیغمبر اسلام نے اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اور بار دیگر نکاح پڑھا۔

پیغمبر اسلام کے ایسا کرنے سے کیا فوائد مترتب ہوئے۔:

(۱) اول تو یہ کہ ام حبیبہ شوہر کے مرتد ہونے اور مر جانے کے بعد اسلام پر قائم رہیں۔ اس پختہ ایمانی کا یہ صلہ ملا پیغمبر اسلام کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔

(۲) دوسرے یہ کہ ام حبیبہ مسافرت و غربت میں لاوارث نہ رہیں۔ اور ان کی عزت و ناموس پر کوئی دھبہ نہ آیا۔

(۳) تیسرے یہ کہ بدترین دشمن اسلام ابو سفیان بن حرب ہی قریش کی تمام لڑائیوں میں سردار افواج و حملہ آور رہا۔ جنگ بدر، جنگ احد، جنگ خندق وغیرہ میں نور اسلام کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس دشمن اسلام کی ناک زمین پر اسی صورت میں رگڑی گئی کہ اس کی لڑکی مسلمان ہوئی اور جب بیوہ ہوئی تو پیغمبر اسلام کے عقد میں آگئی۔ چنانچہ جب ابو سفیان کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام نے ام حبیبہ سے عقد کر لیا تو اس نے یہی الفاظ کہے:۔

ذلک الفحل لا یقدع انفہ۔

یہ وہ مرد ہے کہ اس کو اس کے کام سے روکا نہیں جا سکتا اور مغلوب نہیں کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ ابو سفیان کو اس موقعہ پر اپنی ذلت کا احساس ہوا تھا۔ لہذا اس نے دل کے جلے پھپھولے پھوڑے اور دل کا بخار نکالا اور ان ذلیل الفاظ سے پیغمبر اسلام کو طنز کیا۔ مگر ہمیشہ کیلئے اس کی نظریں جھک گئیں اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ جب ابو سفیان خدمت رسول میں شرائط صلح کی تجدید کیلئے آیا۔ اور ام حبیبہ کی موجودگی میں بستر رسول پر بیٹھنے لگا۔ تو ام حبیبہ ہی نے اس کو اس طرح ذلیل کیا کہ بستر لپیٹ دیا۔ اور جب ابو سفیان نے اپنی ذلت کا احساس کیا اور کہا کہ:۔

"بیٹی باپ سے ایک بستر کو عزیز کیا۔؟" تو ام حبیبہ نے جواب دیا کہ باپ ہے تو کیا کروں تو نجس ہے

مشرک ہے اور یہ بستر پیغمبر اسلام کا ہے پاک ہے۔ اور تو اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہے ...
بیٹی کے یہ الفاظ ابوسفیان کے دل پر زخم بن گئے ہوں گے۔ جو تا لحد مندمل نہ ہوئے ہوں گے۔

(۴) چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ نو مسلم مردوں و عورتوں کو تقویت حاصل ہو گئی۔ اور ان کی حوصلہ افزائی ہوئی کہ پیغمبر اسلام تا حیات نہ ہمکو اور نہ ہمارے مرنے کے بعد ہماری عورتوں بچوں کو ذلیل و بے وارث دیکھ سکیں گے اور ان کی کفالت بہتر سے بہتر طریقہ پر کریں گے۔

ابتدائے اسلام میں اس حوصلہ افزائی کی اسقدر ضرورت تھی کہ اس وقت کے لوگ ہی اسکی اہمیت کو خوب سمجھ سکتے تھے۔ علاوہ فقر و فاقہ کے جان کی حفاظت کے لالے ہر وقت پڑے رہتے تھے۔ پیغمبر اسلام کے علاوہ عام مسلمانوں کی زندگیاں بھی تعیش سے میلوں میل دور تھیں۔ اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ یہ نکاح حظ نفس کیلئے پیغمبر اسلام نے کیا تو پہلے تو مذکورہ بیان کے بعد یہ اعتراض خود ہی دفع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی قابل توجہ امر ہے کہ ۷ ہجری تک پیغمبر اسلام کی سات ازواج موجود تھیں۔ اور یہ سب ازواج ۳ھ تا غایت ۶ ہجری میں ہوئی تھیں۔ پھر اس سے زیادہ کوئی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ بریں ام حبیبہ کوئی باکرہ عورت نہ تھی۔ کمسن و حسین عورت نہ تھی۔ صاحب مال و جمال بھی نہ تھی۔ پھر ان میں وہ کیا چیز تھی جو مرد کو اپنی جانب مائل کر سکتی تھی ...؟

صاف ظاہر ہے کہ فقط مصالح دینی و اغراض تبلیغ اسلام اس نکاح میں پوشیدہ تھے۔ اور بیشک وہ سب حاصل ہوئے اور پیغمبر اسلام کا یہ نکاح عین مطابق حکمت و ضرورت تھا۔ اور عین قوانین عفت کے موافق تھا۔ عفت کی یہی تعریف ہے کہ انسان اپنے قوائے شہوانیہ سے مغلوب نہ ہو اور جو کام بھی کرے۔ وہ قوت شہوی کو مغلوب رکھتے ہوئے مطابق عقل و حکمت ہو۔

چنانچہ میں نے پیغمبر اسلام کے آٹھ نکاحوں کا ذکر اب تک لکھا ہے۔ اور ہر نکاح اور ہر رشتہ تزویج بر بنائے مصالح دینی و مطابق اصول عقلی کیا گیا ہے۔ اور یہی تعریف عفت ہے۔

عقد صفیہ، نہم

تذکرۃ الصحابیات فصل ۱۰ ص ۱۵۹ :-

نام و نسب :- آپ کا نام پہلے زینب تھا۔ مگر آپ جو اسیر ہو کر آنحضرت کے حصہ (صفی - نبی یا بادشاہ کا حصہ) میں آئیں اس لئے صفیہ مشہور ہوئیں۔ آپ کے باپ حیی بن اخطب تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ضرّہ بنت سَمَوَّل تھا۔ سموال بنی قریظہ کے سردار تھے۔ بنو نظیر و بنو قریظہ ہم جد قبیلے تھے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۳۰۵)

نکاح :- ص ۱۶۰ - آپ کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا۔ لیکن انہوں نے کسی وجہ سے طلاق دیدی

اور کنانہ بن ابی الحقیق سے دوسرا نکاح ہوا .... اور کنانہ و مرحب و حارث و حیی بن اخطب وغیرہ جنگ خیبر میں ذوالفقار حیدری کی رونمائی میں جان بحق ہوچکے تو بہت سا مال اور اس کے ساتھ لونڈیاں اور غلام بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ اسی میں صفیہ بھی تھیں .... حضرت دحیہ کلبی (صحابی) نے حاضر خدمت ہوکر ایک کنیز کی ضرورت کا اظہار کیا۔ اور سرکار نبوت سے انتخاب کرکے کنیز لینے کا پروانہ مل گیا۔ حضرت دحیہ کلبی نے حسن اتفاق سے صفیہ ہی کو منتخب فرمایا۔ دحیہ کلبی صفیہ کو لیکر ابھی کچھ دور نہ جانے پائے تھے۔ کہ کسی صحابی نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا آپ نے سید و سردار بنی قریظہ کی دختر کو کنیزی میں دیدیا ....

یہ سنکر حضرت نے دحیہ کلبی کو طلب فرماکر دوسری کنیز دیدی۔ اور مجمع اصحاب سے ان الفاظ میں تخاطب فرمایا۔ (زرقانی جلد ۳ ص ۳۰۶)

ماتقولون فی ھذہ الجاریۃ قالوا تقول انك اولی الناس بھا واحقھم قال فانی اعتقھا واستنکحھا وجعلت عتقھا مھرھا فقال الرجل الولیمۃ یارسول اللہ فقال الولیمۃ اول یوم حق والثانیۃ معروف والثالثۃ فخر۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا اے اصحاب تم اس کنیز کے بارہ میں کیا کہتے ہو۔ لوگوں نے کہا ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اس کنیز کے سب سے بہتر و سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اسکو آزاد کرتا ہوں اور نکاح کرتا ہوں۔ اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیتا ہوں۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ پھر ولیمہ؟ آپ نے فرمایا تین روز بجائے ایک دن کے۔ پہلے روز تو حق ہے۔ دوسرے روز مستحسن اور تیسرا دن باعث ازدیاد عزت و فخر ہے۔

(۲) ص ۱۶۲: خیبر سے قریبی مقام پر آنحضرت نے رسم عروسی کو پورا کرنا چاہا۔ مگر حضرت صفیہ راضی نہ ہوئیں آخر مقام صہبا پر جو خیبر سے فاصلہ پر ہے ام سلیم نے حضرت صفیہ کی زینت کی خدمات ادا کیں اور یہیں عروسی ہوئی۔ آنحضرت نے پہلے انکار کی وجہ دریافت کی تو حضرت صفیہ نے عرض کی کہ وہاں یہود قریب تھے مجھے ڈر معلوم ہوا کہ ایسا نہ ہو آپ کو گزند و ایذا پہنچائیں۔ (طبقات سعد جلد ۸ ص ۸۵)

(۳) آنحضرت شب کو خیمہ عروسی میں داخل ہوئے۔ تو ابو ایوب انصاری ہتھیار لگائے دروازے پر آگئے اور رات بھر چپکے چپکے پھرا کئے۔ صبح کو آنحضرت نے آواز اسلحہ سنکر پوچھا کہ کون ہے۔ ابو ایوب نے اپنا نام بتایا۔ پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے۔ ابو ایوب نے عرض کی کہ مجھے خیال ہوا کہ صفیہ کے باپ بھائی شوہر سب قتل ہوچکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ناشائستہ امر رونما ہو۔ اسلئے میں حفاظت کیلئے حاضر تھا

آپ نے سنکر یہ دعا دی :-

اللھم احفظ ابا ایوب کما حفظ نبیک -

اے خدا ابو ایوب کی حفاظت فرما جیسی حفاظت کہ اس نے تیرے نبی کی کی ہے -

(۴) ص ۱۶۵ - رمضان ۵۰ھ میں جبکہ آپ کی عمر ساٹھ سال کی تھی انتقال فرمایا -

(۵) صحیح بخاری پارہ سترہ کتاب النبی ترجمہ :-

"رسول خدا نے نماز صبح خیبر کے قریب اندھیرے میں پڑھی - پھر فرمایا - اللہ اکبر خیبر ویران ہوگیا - ہم جب کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں ڈرے ہوؤں کی صبح بری ہوتی ہے - خیبر والے نکل کر گلی کوچوں میں دوڑنے لگے رسول خداصلعم نے مقابلہ کرنے والوں کو مارا - اور ان کی اولاد کو قید کیا ان قیدیوں میں صفیہ بھی تھیں (جو کہ بنی نضیر اور قریظہ کی سردار تھیں) اولاً صفیہ وحیہ کلبی کے حصہ میں چلی گئیں - پھر آنحضرت کے حصہ میں آگئیں - آپ نے صفیہ کا مہران کا آزاد کرنا مقرر فرمایا ......"

انس سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے صفیہ کو قید کیا - پھر اسے آزاد کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیا -

(۶) روضۃ الاحباب ص ۵۵۹ (محدث شیرازی)

صفیہ را چوں آوردند لفر مود تا بخیمہ بردندش آنگاہ خود بخیمہ تشریف دادہ صفیہ چوں آنحضرت را دید برخواست او فرشے کہ خود بران نشستہ بود برداشت و برائے پیغمبر صلعم بسیط کرد و خود بر زمین نشست حضرت فرمود اے صفیہ پیوستہ پدر تو با من عداوت می نمود تا خداوند تعالیٰ وے را ہلاک ساخت ، گفت خداوند تعالیٰ ہیچ بندہ را بگناہ دیگرے نمی گیرد آنگاہ سرور عالم او را مخیر ساخت میان آنکہ آزادش کند و او بقوم خود ملحق بشود و میان آنکہ اسلام بیاورد و حضرت او را بخواہد - صفیہ بسیار حلیمہ و عاقلہ بود گفت یا رسول اللہ تحقیق کہ آرزوئے

حضرت صفیہ جب آپ کے پاس لائی گئیں تو آپ نے ان کے احترام کے لحاظ سے حکم دیا کہ ایک علیحدہ خیمہ میں رکھی جائیں - پھر آپ اس خیمہ میں تشریف لائے - صفیہ نے جب پیغمبر اسلام کو دیکھا تو کھڑی ہوگئیں اور وہ فرش جس پر خود بیٹھی تھیں اٹھایا اور پیغمبر اسلام کے واسطے بچھا دیا - اور خود زمین پر بیٹھ گئیں پیغمبر اسلام نے فرمایا اے صفیہ ہمیشہ تیرے باپ نے میرے ساتھ دشمنی کی حتیٰ کہ خدا نے اس کو ہلاک کیا - صفیہ نے کہا کہ خدا کسی بندہ کو دوسرے کے گناہ کے بدلے میں نہیں پکڑتا - پھر پیغمبر نے صفیہ کو اختیار دیدیا کہ چاہے وہ آزاد ہو کر اپنے قبیلہ و قوم میں چلی جائے یا

اسلام دارم و تصدیق تو کردہ ام پیش از
آنکہ مرا دعوت کنی و اکنون بمنزل تو آمدہ ام
و حالا مرا بہ یہودیت ہیچ حاجت نیست نہ
پدرے دارم نہ برادرے درمیان یہود
یا رسول اللہ مرا میان کفر و اسلام مخیر می
گردانی واللہ کہ خدا و رسول وے احب اند
نزد من از آزادی و لحوق بقوم خود پس
حضرت صلعم را خوش آمد و او را برائے خود
نگاہ داشت و آزادش نمود و اعتاق او را
صداق او ساخت -

چاہے تو اسلام قبول کرے - اور پیغمبر خود اس
سے نکاح کرلیں - صفیہ بہت عالم و عاقلہ
تھی اس نے کہا اے خدا کے رسول مجھ کو یقیناً
تمنائے اسلام ہے - میں نے آپ کی تصدیق کی
ہے - اس سے پہلے کہ آپ دعوت اسلام مجھ کو
دیں - اور اب میں آپ کے گھر آگئی ہوں اب
مجھ کو یہودی مذہب کی کوئی حاجت نہیں ہے
نہ میرا باپ نہ بھائی یہودیوں میں ہے - اے
رسول خدا آپ نے مجھ کو کفر و اسلام کے اختیار
کرنے کا مجاز کر دیا ہے - قسم بخدا کہ مجھ کو خدا
و رسول زیادہ محبوب ہیں اس سے کہ میں اپنی قوم میں واپس جاؤں - پیغمبر اسلام کو اس کی یہ گفتگو پسند آئی - اور اس کو اپنے لئے مخصوص کر لیا - پھر اس کو آزاد کیا اور اس کی آزادی کو اس کا مہر مقرر کر دیا -

(۷) محدث شیرازی روضۃ الاحباب ص ۵۹۵ میں لکھتے ہیں :-

حسب ارشاد نبوی ام سلیم حضرت صفیہ کو ایک خیمہ میں لے گئیں - ان کے سر اور بالوں میں کنگھی کی - ان کے کپڑوں میں خوشبو لگائی - صفیہ جوان و صاحب جمال تھیں - اسی منزل (صہبا) میں ان کا زفاف واقع ہوا - جس شب صفیہ کا زفاف ہوا اس رات ابو ایوب انصاری سلاح جنگ پہن کر رات بھر اس خیمہ کے گرد پھرتے رہے - صبح کو جب آپ اٹھے تو آپ نے سلاح جنگ کی آواز سنی - پوچھا کون ہے جواب ملا میں ہوں ابو ایوب یا رسول اللہ یہ یہودیہ عورت جوان ہے اور اس کے باپ اور بھائی کو ہم نے ابھی قتل کیا ہے - "ترسیدم کہ ناگاہ حرکتے از وے بظہور آمد" - میں ڈرتا ہوں کہ شاید اس سے کوئی حرکت ظاہر ہو - میں نے بہتر سمجھا کہ آج رات آپ کے قریب رہوں پیغمبر اسلام مسکرائے اور دعائے خیر کی -

خلاصہ عبارات

(۱) صفیہ عرب کے دو مشہور قبائل بنو نضیر و بنو قریظہ کے سرداروں کی چشم و چراغ تھی (دختر)

(۲) صفیہ کے دو شوہر یکے بعد دیگرے حالت کفر میں ہو چکے تھے - اور صفیہ بیوہ عورت تھی -

(۳) صفیہ بصورت اسیر و کنیز آئی تھی۔ اور پیغمبر اسلام نے درخواست دحیہ کلبی پر دحیہ کو دیدیا تھا۔
(۴) اصحاب نے پیغمبر اسلام کو بتایا کہ صفیہ سردار فوج کفار حیی بن اخطب کی لڑکی ہے۔
(۵) پیغمبر اسلام نے صفیہ کو آزاد کیا۔ اور اختیار دیا کہ چاہے وہ واپس ہو جائے یا اسلام قبول کرلے اور پیغمبر کی زوجیت کا شرف حاصل کرلے۔
(۶) خیبر سے تقریباً نو میل دور زفاف صفیہ ہوا۔ مگر پھر بھی اصحاب پیغمبر کو خوف تھا کہ یہودی شب خون ماریں یا خود صفیہ انتقام خونِ پدر و برادر لینے کیلئے پیغمبر اسلام پر قاتلانہ حملہ نہ کردے۔
(۷) صفیہ نے بخوشی اسلام قبول کیا۔ پیغمبر نے ان کو آزاد کیا اور نکاح کیا۔

استنباط نتائج

مذکورہ عبارات تاریخی سے ثابت ہوگیا کہ پیغمبر اسلام نے صفیہ سے عقد حظ نفس کیلئے نہیں کیا۔ کیونکہ اگر ایسا خیال ہوتا تو پہلے سے ہی صفیہ کو اپنے لئے مخصوص کرلیتے۔ دحیہ کلبی کو نہ دیتے۔ مگر یہ کہ صفیہ حالت کفر میں دو کافروں کی زوجہ رہ چکی تھی۔ قابل توجہ ہرگز نہ تھی اور قابل رغبت بھی نہ تھی۔ علاوہ بریں اس سے انتقام پدر و برادر کا بھی خطرہ تھا۔ ان حالات میں تو بہتر یہی تھا کہ اس کو کنیزی ہی میں رکھا جاتا اور کسی دوسرے سپاہی کو سپرد کردیا جاتا۔ لیکن اگر ایسا کیا جاتا تو خلاف قوانین عدالت و حکمت پیغمبر اسلام ہوتا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام نے کبھی نہیں چاہا کہ سردار قبیلہ و سردار قوم کی عورت کو ذلیل کیا جائے۔ لہٰذا جب آپ کو معلوم ہوا کہ صفیہ سردار قوم کی لڑکی ہے۔ تو آپ نے اس کا پورا احترام کیا علیحدہ خیمہ لگایا اور اس سے گفتگو کی اور اس کو آزاد کرکے واپسی قبیلہ و قبول اسلام کا اختیار دیدیا۔ جب اس نے بخوشی اسلام قبول کرلیا تو آپ نے اس سے نکاح کیا اور اس نکاح سے متعدد فوائد ہوئے۔

(۱) اول فائدہ تو یہ ہوا کہ یہودان عرب کے سر جھک گئے اور رعب اسلام ان پر چھا گیا۔
(۲) دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ایک سردار قوم کی بیٹی کی عزت اس کے درجہ و منزلت کے مطابق ہوگئی۔
(۳) تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ اصحاب پیغمبر میں جو صفیہ کے معاملہ میں جھگڑا پڑنے کا اندیشہ تھا اور اندرونی رنجش پیدا ہونے والی تھی وہ ختم ہوگئی۔
(۴) چوتھا فائدہ یہ ہوا کہ یہ دستور اسلامی بن گیا کہ جب دشمنان اسلام کے سرداروں کو قتل کیا جائے تو ان کی عورتوں کو ذلیل نہ کیا جائے۔ بلکہ ان کا احترام کیا جائے۔ اور اگر وہ سرداروں کی عورت ہے تو سردار فوج اسلام ہی کی زوجیت میں آئے۔
(۵) پانچواں فائدہ یہ ہوا کہ اہل اسلام کو یہ درس دیا گیا کہ وہ اسیر کردہ عورتوں کو کنیزی ہی میں نہ رکھیں

بلکہ ان کو آزاد کر دیا کریں۔ تاکہ سلسلہ کنیزی نہ پیدا ہو۔ بلکہ ہر عورت و مرد اسیر کو حق آزادی دیا جائے اور اس کو اس کے حق فطری سے محروم نہ کیا جائے۔ اگر پیغمبر اسلام یہ درس نہ دیتے تو بطور اسیری کے لاتعداد غلام و کنیزیں عہد بہ عہد بڑھتی ہی رہتیں۔ پیغمبر اسلام کے صفیہ و اسی طرح دیگر عورتوں مردوں کے آزاد کرنے سے سلسلہ غلامی و کنیزی منقطع ہو گیا۔ درحقیقت پیغمبر اسلام کا یہ بہت بڑا احسان بنی نوع انسان پر ہوا۔

(۶) چھٹا فائدہ یہ ہوا کہ صفیہ کے آزاد کرنے و نیز ان کو اپنے عقد میں لانے سے اخلاق پیغمبر اسلام کا اثر صرف صفیہ ہی پر نہیں ہوا۔ بلکہ اس زمانہ سے اب تک جس تاریخ داں نے ان اخلاق پیغمبر اسلام کا مطالعہ کیا وہ معترف اخلاق اسلام ہوا۔ اور اس طرح اساس اسلام کو روز بروز استحکام حاصل ہوتا گیا۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ اقوام سلف کے ظالمانہ و استبدادانہ افعال ہمیشہ کیلئے قابل نفرت بن گئے۔ اور پیغمبر اسلام کے اخلاق و افعالِ حکیمانہ ہمیشہ قابل محبت و رغبت رہے۔ اور یہی وہ چیز تھی کہ جس نے اسلام کو ایک لافانی اور عالمگیر مذہب بنا دیا۔

عقد ریحانہ بنت شمعون

عقد گیارہ ۔ تذکرہ صحابیات فصل ۱۱

ریحانہ بنت شمعون قبیلہ بنی نضیر سے تھیں۔.........

(۱) آپ کا پہلا نکاح حکم قرظی سے ہوا تھا۔ جب بنی قریظہ مسلمانوں سے مغلوب ہوئے تو ریحانہ بھی سلسلہ اسراء میں آنحضرت کے حصہ میں آئیں۔ بقول ابن سعد آنحضرت نے آزاد کر کے آپ سے نکاح کر لیا۔

(۲) تفریح الاذکیا جلد دوم ص ۳۵۵ :-

بارھویں ریحانہ بنت شمعون کہ بنی نضیر یا بنی قریظہ سے تھیں۔ مگر غزوہ بنی قریظہ میں ہاتھ آئیں اور محرم سال ہشتم میں حضرت نے آزاد فرما کے اور بارہ اوقیہ مہر مقرر کر کے نکاح کیا۔ کذا فی القول بدیع اس قول کو واقدی اور ابن اثیر نے ترجیح دی ہے۔ وفات ان کی حجۃ الوداع وقت رجوع میں ہوئی قبرستان مدینہ میں مدفون ہیں۔

عقد میمونہ بنت حارث

عقد بارہ ۔ تفریح الاذکیا جلد ۲ ص ۵۵۵ :-

میمونہ بنت حارث ۔ زمانہ جاہلیت میں

میمونہ زوجہ مسعود ابن عمرو ثقفی تھیں۔ (۱) پھر عبداللہ ابن ابی رہنم عامری یا خویطب ابن

عبدالعزی یافروہ ابن عبدالعزی یا عبد یالیل ابن عمر کے نکاح میں آئیں .... ذیقعدہ سنہ ہجری میں حضرت نے نکاح کیا۔

(۲) اسوۃ الرسول جلد سوم ص۵۱۵ :۔

میمونہ نام تھا باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔ مسعود بن عمیر الثقفی ان کے پہلے شوہر تھے۔ مسعود نے طلاق دیدی تو ابورہم بن عبدالعزی نے ان سے نکاح کر لیا۔ ابورہم کے انتقال کے بعد آنحضرت صلعم کی شرف زوجیت میں آئیں۔ ان کے ساتھ نکاح کر لینے کی درخواست حضرت عباس نے کی تھی۔ اسلئے کہ حضرت عباس کی زوجہ ام الفضل کی یہ چھوٹی بہن تھیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ مقام سرف میں ان کا نکاح ہوا تھا اور وہیں انہوں نے ۵۱ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب جنازہ لوگ لے چلے تو عبداللہ ابن عباس نے تاکید فرمائی کہ آہستہ چلو جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو باادب آہستہ لے چلو یہ رسول اللہ صلعم کی زوجہ محترمہ ہیں۔

(۳) صحیح بخاری پارہ ۱۷ کتاب النبی ترجمہ مرزا حیرت دہلوی :۔

ابن عباس فرماتے ہیں۔ نبی صلعم نے میمونہ سے حالت احرام میں نکاح کیا اور بوقت حلال ہونے کے ان سے خلوت کی اور میمونہ اتفاقاً سرف ہی میں (جس جگہ نکاح ہوا تھا) فوت ہوئیں۔ بہ سند دیگر دیگر ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ نبی صلعم نے میمونہ سے عمرۃ القضا میں نکاح کیا تھا۔

نتیجہ :۔ یہ دونوں نکاح ۶ھ و ۸ھ میں ہوئے۔ ریحانہ قبیلہ بنی نضیر سے تھیں۔ جب بنو نضیر مغلوب ہوئے تو ریحانہ بہ حالت کنیزی و اسیری آئی تھیں۔ بیوہ تھیں پیغمبر اسلام نے آزاد کر کے نکاح کیا۔ میمونہ حالت کفر و زمانہ جاہلیت میں یکے بعد دیگرے دو شوہر کر چکی تھیں اور دوبارہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے پیغمبر اسلام سے سفارش کی کہ وہ میمونہ سے عقد کر لیں۔ کیونکہ حضرت عباس کی یہ سگی سالی تھیں۔ بحالت غربت زندگی گذار رہی تھیں۔ پیغمبر نے اپنے سگے چچا عباس ابن عبدالمطلب کی سفارش قبول فرمائی اور میمونہ سے بحالت احرام کعبہ ہی میں نکاح کر لیا۔ کیوں ؟ اسلئے کہ عباس کے دل میں ملال پیدا نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام تھی۔ اسلام کو معزز اور بااثر افراد کے تعاون کی ضرورت تھی نہ کہ معمولی بات پر باہمی رنجش و ملال پیدا کر لیا جاتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ دونوں عقد حظ نفس کیلئے کئے گئے تو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ان دونوں عورتوں میں سے کسی ایک میں بھی وجہ رغبت و سبب لذت کوئی چیز نہ تھی۔

فطرت انسانی نہیں بدلتی اس وقت کے انسان جس چیز کو پسند کرتے تھے آج کے انسان بھی انہیں چیزوں کو پسند کرتے اور کشش دلی سمجھتے ہیں۔ حسن و جمال سن و سال، عقل و فہم، تیزی و پھرتی عہد قدیم میں سبب کشش تھا اور آج بھی۔ عہد قدیم میں بھی عورت کیلئے زیادہ عمر کا ہونا، بیوگی اور وہ بھی بار بار کی بیوگی غربت و افلاس، بدمزاجی و بداخلاقی۔ تند خوئی و سرکشی مرد کیلئے باعث نفرت تھی اور آج بھی ہے۔

اس معیار فطرت انسانی پر پیغمبر اسلام کی کوئی زوجہ نہ اترتی تھی۔ بجز عائشہ بنت ابوبکر کے پیغمبر اسلام کی تمام ازواج بیوہ تھیں۔ معمر تھیں، بعض سخت تند مزاج و تند خو تھیں۔ بعض سرکش و نافرمان تھیں بعض غریب و نادار تھیں، بعض اسیر و کنیز تھیں، بعض عالم غربت میں بیوگی و لاچارگی میں تھیں۔ یہ سب وہ چیزیں تھیں کہ مرد کو ان سے تنفر پیدا ہوتا ہے۔ اور میلان طبیعت ایسی عورتوں کی جانب نہیں ہوا کرتا

جب پیغمبر اسلام کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور عین شباب تھا تو آپ نے خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کیا جن کا سن بالاتفاق مورخین ۴۰ سال کا تھا۔ اور وہ بیوہ بھی تھیں۔ یہ عورت کی عمر کیلئے بس آخری حصہ عمر ہوا کرتا ہے۔ اور اس عمر میں عورت میں کوئی کشش و جاذبیت باقی نہیں رہتی۔ پیغمبر اسلام نے اپنی نوجوانی کا تمام حصہ اسی رفیقہ حیات کے ساتھ گذارا اور ان کی زندگی میں کوئی عقد نہیں کیا۔ اور کیوں نہیں کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ خدیجہ محسن اسلام تھیں۔ اولین مومنہ تھیں، انہوں نے اپنا لاتعداد روپیہ راہ خدا و رسول میں صرف کر دیا تھا۔ اور بعد کو خود بحالت افلاس و غربت زندگی گذاری۔ مگر سب کچھ صرف طلب رضائے خدا کیلئے اور خوشنودی پیغمبر اسلام کیلئے کیا۔

چونکہ ذات خدیجہ سے پیغمبر اسلام کی اصل غرض و غایت اسلام پوری ہوتی تھی۔ یعنی اسلام کی تبلیغ کے مواقع اور اس کے اسباب حاصل ہوتے تھے۔ لہٰذا دوسرے عقد کی ضرورت بھی نہ تھی۔ لیکن خدیجہ کے بعد پیغمبر اسلام کو تبلیغ توحید ربانی کیلئے تمام وہ طریقے اختیار کرنے تھے۔ جو مفید مطلب ہوں۔ لہٰذا ان میں سے ایک یہ طریقہ بھی تھا کہ آپ تعدد ازدواج کے ذریعہ فراعنہ عرب و متکبرین قریش کے سروں کو نیچا کر دیں۔ یا ان کو اسلام کا ہمدرد و معاون بنالیں۔ یا کم از کم ان کی مخالفت ظاہری ہی ختم کر دیں۔ چونکہ یہ چیزیں تعدد ازدواج ہی سے حاصل ہوتی تھیں۔ اور عرب کے جنگجو ضدی و متکبر و مغرور قوم اور اس کے افراد بیٹی کو اسلئے زندہ دفن کر دیا کرتے تھے کہ وہ لڑکی غیر کی زوجیت میں نہ جائے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے ان متکبرین و مغرورین کے سر جھکا دیئے اور یہی نہیں کیا۔ بلکہ عورتوں اور معصوم بے گناہ بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچالیا۔ اور وہ اس طرح کہ پیغمبر اسلام نے اسیر عورتوں کو آزاد بھی کیا۔ اور اسیری ان کیلئے ایک بدنما داغ بن گئی تھی۔ لہٰذا اس داغ کو اسطرح مٹا دیا کہ خود اپنی زوجیت میں قبول کر لیا۔ عورت کا پست

درجہ ہوگئی ہے اور عالی مرتبہ لیکارت ہے . . . . . . پیغمبر اسلام نے لپست درجہ (بیوہ) عورت کا اعزاز بڑھایا۔ تاکہ وہ عالی مرتبہ . . . . . . عورت کے مساوی ہو جائے۔

ناظرین و صاحبان نظر! بانصاف حیات پیغمبر اسلام پر جہاں تک غور کریں گے ان کو معلوم ہوگا کہ پیغمبر اسلام کا ہر فعل عفت و حکمت و عدالت پر مبنی تھا۔ اور درحقیقت آپؐ نے وہ نمونے عفت کے قائم کئے ہیں جو تا قیامت عدیم المثال اور قابل عمل رہیں گے۔

یہ تعدد ازواج کیوں؟ دفع اعتراض

غیر مسلم معترضین و متعصبین نے عفت پیغمبر اسلام پر تعدد ازدواج کے بارہ میں اعتراض کئے ہیں۔ مگر ان لوگوں نے اپنے نظریہ یا اپنے ماحول یا اپنی معاشرت یا اپنے رسوم ملکی و مذہبی کے ماتحت اصلی مقصد کو سمجھا نہیں ہے۔ موقع نہیں کہ ان افراد و معترضین کے رسوم ملکی و مذہبی و ماحول و معاشرہ پر تفصیلی بحث کی جائے کیونکہ یہ چیز میری کتاب کے موضوع سے علیحدہ ہے۔ مگر مختصراً اتنا لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض مذاہب ایسے ہیں کہ انہوں نے خدا پرستی، پارسائی و عفت کو بس اتنا ہی سمجھا ہے کہ وہ ترک دنیا داری کر دیں۔ لذت دنیا کو ترک کر دیں۔ گوشہ نشینی اختیار کر لیں۔ رشتہ ازدواج کو چھوڑ دیں۔ غیر آباد مقامات پر یاد الٰہی کرتے رہیں۔ اپنے جسم و نفس کو سخت ترین اذیتیں پہنچائیں۔ نعماتِ خداوندی کو جو اس نے انسانی مصرف کیلئے سطح ارض پر پیدا کی ہیں۔ بھول جائیں۔ اپنے جسموں کو لاغر کر لیں۔ دنیا و مافیہا سے غافل ہو جائیں۔ ان کا خیال و اعتقاد ہے کہ جسقدر سختی سے وہ ان باتوں پر عمل کریں گے۔ اتنے ہی وہ پارسا عفت مآب خدا ترس، متقی، عابد و زاہد ہو جائیں گے۔ اور اتنا ہی وہ خدا کے قریب ہو جائیں گے

حکماء متقدمین، عقلاء متاخرین کا اس امر پر اجماع ہے۔ کہ انسان کی قدر و قیمت اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے جتنا وہ ابنائے نوع کے زیادہ کام آتا ہے۔ اور انسان اتنا ہی باعزت و باوقار ہوتا ہے۔ جتنا وہ سوسائٹی و معاشرہ کیلئے مفید و کارآمد بن جاتا ہے۔ انسان کو ابدی زندگی اسی وقت حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ وہ اپنے ابنائے نوع کیلئے اپنا سب کچھ مال، وقت، جان، اولاد . . . قربان کر سکتا ہے۔

حکماء، متقدمین و متاخرین کے نزدیک بھی ترک دنیا و صحرا نشینی کی زندگی کوئی اعلیٰ زندگی نہیں ہے اگر انسان بادیہ نشینی و کوہ نشینی اختیار کرے۔ اور اپنا سب وقت عبادت الٰہی میں صرف کرے تو اس کا مرتبہ جمادات و حیوانات، جمادات، نباتات طیور وغیرہ سے زیادہ نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب مخلوقات اپنے رب کی ثناء اور اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ ان فرائض فطرت کو بھی ادا کرتے ہیں جن کیلئے وہ خلق کئے گئے ہیں۔ انسان ان مخلوقات سے بھی کم درجہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صحرا نشینی میں عبادت

خالق تو کرتا ہے مگر وہ اپنے فرائض حیات کو ترک کر دیتا ہے۔ علاوہ بریں انسان کو خدا نے اشرف مخلوقات بنایا ہے اور اس کی اشرفیت و افضلیت اسی میں ہے کہ وہ ان حیوانات وغیرہ سے زیادہ فرائض ادا کر سکے۔ ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہیں تھے کر دیاں۔ خدا نے بیشمار ملائک یا ذرات عالم بنائے ہیں جو اپنے فرائض فطرت کو معینہ اوقات کے مطابق بجا لا رہے ہیں۔ انسان کی افضلیت ان سب پر اسی لیئے ہے کہ وہ بیک وقت اپنے تمام ضروریات زندگی و معاملات حیات کو مطابق مرضی خدا بنالیتا ہے۔ اور اس کا ہر فعل اور اس کی ہر سانس عبادت خدا بن جاتی ہے۔ وہ فکر معاش میں جاتا ہے صرف اسلئے کہ اس کا جسم جو نعمت خدا ہے باقی رہے۔ وہ محنت و مشقت کرتا ہے تاکہ وہ اپنے خورد و نوش و لباس و مکان کا انتظام کر سکے اور صرف اسلئے کہ اس کا جسم فنا و ہلاکت بے وقت سے محفوظ رہے۔ وہ اعزا اقرباء، احباب اہل محلہ و اہل ملک سے بااحسن سلوک پیش آتا ہے۔ صرف اسلئے کہ اس کی و دوسروں کی ضروریات زندگی فراہم کر سکے اور اس کام میں باہمدگر ایک دوسرے کا تعاون جاری رہے۔ وہ عقد کرتا ہے تاکہ اس کی نسل باقی رہے اور افضل و اشرف مخلوق و بہترین صنعت خالق کا وجود باقی رہے۔ جو اس کے علوم کا ادراک کریں جو اس کے رازہائے فطرت کو ظاہر و منکشف کریں اور اس کی معرفت حاصل کرتے ہوئے اس کی عبادت کرتے رہیں۔ اولاد کو پرورش کرتے رہیں اسلئے کہ کائنات کا حاکم مخلوقات عالم کا متصرف اشیائے عالم کو کام میں لانے والا باقی رہے۔

قرآن کریم نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ لقد کرمنا بنی آدم[۳] - ہم نے بنی آدم کو ہر شے پر کرامت و سرداری عطا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب چیزوں سے کام لینے والا ہی کوئی نہ رہے گا۔ تو چیزیں عبث ہو جائیں گی۔ گویا بے وجود انسانی کائنات کا وجود ہی عبث قرار پائے گا۔ لہٰذا انسان اپنی اولاد کو پرورش کرتا ہے۔ کہ خلیفہ فی الارض کا وجود باقی رہے۔ اور وہ اس کام میں جتنی جدوجہد زیادہ کرتا ہے۔ اتنی ہی اس کی عبادت و معرفتِ خالق زیادہ ہوتی ہے۔

یہ جو کچھ لکھا گیا وہ متقدمین و متاخرین اور فلسفین کے خیالات کی ترجمانی تھی۔ خدائے لم یزل نے بھی تاقیامت باقی رہنے والے دستور العمل قرآن میں متعدد جگہ انسانوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ اس تمہید سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان مدنی الطبع ہے اور اس کا ہر فعل بشرطیکہ معاشرہ کی بھلائی کیلئے ہو عبادت خداوندی ہے۔

عہد قدیم سے عہد موجودہ تک لاتعداد قوانین معاشرہ بنائے گئے اور روزانہ حکومتیں قوانین بناتی رہتی ہیں۔ مگر ان قوانین کو مطابق زمانہ بار بار بدلنا پڑتا ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ انسان کا علم محدود ہے

اس کا تجربہ محدود ہے۔ اس کی عقل محدود ہے، اس پر خود غرضی وحکومت کا بھوت سوار ہے۔ وہ اپنے اقتدار اپنی قوم کے اقتدار کا بھوکا ہے۔ وہ جو کچھ بناتا ہے بس اپنا مفاد اپنی قوم و ملک کا مفاد پیش نظر رکھ کر بناتا ہے مگر جب کچھ زمانہ گذرتا ہے تو دوسری قوم یا جماعت کا اقتدار بڑھتا ہے۔ اس کا بھی علم محدود، تجربہ محدود عقل محدود اور وہی خود غرضی و اقتدار کا لالچ بس پھر قوانین تو بنتے ہیں۔ مگر صرف وقتی و عارضی، یہی سلسل ہوتا چلا رہا ہے۔ مگر خدائے قدیر نے انسان کو صحیح راستہ پر چلنے کیلئے ہر زمانہ میں قوانین بنائے اور جس زمانہ کے لوگوں میں جتنی استعداد صلاحیت فہم وعمل تھی۔ اسی قسم کے قوانین بنائے گئے۔ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء دنیا میں آئے۔ جب نخل آفرینش اپنے کمال کو پہنچا اور اس میں برگ وشاخ وثمر سب پیدا ہو گئے تو خدائے قدیر نے نبی آخر زمان کو معین کیا۔ اور ان کو ایک ابدی قانون کی کتاب عطا کر دی۔

چونکہ خدا واقف فطرت انسانی، بلکہ خالق فطرت انسانی تھا۔ لہٰذا اس نے اب اس کتاب میں وہ سب قوانین وضروریات جمع کر دیئے۔ جس کی ضرورت قیامت تک آنے والوں کو پڑے گی۔ اور قرآن نے آکر ان الفاظ میں اعلان کر دیا۔

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب المبین۔

دنیا کا کوئی رطب و یابس ایسا نہیں ہے جو اس کتاب میں نہ ہو۔

اس تمہید کلام کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہل عالم غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام محمد صلعم کی دو حیثیتیں تھیں ایک حیثیت میں وہ بشر تھے اور دوسری حیثیت میں وہ نبی آخر زمان تھے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں یہ التزام کیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی بشریت کے لحاظ سے ان کے کمال ذاتی کو پیش کروں۔ اس موقع پر بھی میرا یہ التزام ہے۔ مگر چونکہ قوانین فطرت انسانی کو بیان کرنا ہے۔ لہٰذا خالق فطرت کا تذکرہ اس کے بعد دستور العمل و فطرت کا ذکر ضروری ہے۔

بہر حال پیغمبر اسلام کی زندگی کے دو پہلو تھے۔ ایک پہلو تو یہ تھا کہ وہ بشر تھے۔ اور دوسرا پہلو یہ کہ وہ نبی و رسول تھے۔ اگر وہ بلحاظ بشر کامل اپنے کار مفوضہ یعنی کار رسالت کو بہ احسن وجوہ پورا نہ کر سکتے تو بھی یہ بجائے کمال بشریت کے نقص بشریت ہوتا۔ پیغمبر اسلام نے احکام خدا کو بہ احسن وجوہ اہل دنیا تک پہنچایا۔ اور ہر حکم خدا پر خود عمل کامل کر کے نمونہ پیش کر دیا۔

اب رہا معاملہ تعدد ازدواج کا۔ تو اس کے بارے میں جو مصالح تھے ان کو تفصیلاً میں لکھ چکا ہوں اب صرف یہ بات رہ جاتی ہے کہ تعدد ازدواج کے بارہ میں جو احکام خدا تھے، ان کی مطابقت و اشاعت و ترویج پیغمبر اسلام نے کہاں تک کی۔ اگر پیغمبر اسلام نے اپنی تعدد ازدواج میں احکام خدا کا نمونہ پیش کیا ہے۔

تو اپنا کار رسالت انجام دیا ہے۔ اور اگر بربنائے مصالح دینی تعدد ازدواج پر عمل کیا ہے۔ تو بھی کمال نقطہ بشریت ہے۔ یہ تو اچھی طرح ثابت ہو چکا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ہر عقد مطابق قوانین عفت تھا۔ اور کبھی اور کسی موقع پر حظ نفس و خواہش نفس کیلئے کوئی عقد نہیں کیا گیا اور ہمیشہ قوت نفسانی قوائے عقلیہ در و حانیہ کے ماتحت رہی ہے اور اسی عمل کا نام عفت ہے۔

اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ قرآن کریم نے انسانوں کیلئے یہ سلسلہ تعدد ازدواج دستور العمل بنایا ہے۔ اور یہ غور کیجئے کہ ان احکام کی اشاعت بحیثیت رسالت پیغمبر اسلام نے کتنی پوری کی ہے۔

(۱) قرآن پارہ ۴ سورہ النساء آیت ۳ :۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃً او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنیٰ الا تعولوا۔

جو عورتیں تم کو پسند ہوں، دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو۔ اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب عورتوں سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت کافی ہے یا لونڈیاں جن کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے۔ (مقبول ترجمہ)

(۲) قرآن سورہ نساء :۔

والمحصنٰتُ من النساء الا ما ملکت ایمانکم کتاب اللہ علیکم واحلَّ لکم ما وراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین۔

اور شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر وہ (کافروں کی عورتیں جو اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر تمہارے قبضہ میں آجائیں۔ یہ حکم خدا نے تم کو لکھ دیا ہے۔ اور ان محرمات کے علاوہ اور عورتیں تمکو حلال ہیں۔ اس طرح سے کچھ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ نکاح سے مقصود عفت قائم رکھنا ہو۔ نہ کہ شہوت رانی۔

(۳) فما استمتعتم بہ منھنّ فاٰتوھنّ اجورھنّ فریضۃ۔

پس جن عورتوں سے تم متعہ کرو تو مقرر کیا ہوا مہر ان کو دیدو۔

(۴) ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنٰتِ المومنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیٰتکمُ المومنات واللہُ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض ط

اور جو تم میں سے اتنا مقدور نہ رکھتا ہو کہ وہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو وہ مومن لونڈیوں سے نکاح کر لے۔ جو تمہارے قبضہ میں ہوں اور اللہ تمہارے ایمان سے

فانکحوھنّ باذن اھلھنّ واٰتوھنّ اجورھنّ بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان ط

خوب واقف ہے۔ پس ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو۔ اور ان کے مہر نیکی کے ساتھ ان کو دیدو وہ عفیفہ ہوں نہ بدکاریں اور نہ چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں۔

(۵) یاایھا النبی انا احللنالک ازواجک التی اٰتیت اجورھنّ وما ملکت یمینک مما افاء اللہ علیک وبنات عمک وبنات عمتک وبنات خالک وبنات خالتک التی ھاجرن معک وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون المومنین قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم لکیلا یکون علیک حرج وکان اللہ غفورا الرحیما من تشاء منھن وتوی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلاجناح علیک ذلک ادنی ان تقر اعینھنّ ولا یحزنّ ویرضین بما اتیتھنّ کلھنّ واللہ یعلم ما فی قلوبکم وکان اللہ علیما حکیما۔ (پارہ ۲۲ سورہ احزاب آیت ۵۰)

(حکم خاص انحضرت محمد صلعم)

اے نبی ہم نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں جنکو تم نے ان کے مہر دیدئے ہیں حلال کردی ہیں اور وہ کنیزیں جو خدا نے تم کو بطور مال غنیمت دلوائی ہیں اور تمہارے چچا اور تمہارے پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے سب حلال ہیں۔ اور کوئی مومن عورت اگر وہ اپنے نفس کو نبی کیلئے ہبہ کردے بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا چاہے وہ بھی حلال ہے۔ مگر یہ اجازت اے نبی تمہارے لئے خاص ہے۔ دیگر مومنین کو یہ اجازت نہیں ہے۔ ہم نے انکی بیویوں اور لونڈیوں کے بارہ میں جو مہر مقرر کردیا ہے۔ ہم کو معلوم ہے۔ یہ اسلئے کیا گیا ہے کہ تم پر کسی قسم کی تنگی نہ رہے۔ خدا بخشنے والا مہربان ہے اور تمکو یہ بھی اختیار ہے کہ جس زوجہ کو چاہو علیحدہ رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس

(۶) صحیح بخاری پارہ ۱۸ کتاب تفسیر قرآن مترجمہ مرزا حیرت دہلوی صہ ۲۸۷ :۔

عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ ہم رسول صلعم کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے اور ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں۔ (اور عورتوں سے جدائی کی برداشت نہ ہوتی تھی بوجہ حرارت اور قوت کے) تو ہم نے عرض کیا آیا ہم خصی ہو جائیں آپ نے منع فرمایا اور پھر اجازت دیدی کہ عورت سے تھوڑے یا زیادہ دن مقرر کرکے جس میں جو عورت راضی ہو نکاح کرلو اور پھر آیت پڑھی۔

نوٹ - مترجم مرزا حیرت دہلوی - اس سے متعہ جائز معلوم ہوتا ہے - لیکن اسی وقت تک جبکہ اشد ضرورت تھی - پھر موقوف ہوگیا -

میری اس کتاب کے موضوع سے یہ بات باہر ہے کہ میں اختلاف تفسیر قرآن کو بیان کروں - اور اس کی تفصیل سے اپنی کتاب کو زیادہ ضخیم کردں - مجھ کو تو صرف ان احکام قرآن کو بیان کرنا ہے - جن کی تبلیغ در بارۂ تعدد ازدواج پیغمبر اسلام پر واجب تھی -

مذکورہ آیات کا خلاصہ - :-

(۱) ہر ایک مرد بیک وقت چار عورتیں اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے - اگر وہ مالی و جسمانی اتنی طاقت رکھتا ہو کہ وہ ان کے درمیان میں عدالت و انصاف قائم رکھ سکے -

(۲) ـــ حرام عورتوں کے علاوہ ہر مرد کنیزوں کو بھی جو ان کی زر خرید یا مال غنیمت میں ملی ہوں زوجیت میں رکھ سکتا ہے -

(۳) مگر مرد کا مقصد ان تعدد ازدواج سے حصول پاکدامنی و پارسائی و عفت ہو - نہ کہ ہوس رانی و عیاشی و حظ نفس - یعنی قرآن نے یہ حکم دیا کہ تعدد ازواج صرف اسلیئے جائز ہے - کہ انسان بدکاری و حرام کاری سے بچے اور با عفت زندگی بسر کر سکے -

(۴) ہر مرد منکوحہ چار عورتوں کے علاوہ دیگر عورتوں سے نکاح متعہ بھی کر سکتا ہے - اور وہ نکاح متعہ مدت معین کیلئے ہو - اور حرام کاری سے بچنے اور عفت و پاکدامنی حاصل کرنے کیلئے ہو -

(۵) عفیفہ و پاکدامن عورتوں سے نکاح و متعہ کا حکم ہے نہ کہ بدکار و حرام عورتوں سے -

مذکورہ بالا قرآنی احکام کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ان کی تبلیغ قولی و عملی پیغمبر اسلام کو کرنی ضروری تھی یا نہیں - بحیثیت رسول یہ ضروری تھا کہ پیغمبر اسلام ان احکام قرآنی و ضروریات معاشرہ انسانی کو باحسن وجوہ پیش کریں - ان آیات قرآنی سے ثابت ہوا کہ :-

ہر مرد اپنی قوت و طاقت و استطاعت کے لحاظ سے ایک، دو، تین یا چار عورتیں بیک وقت کر سکتا ہے اور بحالت ضرورت کنیزیں بھی رکھ سکتا ہے - اور دیگر عورتوں سے نکاح و متعہ بھی کر سکتا ہے - مگر ہر مرد پر فرض ہے کہ وہ یہ کام صرف ایسی حالت میں کر سکتا ہے کہ اس کا مقصد اپنی عفت قائم رکھنا اور حرام کاری سے بچنا ہو -

ان قرآنی احکام و نیز قوانئے اقوام عالم کو نظر میں رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیجئے کہ پیغمبر اسلام نے جو بھی نکاح کئے وہ تعدد ازدواج کے لحاظ سے عقلاً زیادہ ثابت ہوتے ہیں - یا بمقابلہ دیگر افراد کے کم ہیں - کیونکہ ہر مرد بیک وقت چار منکوحہ عورتیں بھی رکھ سکتا ہے، کنیزیں بھی رکھ سکتا ہے - و نیز متعدد نکاح و متعہ بھی کر سکتا ہے - اور ان میں

ہر ایک کو طلاق بھی دے سکتا ہے۔ اور ان کے عوض دوسری عورتیں بھی کر سکتا ہے۔ تو یہ تعداد ازدواج ہر مرد کیلئے ازواج نبی سے کہیں زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ اعتراض کہ پیغمبر اسلام نے بیک وقت اپنے آپ تو ۹ یا دس عورتیں نکاح میں رکھیں اور اپنے پیرو مسلمانوں کو صرف چار عورتیں بیک وقت نکاح میں رکھنے کا مجاز کیا۔ باطل ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح یہ اعتراض بھی باطل ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے یہ تعدد ازدواج برائے حصول حظ نفس کیا تھا۔ اور یہ تقدس ذات نبوی کے خلاف تھا۔

میری اس کتاب کا موضوع انسان کامل ہے۔ یاد رکھنے کی بات ہے کہ انسان کامل وہی ہے کہ جو تمام بشری طاقتیں بہ درجہ کمال رکھتا ہو۔ اور جو اوصاف و فضائل کے لحاظ سے اکمل ترین افراد عالم ہو۔ اگر کوئی ذی عقل فلسفی، حکیم، مدبر، منطقی کسی انسان کامل کے خیالی و فرضی وجود کو تسلیم کرلے۔ اور تمام دنیا کی خوبیاں اس میں جمع کر دے اور بعد کو یہ بتا دے کہ وہ انسان کامل نامرد محض تھا۔ اس میں قوائے شہوانیہ کا وجود مطلق نہ تھا۔ اس کے اولاد کبھی نہیں ہوئی۔ اس کو عورت کی ضرورت کبھی پیش نہ آئی۔ اس نے اقرباء کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ تو صرف مالک اوصاف اعلیٰ تھا۔ اور انتہائی درجہ کا موحد اور خدا پرست و عابد و زاہد تھا۔ تو یہ صفات تو اپنی جگہ باقی رہیں گی۔ مگر وہ انسان کامل کا وجود خیالی یعنی تصویر خیالی ہی بن جائے گا۔ اور اس کا کمال نقص سے بدل جائے گا۔ وہ اور اس کے اوصاف قابل تقلید نمونہ نہ رہ سکیں گے۔ وہ دنیا کی عورتوں کی نگاہ میں حقیر و قابل نفرت ہوگا۔ و نیز دنیا بھر کے مرد اس کو اپنے لئے قابل تقلید نمونہ نہ جانیں گے۔ اور ان تمام مردوں کی رغبت و محبت فطری کا اس کی ذات سے دور کا بھی تعلق نہ پیدا ہو سکے گا۔

لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ انسان کامل وہی ہو سکتا ہے جس میں تمام وہ قوائے بشری موجود ہوں۔ جن کا وجود حکمائے زمانہ نے انسان کیلئے تجویز کیا ہے۔ اور اس نے ان قویٰ کو مطابق قوانین مکارم اخلاق استعمال کیا ہو۔ پیغمبر اسلام شجاعان عرب کے بہترین خاندان بنی ہاشم کے ایک فرد تھے۔ وہ بہادر تھے۔ جری تھے، دلیر تھے اور مرد تھے۔ ان میں بحیثیت انسان کامل تمام وہ خصائص و قوائے بشری بدرجہ کمال موجود تھے۔ جن کا ہونا ایک انسان کامل کیلئے ضروری ہو سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ ان کے قوائے خصوصی بشری و اوصاف کمالیہ کے سمجھنے والے اور ان کا احصاء کرنے والے نہیں ہیں۔ ورنہ ان کی ذات تمام عالم کیلئے بغیر چون و چرا نمونہ عمل بن جاتی۔ اور اقوام کو بغیر ان کے نمونہ ذات کے قبول کرنے کے کوئی چارہ ہی نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ اہل اسلام اپنے اختلافات فرق میں مبتلا ہو گئے اور اسوۂ حسنۂ رسول کی اشاعت و تبلیغ سے غافل ہو گئے۔

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے جو اور جتنے بھی عقد کئے۔ وہ در حقیقت بلحاظ قوائے

کے بہت کم تھے۔ حالانکہ قرآن نے ہر معمولی مرد کو ان سے زیادہ عقدوں کی اجازت دی ہے۔

دفع اعتراض - اب رہا یہ معاملہ کہ اسلام یا قرآن یا خدا نے ہی تعدد ازدواج کی کیوں اجازت دیدی ہے جبکہ ایک عورت سے ہی ضروریات مرد پوری ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ میں مختصراً جواب حالات ازدواج رسول کے سلسلہ میں لکھ چکا ہوں۔ مگر مختصراً اس موقعہ پر یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں نے معیار پارسائی و عفت تو یہ بنا لیا کہ مرد کی صرف ایک عورت ہو۔ مگر چونکہ ان کا یہ مسئلہ خلاف فطرت انسانی و خلاف قوائے بشریہ ہے۔ لہٰذا وہ کلیہ یا مسئلہ کبھی قابل عمل ثابت نہیں ہوا۔

جن اقوام عالم کو دعویٰ ہے کہ وہ اس زمانہ میں بہترین و اعلیٰ ترین اصول تہذیب و تمدن و معاشرہ پر گامزن ہیں اور ان کی سوسائٹی و معاشرہ میں اب مزید اصلاحات کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود انصاف کی نظروں کو اپنے گریبانوں میں ڈال کر دیکھیں پھر ان کو ایک طلسم خانہ نظر آئے گا۔ جس میں وہ دیکھیں گے کہ ان کی عصمتیں اور ناموس لٹ رہا ہے۔ ان کی نا کتخدا لڑکیاں اپنی گودوں میں نو مولود لئے پھر رہی ہیں۔ ان کی ازواج اغیار کی طلب رضا میں مصروف ہیں۔ نہ وہاں قانون نکاح ہے نہ قانون معاشرہ نہ حقوق میراث کیلئے اولاد حقیقی ہے۔ نہ حصص میراث کا تعین صحیح معین ہو سکتا ہے۔ نہ وہاں انفرادی حمیت ہے نہ وہاں اجتماعی و قومی غیرت۔!

اس طلسم خانہ میں صرف رقص و سرود کی محفلیں ہیں۔ رندی شراب نوشی کیلئے جام و صراحیاں ہیں زرق برق لباس ہیں۔ اور حور و غلمان دنیا اسی دنیا کو صد رشک جناں بنائے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے اگر کسی عورت کا کوئی شوہر غیرت دار ہے تو کسی گوشہ میں سر جھکائے بیٹھا ہے۔ اور اپنی قسمت پر آنسو بہا رہا ہے۔ اگر کسی حسینہ ناکتخدا کا باپ اتفاق سے شریک محفل ہو گیا ہے۔ تو بے بسی میں ٹھنڈی سانسیں لے رہا ہے۔ اور تہذیب قدیم کا نوحہ خواں ہے۔ بہر صورت یہ کسی ایک ملک ایک قوم پر طاری نہیں ہے۔ بلکہ اسی دور ترقی میں۔ "ایں خانہ تمام آفتاب است"۔

آپ سنجیدگی سے غور فرمائیے کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اور انسان حیوانات کے درجہ سے بھی کیوں پست نظر آ رہا ہے کیوں اس کی رگ حمیت و غیرت کٹ چکی ہے۔ کیوں اس کو اپنی ناموس فروشی پر فخر ہے۔ کیوں اس نے اپنی ہوس رانی کی خاطر اپنا سب سرمایہ حیات و غیرت و وقار کھو دیا ہے۔؟

صرف اس لئے کہ اس انسان کے سامنے کوئی نمونہ کمال انسانی موجود نہ تھا۔ ان اقوام کے پیشوا اور ان کی تعلیمات انہیں کے ہاتھوں مسخ ہو گئے۔ ان کی فطری قوتوں نے ابھر کر ان میں حیوانیت و درندگی پیدا کر دی۔ اب نہ ان کی حیات کا کوئی مقصد اعلیٰ ہے۔ نہ ان کی عورتوں میں جذبات و احساسات غیرت و حمیت ہیں۔ نہ ان

بے غیرت عورتوں کی اولاد میں شجاعت و غیرت و حمیت قومی و ملی کے جواہر تابناک ہیں۔ ماحول مرد و عورت روز بروز پست ہوتا جا رہا ہے۔ اور انسان اپنے درجہ کمال سے درجہ حیوانیت پر اتر آیا ہے۔ بلکہ حیوانات میں بھی ان کی نسلی و ذاتی خصوصیات موجود ہیں۔ مگر انسان نے اپنی خصوصیاتِ بشری بھی کھو دی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا اسی لئے کہ یہ مذاہب اور اقوام مرد اور عورت کا صحیح موقف مقرر نہ کر سکے۔ اور ان کے ادیان نے جو موقف معین کیا تھا اس کو ان کی ہوس رانی نے مسخ کر دیا۔ اب ان کی حالت بے نکیل اونٹ کی سی ہے۔ جدھر چاہا نکل گئے اور جو چاہا کیا۔

خدا خالق فطرت انسانی ہے۔ اس کے احکام جو الفاظ قرآن میں موجود ہیں، مطابق قانون فطرت ہیں ان پر جب تک اہل اسلام عمل کرتے رہے۔ اور جو آج تک ان قوانین قرآن پر عمل کر رہے ہیں۔ ان کی عفت برقرار ہے اور اس عفت کی بدولت۔ ان کی نسلیں اعلیٰ ہیں، ان کے یہاں خاندانی شجرے ہیں، وہ اپنی خاندانی شرافت پر بجا فخر کرتے ہیں۔ ان کی عورتوں بیویوں اور بیٹیوں میں غیرت و حمیت و عفت کے جذبات ہیں۔ ان عورتوں کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے اس میں خصائص انسانیت، مروت، محبت، غیرت و عفت، شجاعت و عدالت وغیرہ اعلیٰ فضائل موجود ہیں۔ علاوہ بریں وہ خدا پرست ہیں، وہ رحمدل ہیں، وہ معاملہ فہم ہیں۔ وہ وفادار باوقار ہیں۔ جن مسلمانوں نے صرف نقالی کو اپنا شرف انسانیت سمجھا ہے وہ اسی طرح ہیں جیسے وہ جنکی نقالی انہوں نے کی ہے۔

پیغمبر اسلام نے تعدد ازدواج کیلئے جو قوانین و اصول مقرر کئے تھے۔ ان کا نمونہ اب بھی اہل اسلام میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ اور وہ بیشک تمام خصائص کے مالک ہیں۔ مگر جنہوں نے ان قوانین کو اپنی کم عقلی کم بصیرتی اور کم علمی کی وجہ سے نہ سمجھا اور ان پر عمل نہ کیا۔ وہ آج حیوانات سے پست درجہ ہو گئے ہیں۔

درحقیقت پیغمبر اسلام کا پیش کردہ اصول تعدد ازدواج ہر خطہ ارض کے باشندہ کیلئے قابل عمل ہے۔ اور انسان کو باعفت بناتا ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ خود پیغمبر اسلام نے اپنے لئے تعدد ازدواج کو کیوں جائز رکھا اسلئے کہ آپ کو بتانا تھا کہ تعدد ازدواج ہی مرد و عورت کو باعفت بناتا ہے۔ اور میرا عمل ہی آئندہ نسلوں کو بتائے گا کہ اگر ان کے افراد میں تعدد ازدواج کی طاقت ہے تو وہ یکساں عدالت قائم رکھ سکتے ہیں۔ یہ عدالت کا قائم رکھنا کوئی ایسی دشوار چیز نہیں ہے کہ جس پر عمل نہ کیا جا سکے۔ اگر یہ ناقابل عمل طریق ہوتا تو میں بیک وقت ۹ یا دس عورتوں سے کیسے عدالت کو قائم رکھ سکتا۔

پیغمبر اسلام نبی آخر تھے۔ آپ کی شریعت تا قیامت باقی رہنے والی تھی۔ لہٰذا آپ نے اس ضروری جزو حیات انسانی کو بہ احسن وجوہ کر کے دکھایا۔ اس سے دو فائدے ہوئے۔ اول تو یہ کہ انسانوں کیلئے صحیح راہ عمل در

عفت واضح وروشن ہو گئی۔ دوسرے یہ فائدہ ہوا کہ احکام خدا کی تبلیغ پیغمبر اسلام نے بحیثیت رسول بدرجہ کامل کر دی اور یہ دونوں چیزیں آپ کے فرائض رسالت ونبوت سے متعلق تھیں۔ ان کو بہترین طریقہ پر کرکے دکھا دینا آپ کے انسان کامل ہونے کا ثبوت تھا۔

صرف معلومات کیلئے نہ کہ تصدیق قول کے لئے

میں دیگر اقوام کے اقوال کو اپنی دینی معلومات میں پیش کرنے کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ وہ کبھی کسی اور طریقہ سے بھی ہم سے زیادہ ہماری تاریخ و خصوصیات وقوانین وماحول مذہبی سے واقف نہیں ہو سکتے۔ لیکن چونکہ یہ اقتباس تعدد ازدواج کے بارہ میں ہے۔ اور ایک مشہور شخص کی رائے ہے۔ اسلئے پیش ناظرین کیا جاتا ہے۔

(۱) رسالہ ہمدرد صحت کراچی جنوری ۱۹۵۶ء

برطانیہ کے مشہور قانون دان اور جج جیرالڈ ہسپارد کی رائے ہے کہ ہر مرد کیلئے دو بیویاں ضروری ہیں۔ یہ جیرالڈ صاحب ۱۹۲۵ء میں آکسفورڈ یونین کے صدر تھے اور موجودہ وزیر خزانہ مابٹلر کے دوست ہیں۔ یہ ۱۹۲۶ء میں بیرسٹری کی سند حاصل کرنے کے بعد ۲۳ سال تک سیام میں رہے اور ۱۹۲۰ء میں بنکاک میں بین الاقوامی عدالت کے جج کے عہدہ جلیلہ پر ان کا تقرر ہوا۔ موصوف کہتے ہیں کہ:۔

”کہ وہ مدتوں تک اس ایک زوجیت کو دیکھ کر حیران وسراسیمہ رہے جس پر برطانیہ اور امریکہ میں عمل کیا جاتا ہے۔ میں اکثر تعجب کرتا ہوں کہ انگلستان کی وہ عورتیں جنہیں شادی کے موجودہ نظام کے تحت شوہر نہیں ملتے۔ اس کے متعلق کیا خیال کرتی ہوں گی۔“

”ممکن ہے کہ ایک دن ایسی فاضل نا کتخدا عورتیں ایک اخلاق سوز جذبہ کے ساتھ متحد ہو کر ہم سے جرأت کے ساتھ کہدیں کہ ہم نے کس طرح انہیں ایک شرمناک نسائیت کے گڑھے میں ڈال دیا ہے۔“

”ٹھنڈے دل سے دیکھا جائے تو یک زوجی کی سماجی خرابیوں سے قطع نظر یہ طریقہ بہت سے نیک نفس شریف آدمیوں کی جائز ضروریات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جنہیں کم از کم دو قسم کی عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اولاً تو ایک دائمی رفیقہ حیات جو بچوں کی ماں ہو اور شوہر کی عمیق ترین زندگی کا جزو ہو۔ دوم ایک دوسری عورت بھی جو اس کی نظر کو روشن وتابناک رکھے اور اسے ایک گھریلو پالتو جانور نہ بننے دے بہت سے آدمی اپنے دل میں اس نقطہ نظر کی صداقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ جرأت سے کام لیکر اس حقیقت کا اعلان نہیں

کر سکتے۔ چالیس پچاس سال کی عمر کو پہنچتے پہنچتے عورت کی تمام جسمانی دلکشی ختم ہو جاتی ہے
معمولی طبعی آدمی دونوں بیویوں کے ساتھ خوشگوار روابط زیادہ عمر تک قائم رکھ سکتا ہے۔
پہلی بیوی کے ساتھ محبت کے اور دونوں کے ساتھ عزت و احترام کے پر خلوص جذبات کے ساتھ

جملہ معترضہ - اس اقتباس کو دیکھ کر آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ تعدد ازدواج مرد کیلئے پاکدامن و باعفت رکھنے کیلئے بہت ضروری ہے۔ جیرالڈ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف جذبات عورت و ضرورت مرد کے لحاظ سے لکھا ہے۔ اور ان کا ایسا لکھنا درست ہے۔

مگر پیغمبر اسلام نے تعدد ازدواج کو جائز کیا ہے۔ اور خود اس پر عمل کیا ہے۔ اس کی غرض صرف اتنی ہی نہیں ہے جو جیرالڈ صاحب نے بیان کی۔ بلکہ پیغمبر اسلام کے فرمان میں مصالح در مصالح جمع ہو گئی ہیں۔ جن میں سے بعض کا ذکر مع دلائل سطور مندرجہ بالا میں کیا گیا۔ لیکن اب صرف اتنا بتانا ضروری ہے کہ کسی مصلح کیلئے یہ خلاف عدالت و انصاف ہے کہ وہ کسی انسانی فرد کی قوتوں کو ضائع کرنے کا حکم دیدے یا اسکی کارآمد چیز حیات شے کو اس سے روک لے۔ اگر پیغمبر اسلام صرف ایک ہی زوجہ کا حکم دیتے۔ یا خود بھی صرف ایک عورت پر اکتفا کر لیتے تو گویا آپ نے مرد کے حقوق کو ضائع کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت زیادہ سے زیادہ ۴۵ سال تک صاحب اولاد ہو سکتی ہے۔ مگر مرد میں ساٹھ اور بعض حالات میں ستر ۷۰ سال تک قوت رجولیت باقی رہتی ہے۔ اور اس کے نطفہ میں انعقاد حمل کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ اگر زید کی شادی خالدہ سے ہوئی اور بفرض محال دونوں ہم عمر تھے۔ حالانکہ بوقت نکاح عورت کی عمر مرد سے کم رکھی جاتی ہے۔ بہر حال اگر دو چار سال کا فرق بھی ہوا تو جب زید کی عمر پچاس سال کی ہوئی تو خالدہ ۴۵ سال کی عمر تک پہنچ گئی۔ اور اب یہ اس کا وہ زمانہ آگیا کہ اس کا حیض بند ہو گیا۔ اب اس کے بطن سے اولاد پیدا نہیں ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں زید کی وہ تمام قوتیں یا وہ تمام قابل تولید مادہ ضائع و برباد ہوا۔ اور اگر اس نے خالدہ کی زندگی ہی میں کسی عورت سے نکاح کر لیا تو یقیناً ابھی پندرہ سال تک وہ صاحب اولاد ہو سکتا ہے۔

اگر پیغمبر اسلام تعدد ازدواج کو جائز نہ رکھتے تو زید کی بعد کے پیدا ہونے والی اولادیں پیدا نہ ہو سکتیں اور انسانی جانوں کا نقصان ہوتا۔ اور یہ امر خلاف حکمت و عدالت پیغمبر اسلام ہوتا کہ وہ ایک انسان کو اس کی خداداد نعمت و قوت سے بجبر محروم کر دینے کا حکم دیدیتے۔

علاوہ بریں مرد مصائب سے مقابلہ کرتا ہے۔ مشقت محنت شبانہ روز کرتا ہے جنگوں میں شرکت کرتا ہے گویا آلام و آفات و مصائب کے سامنے ہمیشہ سینہ سپر رہتا ہے۔ اور عورت ان تمام معاملات سے ہمیشہ سبکدوش ہے۔ اس صورت میں بھی مردوں کو جلد موت سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے اور ان کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ مسئلہ تولید بھی یہ ہے کہ عورتیں بہ نسبت زیادہ پیدا ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ بھی بمقابلہ بچہ کے زیادہ امراض برداشت کر سکتی ہے۔ اور تجربہ ہے کہ بچیوں کے مقابلہ میں بچوں (لڑکوں) کی تعداد اموات زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ عورتوں کی تعداد کثیر کو لاوارث نہ چھوڑا جائے۔ اور ان کے جذبات فطرت کے پورا کرنے کا بھی انتظام کیا جائے۔ ورنہ اخلاق سوز حرکات کا روز بروز اضافہ ہوگا و نظام زندگی بگڑ جائے گا۔

مسئلہ اسی حالت میں طے ہو سکتا ہے کہ مطابق حکم اسلام و مطابق عمل پیغمبر اسلام اہل دنیا عمل کریں اور نظام معاشرہ میں فساد نہ پیدا ہونے پائے۔ یہ تعدد ازدواج جب مطابق عقل ہے۔ اور نظام حیات و معاشرہ کیلئے انتہائی ضروری ہے تو یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ ہوس رانی و حظ نفس قابل مذمت ہے در حقیقت تعدد ازدواج ہی وہ چیز ہے کہ جو انسان کو قوانین عفت کا عامل بناتی ہے۔

پیغمبر اسلام نے تعدد ازدواج کو اختیار کر کے اور ان میں عدالت قائم رکھ کر تہذیب انسانی کیلئے ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔

مسئلہ طلاق - اس مسئلہ کے ثبوت کیلئے تاریخی شواہد کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ بلا اختلاف مسئلہ طلاق اسلام کا متفقہ مسئلہ ہے۔ اور غیر مسلم اقوام بھی واقف ہیں کہ پیغمبر اسلام نے طلاق کو جائز قرار دیا ہے و نیز جب یہ حق مرد کو دیا گیا ہے۔ تو عورت کو بھی خلع کا حق دیا گیا ہے۔ صرف ان دونوں مسائل میں فرق اتنا ہے کہ مرد کی حیثیت کو بالاتر رکھا گیا ہے۔ اور اس کی رضا ہر دو مسائل میں ضروری رکھی گئی ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ یہ مسئلہ کیوں جائز رکھا گیا۔ اس کی وجوہ بہت ہیں۔ جن میں سے بعض کو قلمبند کیا جاتا ہے۔

(۱) ممکن ہے کہ بعد نکاح کے مرد کو یہ معلوم ہو کہ اس کی عورت کسی مرض متعدی و خبیث میں بحیثیت امراض موروثی مبتلا ہے۔ اور وہ مرض اس مرد کو لگ جاتے یا اس عورت کے اس مرض متعدی کی بدولت اس مرد کی نسل و اولاد میں ان امراض کا سلسلہ شروع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

لہٰذا اس صورت میں بنی نوع انسان کو اس مہلک و متعدی مرض سے محفوظ رکھنے کیلئے طلاق ضروری ہے

(۲) ممکن ہے کہ عورت بلحاظ مزاج و عادات کے مرد کے ہم خیال و ہم معاشرہ نہ ہو۔ چونکہ عورت حقیقی معنی میں مرد کی رفیقہ حیات ہوتی ہے۔ اور اس کی اولاد کی تربیت و تعلیم و عادات و خصائل و مزاج کا کافی اثر پڑتا ہے۔ لہٰذا نسل انسانی کو محفوظ رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ایسی عورت کو طلاق دیدی جائے۔ تاکہ اس کے اثرات بد سوسائٹی و معاشرہ کیلئے تباہ کن ثابت نہ ہوں۔ علاوہ خود اس مرد کو ایسی بدمزاج و تندخو عورت

سے کوئی آرام و سکون نہیں مل سکتا ہے۔ لہٰذا اصل مقصد نکاح ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اس لئے بھی طلاق ضروری ہے۔

(۳) ممکن ہے کہ عورت کے بارہ میں بعد نکاح کے یہ معلوم ہو کہ وہ عقیمہ یا بانجھ ہے۔ اور وہ صاحب اولاد نہیں ہو سکتی اور اس طرح اس مرد کی نسل قطع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی طلاق ضروری ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اگر وہ عورت عقیمہ ہے تو ہو اور باقی تین نکاح اور بھی کئے جا سکتے ہیں۔ ان عورتوں سے اولاد ہو سکتی ہے۔ مگر یہ صورت بھی ممکن ہے کہ وہ چاروں عورتیں ایسی ہی ہوں کہ وہ عقیمہ ہوں یا دیگر اسی قسم کے امراض میں مبتلا ہوں جن کے سبب اولاد پیدا نہیں ہو سکتی ہو۔ تو ان تمام حالات میں مسئلہ طلاق ضروری ہو جاتا ہے۔ ماہ دسمبر ۱۹۵۹ء میں شاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے فرح دیبا سے عقد ثالث کیا۔ اور اس سے قبل وہ دو عقد اور بھی کر چکے تھے۔ مگر ان بیویوں سے چونکہ اولاد پیدا نہیں ہوئی یا اولاد نرینہ نہ ہوئی جو وارث تاج و تخت ہوتی۔ اب اس تیسرے عقد سے خدا نے موصوف کی آرزو پوری کر دی۔

بہر حال میرا مطلب یہ ہے کہ چار نکاح اور چار عورتیں بھی ایسی ہو سکتی ہیں کہ وہ کسی سبب سے صاحب اولاد نہ ہو سکیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر شخص چار عورتوں کے کرنے کی استطاعت و قوت نہ رکھتا ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ صاحب اولاد ہونے کیلئے پہلی عورت کو طلاق دیدے اور اپنے مقصد کے مطابق دوسری عورت سے اس کے عوض میں نکاح کر لے۔ اس صورت میں بھی طلاق ضروری ہے۔

(۴) ممکن ہے کہ ایک مرد طاقتور قوی ہیکل، زور جسمانی کا بھرپور مالک ہو۔ اور اس کا عقد ایسی منحنی پستہ قد، لاغر اندام بے نمک و حقیر صورت عورت سے ہو جائے جو اس مرد کی خواہشات نفسانی و قوت فطری کو پورا نہ کر سکے۔ بلکہ اس مرد میں کیفیت میلان و رغبت بھی پیدا نہ کر سکے تو بھی ضروری ہے کہ وہ اس عورت کو طلاق دیدے اور اپنی مرضی کے مطابق دوسری عورت سے عقد کر کے اپنی نسل و اپنی خوشی و مسرت سے لطف اندوز ہو۔

(۵) ممکن ہے کہ مرد صاف گو، راستباز، خدا پرست، خوددار ہو۔ و نیز صفائی پسند، منتظم و محنتی، عاشق اولاد، محب اقرباء و احباب ہو۔ اور اس کی رفیقہ حیات اس کے برعکس ہو۔ تو بھی اس مرد کا نظام زندگی تباہ ہو جائے گا۔ لہٰذا طلاق ضروری ہے۔

(۶) ممکن ہے کہ مرد حسن پرست، صفائی پسند ہو۔ اور اس کی زوجہ کریہہ منظر، بدصورت، گندگی پسند پھوہڑ ہو، کیونکہ مرد کی کشش قلبی و دلربائی و میلان طبیعت کے مطابق وہ عورت نہیں

ہے۔ لہٰذا اس مرد کا نظام زندگی برباد ہو جائے گا۔ اگر وہ اسی عورت کو تاحیات رفیقہ حیات بنائے رہے۔ اس خیال سے بھی طلاق ضروری ہے۔

(۷) ممکن ہے کہ مرد مومن، عاشق خدا و رسول، عابد و زاہد و متقی ہو۔ اور اس کی عورت ملحد کافرہ دشمن خدا و رسول، غیر محتاط، حریص و طماع ہو تو۔ یہ صورت بھی مرد کیلئے سوہان روح ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی طلاق ضروری ہے۔

(۸) ان تمام باتوں کے علاوہ۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ طلاق انسان کو باعفت رکھتی ہے۔ اور اس کو بدکاری حرام کاری و خلاف فطرت کام کرنے سے بچاتی ہے۔ مذکورہ صورتیں ایسی ثابت ہوئی ہیں کہ جن میں مرد عورت کو طلاق دینا ضروری ہے۔ اگر پیغمبر اسلام طلاق کو جائز نہ رکھتے تو ان صورتوں میں سے جو صورت بھی کسی مرد کو پیش آتی اور وہ نکاح ثانی نہ کر سکتا۔ اور پہلی زوجہ کو مجبوراً طلاق نہ دے سکتا۔ تو یقیناً وہ مرتکب افعال قبیحہ و خلاف فطرت ہوتا۔ کیونکہ صرف ایک حد تک تو میلان طبیعت کو روکا جا سکتا ہے۔ اور خواہشات فطرت کو دبایا جا سکتا ہے۔ مگر مطلق اقتضائے فطرت انسانی کو نہیں روکا جا سکتا۔

یہ حکم تو دیا جا سکتا ہے کہ صبح صادق سے وقت غروب آفتاب تک خورد و نوش ترک کر دی جائے۔ مگر ممکن نہیں کہ مطلق یہ حکم لگایا جائے کہ خورد و نوش بالکل ہی بند کر دی جائے۔ اسی طرح یہ تو ہو سکتا ہے کہ کہہ دیا جائے کہ فلاں فلاں اشیاء مضر صحت و معاشرہ تمہارے لئے حرام ہیں۔ ان کو اکلاً و شرباً استعمال نہ کیا جائے۔ مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ مطلق اغذیہ کو بند کر دیا جائے۔

اسی طرح مرد کی ایک اہم خواہش فطرت عورت سے پوری ہوتی ہے۔ اور اس عورت میں مذکورہ عیوب و نقائص ہیں۔ اور مرد کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ تاحیات اپنی فطرتی خواہشوں کو ترک کر دے۔ مگر یہ ممکن نہ ہو گا۔ اور مرد یقیناً چھپے چوری حرکات شنیعہ و قبیحہ و اخلاق سوز کا مرتکب ہو گا۔ اور اس طرح نظام حیات انسانی و اصول تہذیب و تمدن بشری فنا ہو جائیں گے۔ چونکہ اسلام مطابق فطرت دین ہے۔ اور اس کے تمام قوانین قابل عمل ہیں۔

لہٰذا پیغمبر اسلام نے ان مسائل کی گہرائیوں اور دور رس نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے مرد کیلئے طلاق کو محافظ عفت سمجھا۔ اور اس طرح انسانی معاشرہ کو تباہی سے بچا لیا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کوئی صاحب اعتراض کریں کہ پیغمبر اسلام نے تعدد ازدواج کے معاملہ کو متعدد ازدواج کر کے سمجھا دیا اور بہترین نمونہ عمل پیش کر دیا۔ مگر خود طلاق نہیں دی۔ اور اس مسئلہ کو امت کیلئے بلکہ تمام عالم کے انسانوں کیلئے ناقص چھوڑ دیا۔ اور جب غیر مسلم افراد نے اس معاملہ میں مسلمانوں سے سوال کیا۔ تو مسلمانوں نے

نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ قرآن میں یہ حکم خدا تھا کہ رسول کی بیویاں امت کے مردوں عورتوں کی مائیں ہیں۔ اور حکم قرآن ہے کہ ان سے پیغمبر اسلام کی زفاف کے بعد کوئی عقد نہ کرے۔ لہذا پیغمبر اسلام کیوں ایسی صورت میں طلاق دیتے۔ مگر یہ جواب ناقص ہے اور قابل تسلیم یگانہ و بیگانہ نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام اگر کسی عورت کو طلاق دیدیتے۔ تو بھی یہ حکم قرآن باقی رہ سکتا تھا۔ نہ کوئی مسلم ان سے عقد ثانی کرتا اور نہ ان کے امہات المومنین ہونے سے انکار ہو سکتا۔ کیونکہ مطلقہ بھی ماں ہوتی ہے اور سوتیلی بھی ماں ہوتی ہے۔

مثلاً ۔ اگر زید کی عورت خالدہ ہے اور خالدہ کے بطن سے زید کے پانچ اولادیں ہیں۔ کسی سبب سے زید اپنی زوجہ خالدہ کو طلاق دیدے تو کیا خالدہ ان بچوں کی ماں بھی نہ رہے گی۔ یقیناً ماں رہیگی۔ پھر پیغمبر اسلام کے طلاق دینے کے بعد مطلقہ ازواج نبی کے امہات المومنین ہونے میں کیا فرق آتا ہے۔ اور نہ زید کے بچے اپنی ماں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ یہ سمجھ کر کہ ماں کو تو باپ نے طلاق دیدی۔ لہٰذا خالدہ اب آزاد عورت ہے۔ کوئی بھی اس سے عقد کرلے۔ نہیں چونکہ وہ اولاد خالدہ کی اولاد ہے۔ لہٰذا خالدہ ان بچوں کیلئے ہمیشہ حرام رہے گی۔ یہی صورت پیغمبر اسلام کی ازواج کی ہے۔ کہ وہ زندگی پیغمبر اسلام میں بھی امہات المومنین تھیں بعد وفات بھی وہ امہات المومنین رہیں اور بعد طلاق رسول بھی امہات المومنین ہی ہیں۔ اب معاملہ اتنا ہی رہ گیا کہ آیا پیغمبر اسلام نے اس جزو اہم عفت یعنی طلاق کو حکماً ہی منوایا۔ یا خود بھی اس پر عمل کیا۔ اگر عمل کیا تو آپ کا فریضہ رسالت نبوت یہی تھا۔ کہ ہر حکم خدا و قرآن کو قولاً و عملاً پیش کریں۔ اور اگر عملاً پیش نہیں کیا تو اپنے کار مفوضہ کے پہنچانے میں کوتاہی کی۔ مگر انسان کامل کی ذات میں نقص و کوتاہی کا وجود پایا ہی نہیں جاتا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لہٰذا میں تاریخی عبارات پیش کرتا ہوں۔

طلاق و پیغمبر اسلام

صحیح بخاری و کتاب الطلاق صہ۷۹۱ — ترجمہ مرزا حیرت دہلوی۔

(۱) باب من خیّر نساءہ۔ وقول اللّٰہ تعالیٰ قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلا	باب اس کا بیان جو اپنی عورتوں کو مختار کردے اللہ تعالیٰ کا یہ قول (قل لازواجک الخ) اے نبی اپنی بیویوں سے کہدے اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں سامان دیکر اچھی طرح چھوڑ دوں گا ......
عن عائشہ زوج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قالت لمّا امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بتخییر ازواجہ بدأ بی فقال	عائشہ زوجہ رسول خدا سے مروی ہے کہ کہا کہ جب رسول خدا کو حکم دیا گیا کہ اپنی ازواج

الیٰ ذاکرٌ لک امراً فلا علیک ان لا	کو اختیار دیدے چاہے وہ دنیا اختیار کرلیں
تعجلی حتی تستامری ابویک قالت	چاہے اللہ و رسول کو اختیار کریں ، جب
قد علم ان ابوی لم یکونا یامرانی بفراقہ	آنحضرت نے مجھ سے ابتدا کی ۔ اور فرمایا اے
قالت ثم قال جل ثناءہٗ یا ایہا النبی	عائشہ میں تجھ سے ایک بات ذکر کرتا ہوں ۔
قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ	تو سوچ کر اور اپنے والدین سے مشورہ کرکے
الدنیا الی قولہ اجراً عظیماً قالت	بتائیو ۔ عائشہ نے کہا یہ بات معلوم ہے کہ
فقلت ففی ای ھذا استامر ابوی	میرے والدین آپ سے جدائی کا مشورہ نہ
فانی ارید اللہ و رسولہ والدار الآخرۃ	دیں گے ۔ عائشہ نے کہا پھر رسول نے فرمایا
قالت ثم فعل ازواج رسول اللہ صلی	کہ خدا بزرگ و برتر فرماتا ہے ۔ یا ایہا النبی قل
اللہ علیہ وسلم مثل ما فعلت ۔	لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا...

.... الی قولہ اجراً عظیما ۔ عائشہ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کون سی بات ہے جس میں اپنے والدین سے مشورہ لوں ۔ میں اللہ و رسول و دار آخرت اختیار کرتی ہوں ۔ عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر تمام بیویوں نے میری طرح اللہ و رسول و آخرت کو اختیار کیا ۔

(۲) صحیح بخاری باب الطلاق ۔ ترجمہ مرزا حیرت دہلوی ۔

عن عائشہ قالت خیرنا رسول اللہ	حضرت عائشہ فرماتی ہیں ۔ ہمیں رسول خدا
صلی اللہ علیہ وسلم فاخترنا اللہ و	نے اختیار دیا اور ہم نے اللہ و رسول کو
رسولہ فلم یعد ذلک علینا شیئاً ۔	اختیار کیا ۔ یہ پھر (طلاق وغیرہ) کچھ نہ
	شمار کی گئی ۔

(۳) عن مسروق قال سئلت عائشہ عن	مسروق فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ
الخیرۃ فقالت خیرنا النبی صلی اللہ	سے خیار کا مسئلہ پوچھا ۔ وہ بولیں ہمیں رسول
علیہ وسلم افکان طلاقاً ۔	خدا نے اختیار دیا تھا ۔ تو کیا وہ طلاق ہوگئی

۴ ۔ صحیح بخاری پارہ ۹ کتاب المظالم و القصاص ۔ ترجمہ مرزا حیرت دہلوی ۔ چونکہ یہ حدیث طویل ہے اسلئے اس کے ترجمہ ہی کو پیش کیا جاتا ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں ۔ میں برابر اس خواہش میں رہتا تھا ۔ کہ حضرت عمر سے نبی صلعم کی ازواج میں سے ان دونوں بیویوں کی بابت پوچھوں جن کی نسبت اللہ نے فرمایا ہے ۔

(ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔) مگر موقعہ نہ ملتا تھا۔ پھر میں ان کے ساتھ حج کرنے گیا تو ایک دن وہ راستہ سے ہٹ گئے اور میں بھی ان کے ساتھ پانی کا ایک ظرف لے کر چلا۔ پھر انہوں نے پاخانہ پھرا۔ بعد اس کے آئے تو میں نے ان کے ہاتھوں پر اس ظرف سے پانی ڈالا۔ اور انہوں نے وضو کیا۔ بعد اس کے میں نے کہا کہ اے امیر المومنین نبی صلعم کی ازواج میں سے وہ دو بیبیاں کون ہیں جن کی نسبت اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما۔ انہوں نے کہا کہ اے ابن عباس تم پر تعجب ہے کہ تم کو یہ بات معلوم نہیں۔ وہ عائشہ و حفصہ ہیں۔ بعد اس کے حضرت عمر نے متوجہ ہو کر پوری حدیث بیان کی اور کہا کہ میں اور ایک میرا انصاری پڑوسی بنی امیہ بن زید کے محلہ میں رہتے تھے۔ اور وہ مدینہ کی بلندی پر تھا۔ اور ہم باری باری نبی صلعم کے پاس آتے تھے۔ ایک دن وہ آتے تھے اور ایک دن میں۔ جب میں آتا تھا تو میں اس دن کی خبریں احکام وغیرہ کی ان سے جا کر بیان کر دیتا تھا۔ اور جس دن وہ آتے تھے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ اور ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے۔ پھر جب ہم انصار کے پاس آئے تو ہم نے کیا دیکھا کہ ان کی عورتیں ان پر غالب ہیں۔ تو ہماری عورتوں نے بھی انصاری عورتوں کی عادتیں سیکھنا شروع کر دیں۔ تو ایک روز اتفاق سے میں اپنی بیوی پر چلایا۔ انہوں نے بھی لوٹ کر مجھے جواب دیا۔ مجھے ان کا جواب دینا برا معلوم ہوا۔ انہوں نے کہا تم میرے جواب دینے سے برا کیوں مانتے ہو۔ نبی صلعم کی بیویاں آپ کو جواب دیا کرتی ہیں۔ اور کوئی ان میں سے دن بھر رات تک آپ سے بولتی نہیں ہے۔ یہ سنکر مجھے خوف معلوم ہوا۔ اور میں نے کہا کہ ان میں سے جس نے ایسا کیا ہے۔ وہ سخت خسارہ میں ہے۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے اور میں حفصہ کے پاس گیا۔ میں نے کہا اے حفصہ کیا تم میں سے کوئی رسول اللہ صلعم سے سارے دن رات تک ناخوش رہتی ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہاں۔ میں نے کہا وہ خسارہ میں نامراد رہے گی۔ کیا اسے یہ خوف نہیں کہ رسول خدا صلعم کی ناخوشی سے۔ اللہ ناخوش ہو جائے گا۔ پھر وہ ہلاک ہو جائے گی (اچھا خبردار) تم رسول خدا صلعم سے زیادہ کلام نہ کرنا۔ اور نہ کسی بات میں آپ کو پلٹ کے جواب دینا۔ اور نہ آپ سے ترک کلام کرنا۔ اور جو کچھ تم کو ضرورت ہوا کرے مجھ سے مانگ لیا کرو۔ اور تم دھوکے میں نہ آجانا۔ کیونکہ تمہاری پڑوسن یعنی حضرت عائشہ تم سے زیادہ حسین اور رسول خدا کو تم سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور ان دنوں ہم یہ بھی چرچا کیا کرتے تھے۔ کہ غسان (شاہ یمن) ہم سے لڑنے کیلئے تیاری کر رہا ہے۔ تو ایک روز میرے ساتھی اپنی باری کے دن گئے۔ اور رات

کے وقت لوٹ کر آئے اور میرے دروازہ کو زور سے کھڑکھڑایا۔ اور کہا کیا وہ سو رہے ہیں
میں ان کے اس بے وقت آنے سے ڈر گیا اور ان کے پاس گیا۔ تو انہوں نے کہا کہ ایک بڑا حادثہ
ہو گیا۔ میں نے کہا۔ وہ کیا۔ کیا غسان آ گیا؟ انہوں نے کہا نہیں اس سے بڑا اور سخت حادثہ
ہو گیا۔ رسول خدا صلعم نے اپنی ازواج کو طلاق دیدی۔ حضرت عمر نے کہا کہ حفصہ نقصان میں
رہی۔ نامراد ہو گئی۔ میں خیال کرتا تھا کہ عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ پھر میں نے اپنے کپڑے پہنے
اور فجر کی نماز رسول خدا صلعم کے ساتھ پڑھی۔ بعد اس کے آپ اپنے بالا خانہ میں تشریف
لے گئے اور اس میں تنہا بیٹھ گئے۔ میں حفصہ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ تم
کیوں روتی ہو کیا میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا۔ کیا رسول خدا صلعم نے تم لوگوں کو طلاق دیدی
حفصہ نے کہا مجھے معلوم نہیں آپ اپنے بالا خانہ میں ہیں۔ پھر میں نے آپ کے ایک حبشی غلام
سے کہا۔ عمر کیلئے اندر آنے کی اجازت مانگو۔ چنانچہ وہ اندر گیا اور رسول خدا صلعم سے (اس بارہ
میں گفتگو کی) بعد اس کے وہ باہر آیا۔ اور اس نے کہا کہ میں نے حضرت سے تمہارا ذکر کیا مگر آپ
چپ رہے پس میں لوٹ آیا اور ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو ممبر کے پاس تھے۔ پھر مجھ پر میری حالت
نے غلبہ کیا اور میں گیا اور غلام سے کہا۔ اور وہاں سے لوٹ کر آیا پھر مجھ سے ویسا ہی بیان کیا
تو میں پھر جا کر انہیں لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جو منبر کے پاس تھے۔ بعد اس کے پھر مجھ پر
میری حالت نے غلبہ کیا۔ اور میں پھر غلام کے پاس گیا۔ اور کہا کہ عمر کیلئے اجازت مانگو اس
نے پھر اندر سے لوٹ کر ایسا ہی بیان کیا۔ میں پھر لوٹ کر چلا ہی تھا کہ یکایک غلام مجھے پکارنے
لگا۔ کہا کہ رسول خدا صلعم نے تمہیں اجازت دیدی۔ چنانچہ میں آپ کے پاس گیا۔ آپ اس
وقت ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے اور اس چٹائی کے درمیان کچھ فرش تھا۔
چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلو میں نشان ڈال دیئے تھے۔ آپ ایک چمڑہ کے تکیہ سے جس
میں چھوہارے کی چھال بھری ہوئی تھی ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

میں نے آپ کو سلام کیا بعد اس کے کھڑے ہی کھڑے میں نے عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی
بیویوں کو طلاق دیدی۔ آپ نے میری طرف نظر اٹھائی اور فرمایا کہ نہیں۔ پھر میں نے کھڑے
ہی کھڑے ہی کھڑے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کچھ باتیں کیجئے۔ ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب
رہتے تھے۔ پھر جب ہم ایسے لوگوں کے پاس آئے کہ ان پر ان کی عورتیں غالب ہیں پھر اپنی
بیوی کا سارا واقعہ نقل کیا تو نبی صلعم مسکرائے۔ بعد اس کے میں نے کہا کہ آپ کو دیکھنے میں

حفصہ کے پاس گیا تھا۔ اور میں نے کہا تھا کہ تم کسی گھمنڈ میں نہ رہنا۔ تمہاری پڑوسن یعنی عائشہ تم سے زیادہ حسین اور رسول خدا صلعم کو زیادہ محبوب ہیں۔ تو آپ دوبارہ مسکرائے پس جب آپ کو مسکراتے ہوئے دیکھا تو میں بیٹھ گیا۔ بعد اس کے میں نے اپنی نظر آپکے گھر میں اٹھائی تو خدا کی قسم کوئی ایسی چیز میں نے نہ دیکھی جو نظر کو رد کرتی سوا تین کھالوں کے یہ عسرت کی حالت دیکھ کر میں نے عرض کیا اللہ سے دعا کیجیئے تاکہ آپ کی امت پر وسعت کرے۔ اسلئے کہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی ہے اور انہیں دنیا کی آسائش دی گئی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی پرستش نہیں کرتے۔ اور آپ اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابن خطاب کیا تمہیں کوئی شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہیں ان کے اعمال حسنہ کی جزا دنیا دی زندگی میں دیگئی ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ میرے لئے استغفار کیجئے۔ پس اسی بات کی وجہ سے جبکہ اس کو حفصہ نے عائشہ سے کہدیا نبی صلعم نے کنارہ کشی فرمائی تھی۔ اور آپ نے یہ فرمادیا تھا کہ میں ایک مہینہ تک ان کے پاس نہ جاؤں گا۔ بوجہ اس شدت غصہ کے جو آپ کو ان پر تھا۔ جبکہ اللہ نے عتاب کیا تھا۔ اور جب انتیس دن ہوگئے میں نے ان کو گن گن کے کاٹا۔ تو آپ سب سے پہلے عائشہ کے پاس گئے۔ عائشہ نے آپ سے کہا کہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک آپ ہمارے پاس نہ آئیں گے۔ تو نبی صلعم نے فرمایا کہ انتیس دن کا بھی مہینہ ہوتا ہے۔ اور وہ مہینہ انتیس ہی دن کا تھا۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ پھر آیت تخییر نازل ہوئی۔ تو سب سے پہلے آپ نے مجھ سے ابتدا کی۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک بات کہتا ہوں۔ تمہیں ضروری نہیں کہ تم جلدی سے اس کا جواب دیدو یہاں تک کہ تم اپنے والدین سے مشورہ لے لو۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت جانتے تھے کہ میرے والدین مجھے آپ سے جدا ہونے کا مشورہ نہ دیں گے۔ بعد اس کے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا ایھا النبی قل لازواجك الی قوله عظیما۔ میں نے کہا کہ کیا اس بات میں میں اپنے والدین سے مشورہ کروں۔ کیونکہ میں اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔ بعد اس کے آپ نے اپنی اور بیویوں کو اختیار دیا۔ تو انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ نے جواب دیا تھا"۔

(۵) تفریح الاذکیا فی احوال النساء مولفہ مولوی محسن حسن کاکوروی ص۳۵۶ :-

مخفی نہ رہے کہ مواہب الدنیہ میں سوائے ازواج مطہرات مذکور الصدر کے بارہ بیویاں

اور بھی لکھی ہیں :-

(۱) ایک شراف بنت خلیفہ کلبیہ خواہر دحیہ کلبی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد کیا۔ مگر شراف نے قبل دخول وفات پائی -

(۲) دوسری خولہ بنت ہذیل ابن ہبیرہ کہ اس نے اپنے نفس کو ہبہ کیا اور قبل دخول وفات پائی -

(۳) تیسری عمرہ بنت یزید ابن الجون .... بالاتفاق آنحضرت نے اس عورت سے نکاح کیا بعضے کہتے ہیں کہ حضرت صلعم نے اس کو طلب کیا وہ نہ آئی تو آپ نے طلاق دیدی۔ اور رسول خدا نے اسامہ سے فرمایا کہ تین کپڑے متعہ کے دیکر رخصت کرد (گویا یہ عورت نکاح متعہ میں تھی۔ لہٰذا اجرت دیگئی)۔ -

(۴) چوتھی اسماء بنت نعمان کندیہ اس کو حضرت نے قبل دخول طلاق دی -

(۵) قتیلہ بنت قیس خواہر اشعث ابن قیس کندی اس کو اشعث نے حضرت صلعم سے عقد کیا اور وہ موجود نہ تھی اور قبل ورود اس کے حضرت نے وفات پائی

(۶) سنا یا سبا یا اسماء بنت صلت سلمیہ کہ جب حضرت صلعم نے اس کو خواستگاری فرمائی اور یہ خبر اس نے سنی تو خوشی سے مرگئی -

(۷) ساتویں لیلا بنت الخطیم خواہر قیس اس سے آنحضرت نے عقد فرمایا۔ اس عورت نے فسخ نکاح چاہا آنحضرت نے طلاق دیدی -

(۸) آٹھویں ام شریک غزنیہ بنت عامر ابن عوف۔ اس سے بھی آنحضرت نے نکاح کیا اور مفارقت پائی یعنی طلاق دی -

(۹) ملیکہ بنت کعب کہ پیش از دخول وفات پائی۔ اور روضۃ احباب میں ہے کہ اس کی ران میں سفید داغ تھا۔ لہٰذا آنجناب صلعم نے مفارقت پائی (طلاق دیدی)

(۱۰) فاطمہ بنت الضحاک کلابیہ کہ حضرت صلعم نے اس سے نکاح کیا اور قبل دخول آیت تخییر نازل ہوئی سو اس نے دنیا کو اختیار کیا اور طلاق ہوگئی -

(۱۱) گیارھویں عالیہ بنت ظبیان ابن عمر بن عوف۔ اس کو بھی حضرت نے قبل دخول طلاق دیدی -

(۱۲) بارھویں ایک عورت بنی غفار سے کہ نام اس کا صحیح معلوم نہیں۔ اس کو بھی حضرت صلعم نے قبل دخول طلاق دے دی۔ قسطلانی فرماتے ہیں کہ اس عورت کے بدن میں داغ سفید تھا -

(۶) مدارج النبوت صفحہ ۳۵۸ اور کتب معتبرہ سے واضح ہے کہ چند عورتیں اور بھی ہیں کہ ان سے حضرت نے

خطبہ کیا اور نکاح نہیں کیا۔ ان میں سے ایک عورت جس کا نام صفیہ بنت شمامہ تھا یہ عورت بعض غنائم میں ہاتھ آئی تھی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ یہ چاہے اپنے شوہر کو اختیار کرے اور چاہے مجھے۔ اس نے شوہر کو اختیار کیا۔

(۲) امامہ بنت حمزہ بن عبدالمطلب کہ جب حضرت سے پیغام ہوا تو حضرت صلعم نے فرمایا کہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔

(۳) غرہ بنت ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ ام حبیبہ کی بہن تھی۔ ام حبیبہ نے چاہا کہ آنحضرت شادی کریں مگر آپ نے فرمایا تیری زندگی میں یہ مجھ پر حرام ہے۔

(۷) صفحہ ۳۵۸۔ سراری حضرت صلعم کی بروایتے تین و بقولے چار تھیں۔

۱ ماریہ بنت شمعون قبطیہ کہ مقوقس قبطی صاحب مصر والی اسکندریہ نے ہدیہ کی تھی۔۔۔۔۔ ان سے ابراہیم پیدا ہوئے

۲ جمیلہ کہ بعض سبایا میں آپ کو ملی تھیں۔

۳ وہ کنیز جس کو زینب بنت جحش نے آنحضرت کو ہبہ کیا تھا۔

۴ ریحانہ بنت زید بن عمر سبایا بنی نضیر یا بنی قریظہ سے تھی۔

تعدد ازواج کے بارہ میں چند آیات صفحات مذکورہ میں تحریر کی گئیں۔ و نیز مسئلہ طلاق کو بھی باختصار لکھا گیا۔ ناظرین خود انصاف فرمائیں اور غور کریں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے کار مفوضہ کو اس معاملہ میں کتنی خوبی سے پورا کیا ہے۔ اور باوجود تعدد ازواج و باوجود بعض ازواج کو طلاق دینے کے کسی موقعہ پر بے جا خواہش نفسی کا شائبہ بھی نہ آنے دیا۔ اپنی عورتوں میں بلحاظ حقوق زوجہ و حقوق نان و نفقہ کہیں سے کہیں تک کمی نہ آنے دی۔ جب آپ سفر کو تشریف لے جاتے تھے۔ اور سفر بھی بغرض جہاد ہوا کرتے تھے تو آپ اپنی رضا و رغبت یا دلپسندگی کی وجہ سے کسی زوجہ کا انتخاب نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ ان ازواج کے درمیان میں قرعہ ڈالتے تھے۔ جس کا نام قرعہ میں نکلتا تھا اس کو ہمراہ رکھتے تھے۔

پیغمبر اسلام نے حقوق نساء کا اتنا خیال رکھا کہ آپ نے ایک بار تمام ازواج کو اختیار دیدیا کہ وہ چاہیں پیغمبر اسلام کا ساتھ دیں یا چاہیں تو اپنے والدین یا قوم و قبیلہ کی طرف پلٹ جائیں۔ اور آپ نے ایسا اختیار صرف بعض ازواج ہی کو نہیں بلکہ اپنے مخصوص اصحاب کی لڑکیوں حفصہ و عائشہ کو بھی دیا جیسا کہ بحوالہ صحیح بخاری و بزبان عمر ابن خطاب کل واقعہ لکھا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ اعتراض بھی ناممکن ہو گیا کہ بعض دلپسند نوجوان ازواج کو تو محفوظ کر لیا گیا تھا۔ اور بعض کو واپسی کا اختیار دیدیا

گیا تھا۔ اس صورت میں پیغمبر اسلام کی عفت پر حرف آسکتا تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے یہ اختیار تمام ازواج کو دیکر عدالت بین ازواج کی اعلیٰ مثال قائم کردی۔ ان ازواج میں سے بعض نے پیغمبر اسلام کا ساتھ دنیا پسند نہیں کیا اور وہ اپنے قبیلہ کی طرف واپس ہو گئیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے بخوشی ان کی واپسی منظور کرلی۔۔

پیغمبر اسلام کے اس کردار نے ثابت کردیا کہ ہر عورت کے حقوق اس کے شوہر پر کتنے ہیں اور وہ باوجود زوجیت میں آنے کے کتنی آزادی کی مالک ہے۔ چونکہ پیغمبر اسلام معاشرہ انسانی و تہذیب اسلامی کو اعلیٰ اصول پر قائم کررہے تھے۔ لہٰذا آپ نے وہ ہر صورت نکاح میں اختیار کی جو آئندہ اہل اسلام کو پیش آسکتی تھی یا جو اہل دنیا کیلئے نمونہ بن سکتی تھی۔ خطبہ کیا اور عورت نے نامنظور کیا۔ مان لیا گیا۔

(۲) اسیری میں کنیز آئی اور حصہ رسول میں آئی۔ آپ نے آزاد کردیا اور اختیار دیدیا کہ چاہے اپنے قبیلہ میں واپس ہو جائے۔ چاہے زوجیت پیغمبر اسلام اختیار کرلے۔ عورت نے واپسی پسند کی تو آزاد کردیا اور اگر زوجیت پسند کی تو زوجہ بنالیا۔

(۳) خود نکاح کیا اور اگر عورت نے بوقت زفاف اعوذ باللہ منك کہدیا تو اس کو طلاق دیدی گویا عورت کے اس فعل سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے زوج کو نہیں چاہتی ہے۔ لہٰذا اس پر کوئی جبر روا نہیں ہے۔ بلکہ اس کو آزاد کردینا ہی عورت کے حقوق کی حفاظت ہے۔

(۴) پیغمبر اسلام کا مقصد حیات تبلیغ توحید ربانی تھا۔ نہ کہ شہنشاہی کا قائم کرنا۔ لہٰذا اس صورت میں کہ پیغمبر اسلام شبانہ روز سفر میں رہتے تھے۔ جہاد کرتے تھے تکالیف اٹھاتے تھے۔ فاقے کرتے تھے۔ ان صورتوں میں بہت ممکن تھا کہ پیغمبر اسلام اپنی ازواج کے آرام کا کتنا ہی انتظام کریں۔ مگر ان کو تکلیف پہنچنے کا امکان تھا۔ لہٰذا آپ نے ازواج کو عام اجازت دیدی۔ کہ چاہیں وہ خدا اور رسول کا ساتھ دیں یا دنیا اختیار کرلیں۔

چنانچہ بعض نے پیغمبر اسلام کا ساتھ چھوڑ دیا اور بعض پیغمبر اسلام کے ساتھ رہیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے اپنے اس فعل و عمل سے عورتوں کے حقوق اتنے بلند و محفوظ کردیئے جن کی مثال تاریخ مصلحین و مدبرین اقوام میں نہیں مل سکتی ہے۔

(۵) صفحات مذکورہ میں صحیح بخاری کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے اور اس کے راوی عمر ابن خطاب ہیں۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام حفصہ اور دیگر ازواج سے ناراض ہو گئے ہیں۔ تو وہ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر اسلام اپنے کمرہ میں ایک چٹائی پر لیٹے ہیں۔

اور چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجوروں کے پتے بھرے ہیں زیر سر رکھے ہوئے ہیں۔ چٹائی پہ کوئی فرش (بچھونا)
نہیں ہے تو چٹائی کے نشان جسم پیغمبر اسلام پہ پڑ گئے ہیں۔ اور پھر نظر اٹھا کر دیکھا تو گھر میں کوئی چیز نظر نہ آئی
عمر ابن خطاب کو رحم آگیا۔ اور کہا یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ آپ کی امت کو خدا وہ نعمات عطا فرمائے جو
اس نے اہل روم و فارس کو عطا کر رکھی ہیں تو پیغمبر اسلام نے جواب میں فرمایا۔

"اے عمر ابن خطاب کیا تم کو کچھ شک ہے؟ یاد رکھو خدا نے کافروں کو ان کے اعمال کی جزا دنیا ہی
میں دیدی ہے۔"

"عمر ابن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے استغفار کیجئے۔"

ناظرین خود غور فرمائیں کہ جس شخص کو حکومت حاصل ہو۔ جو شبانہ روز فتوحات عظیم کر رہا ہو جس
کے رعب و جلال سے نواحی عرب کے بہادر لرز رہے ہوں۔ جس کی کمان میں ہزاروں بہادران عرب ہوں
جس کے پاس علی ابن ابی طالب جیسا فاتح غزوات نبی ہو۔ اور وہ اس حالت میں رہتا ہو کہ اس کیلئے بچھانے
کو ایک بستر نہیں اور سر کے نیچے رکھنے کو تکیہ نہیں اور اس پر دشمنان اسلام یہ اعتراض کریں کہ پیغمبر اسلام نے
تعدد ازدواج صرف لذت نفس و حظ نفس کیلئے جائز رکھا تھا۔

دنیا کی تاریخ یہ بات پیش نہیں کر سکتی کہ کوئی فاتح شہنشاہ اتنی غربت کی حالت میں رہا ہو کہ جب
فاقہ کئی روز کا ہو جائے تو وہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لے اور وہ اپنی غربت و مصروفیت کی وجہ سے اپنی
ازواج کو اختیار دیدے کہ وہ چاہیں ان کا ساتھ دیں چاہیں چھوڑ دیں۔

ان معترض دشمنان اسلام نے کیا تاریخ عالم نہیں پڑھی ہے؟ انہوں نے کیا شہنشاہی خود
پسندی و آرام طلبی نہیں دیکھی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اور ابواب عفت کی روشنی میں اگر کوئی اتنے بلند
درجہ پر باعفت ذات مل سکتی ہے تو صرف ذات پیغمبر اسلام ہے۔

آپ کی ۲۵ سال کی عمر تھی کہ آپ کی شادی ۴۰ سالہ بیوہ عورت سے ہوئی۔ اور جب تک خدیجہ
زوجہ اول زندہ رہیں آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ زمانہ عہد شباب تھا ۲۵ سالہ عمر سے
۲۴ سال تک خدیجہ زندہ رہیں اور بعثت کے آٹھ سال بعد آپ نے وفات پائی۔ گویا جس وقت خدیجہ
نے انتقال کیا ہے تو پیغمبر اسلام کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔

یہ امر غور طلب ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنا عہد جوانی حتیٰ کہ کچھ حصہ پیرانہ سالی کا بھی صرف ایک بوڑھی
عورت کے ساتھ گذار دیا۔ اگر حظ نفس و خواہشات نفسانی کے سبب تعدد ازدواج جائز رکھا تھا تو
پھر اتنی طویل مدت و اہم ترین حصۂ حیات کیوں اس سے خالی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر نے تعدد ازدواج

کو اپنی آخری عمر میں صرف مصالح دینی و تبلیغی کی غرض سے کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ پیغمبر اسلام کے دو شخص محافظ، مددگار اور سینہ سپر تھے۔ ایک خدیجہ اور دوسرے ابوطالب ابن عبدالمطلب عم رسول جب ان دونوں کا انتقال ہوگیا تو پیغمبر اسلام کو کفار نے نرغہ میں لے لیا۔ اور جو مظالم وہ ان دونوں کے رعب و داب کی وجہ سے نہ کر سکتے تھے وہ انہوں نے سب شروع کر دیئے۔ تبلیغ دین میں رکاوٹ پیدا ہونے لگی اور اصل مقصد تبلیغ فوت ہونے لگا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے اپنا اثر و رسوخ قبائل عرب و سرداران عرب میں پیدا کرنے کیلئے و نیز دیگر مصالح جن کا ذکر صفحات بالا میں کیا جا چکا ہے۔ کی وجہ سے تعدد ازدواج کو مناسب سمجھا۔

اسد الغابہ جلد ص ۴۳۹ پر لکھا ہے کہ:۔

وقال ابن اسحاق قد تتابعت المصائب علی رسول اللہ بھلاک خدیجہ و ابی طالب۔

اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ وفات خدیجہ و ابی طالب کے بعد آنحضرت پر مصیبتیں ٹوٹ پڑیں۔

اسی سال کا نام تاریخ اسلام میں عام الحزن ہے۔ اور ان مصائب رسول کا ذکر تمام کتب احادیث و تاریخ اسلام میں بہتات کے ساتھ موجود ہے

تعصب قومی و مذہبی، جہالت اور حالات پیغمبر اسلام سے کم علمی کی وجہ سے مورخین جو چاہیں پیغمبر اسلام کے بارہ میں لکھیں۔ مگر حقیقت جب ان کے سامنے آئے گی تو ان کو بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کی تمام و کمال زندگی مطابق اصول و قوانین عفت تھی۔ اور آپ نے عفت کا وہ اعلیٰ ترین نمونہ اہل عالم کیلئے قائم کیا ہے جس پر عمل کر کے اہل دنیا فلاح دارین اور اعزاز و احترام معاشرہ و سوسائٹی حاصل کر سکتے ہیں۔

نکاح کے بارہ میں قرآنی احکام کے تحت جو میں نے آیات صفحات مذکور میں نقل کی ہیں ان میں پارہ ۲۲ سورہ احزاب آیات ۵۰ میں کچھ احکام خدا مخصوص پیغمبر اسلام کیلئے ہیں۔ بحیثیت پیغمبر آخر زمان کے پیغمبر اسلام کو ان آیات و احکام خدا پر عمل کرنا لازمی تھا۔ اگر آپ تعدد ازدواج کی یہ صورت قائم نہ رکھتے تو گویا خلاف ورزی قانون خدا کرتے۔ جو ناممکن تھا۔ علاوہ بریں اگر یہ تعدد ازدواج بایں صورت رائج نہ کیا جاتا تو معاشرہ انسانی کی تکمیل ناقص رہتی اور ہمیشہ انسان فسق و فجور و بدکاری کا مرتکب ہوتا رہتا۔ اب اس معاملہ میں ہر ممکن سہولت عمل صالح و جائز کی ہے۔ ان سہولتوں کے باوجود بھی اگر انسان ان قوانین و اصول اسلام پر عمل نہ کرے تو خود وہ اپنے افعال قبیحہ کا ذمہ دار ہے۔ اور سوسائٹی کے نزدیک قابل لعنت و خدا

کے نزدیک مستحق عذاب آخرت ہے۔

بابِ عدالت

قرآن۔ اعدلوا هو اقرب للتقویٰ۔ عدل اختیار کرو کہ وہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

(۲) ان اللّٰہ یأمر بالعدل والاحسان۔ خدا عدل و نیکی کا حکم دیتا ہے۔

اقوال حکماء

۔ اخلاق جلالی مصنفہ حضرت ملا جلال الدین ص ۴۹:-

(ا) از تہذیب عقل نظری کہ شعبہ اول از قوت ادراک است۔ حکمت حاصل می شود۔

عقل نظری جو قوت ادراک کا شعبہ اوّل ہے۔ کی اصلاح و تہذیب سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔

(ب) و از تہذیب عقل عملی کہ شعبہ ثانیہ است از ہماں قوت عدالت پیدا شود

عقل عملی جو اسی کا شعبہ دوم ہے کی تہذیب و اصلاح سے عدالت پیدا ہوتی ہے۔

(ج) از تہذیب قوت غضبی شجاعت و از

(د) تہذیب قوت شہوی عفت پیدا می شود

قوت غضبی کی تہذیب و اصلاح سے شجاعت اور قوت شہوی کی تہذیب سے عفت پیدا ہوتی ہے۔

(س) و بریں تقریر کہ گذارش یافت عدالتِ کمال قوت عملی باشد۔

اور جو کچھ کہ ابتک لکھا گیا اس کی مطابقت سے ثابت ہوتا ہے کہ عدالت قوت عملی کے کمال کا نام ہے۔

(۲) صورت دیگر اخلاق جلالی۔

ہرگاہ کہ حرکت نفس ناطقہ باعتدال باشد و شوق او باکتساب معارف یقینیہ بود۔ ازاں حرکت علم حاصل شود و بہ تبعیت حکمت۔۔

جبکہ نفس ناطقہ و نفس ملکوتی انسان میں باعتدال حرکت پیدا ہو اور یقینی علوم کے حاصل کرنے کا شوق اس میں پیدا ہو جائے تو اس حرکت نفس سے علم حاصل ہوتا ہے اور علم کے تحت میں حکمت حاصل ہوتی ہے۔

(ب) و چوں حرکت نفس سبعی باعتدال باشد

اور جب نفس سبعی و درندگی و غضبی کی

وانقیاد نفس ملکی شد وقناعت کند بآنچہ
عاقلہ قسط او شمرد ونفس را ازاں حرکت
فضیلت حلم حاصل شود وبہ تبعیت
شجاعت۔

حرکات میں اعتدال پیدا ہو جائے اور وہ
نفس ملکی انسان کی مطیع رہے اور ہر اس
شے پر قناعت کرے جو اس کو اس کی
عقل معین کر دے۔ تو اس حرکت سے
فضیلت حلم حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کے
تحت شجاعت پیدا ہوتی ہے۔

(ج) وچوں حرکت نفس بہیمی باعتدال باشد
ومطیع عاقلہ گشتہ اقتصار کند برآنچہ
بحسب بحکم عقل نصیب او باشد ازاں
حرکت فضیلت عفت حاصل شود
وبہ تبعیت سخاوت۔

(ج) اور جب نفس بہیمی وشہوی میں
اعتدال پیدا ہو جائے اور وہ نفس عاقلہ
کے مطیع ہو جائے اور اتنا ہی اپنے لئے کافی
سمجھے جتنا کہ اس کی عقل معین کر دے۔ تو
اس حرکت سے عفت حاصل ہوتی ہے۔
اور اس کے تحت سخاوت ملتی ہے۔

(د) وچوں ایں سہ جنس فضیلت حاصل
شود وباہمدگر متمازج ومتسالم شوند
از ترکیب ہر سہ حالتے متشابہ حادث
گردد کہ کمال وتمامی آں فضائل بآں باشد
وآنرا فضیلت عدالت خوانند۔

(د) اور جب یہ ہر سہ اجناس فضائل
حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ باہم ہم مزاج
ہو جاتے ہیں۔ اور ان ہر سہ کے باہم ملجانے وہمزاج ہو جانے سے ایک حالت ایسی
پیدا ہو جاتی ہے کہ تمام فضائل بدرجہ اتم اس میں پائے جاتے ہیں۔ تو اس صورت میں
فضیلت عدالت حاصل ہوتی ہے

(۲) ص ۵۲ کمال قوت عملی آنست کہ ہر قوتے
در تحت عمل او بود تا تصرف ہر یک بروجہ
اعتدال باشد وعدالت عبادت ازینست

قوت عملی کا کمال یہ ہے کہ ہر قوت اس کے حکم
کے تحت ہو تاکہ ہر قوت استعمال بہ طریقہ اعتدال
ہو اور اسی کو عدالت کہتے ہیں۔

(۳) امام غزالی فرمودہ۔
العدل حالة للنفس وقوة بها تسوس
الغضب والشهوة وتحملها على
مقتضى الحكمة وتضبطهما في
الاسترسال والانقباض على حسب

عدل نفس انسانی کی اس حالت کا نام ہے
اور وہ نفس کی وہ قوت ہے کہ جس کے ذریعہ
قوت غضب شہوت کو مطابق اقتضائے حکمت
بنالیا جائے اور اس کے عمل استرسال و

مقتضیها۔

انقباض کو اس کے مقتضا کے مطابق منضبط کرلیا جائے۔

(۴) ص ۱۱۱ ۔ چوں اعتبار عدالت در امور یکہ ملاک انتظام معاشت نمایند سہ نحو از اعتبار ظاہر شود یکے آنچہ تعلق بہ قسمت اموال و کرامات دارد۔ و دوم آنچہ متعلق بمعاملات و معاوضات است سوم آنچہ تعلق بتادیبات و سیاسات دارد و تناسب در ہر سہ صورت بکار داند۔

جب عدالت کو ان امور میں جو بنیاد معاش ہیں سمجھا جاتا ہے یا عدالت سے عبارت لی جاتی ہے تو اس کی تین اقسام ہوتی ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ جس کا تعلق تقسیم اموال و بخشش سے ہے۔ دوم وہ ہے کہ جس کا تعلق معاملات اور معاوضات سے ہے۔ سوم وہ ہے کہ جس کا تعلق تادیب و سزا دینے اور سیاست سے ہے۔ اور ان تینوں صورتوں میں تناسب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۵ ص ۱۲۰ ۔ ارسطاطالیس گفتہ عدالت نہ جزو است از فضیلت بلکہ ہمہ فضیلتہا است و جور کہ مقابل اوست نہ جزء است از رذیلت بلکہ ہمہ رذیلتہا است۔

ارسطو نے کہا کہ عدالت فضیلت کا جزو نہیں ہے بلکہ مجموعہ فضائل ہے۔ اور ظلم رذیلت کا جزو نہیں ہے۔ بلکہ مجموعہ رذائل ہے

(۶) ص ۱۲۲ ۔ بمعہ ہفتم ۔ در اقسام عدالت ارسطاطالیس تقسیم آں ہر سہ قسم نمودہ یکے آنچہ اقدام بآں بجہت ادائے حق عبودیت حق تعالیٰ باشد، دوم آنچہ متعلق است بمشارکت با بنی نوع چوں تعظیم سلاطین و تکریم علماء و آئمہ دین و ادائے امانات و انصاف در معاملات۔
سوم آنچہ قیام بآں برائے ادائے حقوق اسلاف باشد مثل قضائے دیون و تنفید وصایائے ایشاں و امثال ذلک

ارسطو نے عدالت کی تین قسمیں کی ہیں۔ اول قسم یہ ہے کہ انسان حق خداوندی کو بلحاظ عبدیت ادا کرے۔ دوم یہ کہ انسان بنی نوع انسان کے ساتھ تعلقات ملحوظ رکھے جیسے بادشاہوں علماء و آئمہ دین کی تعظیم اور معاملاتِ امانات میں انصاف کرے سوم یہ کہ اسلاف کے حقوق ادا کرتا رہے۔ مثلاً ان کے قرض کو ادا کرے ان کی وصایا پر عمل کرے وغیرہ وغیرہ

(۷) ص ۱۲۳ ۔ حدیث رسولؐ تعریف عدالت :-

حدیث نبیؐ - التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ۔ احکام خدا کی تعظیم و تعمیل کرے اور مخلوق خدا پر رحم و شفقت کرتا رہے۔ (۷)

من عدل ملک و من ظلم ھلک۔ جس نے عدالت اختیار کی وہ مالک ہوا جسنے ظلم کیا وہ ہلاک ہوا۔

قولِ حکماء - الملک لایبقی مع الظلم و یبقی مع الکفر۔ حکومت و ملک ظلم سے باقی نہیں رہتا۔ ہاں کفر سے باقی رہ جاتا ہے۔ (۸)

حوالہ جات و عبارات مذکور سے ثابت ہوا کہ تمام اجناس فضائل کی جان اور تمام مکارم اخلاق کی روح رواں عدالت ہے۔ جس نوع سے اخلاق انسانی اور فضائل انسانی کی جانچ کی جائے۔ مگر ان سب کی روح صرف عدالت ہے۔ انسان کی فطری ہر سہ قوتوں میں کمال تہذیب پیدا ہو جائے۔ اور ان کی حرکات مطلق عقل و ادراک انسانی ہو جائیں۔ تب صفت عدالت انسان میں پیدا ہوتی ہے۔ اعتدالِ قوت غضبی، اعتدال قوت شہوی و نیز اعتدال حرکات نفس ناطقہ ملکی و انسانی کا نام عدالت ہے۔ در حقیقت عدالت اتنی ہی دشوار چیز ہے۔ جس کا وجود مثل عنقا مفقود الوجود ہے۔ مگر جن افراد اور نفوس میں یہ عدالت موجود ہوتی ہے انہی کو زبان مذہب میں معصوم کہا جاتا ہے۔ خدا نے اپنے کلام پاک میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اور فرماتا ہے۔

"ان اللہ یامرو بالعدل واحسان۔"

"خدا احسان اور عدل کا حکم دیتا ہے۔"

چونکہ ذات خدا خود عادل ہے۔ لہٰذا اس کا مقتضائے حکمت و عدالت یہی ہے کہ اس کا خلیفہ و قائمقام فی الارض بھی عادل ہو۔ چنانچہ اس نے جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے وہ سب عادل تھے اور معصوم۔ ان انبیاء کی تعلیم و ہدایات بھی یہی تھیں کہ انصاف و عدالت قائم کیا جائے۔

میں نے اقوال حکماء کو نقل کیا ہے۔ اور یہ اقوال معیار عدالت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس معیار عدالت پر دنیا کے مدبرین مصلحین و قائدین کو جانچا جائے تو خود ہی ناظرین انصاف کریں گے کہ کتنے افراد کامل المعیار نکلتے ہیں۔ اور ان کی زندگی کے کتنے واقعات ایسے ہیں جو ان کی عدالت کی شہادت دیتے ہیں...

مندرجہ ذیل باب میں صرف عدالت پیغمبر اسلام پر روشنی ڈالی جائے گی اور آپ کی ابتدائے عمر سے لیکر وقت وفات تک کے واقعات و حالات تاریخی کو پیش کیا جائے گا۔ ناظرین خود انصاف فرمائیں گے

اور کسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس فضیلت عدالت میں بھی پیغمبر اسلام یگانہ روزگار پائے جائیں گے۔ کوئی انسان آپ کی اس صفت میں آپ کا مثل نہ پایا جائے گا۔

عدالت واقعہ اول حالت رضاعت

بحار الانوار جلد ششم ترجمہ:۔

(۱) جب رسول پیدا ہوئے تو آپ نے اپنی مادر گرامی کا دودھ پیا اور چند روز بوجہ علالت مادر گرامی (آمنہؑ) کے ابولہب کی کنیز مسماۃ ثوبیہ کا دودھ پیا (یہ ثوبیہ مسلمان ہو گئی تھی اور اس نے ۷ھ میں انتقال کیا) بعد ازاں حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ جناب حلیمہ کے آنے کا واقعہ یوں ہے کہ جب پیغمبر اسلام کیلئے دایہ کی ضرورت ہوئی۔ تو جناب عبدالمطلب جد امجد پیغمبر اسلام بہت متردد ہوئے کیونکہ پاک دودھ مشکل سے ملتا تھا۔ آپ نے کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کی۔ خدایا محمد کے واسطے ایسی دایہ بھیج دے جو نجیب الطرفین اور شریف خاندان ہو عقیل بن ابی وقاص نے جب سنا تو عبدالمطلب سے عرض کیا:۔

انی لاعرف فی اربعة واربعین صندیدٍ من صنادید القریش امراة عاقلة هی افصح لسان واصبح وجها وارفع حسبا ونسبا وهی حلیمة بنت ابی ذویب عبد الله بن حرث بن سخنه بن ناصر بن سعد بن بکر بن زهر بن منصور بن عکرمه بن قیس بن نیلا بن مضر بن نزاد بن معد بن عدنان بن کدر بن یشخب بن یعرب بن ہنت بن اسمٰعیل بن ابراهیم خلیل الرحمٰن۔

میں نے قریش کے چوالیس خاندانوں میں ایک عورت ایسی پائی ہے۔ جو عقلمند ہے صاحب فصاحت ہے خوبرو ہے اور حسب ونسب میں بلند تر ہے اس کا نام حلیمہ بنت ابی ذویب ہے اور اس کا سلسلہ خاندان اس سلسلہ کے ساتھ حضرت خلیل اللہ تک پہنچتا ہے حلیمہ بنت ابی ذویب عبد اللہ بن حرث بن سخنہ بن ناصر بن سعد بن بکر بن زہر بن منصور بن عکرمہ بن قیس بن نیلا بن مضر بن نزاد بن معد بن عدنان بن کدر بن یشخب بن یعرب بن ہنت بن اسمٰعیل بن ابراہیم خلیل الرحمٰن۔

عبدالمطلب کو جب حلیمہ سعدیہ کی شرافت خاندان معلوم ہوئی تو آپ نے ایک شخص جس کا نام شمردل تھا قبیلہ بنی سعد کی طرف روانہ کیا۔ قبیلہ بنی سعد مکہ سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر بطرف جدہ رہتا تھا۔ جب شمردل قبیلہ بنی سعد میں پہنچا اور اس نے پدر حلیمہ ابو ذویب کو عبدالمطلب کا پیغام پہنچایا تو ابوذویب نے فوراً

تیاری سفر شروع کر دی - جسم پر زرہ لگائی اس پر دوسری زرہ پہنی، سر پر خود رکھا۔ دو تلواریں کمر میں لگائیں ایک نیزہ شانہ پر لٹکایا اور اس شان و صورت سے وہ خدمت عبدالمطلب میں حاضر ہوا۔ اور آتے ہی سلام بجالایا۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا کہ میرے پوتے کیلئے ایک انّا (دایہ) کی ضرورت ہے اور میں نے سنا ہے کہ تمہاری بیٹی دودھ پلا سکتی ہے۔ میں نے قبیلہ کی بہت سی تعداد (۴۰) عورتوں کو محمد کے سامنے پیش کیا۔ مگر میرے پوتے محمد نے کسی کا دودھ نہ پیا اور تین دن سے بالکل بھوکا ہے۔ اور اس کی ماں بیمار ہے۔ اگر تمہاری لڑکی اس کو دودھ پلانا منظور کرے گی اور میرا پوتا بھی اس کے دودھ کو قبول کرے گا۔ تو تم کو اور تمہارے اہل قبیلہ کو مالدار و خوش حال کر دوں گا۔ بعد ازاں حلیمہ خدمت عبدالمطلب میں حاضر ہوئیں انہوں نے اپنا بائیاں پستان محمد کے دہن میں دیا۔ مگر آپ نے دائیں پستان کو دہن میں لیا اور بائیں پستان کو اپنے رضیع (دودھ شریک بھائی) کیلئے چھوڑ دیا۔ اور کبھی بائیں چھاتی سے حلیمہ کی کوشش کے باوجود بھی آپ نے دودھ نہیں پیا۔

(۲) حیات القلوب جلد دوم باب چہارم حالات رضاعت :-

چوں عبدالمطلب حلیمہ را بخانہ عاتکہ آورد حضرت رسول صلعم را در دامن او گذاشتند حلیمہ پستان چپ خود را برائے او بیرون آورد آں حضرت او را ـــــ قبول نمود و بسوئے پستان راست میل کرد و چوں پستان راست او خشک بود و ہرگز طفلے ازاں نخوردہ بود مضائقہ می کرد و می ترسید کہ مبادا چوں آنحضرت در پستان راست شیر نیابد بہ پستان چپ میل نماید و او مبالغہ می نمود در دادن پستان چپ و حضرت اضطراب می فرمود در گرفتن پستان راست تا آنکہ حلیمہ گفت اے فرزند بمک پستان راست را تا بدانی کہ خشک است و شیر ندارد و چوں پستان یمین را آنحضرت

جب عبدالمطلب حلیمہ کو عاتکہ کے گھر میں لائے تو محمد کو دامن حلیمہ میں دیدیا۔ حلیمہ نے اپنی بائیں چھاتی آپ کے دہن میں دی آپ نے اس کو دہن میں نہ لیا اور داہنی پستان کی طرف رغبت کی۔ اور چونکہ داہنی چھاتی حلیمہ کی خشک تھی۔ اور کبھی کسی بچہ نے اس سے دودھ نہیں پیا تھا۔ اسلئے حلیمہ اس چھاتی کے منہ میں دینے سے مضائقہ کرتی تھیں۔ اور سمجھتی تھیں کہ جب داہنی چھاتی سے بچہ کو دودھ نہ ملے گا تو وہ بائیں چھاتی کو بھی نہ پیئے گا۔ اسلئے حلیمہ اصرار کرتی تھیں کہ بائیں چھاتی کو محمد پی لیں۔ مگر آپ دائیں چھاتی منہ میں لینے کیلئے بیچین تھے۔ حتیٰ کہ حلیمہ نے جھنجھلا کر کہا کہ اے بچہ داہنی چھاتی ہی کو

در دہان گرفت و مکید از برکت دہان مبارکش چنداں شیر جاری شد کہ از کنارہ دہان آنحضرت می ریخت پس حلیمہ متعجب گردید۔

پی لے تجھکو معلوم ہو جائے گا کہ وہ چھاتی خشک ہے اور اس میں دودھ نہیں ہے۔ جب دائیں چھاتی کو محمد نے دہن میں لیا تو اس خشک چھاتی سے دودھ جاری ہو گیا۔ اور اتنا کہ آپ کے دہن سے باہر گرنے لگا۔ پس حلیمہ خشک چھاتی سے دودھ نکلنے پر بے حد متعجب ہوئیں۔

ص ۱۳۰ حلیمہ می گوید این قرۃ العین بہ پستان راست من رغبت نمود و ساعتے تناول نمود و پستان چپ را قبول نہ کرد و از برائے فرزندمن گذاشت۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ محمد نے میری داہنی پستان کی طرف رغبت کی اور دودھ پیا اور بائیں چھاتی میرے بچہ کیلئے چھوڑ دی۔

واقعہ تاریخی نے ثابت کیا ہے کہ رضاعت میں جب ——— آپ آغوش حلیمہ سعدیہ میں گئے۔ اور حلیمہ نے بہت چاہا کہ وہ پیغمبر اسلام کو دودھ بھری چھاتی سے دودھ پلائے۔ تاکہ عبدالمطلب کے انعام و اکرام کی مستحق ہو۔ مگر پیغمبر اسلام نے خشک چھاتی سے ہی دودھ پیا۔ اور خدا نے اسی میں بکثرت دودھ پیدا کر دیا۔ میرا مقصد اس موقعہ پر اس واقعہ کو نقل کرنے سے کرامت پیغمبر بیان کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مجھ کو تو اپنے موضوع کے اثبات کیلئے یہ بتانا ہے کہ پیغمبر اسلام نے بعمر شیر خواری با اقتضاءِ فطرت نبوت عدالت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ حلیمہ کی ایک چھاتی سے خود دودھ پیتے رہے اور دوسری چھاتی کو منہ نہ لگایا اور اس کو اپنے رضیع (حلیمہ کا وہ بچہ جس کے لئے حلیمہ کی بائیں چھاتی میں دودھ تھا) کیلئے چھوڑ دیا۔

اگرچہ یہ واقعہ اس عمر کا ہے جب شعور فطری انسان میں پیدا نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ تاریخ عالم میں ایسے واقعات بھی موجود ہیں کہ بعد ولادت ہی بعض اطفال سے امور عجیب و غریب ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ نے پیدا ہونے کے تیسرے ہی دن اپنی ماں مریم کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ کتبِ مذاہبِ غیر کے علاوہ خود کتاب خدا قرآن بھی اس واقعہ کا شاہد ہے۔

اگر پیغمبر اسلام کی عہد رضاعت کے واقعات کو پیش نہ کیا جائے گا اور اس کو یہ کہہ کر ترک کر دیا جائے گا کہ یہ واقعات تو عمر غیر شعوری کے ہیں۔ تو فضیلت محمدیہ بہ نسبت دیگر اطفال کے کم ہو جائے گی۔ حالانکہ محمد بلحاظ کردار بشری سب سے برتر و بہتر ہیں۔

عدالت واقعہ دوم رفاقت برادران رضاعی

بحار الانوار جلد ششم ۔

جبکہ عمر محمد صرف تین سال کی تھی تو آپ نے حلیمہ سے دریافت کیا

"کہ کیا بات ہے کہ میں اپنے بھائیوں کو دن میں مکان پر نہیں پاتا ہوں۔" حلیمہ نے کہا کہ وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ۔ "میں بھی ان کے ہمراہ جایا کروں گا......." دوسرے دن حلیمہ نے سر میں تیل لگایا۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا اور اپنے بچوں کے ہمراہ تاکید حفاظت کر کے روانہ کر دیا۔

واقعہ مذکورہ نے ظاہر کیا کہ محمد کو بعمر تین سال یہ احساس ہوا کہ ان کے برادر رضاعی جو بلحاظ نوع بشری مماثلت رکھتے ہیں دونوں محنت و مشقت کر کے معاش حاصل کریں۔ اور میں صرف ان کی کمائی کو کھاتا رہوں یہ فعل تو خلاف عدالت ہے۔ لہٰذا آپ نے جب معلوم کر لیا کہ حلیمہ کے دوسرے بچے محنت کو جاتے ہیں اور آذوقہ حاصل کرتے ہیں۔ تو آپ نے بھی اس محنت طلب معاش میں ان کا ساتھ دیا۔ اور یہ عین عدالتِ محمد تھی۔۔

ضروری تمہید - چونکہ باب عدالت ایک جامع فضائل باب ہے۔ اور مجھ کو اس باب کے تحت پیغمبر اسلام کی تمام عمر کے واقعات تاریخی درج کرنے ہیں۔ لہٰذا میں ان واقعات کی تفصیل سے پہلے ان تمام اجناس فضائل کو درج کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو کہ فضیلت عدالت کے تحت میں آتے ہیں۔ ناظرین ان فضائل کی روشنی میں حالات پیغمبر اسلام کو دیکھنے کی کوشش کریں۔ اور ہر فضیلت کے مطابق حالات پیغمبر اسلام پرکھیں اور جانچ کریں۔

میں نے ابتدائی صفحات میں فضائل تحت عدالت کو مع تعریفات کے درج کر دیا ہے۔ مگر صرف ان کے نام اس موقعہ پر پیش کیے جاتے ہیں۔:-

صداقت (قولی فعلی وعملی) ۲ الفت ۳ وفاء ۴ شفقت ۵ صلہ رحم ۶ مکافات ۷ حسن شرکت ۸ حسن قضا ۹ تودد ۱۰ تسلیم ۱۱ توکل ۱۲ عبادت۔

واقعہ سوم صلہ رحم

(۱) طبقات جلد ۱ صفحہ ۷۱

استیذانت

امرأة علی النبی صلعم قد کانت ارضعته	اس عورت نے جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا
فلما دخلت علیہ قال امی امی وعمل	(حلیمہ) نے آپ سے ملنے کی اجازت مانگی آپ
الی ردائہ فبسطہ لہا فقعدت علیہ	نے اجازت دیدی وہ جیسے ہی آپ کے سامنے
	آئی آپ میری اماں میری اماں کہہ کر دوڑ پڑے

اور فوراً ردائے مبارک دوش اطہر سے اتار کر بچھا دی اور اس پر اس کو بٹھایا۔

(۲) اسوۃ الرسول جلد دوم صفحہ ۳۰ بحوالہ خطبات سر سید احمد خاں صفحہ ۱۹۷ لاہور۔

آنحضرت صلعم دودھ کے رشتہ کو خون کے رشتہ کے برابر سمجھتے تھے۔

صلہ رحم ۔ اور حضرت حلیمہ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور ان کا ادب اور ان کی تعظیم ماں کی برابر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے اپنی ردائے مبارک جسکو مسلمان سر پہ رکھتے اور آنکھوں سے لگانے کے لائق سمجھتے تھے حضرت حلیمہ کیلئے بچھادی اور وہ اسپر بیٹھیں۔

واقعہ چہارم صلہ رحم

طبقات ابن سعد:۔

قدمت حلیمہ

علی رسول اللہ صلعم بمکہ وقد تزوج خدیجہ فشکت جدب بلاد و ھلاك الماشیة فکلم رسول اللہ خدیجہ فیھا فاعطتھا اربعین شاة وبعیرہ موقعاً للظعینة وانصرفت الی اھلھا۔

جب پیغمبر اسلام کا عقد خدیجہ سے ہو چکا تھا اس کے بعد حلیمہ خدمت پیغمبر میں حاضر ہوئیں حلیمہ نے قحط اور مویشیوں کے مرنے کی شکایت پیغمبر سے کی آپ نے خدیجہ سے ذکر کیا۔ اور حلیمہ کو خدیجہ نے چالیس بکریاں اور چالیس تیز رفتار اونٹ عطا فرمائے حلیمہ انکو لیکر واپس ہوئیں

واقعہ پنجم صلہ رحم

اسوۃ الرسول جلد ۲ صـ ۲۰ :۔

تاریخ وسیر کا اتفاق ہے کہ آپ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے۔

(۱) عبداللہ (۲) انیسہ (۳) حذیفہ (۴) حذافہ یا شیما

حلیمہ کی چار اولادیں تھیں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں۔

(۱) تاریخ طبری جلد ۳ صـ ۱۶۶۹ مطبوعہ جرمن :۔ قبیلہ بنی سعد بن بکر پر چڑھائی والے دن

أنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنجیلة التی بعث ان قدرتم علی بجاد رجل من بنی سعد بنی بکر فلا یفلتنکم وکان بجاد قد احادیث حدثنا فلما ظفر بہ المسلمون ساقوہ واھلہ وساقوا اختہ الشیما بنت الحارث بن عبد اللہ بن عبد العزی اخت رسول اللہ صلعم من رضاعة فعنفوا علیھا فی السیاق معھم فقالت

رسول خدا صلعم نے تمام مسلمانوں کو حکم عام دیا کہ جب تم قبیلہ سعد بن بکر پر غالب آؤ تو ان پر ایک بار نہ جا پڑو۔ اگر چہ ان کے احداث تم سے کیسے ہی نہ بیان کئے گئے ہوں جب مسلمانوں کو ان پر فتح ہوئی تو مسلمانوں نے تمام اہل قبائل کو گرفتار کر لیا۔ ان میں شیما بنت حارث بن عبد اللہ بن عبد العزی بھی تھیں جو رسول خدا کی رضاعی بہن تھیں وہ بھی گرفتار ہوئیں۔ ان کے ساتھ کچھ لوگ

للمسلمین تعلمون والله انی لاخت
صاحبکم من الرضاعة فلم یصدقوها
حتی اتو بها رسول الله صلعم لما انتهوا
بالشیما الی رسول الله صلعم قالت
یا رسول الله انی اختک قال وعلامة
ذالک عضة عضضتنیها فی ظهری
وانا متورکتک قال فعرف رسول الله
صلعم العلامة فبسط لها رداءها
ثم قال ههنا فاجلسها علیه وخیرها
فقال ان احببت فعندی محببة مکرمة
وان احببت امتعک وترجعی
الی قومک قالت بل تمتعنی وتردنی
الی قومی فمتعها رسول الله صلعم وردها
الی قومها فزعمت بنو سعد بن بکر
انه اعطاها غلاما یقال له مکحول و
جاریة فزوجت احدهما الآخر
فلم یزل فیهم من نسلهما بقیة۔
(طبری)

سختی سے پیش آئے تو شیما نے چلا کر کہا کہ مسلمانو
تم کو کیا ہو گیا ہے۔ میں تو تمہارے رسول کی رضاعی
بہن ہوں۔ مگر مسلمانوں نے ان کے کہنے پر
اعتبار نہ کیا اور ان کو رسول خدا کی خدمت
میں لے آئے۔ یزید بن ابی عبید السعدی
کا بیان ہے۔ کہ جب شیما آپ کے پاس لائی گئی
تو اس نے پیغمبر خدا کے سامنے کہا۔ کہ میں آپ
کی بہن ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس قرابت کی
علامت کیا ہے۔ شیما نے جواب دیا کہ ایام
طفولیت میں ایک بار آپ کو گود میں لئے کھلا
رہی تھی۔ آپ نے میری پشت میں کاٹ لیا
تھا اس کا نشان موجود ہے۔ یہ سنکر آپ کو
واقعہ یاد آگیا۔ اور آپ نے ان کو پہچان لیا
پھر جلدی سے اپنی چادر ان کیلئے بچھا دی۔
اور ان کو قریب بلا کر فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ
پھر ان کو کچھ دیا اور فرمایا کہ مجھ کو تمہاری محبت
و تکریم بدل منظور ہے۔ اگر تمہاری طبیعت چاہے
تو میرے ساتھ رہو۔ اور اگر تمہارا دل نہ چاہے
تو میں کو تمہارے قبیلہ کے پاس واپس کردوں۔ شیما نے عرض کیا کہ مجھ کو میرے قبیلہ میں واپس کردیا
جائے۔ آنحضرت نے ان کو باکرام و با احترام ان کے قبیلہ کی طرف بھیج دیا۔ بنی سعد بن بکر میں بعض کا
بیان ہے کہ آپ نے شیمہ کو ایک غلام اور ایک لونڈی بھی دی تھی۔ غلام کا نام مکحول تھا۔ ان میں سے
ایک کا بیاہ بھی آخر وقت میں ہو گیا تھا۔ اور اس جاریہ کی نسل بھی ہمیشہ ان میں باقی رہی۔

چند ضروری نکات واقعہ مذکور۔ بعض طبائع عیب جو و حاسد ہوا کرتی ہیں۔ ممکن ہے کہ کسی
کے ذہن میں یہ آجائے کہ اس واقعہ میں جہاں صلہ رحم پیغمبر اسلام کی تعریف لکھی ہے۔ یہ بھی تو لکھا ہے کہ پیغمبر
اسلام نے بزمانہ طفلی عمر تقریباً ۴ سال میں اپنی رضاعی بہن کی پشت میں کاٹ لیا تھا۔ یہ فعل تو حکیمانہ، عادلانہ

دکھ پیمانہ نہ تھا۔ مگر یہ یاد رکھنے بات ہے کہ فعل حکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔ حکیم کا فعل حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوا کرتا ہے۔

یہی واقعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام بعمر طفلی ۴ سالہ ایسے حکیم و مدبر تھے کہ آپ کی اس عمر کا فعل بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ اسی فعل (پشت شیما پر دانت جما دینا) کا آج یہ اثر ہوا کہ پیغمبر اسلام نے جب دیکھا کہ لشکر اسلام اس کو گرفتار کرنے کے بعد آزاد پہنچا رہا ہے۔ تو آپ نے شیما سے علامت قرابت دریافت کی۔ حالانکہ کبھی کسی جنگ کے قیدیوں کے رہا و آزاد کرنے کے وقت کوئی علامت نہیں پوچھی گئی۔ گویا پیغمبر اسلام اپنی چار سالہ عمر کے واقعات کو یاد رکھتے تھے۔ اور آپ نے دانستہ پشت شیما میں کاٹ کر نشان و علامت بنائی تھی۔ کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ شیما اسی نشان کی وجہ سے کنیزی و گرفتاری کی ذلت سے بچ جائے گی اور پیغمبر اسلام بحیثیت فاتح عرب و عجم اس کو اپنی چادر پیش کریں گے اس پر شیما لشکر اسلام کی موجودگی میں مسند آرا و جلوہ گر ہوگی۔ علاوہ بریں پیغمبر اسلام کی دوسری حکمت اس معاملہ میں یہ بھی تھی کہ صلہ رحم کا ایک اعلیٰ نمونہ اہل دنیا کے سامنے باقی رہے گا۔

اسی واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ پیغمبر اسلام نے شیما کو اس کی ماں کی خدماتِ رضاعت کا صلہ دیکر اپنی عدالت کو واضح و نمایاں کر دیا۔

واقعہ پنجم صلہ رحم و عدالت قبیلہ ہوازن

۵ طبقات ابن سعد۔ جلد اول ص ۱۳۰

ترجمہ:۔

مقام جعرانہ میں اموال غنیمت کی تقسیم کے بعد قوم ہوازن کا ایک وفد رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جن میں ابو ثروان رسول خدا کے رضاعی چچا بھی تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس وفد میں ابو صرد زہیر بن صرد نامی ایک شخص نے وفد کی طرف سے تقریر کی:۔

"یا رسول اللہ! ہم آپ کے عزیز و قریب ہیں۔ اور جس بلا و مصیبت میں گرفتار ہیں وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ ان پھوس کی جھونپڑیوں میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں اور آپ کی دائیاں ہیں۔ اور کھلائیاں ہیں جنہوں نے آپ کو پالا ہے اور پرورش کیا ہے۔ اگر ہم لوگوں نے حارث ابن شمر اور نعمان ابن منذر (عرب کے دو مشہور و نامی یمنی سلاطین) کو دودھ پلایا ہوتا اور ان کے زمانہ میں بلا و مصیبت ہم پر نازل ہوتی جو آج ہم کو پیش آئی ہے تو ہم کو ان سے اکرام و لطافت کی توقع ہوتی۔ اور یوں تو ہمارے آپ بھی بہترین کفالت کرنے والے ہیں:

اور بعض روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابو ثروان نے اس تقریر میں یہ بھی کہا کہ:۔

"انہی جھونپڑیوں میں آپ کی رضاعی بہنیں ہیں، پھوپھیاں ہیں اور خالائیں ہیں، پھوپھی زاد بہنیں ہیں اور خالہ زاد بہنیں ہیں اور ان کے تمام قریب و دور کی رشتہ والیاں ہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ وہی مصیبت کی ماریاں ہیں جنہوں نے آپ کو اپنی گودیوں میں کھلایا ہے اور اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہے، اپنے پہلوؤں میں سلایا ہے اور ہر طرح سے ان کیلئے بہترین کفالت کرنے والے ہیں۔"

یہ سنکر رسول صلعم نے ارشاد فرمایا:۔

"کہ تم نے جو کچھ بیان کیا وہ بالکل صحیح اور فی الواقع ہے لیکن تمہارے معاملہ میں مجھے عام مسلمانوں سے مشورت کی ضرورت ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنی اولاد یا عورات زیادہ عزیز ہیں یا اموال و جائداد؟"

حاضرین نے جواب دیا کہ جب ہم کو اہل و عیال و اسباب و اموال کے درمیان تمیز و تفریق کا اختیار دیا جاتا ہے۔ تو ہم کسی طرح سے اموال و جائداد و کسی شے کے مقابلہ میں اپنی عورات و اولاد کو ترجیح دینے سے باز نہیں رہ سکتے تو اس بنا پر ہمارے لڑکے بالے ہمیں واپس دیئے جائیں۔

یہ سنکر اور بیحد متاثر ہوکر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ:۔

"اچھا تمہارے اموال میں ہمارا اور تمام بنی عبدالمطلب کا اس وقت تک از روئے تقسیم حصہ قائم ہو چکا ہے۔ وہ تمہارا ہو چکا ہے اور میں تمہاری نسبت نماز ظہر کے وقت تمام مسلمانوں سے باقی طلب کروں گا۔ اور کہدوں گا کہ یہ لوگ اپنے معاملہ میں مسلمانوں کے پاس رسول اللہ کی سفارش لائے ہیں۔ اور مسلمانوں کی سفارش رسول اللہ کے پاس ہیں نیز اسلیئے کہدیا ہے کہ تمہارے اموال غنیمت میں جو کچھ میرا اور جمیع عبدالمطلب کا حصہ قائم ہو چکا ہے وہ سب تمہارا ہو چکا۔ اور میں اس طرح تمام مسلمانوں سے تمہارے لئے درخواست کروں گا۔"

پس جب پیغمبر اسلام نماز ظہر ادا کر چکے تو بنی ہوازن اور بنی سعد کے وفد والے کھڑے ہوگئے اور انہوں نے جس طرح سے آنحضرت صلعم نے ہدایت فرمائی تھی تمام مسلمانوں کے سامنے اپنی درخواست پیش کی اور پیغمبر اسلام نے اسی وقت تمام اہل اسلام کے سامنے اپنا اور تمام بنی عبدالمطلب کا حصہ ان لوگوں کو واپس کر دیا۔ اور اسی طرح انصار و مہاجرین نے بھی اپنے اپنے حصے ان لوگوں کو پھیر دیئے اہل عرب کے دیگر قبائل سے بھی وہ ایسے ہی خواستگار ہوئے اور مسلمانوں نے بھی اتفاق کیا اور

اپنے حصے کی قیمت لگا کر معاوضہ میں اتنے اونٹ دے دیئے۔

ناظرین اگر ان اموال کی مقدار، تعداد معلوم کرنا چاہتے ہیں تو وہ اسی کتاب کے باب حکمت کے غزوات کے سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیں اتنی کثیر مقدار اموال غنیمت کی پیغمبر اسلام و نیز اہل اسلام نے اپنے دشمنوں کو واپس کر دی جس کی مثال تاریخ عالم میں ان حالات کے تحت ملنا ناممکن ہے۔ اس واقعہ سے پیغمبر اسلام کا صلہ رحم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وفد والوں نے یہی کہا تھا کہ وہ بنی سعد ہیں اور حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ سے تھیں۔ اور حلیمہ سعدیہ نے پیغمبر اسلام کو دودھ پلایا تھا۔ اس رشتہ کے واسطہ سے اہل وفد بنو سعد و ہوازن نے اپنی جان بخشی چاہی اور اپنے اموال کی واپسی کے طالب ہوئے۔

پیغمبر اسلام نے اپنا ذاتی و بنی عبدالمطلب کا حصہ اسی وقت واپس کر کے صلہ رحم کی بے مثال مثال قائم کر دی۔ مگر آپ نے دیگر اموال غنیمت کو جو مسلمانوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اور اب جس کے مالک عام مسلمان تھے۔ حکم واپسی نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا کہ میں بعد نماز ظہر عام مسلمانوں سے مشورہ کروں گا۔ تمہارا سفارش پیش کروں گا اور تمہارے اموال کی واپسی کی درخواست کروں گا۔

پیغمبر اسلام کا ایسا فرمانا آپ کی عدالت کو ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ممکن تو یہ بھی تھا کہ بحیثیت حاکم افواج و بانی اسلام ہونے کے خود حکم دیدیتے کہ اموال غنیمت کو واپس کر دیا جائے۔ اور کسی صحابی یا لشکری کو انکار کی جرأت بھی نہ ہوتی۔ اور پیغمبر اسلام کا یہ فعل خلاف معاملت بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ فریق مخالف سے سردار فوج جو چاہے معاہدہ کرلے لشکریوں کو چوں و چرا کا حق ہی نہیں پہنچتا۔ اور رات دن تاریخ عالم میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام کے نزدیک یہ فعل کہ خود سردار لشکر جو چاہے کرے خلاف معاملت ہے۔

جہاں تک حاکمانہ حیثیت کا تعلق ہے بیشک ہر سپاہی پابند حکم حاکم ہے۔ مگر جہاں سے اس کے ذاتی حقوق کا سوال ہے وہاں سے وہ سپاہی خود با اختیار ہے۔ پیغمبر اسلام نے اس معاملہ یا واقعہ میں یہی نمونہ عدالت پیش فرمایا ہے۔ چونکہ اموال غنیمت پیغمبر اسلام تقسیم کر چکے تھے۔ اور اب اس حصہ رسدی کا مالک ہر سپاہی ہو چکا تھا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام کی عدالت کا اقتضاء یہی ہوا کہ ہر سپاہی اپنی خوشی سے اپنے حصۂ مالِ غنیمت کو واپس کرے تو کردے ورنہ وہ خود مختار ہے۔

پیغمبر اسلام کے اس انداز و تدبیر نے حقوق افراد لشکر کو بھی قائم رکھا۔ حقوق انفرادی انسانی کو بھی باقی رکھا۔ و نیز قوانین عدالت پر عمل درآمد بھی کیا۔ اور صلہ رحم کا اہم ترین نمونہ بھی پیش کیا اور اقتضائے وقت کو بھی پورا کر دیا۔

واقعہ ششم صلہ رحم، زیارت قبر مادرِ گرامی

(۱) طبقات ابن سعد ص۳۳ ترجمہ ۱

فلما اتی رسول اللہ صلعم فی عمرۃ الحدیبیہ بالابوا قال ان اللہ قد اذن لمحمد فی زیارۃ قبر امہ فاتاہ رسول اللہ صلعم فاصلحہ وبکی عندہ وبکی المسلمون لبکاء رسول اللہ صلعم فقیل لہ فقال ادرکتنی رحمہا فبکیت۔

عمرہ حدیبیہ کے بعد جب پیغمبر اسلام مقام ابوا پر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی والدہ گرامی کی قبر کی زیارت کیلئے خدا کی جانب سے اذن دیا گیا ہوں۔ یہ فرما کر آپ ان کی قبر پر تشریف لیگئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے گریہ فرمایا۔ اور ان کو نیکیوں کے ساتھ یاد فرمایا۔ آپ کو روتا دیکھ کر تمام اہل اسلام بھی رونے لگے۔ لوگوں نے آپ سے سبب گریہ دریافت کیا۔ تو ارشاد فرمایا کہ مجھے ان کی محبت و رحمت یاد آگئی میں بے اختیار رو پڑا۔

درحقیقت صلہ رحم کو ادا کرنا بھی عین عدالت ہے۔ اس واقعہ پیغمبر اسلام نے اچھی طرح بات کو صاف کردیا۔ اگر حدیبیہ سے واپسی پہ پیغمبر اسلام مقام ابوا پہ نہ پہنچتے اور قبر مادر گرامی سے نہ گذرتے اور نہ آپ کے دل میں ماں کی یاد آتی نہ ان کی قبر کی زیارت کرتے نہ مسلمانوں کو اپنی مادر گرامی کی نیکیاں و ہمدردیاں بتلاتے۔ نہ ان کو بہ الفاظِ محبت و دعا یاد کرتے۔ تو حقیقت میں پیغمبر اسلام کے یہ افعال خلافِ قوانین عدالت و صلہ رحم ہوتے۔ اور صرف اس موقعہ پہ ایسا نہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا کہ پیغمبر اسلام صرف حملہ آور کی حیثیت سے دس ہزار فوج کو حدیبیہ کے میدان تک تو لے جا سکتے تھے۔ مگر راہ میں اگر اپنی ماں کی قبر مل جاتی ہے تو اس سے کترا کر گذر جاتے ہیں۔ تو یہ فعل تاریخ عالم میں کسی طرح بھی قابل تعریف نہ سمجھا جاتا۔ بلکہ انسانی اعتبار سے بھی پست درجہ ہوتا۔ مگر یہ کیسے ممکن تھا جبکہ معاملہ ذات پیغمبر اسلام کا تھا۔ ان سے کسی امر معمولی و غیر معمولی میں کوئی کسر باقی رہ جانا ممکن ہی نہ تھا۔

لہٰذا آپ نے قبر مادرِ گرامی پہ پہنچنے سے قبل اہل اسلام کو خصوصاً اہل عالم کو عموماً بتادیا کہ آپ کا قبر مادر گرامی پہ جانا صرف برائے گریہ نہ تھا۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے خدا نے اذن و اجازت دی ہے کہ میں قبر مادر گرامی کی زیارت کروں۔ پیغمبر اسلام گویا اہل اسلام کو بتا رہے تھے کہ جس طرح میں مکارم اخلاق و قوانین تہذیب و معاشرہ کی تکمیل کیلئے دنیا میں

آیا ہوں اسی طرح میرا یہ فعل بھی اسی مکارم اخلاق کی تکمیل کی ایک کڑی یا اسی سلسلے کا ایک حلقہ ہے۔ آپ کا قبر پر جانا، ماں کی نیکیاں بیان کرنا، اس پر خود رونا اور لشکر اسلام و اصحاب کرام کو رلانا۔ پھر جواب سبب گریہ دریافت کرنے پر آپ کا فرمانا کہ ماں کی محبت یاد آگئی تو میں بے اختیار رو دیا۔ آپ کے یہ الفاظ و نیز آپ کا انداز زیارت یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آپ معترض کے اعتراض کو دفع کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حقوق والدین کی کیا اہمیت ہے۔ اور آپ یہ بھی ظاہر فرما رہے تھے کہ صرف زندہ انسان کے ہی حقوق انسانوں پر نہیں ہیں۔ بلکہ زندہ انسانوں پر مُردوں کے بھی حقوق باقی رہ جاتے ہیں۔ اگر زندہ انسان اپنے مردہ اقرباء کے حقوق پورے نہیں کرتا تو بھی وہ خلاف عدالت فعل کا مرتکب ہے۔ کیونکہ جبتک وہ مرنے والا زندہ تھا اور تمہارے ساتھ حسن سلوک کرتا تھا۔ تو اس کے حقوق تسلیم کر لئے گئے تھے اور جب وہ مر چکا اور اس سے کوئی اُمید منفعت باقی نہ رہی۔ تو مر گئے مردود نہ ان کی فاتحہ نہ درود پھر ان کو یاد کر کے کیا کریں۔ لیکن!

پیغمبر اسلام نے اپنے اس طریقہ کار سے بتایا ہے کہ مرنے والوں کے بھی حقوق باقی رہتے ہیں۔ اور ان کا ادا کرنا مطابقت اصول عدالت و صلہ رحم ہے۔

واقعہ ہفتم حسن شرکت

باب تعریف عدالت میں ارسطو کا قول نقل کیا گیا ہے۔ ارسطو نے عدالت کی تین اقسام کی ہیں۔ اس کی عبارت یہ ہے کہ:۔

"در دوم آنچہ متعلق است بمشارکت با بنی نوع .... و ادائے امانات و انصاف در معاملات۔"

دوسرے عدالت یہ ہے کہ بنی نوع کے ساتھ معاملات شرکت و امانات کا ادا کرنا اور معاملات میں انصاف کیا جائے۔

(۱) علامہ شبلی سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۳۶:۔

عبداللہ بن ابی الجسلا ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلعم سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا تھا کچھ باقی تھا۔ میں نے کہا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے مجھ کو تین دن تک اپنا وعدہ یاد نہ آیا۔ تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلعم کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن اس خلاف وعدگی سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ صرف اسی قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی میں اس مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔

(۲) سائب نامی ایک صاحب جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی تعریف

کی آپ نے فرمایا میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائب نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ میرے شریک تجارت تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ فکنت لاتداری فلا تماری نہ میرا آپ کے ذمہ نہ آپ کا میرے ذمہ کچھ باقی ہے۔ قیس ابن سائب مخزومی ایک اور صحابی تھے آپ کے شریک تجارت تھے وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ آپ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔

واقعہ ہشتم لقب الامین

(۱) تاریخ طبری - ترجمہ :-

جب حجر اسود کو اپنے مقام پر نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ میں اس کو اس کے مقام پر رکھوں۔ اس بنا پر سب کے سب آپس میں حد تحمل سے متجاوز ہو گئے اور قسم کھا کھا کر جنگ و جدال پر آمادہ ہو گئے بنی عبدالدار تو یہاں تک جوش میں آگئے۔ جیسا کہ عرب میں سخت سے سخت قسمیں کھانے کا دستور تھا کہ انہوں نے خون تازہ سے ایک پیالہ بھر لیا اور دستور عہد جاہلیت کے مطابق اپنے اور بنی عدی بن کعب کے قبیلہ والوں کے ہاتھ اس خون سے بھرے ہوئے پیالہ میں ڈبوائے۔ گویا کشت و خون کا پختہ ارادہ کر لیا۔

(۲) ابن ہشام ص۶۷ مطبوعہ مصر :-

اجتمعوا فی المساجد .... هذا الامین رضینا هذا محمد ص۶۷

ترجمہ :- انہیں امور کے تصفیہ میں قریش کو چار یا پانچ راتیں گذر گئیں۔ آخر کار سب مسجد میں جمع ہوئے اور اس امر کے تصفیہ کی نسبت مشورہ کرنے لگے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ ابا امیہ ولید بن مغیرہ جو قریش میں اس وقت سب سے زیادہ معمر تھا کہنے لگا کہ اے قریش تملوگ ان باتوں کا یوں تصفیہ کر لو کہ کل صبح کو جو شخص اس مسجد کے دروازے سے پہلے داخل ہو۔ وہی اس خدمت کو انجام دے۔ سب نے اس پر اتفاق کر لیا۔

صبح کو سب سے پہلے جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوا وہ آنحضرت صلعم تھے۔ جب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو چلا اٹھے یہ تو ہمارے امین ہیں یہ تو محمد ہیں ہملوگ انہی پر راضی ہیں۔

ادائیگی امانات و انصاف در معاملات بقول ارسطو عدالت کی قسم ہے۔ لہذا مذکورہ حوالجات نے ثابت ہے کہ پیغمبر اسلام ادائیگی امانات و انصاف معاملات میں اتنے کامل تھے کہ اہل عرب ان کو الامین کہتے تھے اور اپنی امانات کا محافظ و ادا کرنے والا تسلیم کر چکے تھے۔

حسن قضا تربیت علی واقعہ نہم

حکماء نے اقسام تحت عدالت میں ایک فضیلت حسن قضا بتائی ہے اور حسن قضا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے

"حسن قضا :۔ دوسروں کے حقوق کو اس طرح ادا کردے کہ احسان رکھنے اور ندامت سے خالی ہو۔"

یہ امر مسلمہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت پیغمبر اسلام کی عمر ۸ سال کی تھی۔ اور آپ کے والد ماجد پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ عبدالمطلب دادا تھے۔ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے امانتِ رسالت کی حفاظت گاہ صرف آغوش ابوطالب کو منتخب کیا اور تاکیدی وصیت ابو طالب کو کی کہ محمد کو انتہائی احتیاطی و حفاظتی طور پر پرورش کیا جائے۔ ابوطالب نے پیغمبر اسلام کو ۸ سال کی عمر سے پرورش کیا۔ اور ہر ممکن خدمت و حمایت پیغمبر اسلام کی کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو :۔

(۱) ام ایمن کی اسناد سے ابن سعد نے لکھا ہے۔ صـ۷۵ :۔

بانه رسول الله صلعم یومئذٍ یبکی خلف سریر عبدالمطلب۔ میں نے دیکھا رسول صلعم اس دن عبدالمطلب کے جنازہ کے پیچھے روتے جاتے تھے۔

پیغمبر اسلام کی عمر ۸ سال کی تھی اور آپ کو اپنے جدامجد کے انتقال کے بعد محسوس ہوا کہ آپ لاوارث و بے بس ہیں۔

(۲) کتاب مناقب جلد اول صـ۲۱ :۔

ابوسعید الواعظ فی کتاب شرف المصطفی انه لما حضرت عبدالمطلب الوفاة دعا ابنه ابا طالب فقال له یا بنی قد علمت شدة حبی لمحمد و وجدی به انظر کیف تحفظنی فیه قال ابوطالب یا ابة لا توصینی بمحمد فانه ابنی و ابن اخی فلما توفی عبدالمطلب کان ابوطالب یوثره بالنفقة والکسوة علی نفسه وعلی جمیع اهله۔

ابوسعید واعظ نے کتاب شرف مصطفی میں لکھا ہے کہ جب وقت وفات عبدالمطلب قریب ہوا تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب کو بلایا۔ اور وصیت کی اے بیٹا تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھ کو محمد سے کسقدر محبت و جذبہ الفت ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم اس کی حفاظت کیونکر کرتے ہو۔ ابوطالب نے عرض کیا بابا جان آپ محمد کے بارہ میں وصیت نہ کیجئے یہ تو میرا بیٹا ہے میرے بھائی کا بیٹا ہے۔ جب عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا۔ تو ابوطالب اپنی ذات اور اپنی اولاد سے زیادہ لباس و خوراک میں محمد صلعم کا خیال رکھتے تھے۔

(۳) روضۃ الصفا جلد دوم صـ۲۷ مطبوعہ بمبئی :۔

در سال ہفتم از ولادت حضرت رسالت عبدالمطلب وفات یافت .... بعد از وفات عبدالمطلب ابوطالب بہ کفالت آنحضرت قیام نمودہ داز غایت محبتے کہ باد داشت لحظہ بمفارقتش رضانمی داد و شبہا ادرا در پہلوئے خود می خوابانید و طعام ہائے لذیذ می داد ۔

پیغمبر اسلام کی ولادت کے ساتویں سال عبدالمطلب نے وفات پائی۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد پیغمبر اسلام ابوطالب کی کفالت میں رہے اور ابوطالب پیغمبر اسلام سے اسقدر محبت کرتے تھے کہ ایک سیکنڈ کیلئے بھی اپنے سے جدا نہ کرتے تھے اور راتوں کو اپنے ساتھ سلاتے تھے اور عمدہ عمدہ کھانے کھلاتے تھے ۔

(۴) صـ۳۷ :۔ منقول است کہ تا ابوطالب در حیات بود عبدۂ اوثاں مجال آں نداشتند کہ زیادہ تعرضی بحضرت رسولؐ رسانند ۔

روایت ہے کہ جب تک ابوطالب زندہ رہے اصنام پرست مشرک اتنی مجال نہ رکھتے تھے کہ حضرت رسول کو ایذا دیں یا تکلیف پہنچائیں ۔

(۵) تذکرۃ الصحابیات صـ۳۹ :۔

حضرت خدیجہ و حضرت ابوطالب نے چند دن آگے پیچھے انتقال کیا ہے۔ سال وفات دونوں کا ایک ہے (طبقات ابن سعد صـ۹) مذکورہ حوالہ جات نے ثابت کیا ہے کہ پیغمبر اسلام کی کفالت پرورش و تربیت و حفاظت جد امجد پیغمبر اسلام جناب عبدالمطلب نے ابوطالب کے سپرد کی تھی اور ابوطالب نے پیغمبر اسلام کو بعمر ۸ سال سے پرورش کیا۔ جان اور اولاد سے بھی زیادہ حفاظت کرتے رہے۔ بعد بعثت مشرکین و کافرین کے حملوں سے بچایا۔ ہر ممکن مدد و حفاظت کرتے رہے۔ اور جب تک ابوطالب زندہ رہے پیغمبر اسلام کو قریش ایذا نہ دے سکے اور ابو طالب نے ہجرت مدینہ سے تین سال قبل وفات پائی۔ گویا ابوطالب نے پیغمبر اسلام کی ۸ سال کی عمر سے ۴۹ سال کی عمر تک حفاظت کی اور ہر ممکن مدد تبلیغ رسالت میں پہنچاتے رہے۔

ایسی صورت میں آپ غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کا فریضہ کیا تھا۔ اور پیغمبر اسلام کی عدالت کس امر کی مقتضی تھی۔ صاحبانِ انصاف کو ماننا پڑے گا کہ احسان کا بدلہ احسان ہوا کرتا ہے۔ اور اگر یہ بدلہ بروقت نہ دیا جائے تو خلاف قوانین عدالت ہوگا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے

فرزند علی کی تربیت تعلیم و کفالت اپنے ذمہ لیکر صلہ رحم، حسن قضا و عدالت کو کما حقہ پورا کر دیا۔ تاریخی عبارات جو اس معاملہ کو واضح کرتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۶) ہشام و طبری و ابن سعد نے لکھا ہے :۔

وکان ابا طالب ذا عیال کثیر فقال رسول اللہؐ للعباس عمہ، کان من الیسر بنی ھاشم یا عباس انی اخاك ابا طالب کثیر العیال وقد اصاب الناس ما تری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا فنخفف عنہ من عیالہ اخذ من بنیۃ اجلا وتاخذ من بنیۃ اجلا وتاخذ من بنیۃ رجلا فنکفھما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا ابا طالب فقال انا نرید ان نخفف عنك من عیالك حتی ینکشف عن الناس ما ھم فیہ فقال لھما ابا طالب اذا ترکتما لی عقیلا نا صنعا ما شئتما فاخذ رسول اللہ علیا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفر وفضمہ الیہ فلم یزل علی ابن ابی طالب معہ رسول اللہ حتی بعثہ اللہ نبیاً فاتبعہ علی فامن بہ وصدقہ ولم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم و استغنی عنہ ۔

(طبری ص ۱۱۶۴)

ابو طالب کثیر العیال تھے پیغمبر اسلام نے عباس جو اس وقت تمام قبیلہ بنی ہاشم میں سب سے زیادہ خوشحال تھے سے ارشاد فرمایا کہ آپ دیکھتے ہیں آپ کے بھائی کثیر العیال ہیں اور اس وجہ سے تنگ حال ہیں۔ ہم کو مناسب ہے کہ ان کے بار کو ہلکا کریں۔ اس طرح سے کہ ان کے بیٹوں میں سے ایک ایک بیٹے کو ہم آپ اپنے ذمہ لے لیں۔ عباس نے اس مشورہ کو قبول کر لیا۔ یہ دونوں افراد ابو طالب کے پاس آئے اور اپنی مشورت سے ان کو آگاہ کیا۔ یہ سنکر۔ ابو طالب نے کہا کہ عقیل کو میرے پاس چھوڑ دو باقی دو بچوں کیلئے جو آپ دونوں صاحب چاہیں انتظام کر لیں۔ یہ سنکر رسول خدا نے علی کو اپنی طرف لیا اور سینہ سے چمٹا لیا۔ اور پھر اس وقت تک کہ جناب رسولِ خدا درجہ نبوت پر فائز ہوئے اور علی نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔ ساتھ ہی ساتھ رہے۔ اور جعفر بھی عباس کے ساتھ رہے حتی کہ وہ بھی مسلمان ہوئے اور خود کفیل ہوئے ...

واقعہ مذکورہ نے اس امر کی تصدیق کردی کہ پیغمبر اسلام نے طالق قوانین عدالت صلہ رحم وحسن قضا کو باحسن دجوہ پورا کر دیا اور ابو طالب کے فرزند کو اپنی آغوش میں لیکر وہ سب کچھ عطا کر دیا جو آپ کے اختیار میں من جانب خدا تھا۔ ابو طالب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تقریباً ۴۳ سال پیغمبر اسلام کی خدمت و تربیت وحفاظت و اعانت میں گذارا تھا اور تبلیغ رسالت وتوحید میں حتی المقدور مدد کی تھی اور بالالفاظ دیگر کہا جائے کہ ابو طالب کے اختیار میں جتنی مدد ممکن تھی اور جو کچھ تھا وہ سب صرف راہ خدا ورسول کر دیا تھا۔ اس کا بدل ونعم البدل دینا ہی پیغمبر اسلام کی عین عدالت تھی چنانچہ آپ نے بھی علی ابن ابی طالب کو مرکز احسانات خداوندی بنادیا اور ہر وہ خوبی و وصف کمال علی کی ذات میں پیدا کر دیا جس کے آپ مالک منجانب خدا تھے حتی کہ فرمادیا کہ :-

"انا مدینۃ العلم وعلی بابھا - میں علوم روحانی وجسمانی تمام علوم کا شہر ہوں اور علی ابن ابی طالب اس کے صدر دروازہ ہیں۔ جو میرے فیوض علمی چاہتا ہے وہ دروازہ سے آئے۔ اور کمالات انسانیہ حاصل کرے۔"

واقعہ دہم، حسن شرکت (عدالت)

حکماء نے فضیلت عدالت کے تحت فضیلت حسن شرکت کو بھی شمار کیا ہے۔ حسن شرکت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ معاملات میں لین دین بطور اعتدال کرے جو دیگر افراد کے موافق طبع ہو۔ اور حسن قضا کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ دوسروں کے حقوق کو اس طرح ادا کرے کہ احسان رکھنے اور ندامت سے خالی ہو۔ چونکہ یہ دونوں اجناس فضائل تحت اقسام عدالت ہیں تو گویا یہ ہر دو اجناس خود عدالت ہیں۔ بات یہ ہے کہ معاملات میں بقدر اعتدال لین دین کرنا بھی عین عدالت ہے۔ اور دوسروں کے حقوق کو ادا کرنا بھی عین عدالت ہے۔ لہٰذا اسی وجہ سے ان اقسام کو بھی تحت عدالت رکھا گیا ہے۔ ان تعریفات کی روشنی میں پیغمبر اسلام کا مندرجہ ذیل کارنامہ ملاحظہ کیجئے۔

نصب حجر اسود پیغمبر اسلام کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ ابھی آپ مبعوث برسالت نہیں ہوئے تھے کہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی اور قبائل عرب میں یہ تعمیر کعبہ سبب جنگ و جدال بن گئی۔ تفصیل بہ الفاظ مورخین ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۳۰ :-

در سال سی و پنجم از ولادت ہمایوں	پیغمبر اسلام کی پیدائش سے ۳۵ سال
حضرت مقدس نبوی قریش خانہ کعبہ را	بعد قریش نے خانہ کعبہ کو منہدم کر دیا

منہدم ساختند و بعد ازاں دیوار ہائے
آنرا بلند گردانیدہ بہ ترتیب سقف آں
پرداختند.........
قریش بسنگ کشیدن مشغول شدند و
حضرت رسالت پناہ باایشاں موافقت
نمودہ منقول است کہ در حین اشتغال
بہ بنائے کعبہ جہات اربعہ را قسمت نمودند
قرعہ زدند از رکن حجر اسود تا رکن عراقی
بنام عبد مناف و بنی زہرہ برآمد و از
رکن عراقی تا شامی بنی اسد بن عبد
العزی و بنی عبد الدار قرار یافت و از
رکن شامی تا رکن یمانی نامزد بنی تمیم
گشت و از رکن تا حجر الاسود نصیب
بنی سہم و بنی عزائی شد و چوں دیوار ہا
ارتفاع یافتہ بحد حجر الاسود رسید
اختلاف درمیان قریش پدید آمد۔
و ہر قبیلہ را داعیہ شد کہ آں سنگ
متبرک را کسے از ایشاں بموضع خود نصب
کنند و بدیں سبب قریب باں شد کہ ہم
بمقاتلہ انجامد۔ آخر الامر قرار براں گرفت
کہ ہر کس کہ اولاً از باب بنی شیبہ کہ درے
از درہائے حرم است در آید او را
حکم سازند و ہر چہ فرماید تجاوز ازاں جائز
ندارند و در خلال ایں احوال حضرت مقدس
نبوی از در مذکور در آمد قریش ازیں معنی

اور پھر اس کی دیواروں کو پہلے سے بلند کیا
(پہلے چھت نہ تھی) قریش نے پتھر اٹھانا
شروع کئے اور پیغمبر اسلام بھی ان کے شریک
کار تھے۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب قریش
خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنا چاہتے تھے تو
انہوں نے تقسیم کار اس طرح کی تھی کہ قرعہ
ڈالا پھر رکن حجر اسود سے رکن عراقی تک
عبد مناف و بنی زہرہ کے ذمے رہا۔ اور
رکن عراقی سے رکن شامی تک اسد
بن عبد العزی و بنی عبد الدار کے ذمہ رہا
اور رکن شامی سے رکن یمانی تک بنی تمیم
اور رکن یمنی سے حجر اسود تک بنی سہم
و بنی عزائی کے نام رہا۔ جب دیواریں بلند
ہو گئیں اور جس جگہ حجر اسود نصب تھا۔
اس جگہ تک بلندی پہنچی اور حجر اسود کے
نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو قریش کے
درمیان اختلاف ہو گیا اور قریش کے ہر
قبیلہ کو یہ دعویٰ پیدا ہوا کہ اس متبرک
پتھر کو اس کے خاندان کا کوئی فرد نصب
کرے۔ اور یہ اختلاف اتنا بڑھا کہ جنگ کی
نوبت آگئی۔ آخر یہ طے ہوا کہ باب بنی شیبہ
سے جو حرم کا ایک دروازہ ہے۔ سب
سے پہلے جو داخل ہو وہ جو تجویز کرے وہ
ہو۔ یہی معاملہ زیر بحث تھا کہ اتنے میں
پیغمبر اسلام داخل دروازہ مذکور ہوئے

مُتبشر گشتہ گفتند محمد امین رسید و ہر چہ او دریں باب فرماید آنرا مطیع می باشیم چوں صورت قضیہ معروض رائے عالم آرائے گشت ردائے مبارک خود را بر زمیں گستردہ و حجرالاسود را درمیاں اد نہادہ واز ہر قبیلہ شخصے طلبیدہ باشارت آنحضرت ہر یکے گوشہ از ردا گرفتد و حجرالاسود را برداشتند بموضع خویش استوار ساختند حضرت مقدس نبوی از درمیان ردا سنگ برداشتہ بر موضع خودش استوار فرمود۔

قریش آپ کو دیکھ کر خوش ہوئے اور کہنے لگے محمد امین آگئے۔ وہ جو کچھ اس بارہ میں فرمائیں گے ہم اطاعت کریں گے۔ جب واقعہ کی تفصیل آپ کو بتائی گئی تو آپ نے اپنی چادر کو زمین پر بچھایا اور حجر اسود کو اس پر رکھا اور ہر قبیلہ کا ایک شخص بلایا اور اس سے کہا کہ وہ چادر کو پکڑ کر اٹھائے۔ ہر شخص نے گوشہ چادر اٹھایا جب مقام نصب حجر اسود تک وہ چادر اٹھ گئی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر اسکے مقام پر نصب کر دیا۔

نتیجہ۔ واقعہ مذکور سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے منتخب کرنے والوں کے حقوق کی پاس داری بدرجہ اتم کی۔ جبکہ قریش مکہ نے جماعتی حیثیت سے پیغمبر اسلام کو اپنا امین سمجھا اور ان کے فیصلہ کو ماننے کا عہد کیا اور اطاعت امر منظور کی تو یہ بھی ممکن تھا کہ بعد حاکم معاملہ منتخب ہونے کے خود ہی یہ شرف حاصل کر لیتے کہ حجر اسود کو اس کی جگہ اپنے ہاتھ سے لگا دیتے۔ چونکہ قریش آپ کی رائے کی اطاعت کو تسلیم کر چکے تھے کوئی تنازع واقع نہ ہوتی۔ حجر اسود بھی نصب ہو جاتا اور کعبہ بھی تعمیر ہو جاتا اور اس سنگ مقدس کے خانہ کعبہ میں نصب ہونے کا شرف بھی ہمیشہ پیغمبر اسلام اور ان کے خاندان کو حاصل رہتا۔۔

مگر قوانین عدالت کے مطابق فضیلت حسن شرکت و حسن قضا کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ حسن قضا کی تعریف یہی ہے کہ دوسروں کے حقوق کو اس طرح ادا کرے کہ احسان نہ رکھنے اور ندامت سے خالی ہو۔ اور حسن شرکت کی تعریف یہ ہے۔ کہ لین دین میں معاملات اس طرح ہوں کہ دوسروں کے موافق طبع و مزاج ہوں۔ پیغمبر اسلام کا مذکورہ طرز عمل ان دونوں اجناس فضائل کے عین مطابق تھا۔ گویا ہر معاملہ میں و نیز اس معاملہ میں پیغمبر اسلام کی نظر اجناس فضائل کے تعین کا معیار حقیقی دیکھ رہی تھی۔ اور آپ کا عمل ایک ایسا نمونہ پیش کرنا چاہتا تھا جو بلحاظ عدالت و اقسام تحت عدالت حقیقی عدالت کا نمونہ اعلیٰ ہو۔ اور جو اہل عالم کیلئے صحیح دستور العمل بن سکے۔ اور اہل دنیا تعلقات باہمی کے نازک

پہلوؤں کو بھی ملحوظ رکھ سکیں۔

واقعہ یازدہم، عدالت مکافات

حکمائے مکافات کو جنس تحتِ عدالت شمار کیا ہے اور مکافات کی تعریف مندرجہ ذیل معین کی ہے

"مکافات آں بود کہ احسانے راکہ یا دکنند بمانند آں یا زیادہ از اں مقابلہ کند۔ و در اساءت بکمتر ازاں۔۔"

"مکافات یہ ہے کہ اگر کوئی احسان کرے تو اس کے مقابلہ میں اتنا ہی احسان کرے اور اگر کوئی بدی کرے تو اس بدی سے کم بدی سے پیش آوے۔"

واقعہ مندرجہ سے واضح ہو گا کہ پیغمبر اسلام نے بدی کے مقابلہ میں کم از کم بدی کرنے کی بجائے نیکی و احسان کیا ہے گویا فضیلت مکافات سے بھی بڑھ کر نمونۂ عمل پیش کیا ہے۔

واقعہ اسلام عمر ابن خطاب

(۱) روضۃ الصفا مطبوعہ بمبئی ص۲۶۲ (ذکر اسلام حمزہ بن عبدالمطلب و ہاشم و اسلام عمر ابن خطاب)

اما سبب اسلام عمر بروایت اشہر آنست کہ چوں آیہ انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون نازل گشت و اشتہار یافت ابوجہل در انجمن قریش بر پائے خواستہ گفت۔ ایہا الناس! محمد زبان طعن با الٰہہ ما و شما کشاید و عقلائے شمار راز سفہا می شمارد و می گوید کہ پدراں شما با معبودان خویش آتش دوزخ اند اکنون آگاہ باشید کہ ہر کہ محمد راتقتل آرد او را ہزار ناقہ احمر و ہزار اوقیہ طلاء حمراو بر ردائے صد شتر سرخموئی سیاہ چشم و ہزار اوقیہ نقرہ بیضا بر من باشد۔ عمر خطاب دراں بود گفت یا ابا الحکم ایں وعدہ را ضمانی باید گفت چوں بے تاخیر تسلیم میکنم ضماں بچہ کار

عمر ابن خطاب کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ مشہور ہے کہ جب آیت انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم انتم لہا واردون نازل ہوئی اور پھر مشہور ہو گئی تو ابوجہل نے اجتماع قریش میں کھڑے ہو کر تقریر کی۔ اے لوگو! محمد نے ہمارے خداؤں کو طعن کرنا شروع کر دیا ہے اور تمہارے عقلا کو احمق سمجھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ تمہارے آباؤ اجداد معہ اپنے معبودان کے آتش دوزخ میں جائیں گے۔ اب تم آگاہ ہو جاؤ کہ جو محمد کو قتل کرے گا اس کو ایک ہزار شتر سرخ اور ایک ہزار اوقیہ سونا اصلی اور ایک روایت میں ہے کہ سو شتر سرخ رنگ و سیاہ چشم اور ایک ہزار اوقیہ چاندی

آید عمر گفت بلات وعزیٰ کہ زبان تو بدل
موافق است ابوجہل لعین سوگند یاد
کرد کہ من دریں قول صادقم وبنا بر
اطمینان خاطر عمر خطاب اورا باندرون
خانہ کعبہ بردہ اعظم اصنام قریش ہبل
نام را بریں قضیہ گواہ گرفت وعمر شمشیر
خود را کہ عرض آں یک شبر بود وطولش
ہفت شبر حمائل کرد بعزم قتل حضرت رسول
قدم درراہ نہاد وبروایتے یکے از اصحاب
کہ اورا نعیم بن عبداللہ می گفتند بادے در
چار خوردہ بعدانہ گفت وشنید بنا بر
مصلحت وقت عمر را از اسلام خواہر و
داماوش سعید بن زید آگاہی داد و
بقول آنکہ سعد بن ابی وقاص درراہ باو
ملاقات نمود پرسید کہ عمر کجا می روی!
گفت بکشتن محمد می روم۔ سعد گفت
تو ازاں عاجز تری کہ محمد را توانی کشت
چگونہ ایمن توانی بود وازبنی عبد مناف
عمر گفت اول ہم تو بقطع رسانم کہ تغیر ملت
کردہ سعد گفت دست تو بقتل من نمی رسد
ونہ ازاں محمد تو فرد ترازانی کہ با مثال ایں
امور مبادرت نمائی۔ عمر چوں ایں سخن
بشنید شمشیر کشید سعد نیز تیغ تیز از
نیام بیروں آورد ومسلماناں دراں وقت
بے آلت حارجہ از بیم کفار تردد نمی نمودند

میں دوں گا۔ عمر خطاب اس جلسہ میں موجود
تھے۔ کہا اے ابا الحکم اس وعدہ کا ضامن
دو۔ ابوجہل نے کہا چونکہ میں فوراً یہ وعدہ
پورا کروں گا۔ پھر ضامن کی کیا ضرورت ہے
عمر خطاب نے کہا کہ لات وعزیٰ کی قسم کھا کر
کہو کہ تمہارا دل وزباں موافق ہیں ابوجہل
نے قسم کھائی کہ میں سچا وعدہ کرتا ہوں۔ مزید
اطمینان کیلئے عمر ابوجہل کو کعبہ کے اندر لے
گیا۔ اور سب سے بڑے بت ہبل کو وعدہ کا گواہ
بنایا پھر عمر نے اپنی تلوار جو ایک بالشت چوڑی
تھی اور سات بالشت لمبی تھی کو اپنے پہلو
میں لگایا اور پیغمبر اسلام کے قتل کے ارادہ سے
روانہ ہوئے۔ ایک روایت ہے کہ عمر کے دوستوں
میں سے نعیم بن عبداللہ نے عمر سے ملاقات کی اور
مصلحتاً عمر کو اس کی بہن اور بہنوئی کے اسلام
لانے سے آگاہ کیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سعد
بن وقاص سے راہ میں ملاقات ہوئی۔ پوچھا
عمر کہاں چلے۔ عمر نے کہا کہ محمد کو قتل کرنے کو
جاتا ہوں۔ سعد نے کہا کہ یہ کام تیرے بس کا
نہیں ہے۔ کیونکہ عبد مناف سے کیونکر بچ
سکو گے عمر نے کہا کہ میں پہلے تم کو ہی ختم کرتا
ہوں کہ تونے اپنے مذہب کو بدلا ہے۔ سعد نے
کہا کہ تو میرے قتل پر قابو نہیں پا سکتا ہے
اور نہ مجھ پر تیرا قابو چلے گا تیری یہ طاقت
نہیں ہے کہ ایسے مشکل کام انجام دے سکے

و چوں نزدیک شد کہ مبہم از معارضہ و مکالمہ
بجاربہ و مقاتلہ انجامد سعد گفت تو خواہر و داماد
خود را بقتل رساں کہ ایشاں نیز مسلماں شدہ
اند۔ عمر گفت کہ دلیل بر صدق ایں سخن چیست
سعد گفت آنکہ از ذبیحہ تو نہ خورند و عمر از سعد
اعراض نمودہ ہم از رہ بخانہ خواہر شتافت
و بحسب اتفاق دراں حین سعد بن زید و
منکوحہ اش خواہر عمر خباب بن ارث را بخانہ
بردہ بودند در رابستہ دید گوش بر در نہادہ
قرأت ایشاں می شنید و بعد از لحظہ حلقہ بر
در زد و چوں معلوم فرمودند کہ قارع عمر است
خباب در گوشہ مخفی گشت و صحیفہ کہ سورہ طٰہٰ
براں مکتوب بود پنہاں کردند عمر گفت کہ کلامے
می شنیدم ایشاں گفتند کہ باہم حدیثے درمیاں
داشتیم بعد ازاں عمر بزغالہ بدست خود ذبح
ساختہ امر کردہ تا آں را بریاں کردہ بہ نظر
او در آوردند و گفت بنشینید تا باہم تناول
نمائیم ایشاں از خوردن آں امتناع نمودند
عمر را سخن سعد بن وقاص باد رشد ریش
داماد را از غضب گرفتہ درہم آویختند
عمر سعید را بر زمین زدہ بر سینہ او بہ نشست
خواہر خواست کہ شوہر را از دست برادر
خلاص کند عمر طمانچہ بر روئے خواہر زد۔
و بروایتے سر او را بہ شکست و روئے خوں آلود شد خواہر گفت
بہ جہت آں مارا ایذا می کنی کہ مسلماں شدہ ایم

عمر نے جب ایسا سنا تلوار کھینچ لی سعد نے بھی
تلوار کھینچ لی اس زمانہ میں مسلمان بغیر ہتھیار
کے بوجہ خوف کفار کے باہر نہیں نکلتے تھے۔
جب جنگ کی نوبت آگئی تو سعد نے کہا کہ تو
پہلے اپنی بہن و بہنوئی کو تو قتل کرلے کہ وہ
بھی مسلمان ہو گئے ہیں عمر نے کہا کہ اس واقعہ
کے سچے ہونے کی دلیل دے۔ سعد نے کہا کہ
اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ تیرے ہاتھ کا ذبیحہ
نہیں کھائیں گے۔ عمر نے سعد کو تو چھوڑا اور
وہیں سے بہن کے گھر کا راستہ لیا اتفاقاً اس
وقت سعد بن زید اور اس کی زوجہ خواہر
عمر دونوں خباب بن ارث کو اپنے گھر لیگئے تھے
عمر نے دروازہ بند پایا اور دروازہ پہ کان لگا
دیئے اور قرأت قرآن کو سنا۔ پھر دروازہ
پر دق الباب کیا جب ان کو معلوم ہوا کہ دروازہ
کھٹکھٹانے والا عمر ہے۔ تو خباب تو ایک گوشہ
میں چھپ گئے اور وہ صحیفہ جس پہ سورہ طٰہٰ
لکھی تھی چھپا دیا۔ عمر نے کہا کہ میں کوئی کلام سن
رہا تھا۔ انہوں نے کہا ہم بات چیت کر رہے
تھے اس کے بعد عمر نے ایک بکری کے بچہ کو
اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور کہا کہ اس کو بریاں
کرو وہ آیا تو عمر نے کہا تم سب میرے ساتھ اس
کو کھاؤ ان سب نے اس کے کھانے سے انکار
کیا۔ عمر کو سعد بن وقاص کا قول یاد آیا۔ پھر
تو بہنوئی کی داڑھی پکڑ کر آپس میں گتھ گئے۔

عمر گفت آرے خواہر گفت ما ہر دو مسلمانیم و
علی الرغم تو می گوئیم لاالٰہ اللہ محمد رسول اللہ
تو ہر چہ می خواہی میکن کہ ما ہر دو مسلمانیم و
دست از دینِ محمد باز نمی داریم چوں فاروق
جد ایشاں را در اسلام و روئے خواہر را
خوں آلود دید رقتے در دل او پیدا شدہ
از کردہ خود پشیمان شدہ بر کنارِ صفہ بنشست
و گفت صحیفہ کہ بقرأت آں اشتغال می نمودید
بمن دہید خواہرش گفت حکم خداوند است
لا یمسّہ الاّ المطہرون۔
برخیز و غسل بجا آور از جنبہ غسل بیروں رفت
خباب از گوشہ اختفا بیروں آمدہ باں مومنہ
گفت کہ قرآں را بدست کافر می دہی۔ گفت
امید دارم کہ مگر مسلمان شود و عمر از غسل
فارغ شدہ بخانہ در آمد خباب از بیم او باز
بگوشہ مستوری شد خواہرش صحیفہ بدست
وے دادہ خواندن آغاز کرد۔ چوں بدیں
آیہ رسید کہ ما فی السّمٰوات وما فی الارض
وما بینہما وما تحت الثریٰ گفت ہر
کس کہ ایں سخن ملار دستاوار نیست کہ بہ
عبودیت غیر او مشغول شوند و چوں بدینجا
رسید کہ ان تجھروا بالقول فانہ یعلم
سرّو اخفی اللہ لاالٰہ الا ھو الاسماء
الحسنیٰ بمفتاح ہر آیہ قفل غفلت از در
خزینہ سینہ اش مفتوح گشت گفت لاالٰہ

عمر نے سعید کو زمین پر دے پٹکا۔ اس کے سینہ
پر بیٹھ گیا بہن نے چاہا کہ شوہر کو بھائی کے
ہاتھ سے چھڑائے عمر نے ایک طمانچہ بہن کے
رخسار پر مارا۔ دوسری روایت ہے کہ بہن
کا سر توڑ دیا اور اس کا چہرہ خون آلودہ ہو گیا
بہن نے کہا تو ہم کو اسلئے ایذا دے رہا ہے
کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ عمر نے کہا ہاں۔
بہن نے کہا ہم دونوں مسلمان ہیں اور تیرے
منہ پر کہتے ہیں لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
تو جو چاہے کر کہ ہم دونوں تو مسلمان ہیں ہم
اب دین محمد سے نہ پھریں گے۔ جب عمر نے
ان کے اسلام کی پختگی دیکھ لی اور بہن کے
چہرہ کو خون آلودہ دیکھا تو دل میں نرمی آئی
اپنے کئے پر پچھتائے اور ایک چبوترہ پر بیٹھ
گئے اور کہا کہ وہ کاغذ جو تم پڑھ رہے تھے
مجھ کو دیدو۔ بہن نے کہا کہ خدا کا حکم ہے کہ
اس کو بجز پاک انسان کے دوسرا نہ چھوئے
پہلے اٹھ کر غسل کر عمر غسل کرنے باہر گئے۔
خباب نے گوشہ سے نکل کر کہا کہ اے مومنہ
کافر کے ہاتھ میں قرآن دیتی ہے۔ اس نے
کہا کہ میں امید کرتی ہوں کہ شائد مسلمان ہو
جائے۔ عمر غسل سے فارغ ہو کر گھر میں آیا
خباب خوف سے پھر چھپ گیا۔ بہن نے صحیفہ
پھر عمر کے ہاتھ میں دے دیا۔ عمر نے اس کو
پڑھنا شروع کیا جب اس آیت پر پہنچا۔

الاالله محمد رسول الله . . . . ما فی السموت وما فی الارض وما بینہما وما تحت الثریٰ تو کہنے لگا کہ جو یہ کلام رکھتا ہے۔ وہ بیشک قابل پرستش ہے اس کے غیر کی پرستش نہ کرنی چاہیئے اور جب یہ آیت پڑھی ان تجہر بالقول فانہ الخ تو ہر آیت کی کنجی نے اس کے دل کے قفلِ غفلت کو کھولا تو پھر عمر نے کہا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

(۲) ص ۴۳ - چوں فاروق بدلالت خباب روئے توجہ بخانہ کہ حضرت واصحاب در آنجا بودند نہادہ بمنزل ہمایوں رسید در را بکوفتند و یکے از یاراں عمر را از شگاف در دید کہ باشمشیر حمائل کردہ ایستادہ است ایں صورت بہ جلسہ گفتند۔ ہیچ کس از بیم عمر مجال در کشودن نداشت۔ حمزہ گفت یا رسول اللہ بفرمانا تا در را بکشایند اگر عمر بخیر آمدہ فبہا والا بہمان شمشیر سرش از تن بر دارم۔ اصحاب در کشودہ حضرت رسالت پناہ باستقبال عمر شتافت و بر روایتے آنست کہ حضرت مقدس نبوی بازوئے فاروق را گرفتہ بیفشرد و فرمود اے عمر اگر بصلح آمدہ بگو تا دست از تو بردارم و اگر بجنگ آمدہ دمار از نہادت بر آرم عمر ترساں و لرزاں گفت مسلمان شدم حضرت فرمود بگو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ چوں عمر عرض کلمہ طیبہ کرد حضرت تکبیر گفت۔

جب خباب کی معیت میں پیغمبر اسلام کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ تو دروازہ پہ پہنچ کر دق الباب کیا۔ اصحاب پیغمبر اسلام میں سے ایک نے شگافِ در سے دیکھا کہ عمر تلوار حمائل کئے ہوئے دروازہ پہ کھڑا ہے۔ اس شخص نے حاضرین سے بیان کیا تو حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ دروازہ کھول دے۔ حمزہ نے کہا یا رسول اللہ آپ حکم دیں کہ دروازہ کھول دیا جائے اگر عمر کی نیت درست ہے تو خیر ورنہ اس کی ہی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ اصحاب نے دروازہ کھولا۔ عمر کی طرف پیغمبر اسلام بڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ پیغمبر اسلام نے ان کے بازو کو پکڑ کر زور سے دبایا اور فرمایا کہ اے عمر اگر صلح کے طور پر آیا ہے تو بتا دے میں تیرا ہاتھ چھوڑ دوں اور اگر جنگ کیلئے آیا ہے تو میں ابھی تجھ کو جان سے مار دوں گا۔ عمر خوفزدہ ہو گیا اور کانپنے لگا اور کہا کہ میں مسلمان ہو گیا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا تو کہو! :۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

جب عمر نے کلمہ پڑھا تو رسول خدا نے تکبیر کہی۔

(۳) عمر ابن خطاب ۶ نبوی میں اسلام لائے۔ (اسوۃ الرسول جلد دوم ص۲۳)

(۴) سیرۃ النبی علامہ شبلی۔

ا حضرت عمر کا ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا۔.........

لیکن حضرت عمر اسلام سے ابھی تک بیگانہ تھے۔ ان کے کان میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لبینہ ان کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ دم لیلوں تو پھر ماروں گا۔ لبینہ کے سوا جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہ کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھتا تھا اترتا نہ تھا۔ ان سختیوں پر بھی وہ ایک شخص کو اسلام سے بیدل نہ کر سکے آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا تلوار کمر سے باندھی رسول اللہ صلعم کی طرف چلے۔

ب سیرۃ النبی شبلی نعمانی۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ صلعم ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے صحابہ کو تردد ہوا۔ لیکن حضرت حمزہ نے کہا آنے دو۔ مخلصانہ آتا ہے تو بہتر ہے۔ ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر نے قدم اندر رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے۔ اور ان کا دامن پکڑ کر کہا کیوں عمر! کس ارادہ سے آیا ہے۔ نبوت کی پر جلالی آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خشوع کے ساتھ عرض کیا ایمان لانے کیلئے۔

(۵) تاریخ ابن ہشام ص۱۲۰:

فاذن له رجل ونهض اليه رسول الله صلعم حتى لقيه بالحجره فاخذ الحجزته او بمجمع ردائه ثم جبذه جبذة شديدة وقال ما جاءك يا ابن الخطاب ما ارى ان تنتهي حتى ينزل الله بك قارعة۔	عمر کو ایک شخص نے اجازت دی۔ پھر پیغمبر اسلام عمر کی طرف بڑھے حتیٰ کہ حجرہ کے اندر آتے ہی پیغمبر اسلام نے عمر کے ہاتھ یا بغو لے گوشہ چادر پکڑ لیا اور سخت زور سے کھینچا اور کہا کیوں اے خطاب کے بیٹے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تمام باتوں کی انتہا ہوگئی

اور آخر خدا نے تجھ کو میرے دروازہ پر ہی بھیج دیا۔

(۶) تذکرۃ الاذکیا صفحہ ۵ ۔ اس کتاب میں بھی قریب قریب وہی واقعہ اسلام عمر کا لکھا ہے۔ جو سابق میں روضۃ الصفا سے نقل لیا گیا۔ صرف آخری چند سطور تذکرۃ الاذکیا سے نقل کئے جاتے ہیں ۔

بالجملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعزم قدم بوسی حضرت امیر حمزہ کے گھر پر آئے۔ اور آوازدی کسی صحابی نے شگاف در سے حضرت عمر کو مسلح دیکھا اور کہا کہ عمر مسلح آئے ہیں سب نے کہا نعوذ باللہ من شر عمر رہم خدا کی پناہ چاہتے ہیں، مگر امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا دروازہ کھول دو۔ اگر بعزم خیر آئے ہیں تو مبارک چشم ما روشن دل ماشاد! اور اگر بقصد شر آئے ہیں تو انشاءاللہ انہی کی تلوار سے انکو قتل کر دوں گا۔

چنانچہ دروازہ کھول دیا۔ حضرت سید المرسلین صلعم نکل آئے اور عمر کو خوب دبایا کہ بند بند ان کا ہل گیا۔ اور فرمایا اے عمر ابن خطاب واللہ اگر بہ نیت خیر آیا ہے تو خیر ہے والّا جیتا نہ پھرے گا۔ عمر رضی اللہ نے التماس کیا کہ میں اسلام لانے آیا ہوں اور بدن کانپا اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی اور پکار اٹھے اشہد ان لا الہ الا اللہ .... (بوقت اسلام عمر صرف چالیس افراد مسلمان ہوئے تھے)

خلاصہ عبارات سابقہ ۔ مندرجہ بالا تاریخی حیات سے یہ امر واضح ہوگیا کہ عمر ابن خطاب قبل قبول

(۱) اسلام مخالف اسلام تھے ونیز پیغمبر اسلام کے دشمن تھے ۔

(۲) ابوجہل نے جلسہ عام میں پیغمبر اسلام کے قتل کا انعام ایک سو اونٹ اور ایک ہزار اوقیہ سونا مقرر کیا۔ عمر نے بت ہبل کو اس کا گواہ بنایا اور عہد قتل پیغمبر اسلام کیا ۔

(۳) عمر ابن خطاب کو اثنائے راہ میں معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں تو ان کے گھر جا کر ان دونوں کو سخت زخمی کر دیا۔

(۴) عمر ابن خطاب شمشیر تیز حمائل کئے ہوئے در پیغمبر اسلام پہ پہنچے ایک صحابی نے شگاف در سے دیکھا تو عمر کو مسلح پایا اور سب ڈر گئے مگر امیر حمزہ کے کہنے پر دروازہ کھول گیا اور سب سے پہلے اشجع عرب محمد صلعم نے آگے بڑھ کر عمر کو پکڑا اور زور سے دبایا کہ عمر کا بند بند ہل گیا اور کہا کہ اگر بہ نیت خیر آیا ہے تو خیر ورنہ زندہ واپس نہ جائے گا۔

(۵) عمر ابن خطاب کا جسم کانپا تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اور کہا کہ میں مسلمان ہونے کیلئے آیا ہوں۔ اور کلمہ پڑھا

استنباط نتائج ۔ حکمائے تحت فضیلت عدالت "مکافات" کو لکھا ہے۔ مکافات کی تعریف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نیکی کرے تو اس کا بدلہ بہتر نیکی سے دے اور اگر کوئی شخص برائی کرے تو اس کا بدلہ کمتر برائی سے دے اس صورت میں اگر پیغمبر اسلام عمر ابن خطاب جو شمشیر بکف پیغمبر اسلام کے قتل کیلئے آئے تھے کو کوئی سزا دیدیتے تو بھی خلاف قوانین عدالت و مکافات نہ ہوتا۔ مگر پیغمبر اسلام نے عدالت و مکافات کا وہ درجہ اعلیٰ اختیار کیا

جس کی نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ آپ نے سخت ترین بلکہ ارادہ قتل سے آنے والے کو تہدید و تنبیہ کی اور جب وہ اپنے ارادہ قتل سے باز آیا اور اس نے اقرار اسلام کر لیا تو اس کو اپنے معتمدین میں لے لیا۔ اور اپنا مشیر بنا لیا۔ اور بعد کو ایسے ایسے احسانات سے نوازا جو اعلیٰ نمونہ اخلاق و عدالت و مکافات تھے۔

واقعہ یازدھم امانت و صداقت

فضیلت عدالت کے تحت فضیلت صداقت کو بھی قرار دیا گیا ہے۔ حکماء نے گویا افعال انسانی و اقوال انسانی دونوں میں عدالت کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اگر انسان اپنے افعال میں عدل و انصاف کا پابند ہے۔ مگر اس کے اقوال میں معیار عدالت یعنی صداقت قول باقی نہیں ہے تو بھی وہ شخص عادل نہیں کہا جائے گا۔

تاریخ کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ محمد صلعم کو اہل عرب و قریش صادق و امین جانتے تھے۔ اور آپ کا لقب ہی انہوں نے الصادق اور الامین رکھا تھا۔ چنانچہ جب نصب حجر اسود کا جھگڑا پیدا ہوا تو اسوقت پیغمبر اسلام کی عمر تقریباً ۳۷ سال کی تھی۔ اس وقت آپ مبعوث برسالت ظاہری نہیں ہوئے تھے۔ تاریخی شاہد ملاحظہ ہو:۔

(۱) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۳:۔

درخلال ایں احوال حضرت مقدس نبوی از در مذکور در آمد قریش از یں معنی مستبشر گشتہ۔ گفت محمد امین رسید و ہر چہ او دریں باب فرماید آنرا مطیع باشیم۔۔

جب قریش نصب حجر اسود کے بارہ میں مقاتلہ پر آمادہ ہوگئے تھے اسی وقت جناب رسول خدا معینہ دروازہ سے داخل ہوئے۔ قریش نے جب آپ کو دیکھا تو خوش ہو گئے۔ سب نے یک زبان کہا محمد امین آگئے اور وہ جو کچھ اس بارہ میں رائے دیں گے۔ ہم سب اس کے مطیع ہوں گے۔

(۲) ابن ہشام مطبوعہ مصر ص ۶۷:۔

فکان اول من دخل رسول اللہ صلعم فلما راہ وقالوا ھذا الامین رضینا ھذا محمد۔

جو شخص پہلے اس معینہ دروازہ سے داخل ہوا وہ رسول خدا تھے۔ قریش نے انکو دیکھا تو یہ کہا۔ امین ہیں یہ محمدؐ ہیں۔ ہم انکے حکم پر راضی ہیں

(۳) ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۳۳:۔

پیغمبر صلعم پنج شبانہ روز در محلہ قبا متوقف بود و با اختلاف چہار روز و چہاردہ روز

رسول خدا صلعم پانچ دن محلہ قبا میں ٹھہرے رہے بعض نے ۴ روز و بعض نے ۱۴ روز د

دلبت و دو روزہ نیز گفتہ اند بالجملہ بعد از ورود بقبا ابوبکر در حضرت رسول معروض داشت کہ مردم مدینہ بسیار انتظار بردہ اند صواب آنست کہ در مدینہ نزول فرمائید آنحضرت فرمودند تا برادرم علی بامن ملحق نشود وارد مدینہ نشوم .... واما از آن سوئے علی سہ روز در مکہ توقف فرمود و ہر روز ندا کرد کہ اے جماعتِ قریش ہر کرا نزد پیغمبرؐ ودیعتے است حاضر شدہ اخذ امانت خویش کنند و مردم بر نزد او شدہ امانات خود بگرفتند و چوں از یں کار بہ پرداخت از مکہ بیروں شد ۔

وبعض نے ۲۲ دن بھی لکھے ہیں۔ جب آپ قبا میں موجود تھے تو ابوبکر نے کہا کہ اہل مدینہ آپ کے منتظر ہیں مناسب یہ ہے کہ آپ مدینہ تشریف لے چلیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جب تک میرا بھائی علی مجھ تک نہ آجائیگا میں مدینہ نہ جاؤں گا۔..........

اس طرف کا واقعہ یہ ہوا کہ بعد ہجرت پیغمبر اسلام علی نے تین دن مکہ میں قیام کیا اور ہر روز آپ منادی کراتے تھے کہ جس شخص کی کوئی امانت پیغمبر اسلام کے پاس ہو وہ واپس لے جائے۔ قریش کے لوگ آتے تھے اور اپنی اپنی امانات علی سے وصول کرتے تھے ۔ جب علی کو اس کام سے فراغت ہو گئی۔ تو علی مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے ۔

عباراتِ تاریخی سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام اہل مکہ قریش کے مسلّم امین تھے۔ اور ہر ایک دوست دشمن آپ کی امانتداری و صدق گفتاری کا قائل تھا۔ اور جب پیغمبر اسلام نے بمجبوری مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہے تو آپؐ نے یہ انتظام کر دیا تھا کہ اپنا قائمقام مکہ میں چھوڑ دیا۔ اسی وجہ سے علی نے بحیثیت قائم مقامئ رسول اہل مکہ کی امانتوں کو تین دن تک واپس کیا۔ اور عام اعلان کیا کہ جس کی کوئی امانت پیغمبر اسلام کے پاس ہو وہ واپس لے جائے۔ علی نے یہ سب بحکم پیغمبر اسلام کیا۔ کیونکہ اگر اس سخت مصیبت کے وقت میں بھی پیغمبر اسلام پوشیدہ طور پر مکہ سے چلے جاتے اور امانات کی واپسی کا انتظام معقول نہ کرتے تو۔ آپ کے دامنِ عفت و عصمت و عدالت پر خیانت کا بدنما داغ لگ جاتا۔۔

انسانِ کامل کیلئے یہ چھوٹا سا بھی نقص و عیب بہت بڑا عیب تھا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے واپسی امانت کا ایسا معقول انتظام کیا کہ کبھی کسی دشمن ترین شخص کی بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ پیغمبر اسلام پر خلاف امانتداری کرنے کا کوئی الزام عاید کر سکے۔ اور چونکہ اس موقعہ پر علی نے شب ہجرت رسول۔ بستر رسول پر سو کر پیغمبر اسلام کی قائمقامی کی تھی ۔ و نیز امانات کو واپس کرنے کا کام بھی در حقیقت پیغمبر اسلام کی

قائمقامی عہدہ رسالت تھی۔ اور علی یہ دونوں کام بحکم خدا و رسول کر رہے تھے۔ تو عدل و انصاف کا تقاضہ یہی تھا۔ کہ پیغمبر اسلام حق علی کو ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ باوجود ۱۴ روز قبا میں قیام کرنے کے بھی اور باوجود رفیق سفر ابوبکر کے توجہ دلانے کے بھی پیغمبر اسلام نے فرما دیا کہ میں مدینہ میں اس وقت تک قدم نہ رکھوں گا۔ جب تک کہ علی مکہ سے واپس نہ آجائیں۔ پیغمبر اسلام کا اس نازک موقع پر ایسا فرما دینا آپ کی عین عدالت تھی اور آپ نے وہی کیا جو کہا تھا۔ جب علی قبا میں آگئے تو پیغمبر اسلام نے مدینہ میں ورود فرمایا۔

واقعہ دوازدہم، عدالت، غزوات، تقسیم غنائم

عدل و انصاف کا تعلق تقسیم حصص سے بھی ہے۔ حاکم وقت اگر تقسیم اموال و حصص مال غنیمت میں کوئی بیجا تصرف کرتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل بھی توہین عدالت کے خلاف ہوتا ہے۔ اور اس کی یہ خلاف ورزی اس کے دامن عفت و عدالت پر ظلم کا داغ سیاہ بن جاتی ہے۔ ہر شخص کا حصہ اس کے مطابق مساعی و کار کردگی دینا بھی عدالت ہے۔ پیغمبر اسلام نے ۲ھ سے جہاد کا سلسلہ شروع کیا اور دس سال کی مدت میں ۲۴ غزوات اور چونتیس سریہ واقعہ ہوئے۔ ان غزوات و سرایا میں بکثرت مال غنیمت، روپیہ، سونا، چاندی، غلام، کنیزیں، اونٹ، گوسفند وغیرہ وغیرہ کثیر تعداد و کثیر مقدار میں دربار پیغمبر اسلام میں آتا رہتا۔ اور مال زکوٰۃ و خمس بھی آیا۔ ان تمام اشیاء کو ہر وقت وصولیابی مستحقین، غرباء، مجاہدین، مولفۃ القلوب و آل عبدالمطلب کو تقسیم کیا گیا۔ مگر کسی موقع تقسیم پر بھی کسی ایک فرد کو بھی یہ موقعہ نہ ملا کہ وہ کہتا یا اعتراض کرتا کہ پیغمبر اسلام نے تقسیم کے وقت مجھ کو کم اور دوسرے کو زیادہ حصہ دیا اور خلاف عدالت کام کیا۔ اگر کسی موقعہ پر پیغمبر اسلام ایسا کرتے تو معترضین بغیر اعتراض کے نہ رہتے۔ کیونکہ لشکر اسلام میں مومن مسلم کے ساتھ ہی ساتھ منافق بھی موجود تھے۔ یہ منافقین ہر وقت اعتراض کیلئے مستعد رہتے تھے اور عیب جوئی کیلئے تیار رہتے تھے۔ واقعات تاریخ اسلام اس امر کے شاہد ہیں کہ ان منافقین نے بے محل اور بے موقع بھی اعتراضات پیش کئے ہیں۔ مگر ان کا جواب کافی پا کر وہ خاموش ہوئے ہیں۔ پیغمبر اسلام کا مسلسل ۱۲ سال تک غزوات و سرایا کے اموال غنیمت کو تقسیم کرنا اور پھر کسی متنفس کا بھی معترض نہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی عدالت کا پایہ و درجہ اتنا بلند و ارفع تھا کہ جو۔ ہر ایک اعتراض سے بالا و برتر تھا۔ اور آپ کا ہر فعل مطابق عدالت ہوتے ہوئے ایک اعلیٰ نمونہ عدالت پیش کر رہا تھا۔

اگر ناظرین ان غزوات و سرایا کی تفصیل و نیز تقسیم اموال کی کیفیت معلوم کرنا چاہیں تو باب حکمت رسول میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ اموال کتنے تھے اور ان کی تقسیم کتنے عادلانہ طریقہ

پر ہوئی کہ کبھی کسی کو اعتراض کا موقعہ ہاتھ نہ آیا۔

واقعہ سیزدہم ۔ شفقت تحتِ عدالت

حکماء نے تعریف فضیلت و شفقت ان الفاظ میں کی ہے :-

شفقت آں بود کہ از حالے غیر ملائم کہ بکسے رسد متشعر بود و ہمت بہ ازالہ آں مقصور دارد۔

ترجمہ :- شفقت باصطلاح حکما یہ ہے کہ جب کسی کو سخت تکلیف دہ حالت کا مقابلہ ہو تو اس پر دل میں رنج و افسوس پیدا ہو۔ اور پھر وہ بلحاظ ہمدردی اس تکلیف و سختی کو دور کرنے پر کمر ہمت باندھ لے

پیغمبر اسلام کی تمامتر زندگی ایسے واقعات سے مملو ملے گی کہ آپ نے ہر موقع پر دوست دشمن کی تکالیف اور ان کے مصائب پر اظہار ہمدردی کیا ہے۔ اور ان کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ دوستوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مگر شدید ترین اعدا کے ساتھ جو پیغمبر اسلام کا طریقہ مساوات عدالت و شفقت تھا وہ آپ کو مندرجہ ذیل عبارت سے معلوم ہوگا۔

(۱) ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۶۷ :-

ہمچنیں سرایا پیغمبر صلی اللہ علیہ والہ وسلم نیز باختلاف روایت کردہ اند بعضے سی و پنج سریہ و گروہے سی و شش و ہمچناں چہل و ہشت و پنجاہ و شش نیز نوشتہ اند کہ رسول خدا لشکر فرستاد و خود ہمراہ لشکر نہ بود اماں چوں لشکرے را مامور می فرمود قائد آں سپاہ را با لشکریان طلب فرمودہ بدینگونہ انذار می کرد می فرمود بنام خدا و استعانت جوئید بخدا و جہاد کنید برائے خدا بہ ملّت رسول خدا۔ ہاں اے مردم مکر مکنید و از غنائم سرقت روا مدارید و کفار را بعد از قتل چشم و گوش و دیگر اعضاء قطع مفرمائید، و پیران و اطفال و زنان را مکشید و رہبان ہا را کہ در غارہا

پیغمبر اسلام کے سرایا باختلاف روایات بعض کے نزدیک ۳۵ سریہ بعض کی رائے میں ۳۶ و بعض کے خیال میں ۴۸ و بعض کی تحقیق میں ۵۶ سرایا ہیں۔ سرایا وہ ہیں جن میں خود پیغمبر اسلام موجود نہ تھے بلکہ آپ نے لشکر اسلام کو جہاد کیلئے روانہ فرما دیا تھا۔ لیکن جب آپ کسی لشکر کو جہاد کے لیئے روانہ فرماتے تھے تو اس لشکر کے قائد سپہ سالار و نیز افراد لشکر کو اس طرح سے مخاطب فرماتے تھے و ہدایات دیتے تھے اے لشکریو! خدا کا نام لیکر اور اس سے مدد چاہتے ہوئے جہاد کرو۔ خدا کے واسطے اور دین و ملت رسول خدا کیلئے خبردار! اے لشکریو! کبھی مکر نہ کرو

و پیغولہ ہا جائے گردہ اند بہ قتل مرسانید و
درختاں را از بیخ مزنید جز آنکہ مضطر باشید
و ہر کس از مسلمانان کہ کافرے را امان دہد
امان او پذیرفتہ است تا آں کافر برسد و کلام
خدائے را بشنود اگر بہ دین شما باشد و اگر نہ
او را بسلامت بجائے خود برسانید پس از آں
بہ قتل او از خدا مدد طلبید و دیگر فرمود
نخلستان را مسوزانید و بآب غرق مکنید
و درختاں میوہ دار را برنیاورید و حرث
و زرع را مسوزانید باشد کہ بآں محتاج
شوید و جانوراں حلال گوشت را نابود مکنید
جز آنکہ برائے قوت لازم افتد و دشمنان
را بسہ چیز دعوت کنید ہر یک بپذیرند از ایشاں
بپذیرید نخستین اسلام عرض کنید اگر مسلمان
شدند ہم طریق ہجرت نمائید اگر ہجرت را
قبول کنند از غنیمت بہرہ گیرند و اگر در خانہائے
خویش بمانند حکم آں جماعت عرب خواہند
داشت کہ مسلمانند و در خانہ خویش اند
و از غنیمت قسمت ندارند و اگر از اسلام رد نمایند
و از اہل کتاب باشند ادائے جزیہ را با ذلت
و خواری گردن نہند ہر گاہ جزیہ بر خویش
نہند دست از ایشاں بدارید و اگر نہ با نہ
جہاد کنید و اگر حصنے را محصور داشتید
و از شما مردم حصن طلب کنند کہ بزیر آیند
و حکم خدا بر ایشاں جاری نشود بپذیر فتار نشوید

مال غنیمت میں چوری نہ کرو۔ کفار کو جب قتل
کرو تو ان کی آنکھیں نہ نکالو۔ ان کے کان
اور دیگر اعضا کو نہ کاٹو۔ بوڑھوں، بچوں اور
عورتوں کو قتل نہ کرو اور عابدین گوشہ نشیں
و غار نشین کو قتل نہ کرو، درختوں کو قطع
نہ کرو۔ مگر جبکہ تم پر حالت اضطرار طاری
ہو جائے۔ جب کوئی مسلمان کسی کافر کو
امان دیدے تو اس امان کو قبول کرو۔ حتیٰ کہ
وہ کافر کلام خدا کو سنے۔ اگر وہ تمہارا دین قبول
کرے تو وہ تمہارا بھائی ہے۔ اور اگر وہ تمہارا
دین قبول نہ کرے تو اس کو اس کے گھر واپس
کر دو۔ پھر اس کے قتل پر خدا سے مدد طلب
کرو۔ دیکھو نخلستانوں کو نہ جلاؤ نہ پانی میں
غرق کرو۔ میوہ دار درختوں کو نہ کاٹو، کھیتی
و زراعت کو نہ جلاؤ۔ شاید تم کو ہی اس کی
ضرورت پڑ جائے۔ حلال جانوروں کو نابود
نہ کرو بجز اس صورت کے کہ تم کو اپنی غذا کے
لئے ضرورت پڑے۔ دشمنوں کو تین باتوں کی
دعوت دو جو ان میں سے کسی ایک کو قبول کرے
تو اس کو قبول کر لو۔ پہلے اسلام پیش کرو اگر
وہ مسلمان ہو جائیں تو وہ ہجرت کریں۔ کیونکہ
اگر وہ ہجرت قبول کریں گے تو مال غنیمت کے
حقدار ہوں گے۔ اور اگر وہ اپنے گھروں میں
رہنا چاہیں گے تو وہ عرب مسلمانوں کے حکم
کے پابند رہیں گے۔ اور مال غنیمت سے حصہ

چہ تواند بود کہ حکم خدائے را ندانید لاجرم حاکمے از خود در قلعہ ایشاں نصب کنید و اگر امان طلبند از خویشتن امان نہ بامان خدا و رسول دہر گز آب مشرکاں را با زہر آلودہ مسازید و حیلت مبازید ۔۔

نہ پائیں گے۔ اور اگر وہ اسلام نہ لائیں اور وہ اہل کتاب سے ہوں تو ادائے جزیہ کی ذلت کو برداشت کریں۔ اگر وہ جزیہ دینا قبول کریں تو ان کو امان دو ورنہ ان سے جہاد کرو۔ اگر دشمن قلعہ میں محصور ہو جائیں اور پھر تم سے اجازت چاہیں کہ قلعہ سے نیچے آئیں تو جب تک حکم خدا ان کے بارہ میں تم کو نہ پہنچے اجازت نہ دو۔ ممکن ہے کہ تم حکم خدا کو نہ جانتے ہو۔ ایسی صورت میں اپنا ایک حاکم اس قلعہ میں نصب کر دو اور اگر وہ امان طلب کریں تو تم اپنی جانب سے نہیں۔ بلکہ جانب خدا و رسول سے امان دو اور دیکھو کافروں و مشرکوں کے پانی کو زہر آلود نہ کرو۔

ناظرین کتاب ان احکام پیغمبر اسلام پر غور فرمائیں اور دیکھیں کہ آپ نے جو احکام آج سے تیرہ سو سال قبل لشکر اسلام کو دیئے ہیں۔ وہ کتنے اخلاق بلند پر مبنی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے سیاستدان قائدین لشکر و فاتحین ممالک باوجود دعوائے تہذیب و تمدن اعلیٰ اپنے دشمنوں اور مفتوحین کے ساتھ جو بہیمانہ و سفاکانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اور جس بے دردی سے لشکر مقابل ہی کو نہیں۔ بلکہ رعایائے ممالک کو ان کے بوڑھوں بچوں عورتوں اور بیماروں کا قتل عام کرتے ہیں۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر اس درندگی و سفاکی پر دعوائے تہذیب و تمدن بھی ہے اور اس پر یہ بھی غرور ہے کہ ہمچو من دیگرے نیست۔ ہم نے انسانوں کے وہ زریں اصول جنگ قائم کئے ہیں۔ جن کی مثال کسی عہد کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی ہے۔

آج یہ مغرورین طاقت افواج اور معترضین غزوات پیغمبر اسلام اپنے گریبانوں میں اپنا منہ ڈال کر اور اپنی بہیمانہ و سفاکانہ حرکات پر اشکِ ندامت و شرمندگی بہائیں تو بجا ہے۔

پیغمبر اسلام نے اپنی ۱۰ سالہ تاریخ غزوات در سرا پا میں یہ احکام لشکر اسلام کو دیکر اور خود ان پر عمل کر کے شفقت علی الناس، عدالت بین الناس کا وہ اعلیٰ نمونہ قائم کیا ہے کہ اہل عالم اگر اس نمونہ کو اپنا دستور العمل جنگ بنالیں تو یہ سلسلہ آتش فشاں جو بصورت جنگ عالمگیر قائم ہو رہا ہے۔ ختم ہو جائے۔ اور جنگ صرف اصلاح کرہ انسانی کے علاوہ دوسری کسی صورت کیلئے جائز نہ رہے۔ نہ جنگ طلب اقتدار ملکی کیلئے ہو۔ نہ جنگ طلب وسعتِ دائرہ حکومت کیلئے ہو۔ نہ جنگ تفوق و برتری کیلئے ہو۔ نہ جنگ فراہمی سامان عیش و عشرت و طلب زر و جواہر کیلئے ہو۔

بلکہ جنگ اسی صورت میں صحیح سمجھی جائے۔ جب مظلوم و کمزور کا حق آزادی دلوانا منظور ہو۔ جب

معاشرہ انسانی کے تباہ کن جرائم مہلکہ کا قلع قمع کرنا منظور ہو۔ یا جب اشرار جہاں کی معرتوں سے اخیار جہاں کو نجات دلانا مقصود ہو وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ تاریخی عبارت نے واضح کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے لشکر اسلام کو ایسے احکام کی تعلیم و ہدایت کی ہے۔ جو شفقت و عدالت پیغمبر اسلام کے آئینہ دار ہیں اور اہل عالم کیلئے بہترین نمونہ عدالت ہیں۔

پیغمبر اسلام نے بمقتضائے تعریف شفقت صرف یگانوں ہی کیلئے جذبات ہمدردی دل میں پیدا نہ کئے بلکہ دشمنوں اور بیگانوں پر بھی آپ کی نگاہِ شفقت و نظر عدالت تھی۔

واقعہ چہاردہم، وفا و شفقت، عدالت

حکماء نے فضیلت تحت عدالت "وفا" کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

"وفا آں بود کہ از التزام طریق مواسات و معاونت تجاوز جائز نہ شمرد۔"

ترجمہ :۔ وفا یہ ہے کہ مواسات و معاونت کے طریقہ کو ترک نہ کرے اور اس کو لازم جانے۔

مندرجہ ذیل واقعہ اس فضیلت وفا کو ظاہر کرے گا اور ناظرین کو معلوم ہوگا کہ پیغمبر اسلام نے سخت ترین حالات میں بھی دشمنوں کا ساتھ مساوات کے طریقے کو بہترین صورت میں برتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ذکر غزوہ ابوا۔

ہجرت کے دوسرے سال پیغمبر اسلام نے چاہا کہ دشمنان اسلام کی روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت وجمعیت کو متفرق و منتشر کریں اور یہ ظاہر فرمائیں کہ معدودے چند مسلمان کمزور نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے ہر طاقتور دشمن کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لہذا آپ نے سعد بن عبادہ کو مدینے میں اپنا قائمقام بنایا اور ایک سفید نشان فوج سجا کر حمزہ ابن عبدالمطلب کے سپرد کیا۔ یہ پہلا علم تھا جو لشکر میں سجایا گیا۔ بہر حال صرف ۶۰ بہادران اسلام مدینہ سے نکل کر مقام ابوا کی طرف روانہ ہوئے۔ ابوا مکہ و مدینہ کے درمیان میں ایک بستی تھی۔ جب یہ مختصر لشکر اسلام ابوا پہنچ گیا تو مثنیٰ بن عمرو سردار قبیلہ بنی ضمرہ جو حاکم قریہ ابوا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ وہ مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔ تو اس پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے صلح کی بات چیت شروع کی اور بالآخر خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔

ناسخ التواریخ کے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔:۔

مثنیٰ بن عمرو الضمیری کہ سید قبیلہ بنی ضمرہ و مہتر قریہ ابوا بود چوں ایں بدید بیمناک شد و طریق مداہنہ و مصالحہ سپردہ بحضرت	مثنیٰ بن عمرو الضمیری جو قبیلہ بنی ضمرہ کا سردار تھا اور قریہ ابوا کا حاکم تھا۔ جب اس نے لشکر اسلام کو دیکھا تو مرعوب ہو گیا اور اس نے

پیغمبر آمدہ کار بصلح انداخت و رسول خدا
پانزدہ روز در الوا بماند و بے آنکہ محاربتے
و ستیزے واقعہ شود عزم مراجعت فرمود

صلح و آشتی کا راستہ اختیار کیا اور خدمت
پیغمبر میں حاضر ہوا اور صلح کرنا چاہی رسول
خدا پندرہ دن تک الوا میں رہے اور بغیر جنگ و
نزاع کے واپس مدینے تشریف لائے ۔۔۔۔۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا کہ پیغمبر اسلام نے ان دشمنان اسلام کے ساتھ کس طرح مساوات و وفا کا اظہار کیا۔ غیر مسلم معترضین نے غزوات پیغمبر اسلام پر اعتراضات کئے ہیں۔ اور کہا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابتداء میں قافلوں اور قریوں کی لوٹ مار کیلئے حملے کئے تھے۔ مگر درحقیقت ان مورخین غیر مسلم کی یہ کوتہ نگاہی اور کم علمی تھی جو انہوں نے ایسا لکھا۔ واقعہ مذکور اسلام کا سب سے پہلا واقعہ ہے اور پیغمبر اسلام کا سب سے پہلا غزوہ ہے۔ پہلی مرتبہ اسی موقع پر پیغمبر اسلام نے علم اسلامی کو سجایا ہے۔ اور صرف ساٹھ بہادران اسلام کو بصورت لشکر ترتیب دیا ہے۔ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو کر مقام الوا پر یہ مختصر لشکر اسلام پہنچا ہے۔ مثنیٰ بن عمرو سردار مخالف نے اپنی کمزوری کا اظہار بھی کیا ہے۔ اور صلح کرنی چاہی ہے۔

اگر پیغمبر اسلام کا مقصد صرف غارتگری ہوتا تو اس سے اچھا موقعہ ملنا ناممکن تھا۔ لشکر اسلام کو چاہئے تھا کہ اہالیان الوا کو لوٹ لیتے اور ان کے مویشی اور سامان مال و زر کو مال غنیمت قرار دیتے اور چونکہ ابتدا میں اسلام میں مسلمان غربت و افلاس کی زندگی بسر کر رہے تھے لہٰذا اس مال غنیمت کو بہت کچھ غنیمت سمجھ کر اپنی فاقہ شکنی کر لیتے مگر صفحات تاریخ شاہد ہیں کہ پیغمبر اسلام نے مثنیٰ بن عمر حاکم الوا کی درخواست صلح فوراً منظور کی، دوران کو جان و مال کی امان دیدی اور وہاں پندرہ روز تک اسلئے قیام کیا کہ اطراف و نواحی کے دشمنان اسلام کو غلط فہمی نہ ہو جائے کہ مسلمان خوفزدہ ہو کر یا شکست پا کر گئے یا مسلمانوں نے اہالیان الوا کو لوٹ لیا۔

پیغمبر اسلام کے اس پندرہ روزہ قیام نے ان دونوں الزامات و اعتراضات کو ختم کر دیا اور اس طریقہ کار سے یہ ثابت ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کا یہ پہلا حملہ صرف حفاظت ذاتی کیلئے تھا اور دشمنان اسلام کو مرعوب کرنے کیلئے تھا۔ اس موقع پر پیغمبر اسلام نے مثنیٰ بن عمر کی درخواست صلح منظور کر کے اور اہالیان الوا کی جان و مال کو امان دیکر عدالت و مساوات و وفا اور شفقت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اور یہ پیغمبر اسلام کی وہ عدالت و مساوات ہے جو اپنے دشمنوں کیلئے جائز رکھی ہے۔

اب رہا دوستوں کا معاملہ تو ان تمام واقعات کا تذکرہ کرنا اور دائرہ تحریر میں لانا تو ناممکن ہے۔

واقعہ پانزدہم۔ مساوات و وفا (عدالت)

سنہ ۲ھ ماہ جمادی الاول میں غزوہ ذوالعشیرہ واقعہ ہوا۔ واقعہ یہ

کہ ابو جہل نے مکہ میں اشراف مکہ کو جمع کیا اور کہا کہ محمد نے سلسلہ جنگ و جدال شروع کر دیا ہے۔ اس سے قبل کہ وہ ہم پر حملہ کرے ہمکو چاہئیے کہ پہلے ہم ہی حملہ کر دیں۔ اس مشورہ کے بعد اس نے اپنے لڑکے عکرمہ کو دو سو سوار دیکر مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ کر دیا اور بالفاظ ناسخ التواریخ حکم داد تا بآہنگ مدینہ تاختن کنند و در زیان پیغمبر توانند مسامحت نفرمایند۔ ابو جہل نے حکم دیا کہ مدینہ کو لوٹ لیں اور پیغمبر اسلام کو ہر ممکن نقصان پہنچانے میں کمی نہ کریں۔

پیغمبر اسلام کو جب یہ ارادہ کفار معلوم ہوا۔ تو آپ نے ابو عبیدہ ابن حارث کو ساٹھ سوار دیکر مقابلہ کیلئے روانہ کیا۔ طرفین کا مقابلہ ہوا۔ مگر دشمن پر کچھ ایسا خوف طاری ہو گیا کہ وہ بھاگ گئے اور مسلمان مدینہ واپس آگئے۔ ماہ ربیع الاول میں غزوہ بواط واقع ہوا۔ مگر نوبت مقابلہ کی نہ پہنچی اور اسی سنہ ۲ھ ماہ جمادی الاول میں غزوہ ذو العشیرہ پیش آیا۔ مدینہ میں یہ خبر اڑی کہ ابو سفیان معہ اپنی جماعت کے شام کی طرف جارہا ہے۔ پیغمبر اسلام نے دو سو اصحاب کو ہمراہ لیا اور روانہ ہو گئے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ جلد اول ص ۱ ۔۔

بالجملہ ہمہ بیابان را از دنبال قریش بشتافتند و ہیچ کس را نیافتند لاجرم از انجا راہ بر گرفتہ بذات الشیر آمدند ولشکرگاہ کردند دریں وقت بزرگان بنی لحم کہ در نواحی ذوی العشیرہ جائے داشتند بخدمت رسول پیوستہ کار بر مصالحہ ومداہنہ نہادند .... دریں سفر روزے علی باعمارہ یاسر در سایہ نخلے خفتہ بودند ورسول خدا بر بالین ایشان گذشت روئے باعلی کرد وفرمود قم یا ابا تراب بالجملہ دریں سفر علی کنیت ابو تراب یافت وازلیس آں پیغمبر بمدینہ آمد۔	مختصر یہ کہ تمام جنگل چھان ڈالے۔ مگر قریش کا پتہ نہ چلا۔ آخر وہاں سے واپس ہو کر ذات الشیر آگئے۔ اور لشکر گاہ بنالی۔ اس وقت بنی لحم کے سردار جو نواحی ذو العشیرہ میں رہتے تھے۔ خدمت رسول میں آئے اور صلح کی درخواست کی۔ اسی سفر میں ایک دن علی اور عمار یاسر درخت کے نیچے سو رہے تھے۔ پیغمبر اسلام انکے سرہانے پہنچے اور علی کو مخاطب کر کے کہا۔ اے ابو تراب اٹھو اسی سفر میں علی کو ابو تراب کی کنیت ملی۔ بعد ازاں پیغمبر مدینہ آگئے۔

ناظرین نے ملاحظہ کیا ابتدائے اسلام کا بعد ہجرت یہ دوسرا غزوہ ہے۔ اس غزوہ میں بھی اور غزوہ بواط میں بھی لشکر دشمن سے مقابلہ نہیں ہوا۔ اور نہ کسی قافلہ سے جنگ ہوئی نہ کسی قافلہ کا مال واسباب لوٹا گیا پیغمبر اسلام نے دشمنان اسلام کا تعاقب کیا۔ مگر وہ بعد حملہ کرنے کے روپوش ہو گئے۔ جب پیغمبر اسلام

اتنی مسافت طے کرکے بارادہ مقابلہ و مقاتلہ گئے تھے۔ تو اگر صرف اس جنگ کا مقصد منفعت ذاتی و طلب دولت و مویشی تھا تو جو قریہ بھی راہ میں مل جاتا اس کو لوٹ لیا جاتا۔ اور قبیلہ بنی لحم کو تو ضرور لوٹ لینا تھا اور ان کو قتل کر دینا ہی چاہیئے تھا۔ مگر بجائے قتل و غارت کے پیغمبر اسلام نے بنی لحم کی درخواست صلح منظور فرمائی اور ان کو معمولی سا بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ اور نہ ان سے کچھ پرجبر و خرچہ ہی وصول کیا۔ بلکہ بعد منظوری صلح آپ مدینہ واپس آگئے۔ پیغمبر اسلام کا یہ کردار، شفقت و مساوات و وفا پیش کرتا ہے۔ جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔ دشمنوں پہ یہ رحم و کرم۔ گھر سے بے گھر وطن سے بے وطن کرنے والوں کے ساتھ یہ شفقت و عدالت برتنا بیشک پیغمبر اسلام کا ہی کام تھا۔ اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اخلاق و عدالت کا بہترین نمونہ قائم کر دیا ہے۔

واقعہ شانزدہم، عدالت، سریہ عبداللہ بن جحش

سنہ ۲ھ ماہ رجب کا ذکر ہے کہ پیغمبر اسلام نے بعد نماز عشاء عبداللہ بن جحش اپنے خالہ زاد بھائی کو طلب فرمایا اور بارہ افراد کو عبداللہ کے ہمراہ رہنے کا حکم دیا اور پیغمبر اسلام نے ابی ابن کعب سے ایک رقعہ لکھوایا۔ اس پہ اپنی مہر ثبت فرمائی اور وہ رقعہ عبداللہ کو دیدیا اور حکم دیا کہ تین دن تک مکہ کی جانب سفر کرو اور بعد تین دن کے اس رقعہ کو کھول کر پڑھو۔ جو حکم ہے اس پر عمل کرو۔ عبداللہ نے حکم کی تعمیل کی اور تین دن مکہ کی جانب سفر کرنے کے بعد اس خط کو کھولکر پڑھا۔ لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ عبداللہ سفر کرو حتی کہ تم کو ایک قافلہ ملے گا۔ شائد خدا اس قافلہ سے تم کو کوئی فائدہ پہنچائے۔ مگر یاد رکھو تم اپنے ساتھ کسی شخص کو بہ جبر نہ لے جانا۔ جو چاہے واپس آجائے جو چاہے تمہارے ساتھ جائے۔

عبداللہ نے ایسا ہی کیا۔ مگر ہمراہیوں نے کہا کہ ہم راہ خدا میں جان دینا اور شہید ہو جانا پسند کرتے ہیں۔ مگر تعمیل ارشاد رسول ضرور کریں گے۔ چنانچہ یہ بارہ افراد چلے حتی کہ ان کو ایک قافلہ ملا جو طائف جا رہا تھا۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ بھی اس قافلہ میں موجود تھا۔ اس قافلہ نے اپنے اونٹ چراگاہ میں چرنے کیلئے چھوڑ دیئے اور خود با طمینان منزل پر اتر پڑے۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ واقد بن عبداللہ نے سخت حملہ کیا اور عمر بن الحضرمی کو ایسا تیر لگایا کہ وہ مر گیا۔ اور عثمان بن عبداللہ و حکم بن کیسان کو قید کر لیا۔ باقی قافلہ والے بھاگ گئے۔ اور اپنا مال و متاع چھوڑ گئے۔ مسلمان سامان و اموال لیکر مدینہ کی طرف واپس لوٹے۔ جب عبداللہ ابن جحش مدینہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے اموال کو تقسیم کیا اور اس کا خمس (پانچواں حصہ) خدمت پیغمبر میں ارسال کیا۔ پیغمبر اسلام کو جب معلوم ہوا کہ

عبداللہ نے ماہ رجب (جس میں جنگ کرنا عربوں کے نزدیک بھی حرام تھا) میں جنگ کی ہے اور قافلہ کو لوٹا ہے تو آپ نے اظہار ناراضگی کیا۔ اس واقعہ ناراضگی کو بالفاظ ناسخ التواریخ ص۳۳ ملاحظہ فرمائیے۔:۔

(۱) پس با عبداللہ فرمود من شما را نگفتہ بودم کہ در شہر حرام حرب نکنید این گفت و حکم داد تا ہیچ کس بدان غنائم دست فرا نبرد و ہمچناں اسیران محبوس باشند تا حکم خدا برسد۔ درین وقت اصحاب سریہ از کردہ پشیمان بودند و روزے چند در تعب می زیستند کہ مبادا خدا بر ایشاں غضب کند ناگاہ کہ این آیت بیامد :۔ یسئلونک عن الشہر الحرام ...... من القتل .... و بر روایتے آں اموال موقوف بود تا با غنائم بدر قسمت گشت ۔۔

پیغمبر اسلام نے عبداللہ سے کہا کہ میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ ماہ حرام میں جنگ نہ کرنا۔ یہ فرمایا اور حکم دیا کہ کوئی شخص اس مال غنیمت کو نہ لے۔ اور قیدی اسی طرح قید میں رہیں۔ جب تک اس بارہ میں خدا کا حکم نہ آجائے۔ اس وقت اصحاب سریہ اپنے کئے ہوئے سے پشیمان ہوئے اور چند روز تک سخت پریشانی میں مبتلا رہے کہ مبادا خدا ان پر اس عمل کی وجہ سے غضب کرے۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی یسئلونک عن الشہر الحرام .... من القتل۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اموال اسی طرح باقی رہے اور بدر کے اموال کے ساتھ تقسیم ہوئے۔

(۲) ناسخ التواریخ جلد اول ص۳۷ :۔

مع القصہ از آں سوئے مردمان مکہ از بہر رہائی حکم بن کیسان و عثمان بن عبداللہ کہ در مدینہ محبوس بودند رائے زدند و فدیہ ایشاں را فراہم کردہ بمدینہ فرستادند چوں فرستادہ ایشاں بمدینہ آمد و قصہ نوشتن مکشوف داشت رسول خدا فرمود چنداں بباشید کہ سعد بن وقاص و عتبہ بن عمرو کہ از کہ بطلب شتر یا دہ خویش رفتہ اند ہر دو ایم سلامت برسند اسیران شما را رہا کنیم

اس طرف کا واقعہ سنیئے کہ مکہ کے لوگوں نے حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کی رہائی کیلئے مشورہ کیا اور ان کا فدیہ جمع کر کے مدینہ پہنچایا۔ جب ان کا آدمی مدینہ آیا۔ تو اس نے اپنا واقعہ خدمت پیغمبر اسلام میں بیان کیا تو پیغمبر اسلام نے ان کے جواب میں فرمایا کہ۔ سعد بن وقاص و عتبہ بن عمرو جو اپنے کھوئے ہوئے اونٹ کے پیچھے گئے ہیں آجائیں تو قیدیوں کو رہا کیا جائے یا ان کا قصاص لیا جائے۔

ورنہ قصاص خواہند رسید چوں بعد از روزے چند باز آمدند و رسول خدا حکم و عثمان را حاضر داشت و بر ایشاں اسلام عرضہ فرمود حکم بن کیسان اسلام آورد و در نزد آنحضرت روز برد۔ تا در غزائے بیر معونہ شہید شد و عثمان فدیہ داد و بمکہ باز شد و عاقبت کافر مُرد۔

جب وہ واپس آگئے تو پیغمبر اسلام نے حکم دیا تو حکم و عثمان کو حاضر کیا گیا۔ پیغمبر نے ان پر اسلام کو پیش کیا۔ حکم بن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور خدمت پیغمبر میں رہے حتی کہ جنگ بیر معونہ میں شہید ہوئے ۔۔ اور عثمان نے فدیہ دیا اور مکہ واپس ہو گیا اور آخر بحالت کفر ہی موت آئی۔

نتائج۔ (۱) اس سریہ عبداللہؓ بن جحش میں دو باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں اول تو یہ ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے عبداللہؓ کو معہ بارہ افراد کے خط دیکر روانہ کیا تو حکم دیا کہ جو بخوشی مرنے پر آمادہ ہو وہ عبداللہؓ کے ساتھ جائے اور جو چاہے وہ مدینہ واپس آجائے۔ کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ پیغمبر اسلام کے اس حکم سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ابتدائے اسلام میں اپنے رفقاء و نومسلم صحابہ کا امتحان وقتاً فوقتاً لیتے رہتے تھے اسی لئے آپ نے چاہا کہ نامعلوم نتیجہ مہم پر کچھ لوگوں کو بھیجا جائے اور ان کو مدینہ سے تین دن کی راہ پر دور رکھ کر ان کے ایمان کی آزمائش کی جائے۔ جو عبداللہؓ کے ساتھ رہیں گے گویا وہ پختہ اور جاں نثار مسلمان سمجھے جائیں گے اور جو واپس آئیں گے وہ خام اعتقاد متصور ہوں گے۔ اور آئیندہ آنیوالے اہم کارناموں میں قابل اعتماد بنانے کے لائق ہونگے علاوہ بریں اس حکم میں یہ بھی مصلحت مضمر تھی کہ وقتاً فوقتاً نامعلوم مہم پر اصحاب کو بھیجا جائے۔ تاکہ ان کی جھجک نکل جائے اور وہ دشمن پر پے در پے حملہ کرنے کے خوگر ہوتے رہیں۔ اور آئیندہ پختہ کار سپاہی اور جاں نثار بہادرِ اسلام ثابت ہوں۔ گویا پیغمبر اسلام اس طرح اپنے اصحاب کو تربیت و تعلیم قوانین و قواعد جنگ دے رہے تھے۔۔

(۲) پیغمبر اسلام نے عبداللہ بن جحش کو حکم دیا کہ جب تم خط کھولو تو اپنے رفقاء کو اجازت دیدو کہ جو چاہے تمہارے ساتھ مرنے پر کمر بستہ رہے اور جو چاہے واپس مدینہ آجائے۔ آپ کا یہ حکم عدالت نبوی کا اعلیٰ نمونہ تھا گو آپ بہ مقتضاء عدالت اپنے اصحاب کو اجازت دے رہے ہیں کہ چاہے وہ احکام خدا و رسول کے بدل بنتا و مطیع رہیں اور راہِ خدا میں شہید ہونے کو فوز عظیم سمجھیں۔ یا چاہیں تو وہ آزاد رہیں۔ ان پر کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے۔ یہ حکم پیغمبر اسلام عین عدالت ہے۔ ورنہ آج کی مہذب و متمدن دنیا کے قوانین جنگ تو یہ ہیں کہ۔ اگر میدان جنگ سے سپاہی واپس ہونا چاہے۔ تو اس کو گولی کا نشانہ بنا دیا جائے۔ مگر قانون شریعت اسلامی میں آزادی ہے اور انسان کو موقعہ دیا گیا ہے کہ وہ بدل مومنِ خدا و رسول ہو۔ اور وہ راہ خدا میں شہید ہو یا اگر وہ واپس جانا چاہے تو واپس جائے۔ مگر اس کا شمار پھر مسلمانوں میں بھی نہ ہوگا۔ جیسا کہ جنگ احد کی مثال

موجود ہے۔

عبداللہ ابن حجش کو پیغمبر اسلام نے یہ حکم دیکر حقوق انسانی کے ادا کرنے میں کامل عدالت برتی ہے۔ اور بہترین نمونہ عدالت اہل عالم کے سامنے پیش کیا ہے۔

(۳) تقسیم اموال۔ معترضین و اعدائے دین کا اسلام پر یہ اعتراض و الزام ہے۔ کہ ابتداء میں لشکرِ اسلام قافلے لوٹ لیا کرتا تھا۔ اور پیغمبر اسلام مختلف مقامات پر اپنے اصحاب کو بھیج کر قافلوں کے لوٹنے کا حکم دیا کرتے تھے۔

مگر میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ ان کا یہ الزام کم علمی و تعصب مذہبی پر مبنی ہے۔ میں ابتدائی واقعہ بھی لکھ چکا ہوں اور یہ دوسرا واقعہ بھی ابتدائے اسلام کا ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ جب عبداللہ بن حجش نے مالِ غنیمت کا خمس بخدمت رسول میں پیش کیا۔ تو آپ نے اس کو قبول نہ کیا۔ اور پھر یہی نہیں کیا۔ بلکہ تمام مالِ غنیمت کے بارہ میں حکم دیدیا کہ کوئی شخص اس کو نہ لے۔ اگر واقعی پیغمبر اسلام نے بارہ افراد کا لشکر قافلہ لوٹنے ہی کی غرض سے بھیجا تھا تو چاہیئے تو یہ تھا کہ عبداللہ بن حجش اور واقد بن عبداللہ قاتل عمر بن حضرمی کو پیغمبر اسلام شاباش دیتے، گلے لگاتے، مالِ غنیمت کو خود لیتے وہ مال مسلمانوں کو خوشی خوشی تقسیم کرتے۔ کیونکہ دل کی مراد پوری ہوئی تھی۔ مگر پیغمبر اسلام نے بجائے اس اظہار خوشی کے عبداللہ ابن حجش اور ان کے ساتھیوں پر عتاب کیا ان کو ڈانٹا کہ انہوں نے کیوں حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور مالِ غنیمت کو تقسیم ہونے سے روکدیا۔ اور جب تک اس معاملہ میں آیت قرآن نہ آگئی اور ان مجرمین کی خطا خدا نے عفو و معاف؛ نہ فرمادی پیغمبرِ اسلام ان سے راضی نہ ہوئے اور نہ مالِ غنیمت کو تقسیم کیا۔

یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے کبھی اور کسی دورِ اسلام میں کوئی مختصر یا بڑا لشکر قافلوں کے قتل و غارت کیلئے نہیں بھیجا۔ بلکہ اس واقعہ سے ثابت ہوگیا کہ پیغمبر اسلام نے اصول و قوانین عدالت کے مطابق احکام نازل فرمائے۔ اور جو حکم عدالت مسلمانوں کیلئے ضروری و مناسب تھا۔ وہ انکو دیا گیا۔ اور اس کی تعمیل کرائی گئی۔ اور جو حکم عدالت دشمنانِ اسلام کیلئے ضروری و مناسب تھا وہ ان کو دیا گیا۔ ملاحظہ ہو۔ وہ

(۴) حکم بن کیسان و عثمان بن عبداللہ کو عبداللہ بن حجش گرفتار کرکے لائے ہیں۔ یہ دونوں اشخاص مکہ کے معزز سردارانِ قبیلہ ہیں۔ اگر پیغمبرِ اسلام کی غرض صرف حصولِ دولت تھی تو جب ان کا فدیہ کثیر آیا تھا تو آپ کو قبول کر لینا تھا۔ اور ان کو چھوڑ دینا چاہئے تھا۔ مگر آپ بمقتضائے عدالت فرماتے ہیں۔ کہ ہمارے دو افراد کھوئے ہوئے اونٹ کو ڈھونڈھنے گئے ہیں اور لاپتہ ہیں۔ وہ آجائیں گے تو قیدیوں کو رہا کیا جائے گا۔ یا فدیہ لیا جائے گا۔ گویا پیغمبرِ اسلام کی عدالت کا یہ اقتضاء تھا کہ جب اپنے آدمی واپس آجائیں تو دشمنوں کے

آدمیوں کو واپس کیا جائے۔ اور پیغمبر اسلام کا یہ فعل عین عدالت تھا۔ پھر جب وہ دونوں آگئے تو دوسری عدالت پیغمبر اسلام کی یہ تھی کہ آپ نے ان قیدیوں کے سامنے دو امر رکھ دیئے۔ ایک قبول اسلام دوسرا واپسی وطن۔ حکم بن کیسان نے اسلام قبول کیا اور اس کا فدیہ نہ لیا گیا اور عثمان بن عبداللہ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہ واپس مکہ چلا گیا۔ یہ دونوں صورتیں پیغمبر اسلام کی عدالت کاملہ کو ظاہر کرتی ہیں۔

(۵) عبداللہ بن جحش اس سریہ میں جو مال غنیمت لائے تھے۔ وہ اسی طرح محفوظ رکھا رہا۔ اور جب غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس کا مال غنیمت آیا تو پیغمبر اسلام نے اس مال غنیمت کو بھی اس کے ساتھ ہی تقسیم کیا ہے۔ اور اس طرح تقسیم کیا کہ ہر شخص کو اس کے حصہ وحق کے موافق دیا گیا۔ اور کسی کو چوں چرا کرنے کا موقعہ نہ ملا اور نہ کسی نے کسی وقت اس تقسیم اموال پر اعتراض کیا۔ یہ ہے وہ عدالت پیغمبر اسلام جو اہل عالم کیلئے بہترین نمونہ عدالت بن سکتی ہے

واقعہ ہفتدہم، عدالت تقسیم مال غنیمت

تقسیم مال ہو کہ تقسیم کار ہو۔ یا معاملات ہمہ گیر ہوں ان سب میں قوانین عدالت پر عمل کرنا عادل کیلئے ضروری ہے۔ صاحبان علم تاریخ جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ان تمام معاملات میں ہمیشہ عدالت کو پیش نظر رکھتے تھے۔ خلاف اصولِ عدالت نہ آپ کا کوئی کلام ہوتا تھا اور نہ آپ خلاف عدالت خدمات اصحاب معین فرماتے تھے۔ اور تقسیم اموال میں ہمیشہ اصول عدالت قائم رکھتے تھے۔

جنگ بدر پہلی جنگ تھی اس جنگ میں مسلمان کم تعداد تھے۔ نہ ان کے پاس پوری سواریاں تھیں نہ ہر ایک کے پاس اسلحہ جنگ تھے۔ نہ زاد راہ کا انتظام تھا۔ اس بے سروسامانی میں مجبوراً بطور دفاع کے پیغمبر اسلام کو مدینہ چھوڑنا پڑا اور مقام بدر تک پہنچے اور دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ ہمت مرداں مدد خدا پیغمبر اسلام اور ان کے مختصر لشکر کو فتح حاصل ہوئی۔ مال غنیمت ملا۔ پیغمبر اسلام نے مال غنیمت کی تقسیم میں جس عدالت کاملہ کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اس کا اندازہ آپ کو مندرجہ ذیل تاریخی عبارت سے ہو گا۔

(۱) ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص۱۸۳ :۔

چوں ہنگام عرض لشکر نظر پیغمبر بر آں جماعت بے بضاعت افتاد و قلت عدد و اعداد ایشاں را معائنہ فرمود دست برداشت و گفت یارب انہم حفاۃ فاحملہم و جیاع فاشبعہم وعراۃ فاکسہم وعالۃ فاغنہم من فضلکم	جب پیغمبر اسلام کے سامنے سے لشکر اسلام گذرا اور پیغمبر کی نظر اس بے بضاعت جماعت پر پڑی اور کمی تعداد و بے سروسامانی کو معائنہ کیا تو آپ نے خدا سے دعا کرنے کیلئے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا :۔

"اے رب یہ تیرا لشکر پا پیادہ ہے۔ اس کو سواری دے۔ یہ بھوکا ہے اس کو سیر کر۔ یہ غیر مسلح و عریان
ہے اس کو لباس و اسلحہ دے یہ مفلس ہے اس کو اپنے فضل و کرم سے غنی کر دے۔"

(۲) کتاب مذکورہ بالا ص...

و بدین سخن هیچ کس از آن غزا باز نگشت جز
اینکه او را از اموال و احمال و ملابس ثروتی
بزرگ بدست شد و هشت از اصحاب که
در غزای بدر متقاعد و غایب بودند به ایت
عامه از جمله غازیان بدر شمرده شوند و ایشان
را پیغمبر از غنائم بدر بهره فرستاد و این جماعت
سه تن از مهاجر بودند نخستین عثمان بن عفان
که بدست آوردن ناتندرستی رقیه دختر رسول
خدا که در سرای او بود متقاعد گشت و دیگر
طلحه و سعید که بجاسوسی مامور شدند و در
راه پیاده گشتند و آن پنج تن که از انصار
بودند۔

(۱) ابولبابه بود که رسول خدای او را بجای
ابن مکتوم خلیفتی بداد و از نیمه راه بمدینه
فرستاد۔

(۲) دوم عاصم بن عدی العجلانی بود که بر مردم
عالیه خلافت داد۔

(۳) سوم حارث بن حاطب که از منزل روحا
بمیان بنی عمرو بن عوف مامور گشت

(۴) چهارم حارث بن الصمه۔ و پنجم خوات
(۵) بن جبیر این هر دو را سقطه پیش آمد و کسری
در اعضا را مکرر و باز مدینه شدند۔

پیغمبر اسلام کی اس دعا کی برکت سے اس لشکر
کا ہر فرد جو اس جنگ سے واپس آیا۔ تو اس
کو مال سواری، لباس وغیرہ بہت سا مال
ہاتھ آیا۔ اور وہ آٹھ افراد جو جنگ بدر میں
شریک نہ ہوئے تھے۔ ان کو بھی پیغمبر اسلام
نے غازیوں میں شمار کیا۔ اور ان کو بھی پیغمبر
اسلام نے ان کا حصہ مال غنیمت سے بھیجا اور
ان میں سے تین افراد تو مہاجر تھے۔ اول عثمان
بن عفان جو بوجہ بیماری رقیہ دختر رسول و
زوجہ خود شریک جنگ نہ ہوئے دوسرے طلحہ
و سعید جنکو جاسوسی کی خدمات سپرد کی گئی
تھیں اور وہ راستہ بھول کر بھٹک گئے۔ اور
وہ پانچ افراد جو انصار میں سے تھے۔
اول ابولبابہ تھے جنکو پیغمبر اسلام نے ابن
مکتوم کی بجائے مدینہ میں خلیفہ بنا دیا تھا۔
وہ نصف راہ سے واپس گئے۔ دوم۔ عاصم
بن عدی العجلانی تھے جنکو بلند مرتبہ افراد پر
خلیفہ مقرر کیا تھا۔ سوم۔ حارث بن حاطب
تھے۔ جنکو منزل روحا سے بنی عمرو بن عوف
پر مامور کر دیا تھا۔ چہارم۔ حارث بن الصمہ
پنجم خوات بن جبیر ان دونوں کو راہ میں ضرب
پہنچی تھی یہ سواری سے گر گئے تھے اور بعض اعضا

ٹوٹ گئے تھے۔ اس وجہ سے مدینہ واپس کر دیا تھا۔

نتیجہ عبارات ۔ پیغمبر اسلام نے جب بموقعہ جنگ بدر مجاہدین راہ خدا کی بے سروسامانی دیکھی تو آپ کو انکی

(۱) حالت پر رحم آیا اور آپ نے ان کیلئے دعائے خیر کی۔ آپ کا یہ فعل شفقت و مکافات وتودد و حسن شرکت اجناس تحت فضیلتِ عدالت کو ظاہر کرتا ہے۔

گویا پیغمبر اسلام کے دل میں ان غریب مجاہدین کی محبت کا دریا موجزن تھا۔ اور آپ ان کی نیکی و خدمتِ دین کا صلہ باحسن وجوہ دینا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے دعا دی اور خدا نے اس دعا کو قبول کیا۔ اور اس بے سروسامان فوج کو مسلح افواج قریش پر غالب کر دیا۔ اور چند روز کے بعد ہی دعائے پیغمبر اسلام کا یہ اثر ہوا کہ جتنی چیزوں کے عطیہ کیلئے درگاہ خدا میں دست بدعا ہوئے تھے وہ ایک ایک کر کے مجاہدین کو مل گئیں۔ مجاہدین راہ خدا میں پیدل تھے۔ سواری ملی۔ بھوکے تھے۔ شکم سیر ہوئے۔ عریاں تھے لباس ملے۔ مفلس تھے۔ غنی ہو گئے۔

(۲) عدالت پیغمبر کا نمونہ اس واقعہ سے بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ آپ نے اموال غنیمت کو تمام شرکاء بدر پر تقسیم کیا اور مساوی حصہ ہر ایک کو عطا فرمایا۔ اور چونکہ آپ نے رفقاء سفر و جہاد میں سے آٹھ افراد کو کسی عذر معقول کی وجہ سے واپسی کی اجازت دیدی تھی۔ لہٰذا ان کو بھی غازیانِ بدر میں شمار کر کے ان کے اعزازِ جہاد کو باقی رکھا اور انبائے نوع میں ان کو سرفراز کر کے اپنی عدالت کاملہ کا مظاہرہ فرمایا اور بعد کو ان کا حصہ رسد مال غنیمت سے ان کو دیکر عدالت قولی کے بعد عدالت عملی پر بھی عمل کیا۔ اور ان کو برابر کا شریک اموالِ غنیمت کیا۔ یہی وہ تدابیر و نتائج عدالت پیغمبر اسلام تھے۔ جنکی وجہ سے عرب کے حریص و جنگجو بھی پیغمبر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے۔ اور ان کی عدالت و صداقت کے بدل معترف تھے۔

واقعہ ہشتدھم ، عدالت | جب لشکر اسلام جنگ بدر کیلئے جا رہا تھا۔ تو سواری کے اونٹ صرف ۷۰ تھے اصحاب پیغمبر باری باری سوار ہوتے تھے۔ پیغمبر اسلام کے ردیف ابولبابہ تھے۔ جب انکو مدینہ واپس کیا گیا تو ردیف پیغمبر اسلام بننے کی باری زید بن حارثہ کی آئی۔ تو پیغمبر اسلام نے کہا کہ زید بن حارثہ اور علی ہم ردیف سوار ہو جائیں۔ میں پیدل راہ چلوں گا۔ علی اور ابو لبابہ نے عرض کیا کہ آپ سوار ہو جائیں ہم پیدل ہی سفر کریں گے۔ پیغمبر اسلام نے ان کے جواب میں فرمایا:۔

"ما انتما باقوی منی وانا اغنی عن الاجر منکما۔"

"تم دونوں مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اس اجر سے غنی ہوں کہ تم سے اجر لوں۔" (ناسخ التواریخ جلد اول ص۸۳)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام اپنے لشکر کے سپاہیوں کے ساتھ ایسی مساوات وعدالت برتتے تھے جو اپنی آپ مثال تھی۔ آپ سردار و سپہ سالار فوج اسلامی تھے۔ اگر آپ ہمو قع جنگ سوار بھی بنتے تو قابل اعتراض نہ تھا۔ مگر عدالت پیغمبر اسلام کے یہ امر منافی تھا۔ لہٰذا آپ نے مثل دیگر سپاہیوں کے پیدل چلنا گوارہ کیا اور اس طرح قوانین عدالت پر عمل کر کے نمونہ عدالت کا مظاہرہ فرمایا۔

واقعہ نوزدہم، عدالت ومساوات

جنگ بدر میں جب لشکر اسلام مقام بدر پر پہنچ گیا۔ اور چاہ بدر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ تو لشکر دشمن جس کی تعداد ۹۵۰ تھی۔ جو ہر طرح مسلح تھے۔ میدان بدر میں آئے۔ تو ابو جہل فوج کی کمان کر رہا تھا۔ لشکر دشمن کو پانی کی ضرورت پیش آئی۔ سخت مضطرب ہوئے۔ جب کوئی تدبیر ایسی نظر نہ آئی کہ پانی حاصل کر سکیں۔ تو ابو جہل کی فوج کے چند سپاہی آگے بڑھے۔ لشکر اسلام کے اس دستہ نے جو پانی پر حفاظت کیلئے متعین تھا۔ حرکت کی کہ ان کو روک لیا جاوے۔

مگر جیسے ہی پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ جنگ چھڑنے والی ہے اور پانی کو لشکر دشمن سے روک لیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا:-

پیغمبر فرمود بگذارید سیراب شوند۔ (پیغمبر نے فرمایا لشکر دشمن کو آنے دو تاکہ وہ پانی پی لیں اور سیراب ہو جائیں۔ (ناسخ التواریخ جلد اول ص ۸۳)

نتیجہ:- قابل غور معاملہ یہ ہے کہ قریش مکہ نو سو پچاس مسلح فوج لیکر مدینے پر چڑھائی کر رہے ہیں۔ مسلمانوں اور ان کے پیغمبر کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمان کم تعداد ہیں۔ غیر مسلح ہیں، تعداد میں صرف ۳۱۳ افراد ہیں۔ مدافعانہ جنگ کی خاطر مدینہ سے نکل کر مقام بدر پر آچکے ہیں۔ کنوئیں پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان حالات میں لشکر دشمن پیاسا ہے۔ مسلمان ان کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔ تو پیغمبر اسلام مسلمانوں کو پانی بند کرنے سے روک دیتے ہیں۔ اور ان کو عام اجازت پانی پینے اور استعمال کرنے کی دیدیتے ہیں۔ پیغمبر اسلام ایسا کیوں کرتے ہیں۔ کیوں نہیں دشمن کو پیاس کی مار دیکر کمزور کیتے۔ تاکہ مقابلہ آسان ہو جائے۔ اور فتح یقینی ہو جائے۔ پیغمبر اسلام ایسا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ تعلیم اخلاق کیلئے آئے ہیں۔ ان کا فریضہ اخلاق کریمہ کا درس دینا ہے۔ پھر وہ کب خلاف مساوات و عدالت کر سکتے ہیں۔

چنانچہ پیغمبر اسلام نے یہ سمجھتے ہوئے کہ بلحاظ نوع ہم اور ہمارے دشمن، مساوی حیثیت رکھتے ہیں اور مقتضائے عدالت و مساوات یہی ہے کہ جس طرح ہمکو اور ہمارے لشکر کے افراد کو پانی کی ضرورت ہے۔ ہمارے دشمن کو بھی اس پانی کی ضرورت ہے۔ پانی بند کر دینا اور اپنی بنی نوع کو ایک قدرتی نعمت سے محروم کر دینا

خلاف عدالت ہے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے پانی کی عام اجازت دیکر اپنی عدالت کاملہ کا کامل مظاہرہ فرمایا۔
اور اسی عدالت کی بدولت پیغمبر اسلام کی ذات اس قابل ہے۔ کہ اہل عالم کیلئے نمونہ عدالت بن سکے۔

واقعہ بستم، عدالت

پیغمبر اسلام بروز جنگ احد اپنے لشکر کے سامنے تشریف لائے۔ اور حکم دیا کہ صفوف کو درست و سیدھا کر لیا جائے۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے آپ صفوں کو درست کر رہے تھے۔ جب آپ سواد بن غیریہ کے سامنے آئے تو آپ نے دیکھا کہ سواد بن غیریہ صف سے کچھ آگے بے قاعدہ کھڑے ہیں۔ آپنے اپنی چھڑی سینہ سواد پر رکھی اور فرمایا "استوا یا سواد" - اے سواد سیدھے کھڑے ہو۔ سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ:-

تو بحق آمدہ و بنا حق ضربے بر من آوردی مرا قصاص دِہ - (اے رسول خدا آپ حق پر مبعوث ہوئے ہیں اور آپنے ناحق میرے سینہ پر چھڑی ماری آپ مجھ کو قصاص دیں۔" (ناسخ التواریخ)

آپنے فوراً اپنے سینہ سے لباس ہٹایا اور فرمایا اے سواد تم قصاص لے لو۔ سواد دوڑا اور سینۂ پیغمبر کے بوسے لینے لگا اور کہا:-

گفت اینک خویشتن را با مرگ نزدیک مے بینم	کہا۔ اب میں اپنے کو موت کے نزدیک پاتا ہوں
خواستم در آخر مدت بدن من بدن مبارک تُرا	تو میں نے چاہا کہ اپنے آخر وقت میں اپنے جسم
مس کند۔ رسول خدا او را دعائے خیر کرد	کو آپ کے جسم سے مس کروں۔ رسولِ خدا نے دعا دی

نتیجہ:- ناظرین نے ملاحظہ کیا۔ دنیا کی تاریخ کسی سپہ سالار و بادشاہ و لشکر کش کا انداز مساوات اپنے لشکر کے سپاہیوں کے ساتھ ایسا پیش کر سکتی ہے۔ آجکل کی مہذب و متمدن دنیا کے قوانینِ جنگ تو یہ بتاتے ہیں۔ کہ سپاہی کی ادنیٰ حکم عدولی و سرتابی یا بے قاعدگی اس کو قابل گردن زدنی بنا دیتی ہے۔ مگر پیغمبر اسلام میدان جنگ میں موجود ہیں۔ فوج کے ناظم و حاکم اعلیٰ ہیں۔ سپاہی بے قاعدگی کر رہا ہے کہ صف سے ہٹ کر کھڑا ہو گیا ہے پیغمبر اسلام اس کے سینہ پر چھڑی مار کر اسے درست رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ مگر سپاہی پیغمبر اسلام کی ضرب کا قصاص اسی وقت میدان جنگ میں طلب کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ پیغمبر حق ہونے کے لحاظ سے پیغمبر سے اسے قصاص ملنا چاہیئے۔ اور وہ قصاص لینے کا نام لیتا ہے۔ ادھر پیغمبر اسلام صفوف لشکر اسلام کے سامنے بحیثیت سپہ سالار کے اپنا سینہ کھول دیتے ہیں اور اس سپاہی سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی ہی ضرب آپ کے سینہ پر لگائے اور اپنا قصاص لے لے پیغمبر اسلام کا یہی وہ طریقہ تھا۔ اور یہی وہ عدالت تھی۔ جس نے آپ کے ساتھیوں کو آپ کا جاں نثار اور کلمہ گو بنا دیا تھا۔

واقعہ بست دیکم، عدالت، جنگ بدر

تحت اجناس فضیلت عدالت میں صلۂ رحم کا بھی شمار

صلہ رحم کی تعریف یہ ہے کہ :۔

"صلہ رحم آں بود کہ خویشاں و پیوستگاں را با خود در خیرات دنیاوی شرکت دہد"

ترجمہ :۔ صلہ رحم یہ ہے کہ اپنے اعزاء ، اقرباء و متعلقین و ملحقین کو دنیاوی نیکی و بھلائی کرنے میں اپنا شریک کرے۔ (اخلاق ناصری)

مندرجہ ذیل واقعہ پیغمبر اسلام کے صلہ رحم و عدالت کا بہترین نمونہ پیش کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

جنگ بدر الکبریٰ کی صفوف طرفین آراستہ ہیں۔ پیغمبر اسلام نے اپنے لئے میدان جنگ میں عریشہ بنوایا ہے۔ اس عریشہ پر آپ تشریف فرما ہیں۔ ابو بکر بن قحافہ بھی عریشہ پر موجود ہیں اور سعد بن معاذ و چند دیگر اصحاب گرد عریشہ حفاظت کیلئے موجود ہیں۔ کفار مکہ خود جنگ کرنے کیلئے بحیثیت حملہ آور آئے ہیں۔ پیغمبر اسلام مدافعانہ جنگ کی غرض سے مدینہ سے مقام بدر تک پہنچے ہیں۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام عریشہ سے حکم نافذ فرماتے ہیں جکو ناسخ التواریخ اول جلد ص۸۳ سے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) از بہر آنکہ جائے سخن نماند عمر ابن خطاب را بسوئے ایشاں فرستاد و پیام داد کہ مارا در خاطر نیست کہ در حرب شما مبادرت کنیم چہ شما عشیرت منید و خویشاوندان من باشید شما نیز چندیں با من معادات و مبارزات نروید مرا با عرب بگذارید اگر غالب شوم ہم از بہر شما فخرے می باشد و عرب مرا کفایت کرد شما آرزوئے خود برسید بے آنکہ رنج بکشید عمر برفت د با صف قریش نزدیک شدہ ایں کلمات را برصنا دید۔ آں جماعت بیان نمود از میانہ عتبہ زباں بکشود و گفت۔ یا معشر قریش اطیعونی الیوم واعصونی الدھر ان محمد لہ اِلٌّ و ذمۃ وھو ابن عمکم فخلوہ والعرب فان یک صادقاً فانتم اعلی عیناً بہ

پیغمبر اسلام نے طرف اسکے کہ آئندہ گنجائش شکایت و شکوہ نہ رہے۔ عمر ابن خطاب کو لشکر دشمن کی طرف بھیجا اور پیام دیا کہ ہمارے دل میں نہیں ہے کہ تم سے جنگ میں جلدی کریں کیونکہ تم میری برادری و خاندان سے ہو۔ تم کو چاہئے کہ تم بھی میرے ساتھ دشمنی و عداوت نہ کرو اور مجھ کو عربوں پہ چھوڑ دو۔ اگر میں عربوں پر غالب ہو گیا تو تمہارے لئے یہ بھی باعثِ فخر ہوگا۔ اگر عربوں نے مجھ کو قتل کر دیا تو تمہاری آرزو پوری ہو جائے گی۔ اور تمکو کوئی تکلیف بھی نہ ہو گی۔ عمر ابن خطاب نے قریش کے سرداروں کے سامنے ان کلمات کو پیش کیا لشکرِ دشمن سے ایک شخص عتبہ نامی نکلا اور اس نے اپنے لشکر کو اس طرح مخاطب کیا۔ اے گروہِ قریش آج تم میری اطاعت کرو میرا کہنا مانو

وان یك كاذباً كفتكم ذؤبان العرب امره -

اور زمانہ کو مخالفت کرنے دو یاد رکھو محمد تمہارے سردار کا بیٹا ہے اور تمہارا ابن عم ہے اور تم میں سب سے بہتر ہے۔ تم اس کو چھوڑ دو وہ جانے اور عرب جانیں۔ اگر وہ سچا ہے تو تمہارے لئے باعث فخر ہے اور اگر وہ کاذب ہے تو خود عرب اس کے معاملہ کو بھگت لیں گے۔

عتبہ کی بات آگے بڑھ کر ابو جہل نے کاٹی۔ اور کہا کہ عتبہ بزدل و نامرد ہے۔ اس کا حکم و رائے کوئی نہ مانے عتبہ نے بنی عبدالمطلب کے خوف کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ اور اپنے صحیح وسالم واپس ہونے کیلئے یہ بہانا تراشا ہے عتبہ نے جواب دیا کہ تو مجھ کو بزدل و خوفزدہ سمجھتا ہے۔ یہ کہہ کر عتبہ نے ابوجہل کو اونٹ سے نیچے گرا لیا اور کہا کہ اے ابو جہل آمیں اور تو پہلے مقابلہ کر لیں۔ پھر معلوم ہو گا کہ کون زیادہ بہادر ہے۔ اکابر قریش نے ان کو بچایا اور لڑنے سے روکا۔ اس کے بعد جنگ بدر شروع ہو گئی۔ (ناسخ التواریخ ص ۹۵)

مذکورہ تاریخی عبارت نے ثابت کیا ہے کہ نازک ترین مواقع پر بھی پیغمبر اسلام نے قوانین عدالت و صلہ رحم کی پابندی کی ہے۔ میدان جنگ میں جبکہ صفوف طرفین آمادۂ پیکار ہوں آپ نے لشکر مخالف کے حقوقِ خاندان اور طینت کو یاد دلایا ہے۔ اور ایسی مدلّل بات کہی ہے کہ جس سے انکار کوئی صاحبِ عقل کر ہی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ لشکر مخالف کے ہی ایک شخص نے کلام و رائے پیغمبر اسلام کی تائید کی۔ حتیٰ کہ سردار لشکر ابوجہل اور عتبہ میں دھر ٹک بھی ہو گئی۔

پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پر پیام صلح دیکر اور اعلیٰ دلائل صلح پیش کر کے صلہ رحم اور عدالت کے مقام کے ساتھ ہی ساتھ افواج مخالف و موافق کیلئے ایک دستور العمل بھی پیش کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وقت آخر تک بھی دو متقابل افواج کو صلح پر نظر رکھنی چاہیئے۔ اور خواہ مخواہ ضد اور ہٹ کی وجہ سے قتل عام و خونریزی سے احتراز کرنا چاہیئے۔ جیسے بتایا ہے کہ جنگ کا مقصد قیام امن و سلامتی ہے۔ اور اصلاح کردار انسانی نہ کہ جنگ بغرور و کثرت حشم و خدم کے نشہ میں کی جائے اور طلب ملک و جاہ و دولت اس جنگ کی غرض و غایت ہو۔ پیغمبر اسلام کے اس موقعہ جنگ پر یہ کلمات صلح اور تدبیر دفع فساد ایک اعلیٰ نمونہ سیاست و تدبیر مدن و عدالت کا پیش کرتے ہیں۔

واقعہ بست و دوم، عدالت، صلہ رحم۔
عباس ابن عبدالمطلب و اسیران بدر

سطور بالا میں تحریر ہوا کہ صلہ رحم بھی تحت عدالت ہے۔ جنگ بدر میں عباس ابن عبدالمطلب عم پیغمبر اسلام جب اسیر ہو کر آئے اور سخت بندش کی وجہ سے شب کو کراہتے تھے پیغمبر اسلام نے جب عباس کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ کے دل میں صلہ رحم کا جوش

پیدا ہوا۔ اس موقعہ پر اگر پیغمبر اسلام صرف عباس بن عبد المطلب پر بحیثیت رشتہ دار ہونے کے صلہ رحم کرتے اور ان کو آزاد کر دیتے یا ان پر نرمی برتتے تو یہ فعل صلہ رحم میں تو شمار ہو جاتا۔ مگر یہ صلہ رحم ایسا ہوتا جو مساوات و عدالت کے منافی ہوتا۔ کیونکہ سب اسیران بدر کے ساتھ یہ صلہ رحم نہیں برتا گیا تھا اور اس نرمی برتنے میں عباس کو درجہ امتیاز مل جاتا۔ اور دیگر اسیران بدر اس نرمی سے محروم ہو جاتے۔ البتہ اگر اس موقعہ پر کہ عباس عم پیغمبر اسلام بعد گرفتاری سخت تکلیف میں مبتلا رہتے اور شبانہ روز تکلیف و بندش سخت سے کراہتے اور روتے رہتے اور ان پر رحم نہ کیا جاتا تو بھی پیغمبر اسلام کے صلہ رحم میں فرق آجاتا اور پیغمبر اسلام کے کمال صفت عدالت میں کمی ہو جاتی لہٰذا پیغمبر اسلام نے جب عباس کے نالہ و فریاد کی آواز سنی تو دریافت کیا کہ یہ آہ و زاری کس کی ہے اور اس کا کیا سبب ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ عباس ابن عبد المطلب نہایت قوی ہیکل مہیب صورت اور بہادر ترین عرب ہیں لہٰذا ان کی بندش کو سخت کیا گیا ہے۔ اس کی تکلیف و کرب سے شبانہ روز کراہتے و نالہ و فغاں کرتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ان کی بندش کو نرم کر دو و نیز تمام قیدیوں کی بندش بھی نرم کرو اور ان کے ساتھ بہ نرمی پیش آؤ۔ صاحب تاریخ التواریخ نے جلد دوم ص۹ میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے و نیز تاریخ روضۃ الصفا جلد دوم ص۶۹ پر درج ہے۔

رسول خدا سہ روز در بدر توقف کرد و مقرر بود کہ ہرجا بر دشمن غلبہ فرمودے سہ روز توقف نمودے۔ چوں شب در آمد شقران اسیران را بہ بست و قریب خوابگاہ پیغمبر بازداشت عباس نیز سخت بر بستہ بود ہمہ شب از آں تعب می نالید و رسول خدا را از خواب باز می داشت پیغمبر با عبد اللہ ابن کعب کہ او نیز حارث اسیران بود فرمود مرا از غم عباس خواب در نبرد چہ عم نیم پدر است عرض کرد کہ اگر فرمائی او را بکشائم فرمود آہستہ کن و او چناں کرد و پس نالہ باز نشست پیغمبر فرمود چہ شد کہ نالہ عباس را نمی شنوم عرض کرد بندہا او را آہستہ کردم فرمود بند

پیغمبر اسلام نے مقام بدر میں بعد فتح جنگ تین دن قیام کیا۔ اور آپ کا یہ دستور تھا کہ جس جنگ میں اسلام کو فتح ہوتی تھی۔ آپ وہاں تین دن قیام کرتے تھے۔ جب رات ہو گئی تو شقران نے اسیران بدر کو پیغمبر کی خوابگاہ کے قریب قید کیا عباس ابن عبد المطلب بھی قیدیوں میں تھے وہ سختی سے باندھے گئے تھے بندش کی سختی سے رات بھر روتے رہے پیغمبر اس نالہ و فریاد کی وجہ سے سو نہ سکتے تھے۔ پیغمبر نے عبد اللہ ابن کعب کو جو قیدیوں کا پاسبان تھا بلایا اور فرمایا کہ مجھ کو چچا کے غم کی وجہ سے رات نیند نہیں آئی۔ کیونکہ چچا بھی نصف باپ ہوتا ہے عبد اللہ نے عرض کیا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں

ہمہ محبوسین را آہستہ کنید و چناں کردند۔ عباس کو آزاد ہو کہ دوں۔ تو آپ نے حکم دیا کہ ان کی بندش ہلکی کر دو عبداللہ نے ایسا ہی کیا اس کے بعد عباس کے رونے کی آواز نہیں آئی پیغمبر نے پوچھا کہ کیا ہوا کہ عباس کے رونے کی آواز بند ہو گئی ہے۔ میں نہیں سن رہا ہوں (خیال ہوا کہ شاید مسلمانوں نے قتل کر دیا ہو) عبداللہ نے عرض کیا کہ میں نے انکی بندش کو نرم کر دیا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تمام اسیران بدر کی بندشوں کو نرم کر دو۔ اور ایسا ہی کیا گیا۔

عبارات مذکورہ نے ظاہر کیا کہ پیغمبر اسلام چچا کی تکلیف کی وجہ سے شب کو سو نہ سکتے تھے اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ چچا نصف باپ کے برابر ہے آپ کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ عوام کو بتا رہے تھے کہ صلہ رحم انسان پر واجب ہے اور اس کی صفت عدالت کی تکمیل کرتا ہے۔ صرف اسی غرض سے عباس ابن عبدالمطلب کی بندش کو نرم کیا گیا۔ اور چونکہ صرف اپنے رشتہ دار و قریبی عزیز کے ساتھ نرمی کرنا خلاف و منافی قوانین عدالت و مساوات تھا۔ لہٰذا آپ نے تمام قیدیوں کے ساتھ اس نرمی کو جائز رکھا اور سب کی بندشوں کو نرم کرا دیا

پیغمبر اسلام نے اس واقعہ سے اس امر کو واضح کیا کہ دشمن صرف سختی و قتل ہی کا مستحق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بحالت قید حقوق انسانی کا مستحق ہے اور بحالت صلح حقوق مساوات کا حقدار ہے۔ اور بصورت مقابلہ قتل کا حقدار ہے۔ یہ وہ طریقے اور دستور ہیں جن کی تعلیم پیغمبر اسلام نے اہل دنیا کو دینی چاہی ہے۔ اور یہی وہ دستور العمل اسلامی ہے جو اہل عالم کیلئے قابل عمل اور وجہ کامیابی ہے۔

واقعہ بست و سوم، فدیہ اسیران بدر و فدیہ عباس

جنگ بدر میں اہل اسلام کو فتح ہوئی کفار مکہ بھاگ گئے یا قید ہوئے یا قتل ہوئے۔ قیدیوں کے بارہ میں پیغمبر اسلام نے اصحاب سے مشورہ کیا کہ کیا عمل ان کے ساتھ جائز رکھا جائے۔ چونکہ یہ معاملہ اختلافی ہے اور میں اپنی اس تالیف و تصنیف کو اختلاف سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا اس واقعہ کے بارے میں بھی بہ تفصیل عبارات تاریخی کو پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) چوں حضرت رسول با خاص اصحاب مشورت فرمود کہ از اسیران فدیہ بستانند و دست از ایشاں باز دارند یا ایں جماعت را بقتل رسانیم۔ صدیق گفت کہ اینہا قوم و عشیرت تو اند اگر فدیہ ستاندہ بگذاری شاید کہ براہ راست آئیند یا از نسل ایں جماعت مومنہ موحد

جب پیغمبر اسلام نے اپنے مخصوص اصحاب سے مشورہ کیا کہ قیدیوں سے معاوضہ لیکر ان کو آزاد کر دیا جائے۔ یا ان کو قتل کر دیا جائے۔ صدیق نے کہا کہ یہ قیدی آپ کے ہم قوم و اہل خاندان ہیں۔ اگر ان کو فدیہ لیکر آزاد کیا جائے تو ممکن ہے کہ یہ لوگ راہ

پیدا شود و از فدیہ اصحاب تورا بے نیازی و قوت دست دہد۔
عمر گفت حکم فرما تا ہمہ را گردن زنند.....
فلاں خویش مرا بمن دہ و عقیل را بعلی سپار و عباس را بہ حمزہ تسلیم نما تا گردن ایشاں بزنیم۔

راست پر آجائیں یا ان کی نسل سے مومن و موحد پیدا ہوں اور ان کے فدیے سے آپ کے اصحاب کو مالی منفعت اور معاش بھی حاصل ہو جائے گی۔
عمر نے کہا اے پیغمبر اسلام آپ حکم دیں کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ فلاں میرے رشتہ دار کو مجھ کو دیدیا جائے اور عقیل کو علی کے سپرد کر دیا جائے اور عباس کو حمزہ کو دیدیا جائے تاکہ ہم لوگ ان کی گردن ماریں۔

(۲) ناسخ التواریخ جلد اول ص ۱۱۵ :۔

رسول فرمود چہ می اندیشید در کار این رجال و اموال کہ اسیر دستگیر شما است مردماں خاموش بودند نخستین۔ عمر ابن خطاب سر برداشت و عرض کرد یا رسول اللہ من چناں می بینم این خواستہ و غنائم را باید حفرے کردہ بخاک اندر سپرد تا ضائع ماند و اسیران را جملہ مقتول ساخت و ہر کہ از این اسیران خویشاوند کیست او باید بقتل رساند عباس را حمزہ سر بردارد و عقیل را علی از پا در آورد و بدیں قانون اصحاب کار کنند۔

رسول نے فرمایا کہ اے اصحاب تمہاری کیا رائے ہے اس مال غنیمت کے بارہ میں اور ان قیدیوں کے بارہ میں جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ لوگ خاموش رہے سب سے پہلے عمر ابن خطاب نے سر اٹھایا اور عرض کیا یا رسول اللہ میری رائے یہ ہے کہ اس مال غنیمت کو گڑھے میں دفن کر دیا جائے تاکہ ضائع ہو جائے اور تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان قیدیوں میں جس کا کوئی متعلق عزیز ہے وہی اس قیدی کو قتل کرے۔ عباس کا حمزہ سر قلم کریں اور عقیل ابن ابی طالب کو علی قتل کریں۔ اور اسی قانون پر سب قتل کئے جائیں۔

عباس گفت یا عمر قطعت الرحم قطع اللہ رحمك و پیغمبر صلعم را نیز این سخن پسندیدہ نیفتاد۔

عباس بن عبد المطلب نے جب یہ سنا تو کہا اے عمر تو نے قطع رحم کیا خدا تیرا قطع رحم کرے۔ اور پیغمبر اسلام کو بھی یہ بات پسند نہ آئی۔

(۳) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۸ :۔

و چوں قضیہ اسیران بہ فدیہ گذشت رسول اشارت فرمود کہ یاران در بارہ ایشاں احسان و نیکوئی کنند و بعضے را کہ مال و استعداد نداشتند آزاد

جب سب کی رائے فدیہ پر طے ہو گئی تو پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ اصحاب قیدیوں کے بارہ میں احسان و نیکی کریں اور جن بعض قیدیوں کے پاس رقم فدیہ نہ تھی۔ ان کو

فرمود و طائفہ از اہل افلاس کہ صنعت کتابت می دانستند مقرر فرمود کہ ہر یک دو کودک انصار را خط نوشتن بیاموزند و بعد ازاں آزاد باشند و بقدر مراتب بر متمولان فدیہ قرار گرفت ۔

آزاد کر دیا۔ اور جو مفلس فن کتابت جاننے والے قیدی تھے ان کو حکم دیا کہ بعوض فدیہ انصار کے دو بچوں کو فن تحریر سکھائیں اس کے بعد وہ آزاد ہیں اور جو مالدار قیدی ہیں وہ حسب حیثیت فدیہ ادا کریں۔

(۴) اسوۃ الرسول جلد دوم ص۴۱۴ :-

ان امور سے فراغت پاکر جناب رسالتمآب صلعم قیدیان قریش کی طرف متوجہ ہوئے پہلے وہ ایک ایک کرکے شمار کئے گئے جو ابن ہشام کی تعداد کے مطابق ۴۳ تھے .... تمام اسیروں کو دو دو چار چار کرکے انصار و مہاجرین کے سپرد کر دیا گیا کہ ہر شخص اپنے ہمراہی قیدی کو اپنی حراست میں راحت و آرام سے رکھے .... تمام تواریخ و حدیث کی کتابوں کا یہ متفقہ بیان ہے کہ اس وقت سے لیکر جب تک اسیران قریش مدینہ میں مہاجرین و انصار کے پاس رہے۔ صحابہ کا یہ برابر قاعدہ رہا کہ گھر میں جو کھانا پکتا تھا تو وہ قیدیوں کو کھلا دیا جاتا تھا۔ اور اصحاب خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ابوعزیز جو مصعب بن عمیر کے بھائی تھے۔ وہ بھی قید ہو کر آئے تھے اور ایک انصاری صحابی کی حوالگی میں دیئے گئے تھے۔ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ بزرگ انصاری جب صبح شام کھانا لاکر سامنے رکھتے آپ بھی ساتھ بیٹھ جاتے تو روٹی وغیرہ میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اپنے ہاتھ میں اٹھا لیتے اور کھانے لگتے۔ مجھ کو اس مکارم اخلاق سے ایسی شرم آتی کہ روٹی کو ہاتھ لگایا نہیں جاتا تھا۔ وہ میری حالت دیکھ کر کہتے کہ میں نے تمہیں روٹی اسلئے دی ہے کہ تم لوگ خورش غلہ کے خوگر ہو۔ بخلاف ہمارے ہم کھجوروں کے عادی ہیں۔ (طبری ص۱۳۳۸)

استنباط نتائج

عبارات مذکورہ کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔ اور ان واقعات سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں :-

(۱) پیغمبر اسلام نے اسیران بدر کے بارہ میں اصحاب سے رائے طلب کی تو کچھ اصحاب نے ان کو قتل کرنے اور سامان کو دفن کرنے کی رائے دی اور بعض نے فدیہ قبول کرکے قیدیوں کو آزاد کرنے کی رائے دی۔ پیغمبر اسلام نے اس رائے کو پسند فرمایا جس میں حقوق انسانی کی ادائیگی ہوتی تھی۔ اور وہ یہی رائے تھی کہ فدیہ لیکر آزاد کر دیا جائے۔ اب رہا فدیہ ادا کرنے کا معاملہ تو آپ نے اس میں بھی انتہائی رعایت برتی۔ اول تو یہ کہ جو نادار و مفلس تھے۔ مگر فن تحریر کے مالک تھے ان کا یہ فدیہ طے کیا کہ وہ انصار کے

دو بچوں کو تعلیم تحریر دیدیں پھر آزاد ہیں۔ اور جو مالدار ہیں وہ فدیہ ادا کریں۔ اور ان میں سے بھی جن کے پاس فی الحال رقم فدیہ نہیں ہے۔ وہ اپنے احباب و اقرباء سے طلب کر لیں۔ مذکورہ بالا تمام صورتیں جو رہائی اسیران بدر کیلئے پیغمبر اسلام نے اختیار کیں۔ وہ سب انتہائی صلہ رحم اور عدالت و مساوات پر مبنی ہیں ان کی توضیح کی جائے تو آپ یوں سمجھیں کہ جو نادار قیدی تھے ان کے حق میں یہی اعلیٰ نمونۂ عدالت ہو سکتا تھا۔ کہ انکو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا جائے۔ اور پیغمبر اسلام نے ان کو بغیر فدیہ کے آزاد کر کے عدالت کاملہ کا ثبوت دیا۔

لیکن جو نادار تھے۔ مگر وہ ایک فن و قابلیت ذاتی کے مالک تھے۔ لہٰذا ان کے ساتھ یہی فعل عدالت تھا کہ جس چیز کے وہ ذاتی طور پر مالک ہیں اسی چیز کو ان کا فدیہ رہائی مقرر دیا جائے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے صرف تعلیم فن کتابت کو ان کا فدیہ رہائی قرار دیا۔

تیسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو سرداران قبیلہ و قریش تھے۔ ان کے ساتھ یہی عدالت تھی کہ ان کا مالی فدیہ قبول کر کے ان کو آزاد کر دیا جائے۔ اور چونکہ وہ جنگ کیلئے آئے تھے تو ان کا مال ضائع ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان کو موقعہ دیا گیا کہ وہ اہل مکہ و اپنے اقرباء سے رقم فدیہ طلب کر کے ادا کریں۔ یہ آخری صورت بھی اعلیٰ نمونہ عدالت پیش کرتی ہے۔ اگر ان ہر سہ قسم کے قیدیوں کو ایک حکم کے ماتحت رکھا جاتا اور در صورت عدم تعمیل انکو قابل گردن زدنی سمجھا جاتا۔ تو بھی خلاف عدالت نہ تھا۔ کیونکہ قاتل کی سزا قتل، قاتلانہ حملہ آور کی سزا بھی جواباً قتل ہی ہوتی ہے۔ اور اس قانون کی رو سے ایک جنگ میں اگر ایک دشمن سینکڑوں حملہ آوروں کو قتل کر دے تو بہادری کہلائے گا نہ کہ ظالم و جابر۔

مگر پیغمبر اسلام کا حملہ آور دشمنوں کے ساتھ یہ برتاؤ آپ کے اخلاق و مساوات و عدالت کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جو تا قیامت اقوام عالم کیلئے قابلِ تقلید نمونہ باقی رہے گا۔ اور جو اعلیٰ معیار اخلاق و عدالت پیش کرتا رہے گا۔

(۲) عبارات تاریخی سے ظاہر ہوا کہ جب پیغمبر اسلام نے مشورہ کیا کہ قیدیوں کے ساتھ کیا عمل کیا جائے تو عمر ابن خطاب نے باصرار پیغمبر اسلام کو رائے دی کہ ہر شخص کو قتل کیا جائے۔ اور ہر مسلمان اپنے ہر کافر عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ جب عباس ابن عبدالمطلب نے یہ الفاظ سنے تو پکارے۔ عمر تو نے قطع رحم کیا ہے یعنی صلہ رحم کو قطع کیا ہے۔ چونکہ صلہ رحم بھی جنس تحت عدالت ہے۔ لہٰذا اگر پیغمبر اسلام مطابق رائے اصحاب و عمر ایسا حکم دیدیتے کہ ہر مسلمان اپنے ہاتھ سے اپنے کافر رشتہ دار کو قتل کر دے تو یقیناً پیغمبر اسلام کا یہ فعل خلاف قانون عدالت ہوتا۔ اور خلاف صلہ رحم ہوتا۔ کیونکہ حملہ آور دشمن کو قتل کر دینا تو دستور زمانہ رہا ہے اور ہر عہد اور ہر شخص ایسا کیا ہی کرتا ہے۔ مگر جو ہادی عالم اور مدبر عالم ہو۔ اس کا فعل افعال عوام سے

بالاتر ہونا چاہئے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے اس مشورہ کو نہ قبول کر کے اعلیٰ نمونہ صلہ رحم و عدالت پیش فرمایا ہے ......

(۳) پیغمبر اسلام نے اسیران بدر کو انصار و مہاجرین پر تقسیم کر دیا۔ اور انکو یہ حکم دیدیا کہ ہر مہاجر و انصار اپنے قیدی کو باآرام تمام رکھے۔ اور پھر حسب ارشاد پیغمبر اسلام ایسا ہی کیا گیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم حقوق انسانی و حقوق اسیران کے لحاظ سے ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور پیغمبر اسلام کے اس حکم میں عدالت و مساوات انسانی کے اعلیٰ و برتر نمونے ملتے ہیں۔

یہ اصول و قوانین عدالت جو پیغمبر اسلام نے پیش کئے ہیں شعلہ ہائے آتش جنگ کو فرو کرتے ہیں۔ اور جانبین و مخالفین و معاندین کی قلبی نفرت وجذبۂ انتقام کو کم کرتے ہیں اور دنیا کو جنگ سے متنفر اور صلح سے قریب تر کرتے ہیں۔ آجکل کی مہذب و متمدن دنیا جتنے بھی قوانین جنگ بنا رہی ہے۔ وہ اقوام کے تنافر باہمی و عداوت دائمی کا سرچشمہ بن رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج دنیا شعلہ ہائے جنگ کے درمیان کروٹیں بدل رہی ہے۔ اور معلوم نہیں کہ کس وقت یہ کوہ آتش فشاں پھٹ کر اہل ارض پر قیامت صغریٰ لے آئے۔

واقعہ بست وچہارم عبداللہ ابن ابی سلول رئیس المنافقین کا کفن۔

(۱)۔ اسوۃ الرسول جلد دوم ص۲۱۴ و صحیح بخاری

اسیران بدر جب ملاحظہ کیلئے۔ خدمت رسول میں پیش ہوئے تو اکثر کے پاس کپڑے نہ تھے۔ تھے بھی تو جنگ و پیکار کی کشمکش سے پارہ پارہ ہو کر پہننے کے قابل نہیں رہے تھے۔ آنحضرت صلعم کا خلق عظیم ان کی برہنہ تنی کو کب گوارہ کر سکتا تھا۔ صحابہ کو فوراً حکم ہوا انہیں کپڑے پہناؤ تب۔ اپنے اپنے ہمراہ لے جاؤ۔

فوراً حکم کی تعمیل ہونے لگی۔ اتفاق سے عباس کا لباس بھی پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ اور کسی طرح استعمال کے قابل نہ تھا۔ اکثر صحابی اپنا کرتہ دینے پر تیار ہوگئے۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ آپ اسقدر طویل القامت تھے کہ کسی کا کرتہ آپ کے بدن پر ٹھیک نہیں آتا تھا۔ اتفاق سے عبداللہ ابن ابی سلول رئیس المنافقین نے اپنا کرتہ منگوا کر حضرت عباس کو پہنایا تو بالکل ٹھیک آگیا۔

امام بخاری لکھتے ہیں کہ عبداللہ ابن ابی سلول کو رسول صلعم نے اپنے کرتہ کا جو کفن عطا فرمایا تھا۔ وہ اسی کے احسان کا معاوضہ تھا۔ بخاری ص۴۴۲۔

واقعہ مذکور سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پر شفقت و مساوات و عدالت کا بہترین مظاہرہ

فرمایا ہے۔ اول تو حملہ آور دشمن ترین افراد فوج کو لباس پہنانا ہی کیا کم تھا۔ اس پر یہ کہ عبداللہ ابن ابی سلول جو ہمیشہ مسلمان شکر اسلام کی بیخ کنی کرتا۔ تا اس کو پیغمبر اسلام نے اپنے کرتے کا کفن عطا کیا اور اس معاوضہ میں کہ اس نے عباس بن عبدالمطلب جو قیدی تھے اور دشمنوں کے ساتھ اسیر ہو کر آئے تھے۔ انکو اپنا کرتہ دیدیا تھا۔ درحقیقت پیغمبر اسلام کی عدالت کاملہ کا وہ کارنامے ہیں۔ جن کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔

واقعہ بست و پنجم شاعر سہیل ابن عمر کے ساتھ حسنِ سلوک

اسوۃ الرسول جلد ۲ ص ۱۵۲ و تاریخ طبری ص ۱۳۴۲۔

انہیں قیدیوں میں عرب کا بہترین زبان دان اور سحر البیان شاعر سہیل ابن عمر شامل تھا۔ یہ شخص تمام عرب میں آنحضرت صلعم کی مخالفت پر اپنی خوش بیانی سے نئی نئی تقریریں کیا کرتا تھا۔ جب یہ شخص سامنے لایا گیا۔ تو عمر ابن خطاب کو طیش آگیا۔ فوراً عرض کی یا رسول اللہ اس دریدہ دہن کے دونوں نچلے دانت اکھڑ والئے جائیں کہ اس کی آواز عیب دار اور تقریر بیکار ہو جائے۔ اس رحم مجسم نے ارشاد فرمایا۔

اے عمر اگر میں اس کا کوئی عضو بگاڑوں تو یاد رکھو اگر چہ میں نبی برحق ہوں اور معصوم لیکن خدائے منتقم اس کے بدلہ میں میرے اعضا بھی بگاڑ دے گا۔

پیغمبر اسلام کا اس دشمن شاعر عرب کیساتھ یہ حسن سلوک کرنا اور اس پر آپ کا عمر کو یہ جواب دینا کہ اگر میں اس کے جسم کے کسی عضو کو بگاڑ دوں گا تو خدا میرے اعضا کو بگاڑ دے گا۔ عدالت و حفاظت حقوق انسانی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ بیشک یہی وہ منازل عدالت ہیں جو بال سے زیادہ باریک ہیں اور ان پر صحیح گامزن ہونا اعلیٰ ترین افراد ہی کا کام ہے۔ پیغمبر اسلام کے اس قول سے بھی اور اس کردار سے بھی کہ اس کے دانت نہ توڑے گئے عدالت رسول کا پتہ چلتا ہے۔ و نیز تحفظ و تعین حقوق انسانی کی حدود معلوم ہوتی ہیں۔

واقعہ بست و ششم تقسیمِ اموالِ بدر

جنگ بدر میں جب اہل اسلام کو فتح حاصل ہو گئی اور اسیران بدر کا معاملہ بھی بمشورہ اصحاب طے ہو گیا تو تقسیم اموال غنیمت کا سوال پیدا ہوا۔ مختصر لشکر اسلام جنگ بدر میں تین قسم کی خدمات انجام دے رہا تھا۔ ایک گروہ تو عریشہ پیغمبر کی حفاظت کر رہا تھا۔ اس کے سرگروہ سعید بن معاذ تھے۔ دوسرا گروہ کفار قریش سے جنگ کر رہا تھا۔ اس کے دستہ مہاجرین کے علمدار علی تھے۔ دستہ انصار کے خباب بن منذر تھے۔ اور تیسرا دستہ فوج افرادِ لشکرِ دشمن کو گرفتار کر رہا تھا۔ جب جنگ ختم ہو گئی اور تقسیم اموال غنیمت کا

وقت آیا تو ان ہر سہ دستوں کے افراد میں اختلاف پیدا ہوا اور ہر ایک اس کا دعویدار ہوا کہ مال غنیمت اس کا ہی حق ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل میں عبارت تاریخ سے پیش کرتا ہوں۔

(۱) ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ ۱۱۷:-

چوں کار بر قسمت غنائم و اخذ فدیہ قرار گرفت سعد بن معاذ عرض کرد یا رسول اللہ ما جماعتے بودیم کہ پاس عریش می داشتیم و جہاد نہ کردیم و جمع جہاد می کردند و گروہے اسیر می گرفتند اگر غنائم بہرہ جہاد کنندگان است بسیار از اصحاب را نصیبہ نخواہد رسید و ازیں روئے درمیانہ صحابہ سخن در افتاد و ہر یک ازیں سہ گروہ خویشتن را در اخذ غنیمت اولی می دانستند پس خدا ایں آیت فرستاد۔

ویسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول۔

یعنی اے محمد سوال می کنند ترا از غنائم بگو اموال از خدا و رسول اوست چوں مردمان ایں معنی را دانستند مایوس شدند و از منازعت باز نشستند۔

ب رسول خدا عبداللہ انصاری را کہ از بنی النجار کہ حافظ غنائم بود بفرمود تا آں اموال را حاضر ساخت و خمس خویشتن را نیز جدانہ کرد کہ بہرہ اصحاب زیادت باشد و آں غنیمت را بر جملہ مجاہدین بدر قسمت کرد و ہر کہ شہید شدہ بود بہرہ او را با اہل او رسانید و آں ہشت

جب معاملہ تقسیم مال غنیمت اور فدیہ قبول کرنے کا طے ہو گیا تو سعد بن معاذ نے خدمت رسول میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم ایک جماعت ہیں جو آپ کے عریشہ کی حفاظت کرنے میں مصروف تھے۔ اور ہم نے جہاد نہ کیا اور ایک گروہ نے جہاد کیا اور ایک دستہ فوج قید کر رہا تھا۔ اس صورت میں اگر حصہ صرف مجاہدین ہی کو دیا گیا تو بکثرت اصحاب حصے سے محروم رہیں گے۔ اس قسم کی باتیں لوگ آپس میں کرنے لگے اور ان تینوں گروہوں میں سے ہر ایک گروہ اپنے کو مال غنیمت کا مستحق سمجھتا تھا۔ پس اس موقع پہ خدا نے یہ آیت نازل فرمائی ویسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول یعنی اے محمد لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ مال غنیمت کس کا حق ہے۔ ان سے کہدو کہ اموال غنیمت صرف خدا و رسول کا حق ہے۔ جب اصحاب کو حکم خدا ملا تو انہوں نے جھگڑا نا بند کیا اور مال ملنے سے مایوس ہو گئے۔

ب۔ رسول خدا نے عبداللہ انصاری کو جو قبیلہ بنی نجار سے تھا اور نگران مال غنیمت تھا حکم دیا کہ وہ مال غنیمت کو حاضر کرے پیغمبر اسلام نے اپنا حصہ خمس بھی اس مال

کس راکہ از سفریہ تخلف داشتند چنانکہ مرقوم افتاد ہم نصیبہ فرستاد دریں وقت سعد ابن ابی وقاص عرض کرد کہ سوارہ مجاہد را مانند پیادہ ضعیف برابر می فرمائید فرمود ثکلتک امک خداوند برکت ضعفا شمارا نصرت داد۔

جدا نہ کیا تاکہ اصحاب کو زیادہ سے زیادہ مال مل سکے اور اس اموال کو تمام مجاہدین پر برابر تقسیم کر دیا اور جو بحالت جنگ شہید ہو گیا تھا اس کے ورثاء کو اس کا حصہ دیدیا اور جو آٹھ افراد مدینہ واپس چلے گئے تھے جنکا ذکر اوپر آچکا ہے ان کو بھی حصہ مساوی بھیجا۔ اس وقت سعد بن ابی وقاص نے عرض کیا کہ اے رسول خدا آپ مجاہد سوار اور کمزور پیادہ کو برابر کئے دیتے ہیں اور مساوی حصہ دے رہے ہیں تو پیغمبر اسلام نے سعد ابن ابی وقاص سے کہا کہ تیرا برا ہو تجھ کو معلوم نہیں ہے کہ خدا نے انہی ضعفاء اور کمزوروں کی وجہ سے تمہاری مدد کی ہے۔

مذکورہ عبارات تاریخی سے واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے تقسیم اموال غنیمت میں مساوات و عدالت کو قائم رکھا۔ اور مختلف خدمات جہاد ادا کرنے والوں کو مساوی حصہ تقسیم کیا اور جو بوجہ مجبوری کے واپس ہو گئے تھے۔ ان کو بھی حصہ مساوی دیا۔ اور سوار و پیادہ کو بھی حصہ مساوی پہنچایا۔ سعد بن ابی وقاص ایک مخصوص صحابی نے پیغمبر اسلام کو اس مساوی تقسیم پر ٹوک دیا۔ اور اعتراض کر دیا کہ طاقتور اور ضعیف کا حصہ مساوی نہ ہونا چاہئے۔ پیغمبر اسلام نے اس صحابی کو جھڑک دیا اور ایسا مسکت جواب دیا کہ پھر کسی کی ہمت اعتراض کی نہ ہو سکی بات یہ تھی کہ پیغمبر اسلام تقسیم اموال میں جو طریقہ عدالت برت رہے تھے۔ وہ طریقہ اس سے قبل کبھی عرب کی لڑائیوں میں نہیں برتا گیا تھا۔ بلکہ طاقتور کا حصہ کمزور سے دو گنا ہوتا تھا۔ اور اسی طرح حسب حیثیت حصے تقسیم ہوتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص نے عہد جاہلیت کے طریقوں سے پیغمبر اسلام کے طریقہ کو ممتاز پایا۔ بس صبر نہ ہو سکا اور پیغمبر اسلام پر اعتراض کر دیا۔ معترض نے جواب مسکت پایا اور شرمندہ ہو کر رہ گیا۔

آج اہل دنیا کو اپنی قانون دانی، معاملہ فہمی، قوانین عدالت و قوانین فوجی پر ناز ہے۔ موجودہ عہد ترقی کے جنگجو اور مدبر کہتے ہیں کہ آج سے ۱۳ سو سال قبل کی جنگ تو دور کی بات ہے۔ اب سے پچاس سال قبل کی تاریخ بھی ایسے اعلیٰ اصول جنگ و تقسیم کار و اموال غنیمت کو نہیں پیش کر سکتی ہے۔ جو آج ہم نے مقرر کر دیئے ہیں۔ مگر افسوس یہ دعویداران سیاست و حکومت اپنے گریبانوں میں اپنے منہ چھپا لیں تو بہتر ہے۔ آج ایک سپاہی کو وہ سپاہی جو سنگلاخ زمینوں کو سینوں کے بل طے کرتا ہے۔ اور جو سپاہی بحالت جنگ برف کی سلوں پر چلتا ہے۔ جو گہر و دھوپ کی سختی کا مقابلہ کرتا ہے۔ جو مورچوں خندقوں میں ہفتوں بے آب و دانہ مکین اور گھات

میں رہتاہے۔ جو اپنے اہل وعیال کو لاوارث چھوڑنے پر بخندہ پیشانی تیار ہوجاتا ہے۔ اور دشمن کے مقابلہ میں پہنچکر بڑھ بڑھ کر گولیاں چلاتا ہے۔ اور اگر موقع آجاتا ہے تو دست بدست جنگ کرتا ہوا مارا جاتا ہے۔ جو سپاہی بے پناہ آٹم بم و ہائڈروجن بم کے دھواں دھار بارش میں بے خطر پہنچتا ہے اور دشمن کا مقابلہ کرتا ہے جو بحالت پسپائی و کمی و تاخیر کمک ورسد ہر کڑی گھڑی کو برداشت کرتا ہے۔ اور بے کسی و بے بسی میں تڑپ کر دم توڑ دیتا ہے۔ جو وسیع ملکوں پہاڑوں، دریاؤں اور میدانوں کو سینہ و پشت کے بل طے کرتا ہے۔ جو سپاہی ممالک اقوام۔ وسیع علاقوں طولانی سرحدوں کو فتح کرتا ہے۔ جو سپاہی لاتعداد اموال غنیمت، حیوانات سونا، چاندی، خزانے، جواہرات، حدود مملکت پر قبضہ کرتا ہے۔ اور بادشاہوں کو شہنشاہ اور شہنشاہوں کو شہنشاہ اعظم اپنے خون گرم کی بدولت بنا دیتا ہے۔ وہی سپاہی موجودہ عہد ترقی کے دعویداروں کے ہاتھوں بے انتہائی بے قدر و حقیر ہے۔ جتنا کہ ایک مداری کے ہاتھ میں کٹ پتلی کا سپاہی ہوا کرتا ہے۔ نہ اس سپاہی کو اس وسیع حدود سلطنت میں سے کوئی حصہ ملتا ہے اور نہ وہ مال غنیمت میں سے ہی کچھ پانے کا حقدار سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ مطابق مثل دکھ سہیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں اب صاحبان اقتدار دارباب حکومت ہی کا حق ہے کہ وہ سپاہی کی جان و اولاد و اموال کے بھی وارث حقیقی ہیں۔ اور مملکت مقبوضہ و مفتوحہ کے بھی مالک ہیں۔

پیغمبر اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اونہوں نے فدیہ و مال غنیمت کو مال جائز تصور کیا ہے اور اس کو سپاہی کیلئے حلال بتایا ہے۔ اس کے جواب کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔ کیونکہ کلام کو طول ہو جائے گا۔ مگر مختصرا اتنا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام نے جنگ کو اسی حالت میں جائز قرار دیا ہے جبکہ وہ حفاظت ذاتی کیلئے مدافعانہ ہو۔ یا وہ جنگ صرف اصلاح معاشرہ و تہذیب اخلاق انسانی کیلئے کی جائے۔ اس آخری صورت کو علماء اسلام نے بالفاظ دیگر یوں کہا ہے کہ جو خدا کیلئے لڑی جائے۔ مگر ان علماء کا مقصد بھی ان الفاظ سے یہ نہیں ہے کہ نعوذ باللہ اس بات کے قائل ہیں کہ خدا بھی مثل انسانوں کے اپنی طاقت و قوت اقتدار حدود مملکت کو وسیع تر کرنا چاہتا ہے۔ اور اسلئے اپنے ماننے والے بندوں کو جنگ کا حکم دیتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ غرض صرف اتنی ہے کہ جو جنگ خدا کیلئے لڑی جاتی ہے اور جس کا نام جہاد ہے۔ وہ صرف اصلاح معاشرہ و دفع اخلاق رذیلہ و تہذیب اخلاق انسانی و درستی کردار انسانی کیلئے لڑی جاتی ہے بلکہ اور اگر ان صورتوں کے علاوہ کسی اور صورت میں جنگ جائز ہے تو وہ مدافعانہ ہے۔

پیغمبر اسلام نے اپنی دس سالہ زندگی غزوات میں ہر پہلو پہ روشنی ڈالی ہے۔ اور ہر پہلو سے یہی واضح ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی جنگ مدافعانہ تھی۔ یا اصلاح کردار انسانی و تبلیغ کلمہ حق کیلئے تھی۔ دوسری بات

یہ ہے کہ جب جنگ کا مقصد ہی آجکل کی جنگوں سے مختلف ہے تو موجودہ عہد ترقی کی تمام جنگیں ہی ناجائز ہیں اور مترادف ظلم وستم، مترادف سفاکی و خونریزی۔ اس عہد ترقی کی تمام جنگی تیاریاں اور موجودہ لڑائیاں اقتدار طلبی، وسعت حدود مملکت، حصول زر و جواہر، حصول اسباب عیش و لذت وغیرہ کیلئے لڑی جاتی ہیں۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ جس سپاہی کی خدمات کا ذکر میں نے سطور بالا میں کیا ہے اس کی گت اتنی ہے کہ جتنی مداری کے نزدیک کٹھ پتلی کی۔

ترقی و تہذیب و تمدن کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ہر فرد اور متنفس اور انسان کو حقوق مساوی حاصل ہو سکیں اور اس مہذب و متمدن دنیا کے شب و روز اور مہ و خورشید مساویانہ روشنی و ضیا کی برکتیں ہر فرد کیلئے عام کر دیں۔ اگر یہ انداز جنگ و صلح انسان پا سکتا ہے تو صرف پیغمبر اسلام کے انداز حیات ہیں۔ اور پیغمبر اسلام کا انداز حیات ہی نوع انسانی کے دین و دنیا کی فلاح کا دستور العمل بن سکتا ہے۔

واقعہ بست و ہفتم تقسیم مال غنیمت

سنہ ۲ ہجری میں غزوہ بنی قینقاع واقع ہوا۔ بنی قینقاع نے خلاف معاہدہ عمل کیا تھا۔ بنی قینقاع سات سو افراد تھے ان کی جلاوطنی کا حکم صادر ہوا اور تین دن کی مہلت ان کو دی گئی۔ ان کا مال و متاع جو وہ چھوڑ گئے تھے مسلمانوں کا حصہ قرار پایا۔ پیغمبر اسلام نے اس مال کا خمس علیحدہ کر لیا اور باقی اموال غنیمت کو بحصہ مساوی مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

اگر میں ہر غزوہ اور ہر سریہ کے تقسیم اموال غنیمت کا ذکر علیحدہ علیحدہ کروں تو کتاب کی ضخامت بڑھ جائے گی۔ لہٰذا اس موقعہ پر اتنا ہی کہے دیتا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے ہر غزوہ اور سریہ کے مال غنیمت کو بحصہ مساوی تقسیم کیا۔ اور یہ کام خود بہ نفس نفیس انجام دیا۔ اور کبھی کسی مسلم یا منافق کو یہ موقعہ نہیں ملا کہ تقسیم مال میں خلاف عدالت کوئی بات دیکھتا اور اعتراض کرتا۔ ہر موقع پر پیغمبر اسلام نے عدالت و مساوات فعلی و قولی کے بہترین نمونے قائم کئے ہیں۔ اور اہل نظر کیلئے اعلیٰ نمونہ عمل قائم کیا ہے۔

واقعہ بست و ہشتم، عدالت بہ ازواج

باب عفت پیغمبر اسلام میں ازواج پیغمبر کی تعداد و نیز واقعات کو لکھا گیا ہے۔ دو یا چار ازواج میں بھی مساوات و عدالت کا قائم رکھنا دشوار تھا۔ مگر پیغمبر اسلام کی ازواج بیک وقت نو یا دس تک ہوا کرتی ہیں اور ماہران علم النفس بخوبی جانتے ہیں کہ عورتوں کی فطرت میں حسد و رشک کا مادہ مرد سے بدرجہا زیادہ ہوا کرتا ہے۔ عورت کیلئے اس کی سوت سب سے بدتر عذاب زندگی ہے۔ اور وہ اس عذاب زندگی سے بچنے کیلئے ہر ممکن تدبیر کرتی ہے۔ اور ہر بد سے بدتر مصیبت برداشت کرنے کو آمادہ رہتی ہے۔ مگر وہ اپنے

شوہر کے پاس اپنی سوت کو نہیں دیکھ سکتی ہے بایں ہمہ پیغمبر اسلام نے اپنی ازواج کے ساتھ ایسا عدل و انصاف قائم رکھا کہ وہ سب مطمئن رہیں اور اگر ان میں سے کسی کو اس کی شرارت فطری کی وجہ سے کوئی شکایت بھی پیدا ہوئی تو پیغمبر اسلام نے باحسن طریق اس کو مطمئن کر دیا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ آجتک کسی مورخ نے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی ازواج کے حقوق زوجیت سامان خورد و نوش و لباس یا تعلقات زوجیت میں خلاف عدالت کوئی امر جائز رکھا ہو۔ میری اس تحریر میں سودہ بنت زمعہ کا واقعہ گواہ ہے۔ جب غزوہ بدر میں سودہ زوجہ رسول کا باپ زمعہ اور دو بھائی عقیل و حارث قتل ہوئے اور سودہ ان کے غم میں نالہ و بکا کرنے لگیں تو پیغمبر اسلام نے اظہار ناراضگی فرمایا۔ اور کہا کہ اے سودہ تو کافروں کے قتل پر مسلمانوں کو برا کہتی ہے۔ اور خدا و رسول پر اظہار ناراضگی کرتی ہے۔ اس پر بھی سودا نے اپنا رونا پیٹنا اور بین و نوحہ کرنا بند نہ کیا تو پیغمبر اسلام نے سودہ کو طلاق دیدی اور اس سے کہا کہ تو اپنے خاندان میں چلی جا۔ اس کے بعد کے واقعہ کو صاحب ناسخ التواریخ کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے۔

ناسخ التواریخ جلد اول ص ۱۱۹۔

بالجملہ زنان مدینہ سودہ را افگندند از پیغمبر دستوری
بخواہ و راہ مکہ در پیش گیر گفت دو عار
بر پدر روا ندارم نخست آنکہ پسرانش را کشتند
و دیگر دخترش را بیرون کردند و عاقبت
روزے بخانہ عائشہ رفت و در آں جا بود
تا پیغمبر بیامد و خود با آنحضرت سخن کرد و پوزش
نمود و عرض کرد یا رسول اللہ من زنے پیرم
و آں حاجت ندارم کہ زنان از مرداں دارند
آں می خواہم کہ روز رستخیز چوں زناں را بہ
بہشت برند مرا از میانہ جدا نہ نکنند اکنون
مرا بپذیر و آں شب کہ نوبت من است
بخانہ عائشہ باشد تا از میان زنان عائشہ
را دو نوبت باشد۔

آخر کار مدینہ کی عورتوں نے سودہ سے کہا کہ
تم پیغمبر سے اجازت لیکر مکہ واپس چلی جاؤ
سودہ نے کہا میں اپنے باپ پر دو طرح کی
عار کو برداشت نہیں کر سکتی ہوں اول تو
یہ کہ اس کے لڑکوں کو قتل کر دیا۔ دوسرے
یہ کہ اس کی لڑکی کو گھر سے نکال دیا جائے آخر
ایک دن مکان عائشہ پر آئیں۔ وہاں رہیں یہاں
تک کہ پیغمبر آگئے تو سودہ نے خود یوں بات
شروع کی۔ یا رسول اللہ میں بوڑھی عورت
ہوں۔ مجھ کو وہ حاجت باقی نہیں رہی ہے
جو عورت کو مرد سے ہوا کرتی ہے۔ میں تو
یہ چاہتی ہوں کہ روز قیامت جب عورتوں
کو جنت میں لے جائیں تو مجھ کو ان ازواج
سے جدا نہ کریں اب آپ مجھ کو قبول کر لیں اور وہ رات جو میری باری کی رات ہے اس شب کو

آپ مکان عائشہ پر رہئیے تاکہ آپ کی ازواج میں عائشہ کی دو باری ہو جائے۔

واقعہ مذکور نے واضح کردیا کہ پیغمبر اسلام ازواج کے معاملہ میں عدالت کے سختی سے پابند تھے اور اس پابندی کا یہ حال تھا کہ سودہ جو بوڑھی عورت تھی اور اتنی بوڑھی کہ بقول خود اس کو خواہش مرد باقی نہیں رہی تھی۔ نظر پیغمبر میں مستحق عدالت تھی۔ اور عائشہ کمسن ترین زوجہ تھیں۔ مگر نظر پیغمبر میں عائشہ و سودہ میں بلحاظ تعلقات جنسی مساوات کوئی فرق نہیں تھا۔ جب سودہ نے اپنی شب بھی عائشہ کو ہبہ کردی تو کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ عائشہ کی دو باری ہو جائے۔ اس سے قبل سودہ باوجود پیرانہ سالی کے نظر پیغمبر اسلام میں اتنی ہی عزیز تھیں جتنی عائشہ اور دیگر ازواج باوجود کم سنی و نوجوانی کے عزیز ہو سکتی تھیں۔ بادی النظر میں یہ معاملہ کم اہمیت رکھتا ہے اور قابل تذکرہ نہیں ہے۔ مگر بہ نظر قیام قوانین عدالت یہ معاملہ اہم نتائج کا حامل ہے اور پیغمبر اسلام کی عدالت و فضیلت کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔

اب رہا معاملہ ازواج کی خورد و نوش و لباس و مکان کا تو پیغمبر اسلام نے اپنی ہر زوجہ کو علیحدہ علیحدہ مکانات دیئے تھے۔ ان کے طعام و لباس کا انتظام سادی طریقہ پر کردیا تھا۔ بعض ازواج نے چاہا تھا کہ ہم سردار قوم و حاکم دین و دنیا کی زوجہ کی حیثیت سے اعلیٰ معیار زندگی بسر کریں اور رئیسانہ شان و شوکت سے رہیں۔ جب پیغمبر اسلام کو ان کا یہ تقاضہ معلوم ہوا تو آپ نے پہلے تو کچھ روز خاموشی و سکوت اختیار کیا۔ بعد کو ان کو قناعت و صبر کی تعلیم و تلقین کی اور جب دیکھا کہ وہ پھر سامان عیش کا تقاضہ کرتی ہیں۔ تو ان کو اجازت دیدی کہ ان میں سے جو پیغمبر اسلام کے ہمرنگی اور ہم معیشتی ہو گوارا کرے اور مثل پیغمبر اسلام سادہ زندگی بسر کرنا چاہے وہ پیغمبر اسلام کے ساتھ رہے۔ ان کے نکاح میں رہے اور جو عورت ان حالات پر قانع نہ رہے وہ طلاق لے لے (حوالہ جات باب عفت و حالات ازواج میں ملاحظہ کیجئے) پیغمبر اسلام کا یہ فعل عین مطابق عدالت تھا۔ کیونکہ :-

(۱) اگر آپ اپنی ازواج کو رئیسانہ طریقہ پر رکھتے تو یہ خلاف مزاج پیغمبر ہوتا اور لامحالہ پیغمبر اسلام کو بمقابلہ دیگر مسلمانوں کے زیادہ شان و شوکت سے رہنا پڑتا۔ پھر ان کا شمار ہادیانِ عادل و انبیاء قانع میں نہ ہوتا۔ بلکہ ان کے ہمسر اور ان کے بعد آنیوالے آپ کو بھی مثل امراء و رؤساء و بادشاہوں کے ایک رئیس ایک امیر ایک بادشاہ سمجھتے۔ اس پردہ میں آپ کی ہدایت و تبلیغ دین کے نقوش، رئیسانہ، امیرانہ و بادشاہانہ زندگی کے اندر چھپ جاتے اور گویا اسلام کی بیخ کنی ہو جاتی۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام کو جب دولتِ کثیر خدیجہ کی حاصل ہوئی تو آپ نے اس کو جلد از جلد غرباء و مستحقین میں تقسیم کردیا۔ اور اس مال میں سے اتنا بھی باقی نہ رکھا کہ آپ کی اکلوتی بیٹی اور خدیجہ کی اکلوتی بیٹی اور اس کے بچے فاقوں سے

بچ جاتے۔ فاطمہ چکی پیسنے سے بچ جاتیں، داماد رسول علی مزدوری و محنت کی کمائی کرنے کی مشقت سے بچ جاتے۔ پیغمبر اسلام راہ ہدایت و تبلیغ سے ہر اس سنگ راہ کو ہٹانا چاہتے تھے۔ جو مقصد اصلی کے نمایاں ہونے میں رکاوٹ کا سبب بنتا تھا۔ یا بن سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام نے اپنی بعض ازواج کے تقاضائے دولت کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جو بحالت غربت پیغمبر کا ساتھ دینا چاہے وہ رشتہ عقد نکاح میں رہے۔ اور جو امیرانہ زندگی کی طالب ہے۔ وہ پیغمبر سے طلاق لے لے۔ اور پیغمبر اسلام کا مقصد اصلی یعنی اشاعت توحید و نبوت اسی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام کا یہ طریقہ عین حکمت و عین عدالت تھا۔

(۲) دوسری صورت یہ تھی کہ پیغمبر اسلام اپنی ازواج کو تہدید کہہ دیتے اور حکم دیتے کہ بس خاموش رہو جو ہمکو میسر ہے اس کو کافی سمجھو اور اسی پر گذر کرو۔ بحیثیت شوہر اور حقوق زوج کے پیغمبر اسلام اپنی ازواج کو ایسا حکم تو دے سکتے تھے اور یہ حکم خلاف اصول و تہذیب معاشرہ بھی نہ ہوتا۔ مگر درحقیقت خلاف عدالت ہوتا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام اس حکم سے گویا عورت کے تقاضائے فطرت کو دباتے اور اپنی حکمانہ طاقت سے اس کے جذبات کو روکنا چاہتے اور یہ سراسر ظلم تھا۔ اگر پیغمبر اسلام کی ایک زوجہ عسرت و افلاس زندگی گذارنے کی عادی نہیں ہے یا اس کا پہلا شوہر مالدار شخص تھا۔ اور اس نے اس عورت کو سامان تعیش کا عادی بنا دیا تھا تو اس کو یہ عسرت و افلاس کی زندگی سخت کٹھن محسوس ہوگی۔ اور اس کا ایک ایک لمحہ قید و بند کا لمحہ ہوگا۔ اس کی زندگی اجیرن اور اس کی صحت برباد ہو جائے گی۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام کا اس عورت کو اپنے حصول مقصد کیلئے دبانا اور غربت کی زندگی پر مجبور کرنا۔ صریحی ظلم ہوتا لہذا آپ نے بحکم اقتضاء عدالت ازواج سے کہہ دیا کہ جو چاہے وہ غربت پیغمبر میں پیغمبر کا ساتھ دے اور جو چاہے طلاق لے لے۔ یہ حکم مطابق قوانین عدالت عدالت و تحفظ حقوق انسانی ہے۔

(۱) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۴۱۹۔

واقعہ لبست و نہم، تقسیم غنائم

انہیں فدیہ دینے والوں میں حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ یہ بزرگ روسائے بنی ہاشم سے خوشحال تھے۔ یہ ہر شخص کو معلوم تھا۔ ان سے فدیہ لینے کیلئے جب آنحضرت صلعم سے استفسار کیا گیا۔ تو ارشاد ہوا کہ ان سے بیک بار چار فدیے لئے جائیں۔ ایک ان کا نام دوسرا ان کے بھتیجے عقیل ابن ابی طالب کا تیسرا ان کے دوسرے بھتیجے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب کا چوتھے ان کے حلیف عتبہ بن عمرو کا۔

حضرت عباس اس حکم سے چیں بجبیں ہوئے اور کہا کہ میں تو مسلمان ہوں مجھ سے فدیہ کیسا۔ ارشاد ہوا

قلوب کا حال خدا کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔ اس وقت بظاہر آپ کفار کے شریک تھے اور انہیں کے ساتھ اسیر ہو کر آئے ہیں۔ یہ سنکر حضرت عباس بولے میرے پاس اس وقت تو کچھ بھی موجود نہیں ہے۔ کیا تم اس کو گوارا کرو گے کہ تمہارا چچا اپنی ناداری اور تنگدستی کی موجودہ حالت میں ادائے فدیہ کیلئے دوسروں کے آگے دست سوال پھیلائے۔

جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا۔ چچا حقیقتاً آپ فضل خدا سے کسی وقت اور کسی مقام میں نادار نہیں کہے جا سکتے۔ ابھی تو آپ کے پاس ایک کثیر رقم اس طلا کی ہے جو آپ نے مکہ سے چلتے وقت ام الفضل کی تحویل میں یہ کہہ کر رکھوائی ہے کہ اگر آپ لڑائی سے نہ آئیں گے تو وہ ان کے اور ان کے بیٹوں میں تقسیم کر دی جائے گی۔ یہ سنتے ہی حضرت عباس کا چہرہ زرد ہو گیا اور اسی ہیبت وجلال کے عالم میں کہنے لگے :۔

"محمد خدا شاہد ہے کہ میرے اس راز سے سوائے میرے اور تمہاری چچی کے کوئی دوسرا مطلق واقف نہیں تھا یہ تمہیں کس نے خبر کر دی یہ کہکر اسی جلال وسطوت روحانی کی عین حالت میں حضرت عباس بے اختیار پکار اٹھے اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله۔"

ان کے اقرار شہادت پر مسلمانوں کی موجودہ جماعت میں تکبیر کے متواتر نعرے بلند ہوئے اور تکبیر کی آواز سے سارا مدینہ گونج اٹھا۔

حضرت عباس کے ان حالات کے متعلق اتنا اور اضافہ کیا گیا ہے کہ حضرت عباس نے ادائے فدیہ کے وقت چالیس اوقیہ (بمقدار یک جو) طلا جو مسلمانوں نے ان کی گرفتاری کے وقت لے لیا تھا رقم فدیہ میں محسوب کرنا چاہا۔ مسلمانوں نے مجرا دینے سے انکار کیا۔ آخر کار آنحضرت صلعم کے پاس یہ معاملہ پیش کیا گیا۔ آپ نے حضرت عباس سے کہا کہ وہ رقم خدا کی طرف سے غنیمت میں مسلمانوں کو عطا ہو چکی ہے۔ لہٰذا وہ حساب فدیہ میں محسوب نہیں ہو سکتی۔ (طبری ص ۱۳۴۵)

نتیجہ عبارات سابقہ ۔ (۱) پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پر بھی عادلانہ ومنصفانہ فیصلہ فرمایا۔ اول تو یہ ہے کہ عباس ابن عبدالمطلب کو ان کے حلیف اور ان کے بھتیجوں کے فدیہ کا ذمہ دار بنایا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ عباس بزرگ وسردار خاندان تھے۔ انہی کے حکم کی تعمیل میں ان کے دونوں بھتیجے اور ان کا حلیف عتبہ بن جحدم آیا تھا ممکن ہے کہ جنگ بدر میں جانب کفار سے شامل ہی نہیں ہوتے چونکہ یہ ہرسہ افراد مطیع ومنقاد ومتبع عباس تھے۔ دوسرے بحیثیت مال کے وہ غریب ونادار تھے۔ ان دونوں حالتوں میں ان ہرسہ افراد کا فدیہ عباس کے ذمہ لگانا بنائے انصاف وعدالت تھا۔ اس صورت میں مجاہدین اسلام کا حق بھی حاصل ہوتا تھا اور نیز عتبہ وعقیل ونوفل کا فدیہ بھی ادا ہو کر وہ آزاد ہو جاتے تھے۔

اگر پیغمبر اسلام عباس کو ان فدیوں کا ذمہ دار نہ بناتے تو وہ ہر سہ افراد مقید رہتے اور نہ معلوم کہ جب
قوانین فوجی کس سزا کے مستوجب ہوتے۔ علاوہ پیغمبر اسلام کو عباس کی مالی حالت کا بھی علم تھا کہ وہ اپنے مال
سے ان سب فدیوں کو ادا کر سکتے تھے۔ ان تمام واقعات سے پیغمبر اسلام کا یہ فعل عدالت پر مبنی تھا۔

(۲) جب عباس ابن عبد المطلب نے بحیثیت چچا ہونے کے و نیز عقیل و نوفل کے رشتہ برادری ہونے
کے پیغمبر اسلام سے ایک رعایت طلب کی اور وہ یہ کہ اظہار کیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لہٰذا ان فدیوں کو
معاف سمجھا جائے۔ تو پیغمبر اسلام نے عباس و نوفل و عقیل کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا جو تمام اسیران
بدر کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔ یہ بھی عدالت پیغمبر اسلام ہی ہے۔ پھر جب عباس نے اس مال غنیمت کو۔
جو مجاہدین کا حصہ قرار پا چکا تھا۔ اپنے فدیہ میں محسوب کرنا چاہا تو آپ نے فرمادیا کہ وہ حق مجاہدین کا
وہ مال غنیمت ہے اس پر تم کو حق ملکیت باقی نہیں رہا۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم بھی مطابق عدالت تھا۔ اگر اس
موقعہ پر پیغمبر اسلام رشتہ داری، خاندانی بزرگی کا خیال کر لیتے۔ اور ان ہر سہ افراد کو بغیر فدیہ آزاد
کر دیتے تو یہی دستور اسلامی بن جاتا۔ اور ہر مسلمان خلیفہ یا بادشاہ اسی طرح مجرمین و ملزمین کو رہا کر
دیا کرتا۔ پیغمبر اسلام نے اس خاص موقعہ پر عدالت قائم کر کے اعلیٰ نمونہ سیاست قائم کر دیا ہے۔

واقعہ سی ام، عدالت

پیغمبر اسلام قبل بعثت اموال تجارت خدیجہ کو لیکر ملک شام کی جانب
روانہ ہونے والے تھے۔ خدیجہ نے اپنے مخصوص و معتمد غلام میسرہ
کو آپ کے ہمراہ کر دیا تھا۔ جس وقت مال تجارت کو اونٹوں پہ بار کرنے کا ارادہ کیا اور ملازمین و
حمال خدیجہ اونٹوں پہ بار کرنے لگے۔ اس وقت عرب کی تیز دھوپ تھی۔ سخت گرمی تھی بار کرنے والی
والی جماعت اور مزدور سامان تجارت کو اونٹوں پہ بار کرنے سے عاجز آگئے۔ اور کام میں سستی کرنے
لگے۔ تو پیغمبر اسلام نے مزدوروں سے پوچھا کہ کام میں کیوں سستی کرتے ہو۔ سب نے عرض کیا۔ ہمارا
صاحب حیات القلوب سنئے:۔

حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۱۷:۔
چوں حضرت دید کہ اموال خدیجہ در زمین
ماندہ است و ہنوز بار نہ شدہ است
با غلاماں خطاب نمود کہ چرا بار ہا بر شتراں
نہ بستہ اید۔ گفتند اے سید عالم عدد ما
کم است و مال بسیار پس آں معدن

جب پیغمبر اسلام نے دیکھا کہ تمام قافلہ کے
لوگوں نے اپنا اپنا سامان اونٹوں پہ بار
کر لیا ہے اور خدیجہ کا مال تجارت زمین
پہ پڑا ہے۔ تو آپ نے غلاموں سے پوچھا
کہ کیوں سامان کو اونٹوں پہ بار نہیں کرتے
ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہماری تعداد کم ہے

فتوت وکرم بر ایشاں رحم نمودہ پا از راحلہ | اور سامان بہت زیادہ ہے۔ بس پیغمبر
گردانیدہ فرود آمد دامن برکمر زد و شتران | اسلام نے ان پر رحم فرمایا اور اپنے دامنوں
را بزیر بار می کشید و بقوت ید اللٰہی بر یک | کو گردانا کمر کس کر سواری سے نیچے اترے
طرفۃ العین بار بر شترے محکم می بست | اور اونٹوں پہ سامان بار کرنا شروع کیا

اور تھوڑی ہی مدت میں کل سامان اونٹوں پر بار کر دیا۔

واقعہ مذکور نے واضح کر دیا کہ ابتدائے عمر سے پیغمبر اسلام میں ہمدردی اور عدالت کا جذبہ موجود تھا۔ جس وقت آپ نے یہ سفر کیا ہے اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ اور اس پر آپ نے غلامان خدیجہ کے ساتھ یہ عادلانہ طریقہ اختیار فرمایا۔ اور ان کے حقوق انسانی پہ نظر لطف و کرم کرتے ہوئے ان کے مشکل کام کو خود پورا کر دیا۔ اور اپنے اس طریقہ سے واضح کر دیا کہ سردار قافلہ اور مزدور و حمال وغلام بلحاظ حقوق انسانی مساوات رکھتے ہیں۔ اور مشقت و محنت کے کاموں میں ایک کو دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا انسانی فریضہ ہے۔ اور یہی عین عدالت بین الناس ہے۔

واقعہ سی و دوم، عدالت، فاطمہ

واقعہ مذکور سے زیادہ قابل ذکر وہ واقعہ ہے کہ جب ایک دن پیغمبر اسلام خانۂ جناب فاطمہ میں تشریف لائے دیکھا بیٹی جس کی عمر تقریباً ۱۲ سال تھی چکی پیس رہی ہے۔ اور ایک سخت کپڑے کی مثل ٹاٹ جس سے اونٹوں کی جھول بناتے ہیں پہنے ہوئے ہیں۔ آپ نے جب پیاری بیٹی کو اس تکلیف میں دیکھا۔ تو آپ مصیبت فاطمہ پہ باقتضاء محبت پدری و رحم پیغمبری رونے لگے۔ اور فاطمہ سے فرمایا۔

"اے فاطمہ تلخی دنیا را اختیار کن برائے نعیم ابدی آخرت۔" (حیات القلوب)

اے فاطمہ دنیا کی مصیبت کو برداشت کر تاکہ آخرت کی ابدی نعمات حاصل ہوں۔

اس واقعہ سے پہلا واقعہ تو ایسا واقعہ تھا جس میں پیغمبر اسلام کو خدیجہ کے غلاموں پر رحم آیا تھا۔ اور آپ نے ان کی خدمات کو اپنے ذمہ لیکر اونٹوں پر سامان بار کر دیا تھا۔ مگر اس واقعہ میں معاملہ اس سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ واقعہ آپ کی اکلوتی کمسن شادی شدہ بیٹی کا ہے۔ آپ نے دیکھا ہے کہ فاطمہ سخت کرخت لباس پہنے ہیں۔ چکی چلا رہی ہیں۔ تقاضائے محبت پدری تو یہ ہونا چاہئے تھا۔ کہ فاطمہ کو چند کنیزیں عطا ہو جاتیں اور چند غلام دیدیئے جاتے۔ کیونکہ فاطمہ سپہ سالار اسلام کی زوجہ اور حاکم دین و دنیا پیغمبر اسلام کی بیٹی تھیں مگر پیغمبر اسلام کی نگاہ قوانین عدالت پر تھی۔ آپ کے دل میں جذبہ تحفظ حقوق انسانی موجود تھا۔ لہٰذا آپ نے نہیں چاہا کہ اپنی بیٹی اور دیگر مسلمانوں کی عورتوں اور بیٹیوں میں شان امتیاز باقی رہے۔ آپ نے اپنے

اس انداز عدالت سے ثابت کر دیا کہ مساوات و عدالت بین الناس کا قائم رکھنا ہی انسان کامل ہونے کا ثبوت ہے۔

واقعہ سی و چہارم، عدالت، فاطمہ و سوال خادمہ

صحیح بخاری پ ۲۲ باب نفقہ

(۱) قال سمعت عبد الرحمٰن بن ابی لیلی یحدث عن علی ابن ابی طالب ان فاطمۃ رضی اللہ عنہا اتت النبی صلی اللہ علیہ وصلعم تسئالہ خادما فقال الا اخبرک ما ھو اخیر لک منہ تسبحین اللہ عند منامک ثلاث وثلاثین وتحمدین اللہ ثلاثا وثلاثین وتکبرین اللہ اربعا وثلاثین ثم قال سفیان احدھن اربع وثلثون فما ترکتھا بعد قیل ولا لیلۃ صفین ولا لیلۃ صفین۔

بروایت عبد الرحمٰن بن ابی لیلی بزبان علی ابن ابی طالب بیان کیا گیا ہے کہ علی نے فرمایا کہ ایک بار فاطمہ خدمت رسول میں آئیں اور ایک خادم کیلئے سوال کیا۔ رسول نے فرمایا کہ اے فاطمہ میں خادمہ سے بہتر چیز بتاؤں۔ سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ سفیان نے کہا کہ ان تینوں میں سے کسی ایک کو ۳۴ مرتبہ پڑھلے اللہ اکبر کی خصوصیت نہیں ہے۔

علی نے کہا اس کے بعد کبھی اس وظیفہ کو میں نے ترک نہ کیا۔ کسی نے کہا صفین کی لڑائی میں بھی کہا ہاں صفین کی لڑائی میں بھی۔

(۲) صحیح بخاری مترجمہ مرزا حیرت دہلوی باب نفقہ پارہ ۲۲ ء۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ فاطمہ نبی صلعم کے پاس شکایت کرنے آئیں کہ چکی وغیرہ سے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے اور فاطمہ کو خبر تھی کہ حضرت کے پاس لونڈیاں آئی تھیں۔ حضرت فاطمہ تشریف لائیں۔ اور حضرت کو گھر نہ پایا۔ تو عائشہ سے یہ قصہ بیان کیا۔ جب رسول خدا آئے تو عائشہ نے ان سے یہ بیان کر دیا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ آنحضرت ہمارے گھر تشریف لائے اور ہم سو گئے تھے۔ آپ کے آنے سے ہم نے اٹھنا چاہا۔ فرمایا بیٹے رہو اور آپ ہمارے بیچ میں آ بیٹھے۔ حتیٰ کہ آپ کے پیروں کی ٹھنڈک میرے پیٹ میں معلوم ہوئی۔ پھر فرمانے لگے۔ کیا تمہیں تمہارے سوال سے بہتر نہ بتلاؤں۔ جب تم سونے کو اپنے بستر میں جاؤ تو ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ تمہارے

لئے خادم مقرر کرنے سے یہ بات بہتر ہے۔

سطور بالا میں دو احادیث تاریخی تحریر کی گئیں ان سے ظاہر ہوا کہ فاطمہ بنت پیغمبر نے کام کی زیادتی چکی پیسنے کی محنت بچوں کی پرورش و تربیت کی وجہ سے اپنے پدر بزرگوار پیغمبر اسلام سے ایک کنیز طلب کی۔ مگر پیغمبر اسلام نے خادمہ کے عوض فاطمہ کو تسبیح کی تعلیم دی اور کنیز عطا نہ فرمائی۔ ایسا آخر کیوں کیا۔ صرف اسلئے کہ پیغمبر اسلام رسم کنیزی و غلامی کو دنیا سے مٹانا چاہتے تھے۔ اور اپنے طرز زندگی اور احکامات سے ایسی صورتیں امت کے سامنے لانا چاہتے تھے کہ وہ خود بخوشی رسم کنیزی و غلامی کو ترک کر دیں۔ ان حالات میں اگر وہ فرمائش فاطمہ پر کنیز عطا فرما دیتے تو گویا آپ کا یہ فعل خود موید کنیزی و غلامی ہو جاتا۔ اسلئے آپ نے فاطمہ کو تسبیح کی تعلیم دی۔ اور اپنے اس فعل سے ظاہر فرمایا کہ کسی انسان کو چاہے وہ کسی حیثیت و مرتبہ کا انسان ہو۔ چاہے وہ پیغمبر ہو یا پیغمبر کی اکلوتی بیٹی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے انسان کو اپنا زیر دست غلام یا کنیز بنائے۔ چونکہ کسی انسان کو کنیز یا غلام بنا لینا۔ اس کو اس کے درجہ نوعی سے پست کرنا تھا۔ اور یہ خلاف مساوات و عدالت تھا۔

لہٰذا پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو کنیز عطا نہ کی۔ اب رہا یہ معاملہ کہ آپ نے صاف الفاظ میں فاطمہ کو منع بھی نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر پیغمبر اسلام انکار فرما دیتے تو رد سوال ہوتا۔ جو شان کریمی و نبوت کے خلاف تھا۔ علاوہ بریں جبکہ مال غنیمت میں کنیزیں آتی تھیں اور اصحاب پر وہ تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ تو فاطمہ کے شوہر تو اکثر غزوات و سرایا میں خدمت علمداری پر مامور رہتے تھے۔ لہٰذا بدرجہ اولیٰ وہ اور ان کی زوجہ فاطمہ کنیزیں دیئے جانے کی مستحق تھیں۔ گر اس صورت میں پیغمبر اسلام فاطمہ کو صاف جواب دیدیتے تو بھی قانون عدالت کے منافی ہوتا۔ کیونکہ دیگر اصحاب و شرکائے غزوات کو تو غلام اور کنیزیں عطا ہوں اور فاطمہ کو باوجود استحقاق اعلیٰ کنیز نہ دی جائے۔ اور فرمائش پر بھی انکار کر دیا جائے بہرصورت بھی عدالت کے خلاف ہوتی۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے فاطمہ سے کھلے الفاظ میں انکار بھی نہ کیا۔

علاوہ ازیں پیغمبر اسلام اصول و قوانین تہذیب و معاشرہ کی عالمگیر اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا ضروری تھا۔ کہ وہ معاشرہ انسانی سے ہر اس صورت کو محو کر دیں۔ جو خلاف مساوات و عدالت ہو۔ رسم کنیزی و رسم غلامی۔ جو اس وقت اس زور و شور سے رائج تھی۔ کہ عورتیں، لڑکیاں، مرد سر بازار فروخت کئے جاتے تھے۔ اور بحالت غلامی و کنیزی سخت ترین تکالیف و مصائب برداشت کرتے تھے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے چاہا کہ انسانی معاشرہ کو اس گندگی سے صاف کر کے مساوات و عدالت کے اصول کو قائم کر دیا جائے۔ اور جو پیغمبر اسلام نے چاہا تھا۔ وہی ہو کر رہا۔ اور رفتہ رفتہ یہ رسم غلامی و کنیزی

دفرو خشگی افراد ختم ہوتی چلی گئی ۔

اب رہا یہ معاملہ کہ پیغمبر اسلام نے اپنی اکلوتی بیٹی کو بھی ایک کنیز دیدی تھی۔ آخر آپ نے مذکورہ بالا وجوہ کے بعد بھی ایک کنیز بحصہ فاطمہ ہبہ کردی ۔ اس کی وجہ کیا تھی ؟ ان حالات کے سمجھنے کیلئے تاریخی عبارات کا ہبہ کنیز کے بارہ میں مطالعہ کرنا ضروری ہے ۔ ملاحظہ ہو :-

(۱) ناسخ التواریخ جلد چہارم کتاب دوم صفحہ ۳۴۱ :-

در صحیحین مرقوم است کہ ان علیا اشتکی مما اندّ یالقرب فقالت فاطمة واللّٰہ انی اشتکی یدی مما اطحن بالرحی یعنی علی علیہ السلام شکایت کرد کہ چنداں حمل مشک نمودہ ام کہ بدن مرا بیازرد ولپوست مرا بیر اگندہ است وفاطمہ شکایت فرمود کہ دستہائے من از زحمت گردانیدن آسیا از کار شدہ است ۔ چوں دریں وقت در حضرت رسول خدا گروہے از اسیران حاضر بودند ۔ امیر المومنین علیہ فاطمہ را فرمود بنزدیک پدر شود خدمتگارے طلب کن لاجرم فاطمہ بحضرت رسول آمد وسلام داد وجواب بستد ولی آنکہ اظہار حاجت کند مراجعت فرمود ۔ امیر المومنین علی فرمود بگو تا چہ داری فقالت واللّٰہ ماستطعت ان اکلم رسول اللّٰہ من ہیبتہ عرض کرد سوگند بخدا از ہیبت رسول خدا نیروے سخن کردن نیافتم ایں وقت علی فاطمہ را بر داشت وبحضرت رسول آمد پیغمبر فرمود ہمانا حاجتے

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں لکھا ہے ۔ کہ علی نے شکایت کی کہ مشک اٹھاتے اٹھاتے میری جلد شگافتہ ہو گئی ہے ۔ فاطمہ نے کہا قسم بخدا میں شکایت کرتی ہوں کہ چکی پیستے پیستے میرے ہاتھ بیکار ہو گئے ہیں ۔ جبکہ پیغمبر اسلام کے سامنے ایک جماعت قیدیوں کی موجود تھی ۔ تو علی نے فاطمہ سے کہا کہ تم اپنے باپ کی خدمت میں جاؤ اور ایک خدمتگار طلب کرو ۔ فاطمہ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئیں اور سلام عرض کیا ۔ پیغمبر اسلام نے جواب سلام دیا ۔ پھر فاطمہ بغیر اپنی حاجت کے بیان کئے واپس آ گئیں ۔

علی نے فاطمہ سے کہا کہو کیا چاہتی ہو ۔ فاطمہ نے عرض کیا کہ قسم بخدا میں جب خدمت پدر بزرگوار میں حاضر ہوئی تو رعب پدر سے میں کچھ عرض نہ کر سکی ۔ علی نے اس وقت فاطمہ کو ہمراہ لیا اور خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے ۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تم کو اس وقت کیا حاجت ہے علی نے عرض کیا اور تمام واقعہ فاطمہ کے

شمارا بدیں جانب جنبش امیرالمومنین
علی صورت حال را بشرح کرد فقال
لاولکنی ابیعهم وانفق اثمانهم علی
اهل الصفه وعلمها تسبیح الزهرا
پیغمبر فرمود از جماعت اسیران فاطمه را
خدمتگارے نمی دہم وایشاں را می فروشم
وبہائے ایشاں را باصحاب صفہ بذل می
فرمائیم ودرازائے آں فاطمہ را تسبیح زہرا
بیاموخت ودر کتاب شیرازی مسطور است
وقتیکہ فاطمہ شرح حال خویش را در
حضرت رسول خدا العرض رسانید وجاریہ
طلب نمود آنحضرت بگریست۔ فقال
یا فاطمه والذی بعثنی بالحق ان فی
المسجد اربع مائة رجل مالهم
طعام ولاثیاب ولولا خشیتی
خصلة لاعطیتك ما سألت
یا فاطمه انی لا ارید ان ینفك عنك
اجرك الی جاریة وانی اخاف لاعطیتك
ان یخصمك علی ابن ابی طالب یوم
القیامه بین ید الله عزوجل اذا
طلب حقه عنك ثم علمها صلوٰة
التسبیح . . . .
جب فاطمه مراجعت فرمود فقال امیرالمومنین
علی مضیت تریدین من رسول الله الدنیا
فاعطانا الله ثواب الآخرة - ابوہریرہ

آنے کا بیان کیا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں
کنیز تو نہیں دوں گا۔ بلکہ ان اسیروں کو
فروخت کروں گا اور ان کی قیمت کو اہل
صفہ (غریب مسلمان جو مسجد میں رہتے ہیں)
پر تقسیم کروں گا اور بعوض کنیز دینے کے پیغمبر
اسلام نے فاطمہ کو تسبیح کی تعلیم دی۔
کتاب شیرازی میں مرقوم ہے کہ جب فاطمہ
نے اپنی درخواست خدمت رسول میں پیش کی
اور ایک کنیز طلب کی اس وقت پیغمبر اسلام
رونے لگے اور فرمایا اے فاطمہ قسم اس ذات
اقدس کی جس نے مجھ کو برحق نبی بنایا ہے۔
کہ مسجد میں چار سو مسلمان ایسے رہتے ہیں کہ
جنکو نہ کھانا نصیب ہے اور نہ کپڑا میسر ہے
اور اگر مجھ کو خوف خدا نہ ہوتا۔ تو میں تمہارے
سوال کو پورا کر دیتا۔ اے فاطمہ میں نہیں
چاہتا کہ تمہارے اجر وثواب کو کنیز کی طرف
منتقل کر دوں۔ اور تم کو اس سے محروم رکھوں
مجھ کو خوف ہے کہ اگر میں نے تم کو کنیز دیدی
تو علی ابن ابی طالب روز قیامت پیش خدا
تم سے اپنا حق طلب کریں گے۔ پھر آپ نے
فاطمہ کو تسبیح کی تعلیم دی۔
جب فاطمہ خدمت رسول سے واپس
ہوئیں۔ تو علی نے فاطمہ سے کہا۔ اے فاطمہ
تم خدمت رسول میں دنیا کی ایک چیز طلب
کرنے گئی تھیں۔ مگر رسول خدا نے ہمکو ثواب

می گوید وقتے بیروں شد فاطمہ زہرا از نزول رسول خدا ایں آیت مبارکہ بردے فرود آمد۔ واماتعرضن عنھم ابتغاء رحمۃ من ربك ترجوھا فقل لھم قولا میسورا۔ یعنی اے محمد در طلب رزق و رحمت خدا از قرابت و فرزندی فاطمہ اعراض می فرمائی پس باایشاں سخن نیکو می فرمائی۔ بالجملہ بعد از نزول ایں آیت مبارکہ رسول خدا کنیز کے کہ فضہ نام داشت نزد فاطمہ فرستاد۔

آخرۃ عطا فرمایا۔ ابوہریرہ نے کہا ہے کہ جب فاطمہ زہرا خدمت رسول سے واپس آگئیں تو خداوند عالم نے اپنے رسول پہ یہ آیت نازل فرمائی۔ واماتعرضن عنھم ابتغاء رحمۃ من ربک ترجوہا فقل لھم قولا میسورا۔ یعنی اے محمد رحمت و رزق طلب کرنے کے بارہ میں تم اپنے قرابت داروں فاطمہ سے اعراض کرتے ہو تم ان کے ساتھ نرم قول کہو۔ آخر کار اس آیت کے نزول کے بعد پیغمبر اسلام نے ایک کنیز فضہ نام کی فاطمہ کو عطا فرمائی۔

۲ ناسخ جلد چہارم ص۳۴۵۔

پس پرسیدم کہ کیست ایں زن گفتند فضہ کنیز فاطمہ است اکنوں بست سال است کہ بیروں قرآن سخن نہ کردہ است۔

پس میں نے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے لوگوں نے کہا کہ فاطمہ کی کنیز ہے۔ اب بیس سال ہو چکے ہیں کہ علاوہ آیات قرآن کے دوسرا کلام زبان سے نہیں نکالا۔

(۳) جلاء العیون ص۱۰۲۔

جناب سلمان کسی ضرورت سے خانہ فاطمہ میں آئے۔ دیکھا کہ سیدہ فاطمہ جو چکی پیس رہی ہیں پیسنے کی محنت سے دونوں ہاتھ زخمی ہو گئے ہیں۔ چکی کی کھونٹی خون آلودہ ہو رہی ہے۔ قریب ایک گوشہ میں امام حسین بھوک کی شدت سے رو رہے ہیں۔ سلمان کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں بیقرار ہو گیا اور میں نے فاطمہ کی خدمت میں عرض کی کہ فضہ کے ہوتے آپ اتنی مشقت اپنی جان پہ کیوں اٹھاتی ہیں۔ اور یہ خدمت فضہ سے کیوں نہیں لیتیں۔ فاطمہ نے فرمایا۔ اے سلمان فضہ کو دیتے وقت میرے پدر بزرگوار نے مجھ پر تاکید فرما دی ہے کہ ایک دن گھر کا کام کاج میں کیا کروں۔ اور ایک دن فضہ۔ اس حساب سے آج میری باری کا دن ہے فضہ کا نہیں۔ اسلئے میں فضہ کو تکلیف دینا نہیں چاہتی ہوں۔ سلمان کا بیان ہے کہ میں یہ سنکر بے اختیار رونے لگا۔ اور میں نے عرض کیا کہ میں تو آپ کا آزاد کردہ غلام ہوں۔ مجھے حکم دیجئے کہ حسین کو بہلالوں۔ یا چکی پیس دوں۔ ارشاد ہوا کہ حسین میرے بغیر نہ بہلے گا۔ میں اسے بہلائے بیٹھی ہوں۔ تم اتنے میں جو پیس دو۔ سلمان نے حکم کی تعمیل کر دی۔

نتیجہ خلاصہ عبارات ۔ مذکورہ تاریخی حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ :-

(۱) علی و فاطمہ آب کشی و چکی چلانے کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھے ۔

(۲) فاطمہ بمشورہ شوہر خدمت رسول میں گئیں اور ایک کنیز طلب کی اور اپنی تکالیف کا اظہار کیا ۔

(۳) پیغمبر اسلام کے سامنے اسیروں کی ایک جماعت تقسیم کیلئے موجود تھی ۔

(۴) پیغمبر اسلام نے علی اور فاطمہ کو کنیز دینے سے انکار کر دیا ۔ اور فرمایا کہ اہل صفہ غریب نادار ہیں ۔ ان قیدیوں کا فدیہ و معاوضہ ان میں تقسیم کروں گا ۔

(۵) پیغمبر اسلام مصیبت و تکلیف علی و زہرا کو سنکر روئے اور آپ نے ان کی تکلیف کا پورا احساس کیا ۔۔

(۶) جب حکم خدا پیغمبر اسلام کو ملا ۔ کہ فاطمہ کو بحیثیت قرابت داری کے محروم نہ کیا جائے تو پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو فضہ کنیز عطا کر دی ۔

(۷) بقول صاحب جلاء العیون ۔ پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو حکم دیا کہ وہ فضہ سے ایک دن کام لیں اور دوسرے روز خود کام کیا کریں ۔ دونوں میں باری باری گھر کے کام کو تقسیم کر دیا ۔

(۸) باوجود سخت محنت کے اور جبکہ فاطمہ کے ہاتھوں سے چکی پیستے پیستے خون نکلنے لگتا تھا ۔ فاطمہ تعمیل حکم پیغمبر کرتی تھیں اور فضہ کو ایک دن آرام دیتی تھیں اور خود کام کرتی تھیں ۔

مذکورہ دفعات سے بخوبی واضح ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے عدالت و مساوات کا وہ نمونہ پیش کیا ہے جو تاریخ عالم میں اپنی آپ ہی مثال ہے ۔ صفحات تاریخ کسی صاحب اقتدار و صاحب جاہ و حشم کی اکلوتی لڑکی کے یہ حالات پیش نہیں کر سکتے ہیں ۔

اب آپ اس کی گہرائیوں پر نظر ڈالیں ۔ اگر پیغمبر اسلام فاطمہ اور علی کو ان کے حصہ کی کنیزیں اور غلام عطا کر دیا کرتے ۔ تو پھر فاطمہ کو سوال کنیز کی ضرورت پیش نہیں آتی ۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام اپنے نفس اور اپنی اولاد کیلئے ہر قسم کی تکلیف اٹھانے کو اپنا فریضہ منصبی سمجھتے تھے ۔ اور اس مال کو غریب مسلمانوں میں تقسیم کر دینا ہی انسانی مساوات کا مترادف سمجھتے تھے ۔ اس لئے وہ ہر موقعہ و ہر غزوہ پر کنیز و غلام سے اپنے کو اور اپنے عیال کو محروم رکھتے تھے ۔ دوسری بات یہ تھی کہ پیغمبر اسلام رسم کنیزی و غلامی کو پسند نہیں فرماتے تھے ۔ اور نہ اس کا رواج آئندہ کیلئے چاہتے تھے ۔ لہٰذا اکثر قیدیوں کو آزاد کر دیا کرتے تھے ۔ اور اصحاب کو ترغیب دیتے تھے کہ وہ کنیز و غلاموں کو آزاد کر دیا کریں ۔ یہی وجہ تو تھی کہ انہوں نے فاطمہ سے انکار کر دیا کہ وہ کنیزیں نہیں دیں گے ۔ بلکہ اس کے عوض فاطمہ کو تسبیح زہرا سکھا دی ۔

تیسرا معاملہ یہ ہے کہ بحکم قرآن و بحکم خدا پیغمبر اسلام کا اولین فریضہ تھا کہ بحیثیت عہدہ جلیلہ نبوت تعمیل ارشاد خدا بدرجہ اتم بجالائیں۔ لہٰذا آپؐ نے فاطمہ کو فضہ عطا کر دی۔ مگر اس عطیہ میں بھی آپؐ نے انسانی مساوات و عدالت کا کامل لحاظ و پاس رکھا۔ اور فاطمہ سے کہہ دیا کہ فضہ تم کو دی تو جاتی ہے مگر بیٹی اگر تم محمد کی اکلوتی و چاہیتی بیٹی ہو تو بیشک اپنی جگہ درست ہے۔ مگر فضہ بھی مجھ کو اتنی ہی عزیز ہے۔ کیونکہ بلحاظ نوع بشری و بلحاظ قبول ایمان اس کے حقوق بھی مجھ پر ہیں۔ لہٰذا گھر کی خدمات کی تقسیم اس طرح کرو کہ ایک دن گھر کا سارا کام تم خود کرو۔ اور ایک روز فضہ کرے گی۔۔

پیغمبر اسلام نے اپنے اس قول اور اس طریقہ سے اہل عالم پر ظاہر کر دیا ہے کہ محمد و آل محمد ہر فرد انسانی کو مساوی و ہم درجہ و ہم مرتبہ جانتے ہیں۔ اگر فضہ کسی دوسرے کے حصہ میں جاتی۔ تو کنیز بن کر رہتی مگر جب وہ اہل بیت محمد کے گھر میں آگئی تو اس کا درجہ بلحاظ نوع اتنا بلند ہوا کہ وہ پیغمبر اسلام کی بیٹی کی شریک کار ہو گئی اور نگاہ پیغمبر اسلام میں اس کی تکلیف و محنت خانہ داری اتنی ہی اہم ہو گئی جتنی کہ فاطمہ کی خدمات خانہ داری اہم تھیں۔ پیغمبر اسلام نے اپنے اس طریقہ سے فاطمہ کو کنیز عطا کر کے اہل عالم کو عموماً و اہل اسلام کو خصوصاً یہ درس دیا ہے کہ وہ کسی انسان حتیٰ کہ غلام و کنیز پر بھی نگاہ حقارت نہ ڈالیں۔ بلکہ ان کو بھی اپنا مثل و نظیر و ہم مرتبہ سمجھیں۔ یہ تھی وہ عدالت پیغمبر اسلام جس پر عمل کرنے سے فلاح دارین حاصل ہو سکتی ہے۔

واقعہ نمبر پنجم عدالت و مکافات

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۶

(۱) بسند معتبر امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ ایک بار ایک سائل خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ اور کوئی چیز مانگی۔ اس وقت پیغمبر اسلام کے پاس کچھ نہ تھا۔ آپؐ نے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آیا کوئی آدمی ہے جو مجھ کو قرض دیدے انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ہے۔ پیغمبر اسلام نے اس سے کہا کہ چار وسق خرما اس سائل کو دیدو۔ اس انصاری نے چار وسق خرما اس سائل کو دیدیا۔

اس واقعہ کو بہت دن گذر گئے۔ ایک دن وہ انصاری آیا اور اس نے اپنا قرضہ پیغمبر اسلام سے طلب کیا۔ پیغمبر اسلام نے کہا کہ جب مجھ کو ملے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ وہ کچھ دنوں کے بعد پھر آیا پھر اس نے قرض طلب کیا۔ پھر یہی جواب ملا۔ وہ تیسری بار آیا اور کہا کہ اے خدا کے رسول آپ ہر مرتبہ یہی فرما دیتے ہیں میرا قرضہ مجھ کو نہیں دیتے۔ بات نا ملائم اور خلاف شان تھی مگر پیغمبر اسلام اس کے اس کلام کو سنکر مسکرائے اور آپ نے پھر اصحاب کو مخاطب کیا اور فرمایا۔ آیا کوئی ہے جو

قرض دے ایک شخص نے عرض کیا کہ میرے پاس ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کتنا ہے۔ اس نے عرض کیا جتنا آپ چاہیں آپ نے فرمایا کہ آٹھ وسق خرما اس مرد انصاری کو دیدو۔ اس انصاری نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسول میں نے صرف چار وسق خرما دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے چار وسق مزید تجھ کو بخشا قبول کر۔

(۲) امام جعفر صادق نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ جب پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی تو آپ کے پاس نہ درہم اور نہ دینار تھے نہ غلام نہ کنیز تھی۔ نہ بکری تھی نہ اونٹ بجز سواری کے اونٹ کے جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی تھی جس کے عوض میں آپ نے اپنے اہل و عیال کیلئے بیس صاع جو لئے تھے۔ اور امام صادق نے فرمایا کہ جب پیغمبر اسلام مسجد نبی میں فقراء مسجد میں سوتے تھے تو پیغمبر اسلام شبکوان کے ساتھ افطار کرتے اور آپ کے منبر کے قریب ایک پتھر کی دیگ تھی تیس افراد اس سے سیر ہو جاتے تھے۔

انتساب نتائج۔ مذکورہ دونوں روایات سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام کا ہر عمل عدل و انصاف پر مبنی تھا۔ مرد انصاری کو ۴ وسق خرمہ کے عوض آٹھ وسق خرما عطا فرمایا۔ عدل تو یہ تھا کہ اس کے قرضہ کے مطابق درہم تعداد ہی ادائے قرض کیا جاتا۔ مگر آپ نے بہ تفضل و کرم چار وسق مزید دیکر اعلیٰ مساوات و عدالت برتی و نیز دوسری روایت سے واضح ہوا کہ آپ بوجہ ایثار و کرم کے بحالت عسرت زندگی بسر کرتے تھے مگر باوجود اس تنگدستی کے کسی خاص و عام اپنے بیگانہ کے سوال کو رد نہ فرماتے تھے۔ اور مساوات و عدالت کا یہ حال تھا کہ آپ غرباء امت کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ تاکہ تفوق و برتری کا خیال خواص و عوام امت کے دل سے مٹ جائے اور ایک کو دوسرا اپنا ہم مرتبہ و ہم درجہ و ہمدرد سمجھتا رہے۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ الناس علی دین ملوکہم ۔ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین و طریقہ کے پیرو ہوا کرتے ہیں۔ لہٰذا پیغمبر اسلام بلحاظ سردار قوم و قائد ملت ہونے کے غرباء امت کے ساتھ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ تاکہ عدالت و مساوات بین الناس کا رواج عام ہو جائے۔

واقعہ سی و ششم۔ عدالت و حسن شرکت

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۱۸:

(۱) عمار بن یاسر سے منقول ہے کہ پیغمبر اسلام کی بعثت سے قبل میں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور پیغمبر اسلام بھی بکریاں چراتے تھے۔ عمار یاسر نے عرض کیا مقام فخ میں اچھی چراگاہ ہے۔ بہت اچھا ہو کہ ہم اور آپ دونوں اس چراگاہ میں بکریاں چرائیں دوسرے روز میں اس چراگاہ میں گیا۔ دیکھا تو پیغمبر اسلام پہلے سے وہاں موجود ہیں اور آپ اپنی بکریوں

کے غلہ کو اس چراگاہ میں داخل ہونے سے روک رہے ہیں۔ بہر حال جب میں پہنچ گیا تو فرمایا اے عمار میں نے نہیں چاہا کہ تمہاری بکریوں سے پہلے میری بکریاں چراگاہ میں داخل ہوں اور چارہ کھائیں۔

(۴) امام صادق نے فرمایا کہ ایک دن ایک بدریہ عورت پیغمبر اسلام کی طرف سے گزری۔ اس نے دیکھا کہ محمد صلعم زمین پر بیٹھے کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ گفت اے رسول اللہ تو بروش بندگان طعام می خوری و بروش بندگان می نشینی آنحضرت فرمود کہ کدام بندہ از من بندہ تر است۔ یعنی اس عورت نے کہا کہ اے خدا کے رسول آپ غلاموں کی مانند زمین پر بیٹھتے ہیں اور زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ کونسا بندہ مجھ سے زیادہ تر بندہ ہے۔

واقعات مذکورہ نے واضح کیا کہ پیغمبر اسلام از عہد طفلی و جوانی تا عہد پیرانہ سالی و تا آخر وقت قوانین عدالت و مساوات پر عمل کرتے رہے۔ آپ کا اعلیٰ و ادنیٰ کوئی فعل بھی خلاف عدالت نہیں ہوتا تھا

حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۲۱

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام اپنے اصحاب پر مساویانہ نظر کرتے تھے۔ اور ایک صحابی کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ دیر تک نہیں دیکھتے تھے۔

درحقیقت پیغمبر اسلام ہی وہ اعلیٰ معلم اخلاق کہے جا سکتے ہیں جن کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔ مال و دولت وغیرہ تو درکنار صرف معاملہ نظر بھی پیغمبر اسلام کے نزدیک اہم تھا کہ آپ اپنی نظر بھی بطریق عادلانہ دوسروں پر ڈالتے تھے۔ یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ کسی کو کسی پر تخصیص حاصل نہ ہو۔ اور طبقات یا افراد بنی نوع انسانی میں تفریق پیدا نہ ہو۔ اور سب مساوی الحیثیت سمجھے جائیں اور ایکدوسرے کو مساوی سمجھیں۔

حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۲۵

واقعہ سی و ہفتم عدالت و شفقت

امام جعفر نے فرمایا کہ کچھ مال پیغمبر اسلام کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے اہل صفہ کو تقسیم کیا۔ ان میں سے بعض کو ملا اور بعض کو نہ مل سکا۔ پس آپ کو احساس ہوا کہ جن کو مال نہیں ملا ہے وہ تنگدل و افسردہ خاطر ہوں گے تو آپ نے باہر آ کر فرمایا۔ اے اہل صفہ عذر می خواہم بسوئے شما و بسوئے خدا بدرستیکہ مال برائے ما آوردند و خواستیم کہ بر شما قسمت کنم گنجائش نداشت۔ پس مخصوص کردیم بآں جمع را کہ از جنع ایشاں ترسیدم از بسیار پریشانی۔

یعنی اے اہل صفہ میں تم سے و خدا سے معذرت چاہتا ہوں۔ کہ تمہارے لئے کچھ سامان لایا گیا تھا۔ میں نے چاہا کہ تم سب پر تقسیم کر دیا جائے۔ مگر اس میں گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا میں نے صرف ان لوگوں کو دیدیا جو زیادہ

پریشان تھے۔ اور خوف تھا کہ ان کی پریشانی ان کو آہ و بکا پر آمادہ کر دے۔

اگر پیغمبر اسلام نے مستحقین کو اپنا مال دیدیا تھا۔ تو عذر خواہی کی کیا ضرورت تھی۔ مگر فطری اقتضاء عدالت یہ ہوا کہ آپ اہل صفہ و خدا سے معذرت چاہیں۔ تاکہ جن کو مال کا حصہ نہیں ملا تھا وہ تنگ دل نہ ہوں۔ پیغمبر اسلام نے تقسیم مال میں عدالت برتی خاص مستحقین کو دیا۔ اور یہ بھی آپ کی عدالت تھی کہ دیگر اصحاب صفہ کی دلجوئی معذرت سے کر دی۔

واقعہ سی و ہشتم، عدالت، شفقت

حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ :- ترجمہ

(۱) پیغمبر اسلام عید الضحیٰ کے دن دو گوسفند قربانی کرتے تھے ایک اپنی جانب سے اور ایک دوسری ہر ایک اس فرد امت کی جانب سے جو قربانی نہ کر سکتا ہو۔

(۲) پیغمبر اسلام نے مدینہ کے باغ کے مالکوں کو حکم دیدیا تھا کہ فصل بہار میں باغوں کے گرد چار دیواری نہ بنائیں یا دیواروں میں دروازے رکھا کریں تاکہ ہر رہگذر اور غریب پھلوں کو کھا سکے اور خدا کی نعمتوں کا دروازہ کسی غریب پر بند نہ رہے۔

(۳) حیات القلوب صفحہ ۲۳۵ جلد ۲ :-

ا ۔ از انس منقول است کہ گفت من نہ سال خدمت آنحضرت کردم یکبار بمن نہ گفت کہ چرا چنیں نہ کردی و ہرگز کارے را بجائے من عیب نہ کرد۔

انس سے منقول ہے کہ بیان کیا کہ میں نے نو سال پیغمبر کی خدمت کی۔ کبھی مجھ سے نہ کہا کہ تو نے کیوں ایسا نہ کیا اور کبھی میرے کام پر عیب نہ لگایا۔

ب ۔ روزے اعرابی آمد و ردائے مبارکش را بعنف کشید بحدیکہ در گردن مبارکش غبائے کنارہ ردا ماند پس گفت از مال خدا چیزے بمن بدہ۔ آنحضرت از روئے لطف باو التفات فرمود و خندید و فرمود کہ باو عطا دادند پس حق تعالیٰ فرستاد۔ انک لعلیٰ خلق العظیم۔

ب ۔ ایک دن ایک اعرابی آیا اور آپ کی ردا (چادر) کو اتنا زور سے کھینچا کہ آپ کی گردن میں صرف چادر کا کنارہ رہ گیا اور کہنے لگا کہ خدا کے مال میں سے مجھ کو کچھ دیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے بہ محبت اسکی طرف دیکھا اور مسکرائے اور حکم دیا کہ اس کو کچھ دیا جائے حکم کی تعمیل کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے اس صلہ میں پیغمبر اسلام کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ انک لعلیٰ خلق العظیم۔ بیشک آپ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

اگر واقعات مذکورہ کا تعلق صفت سخاوت سے ہے۔ مگر چونکہ اس صورت واقعہ میں اشتعال نفس کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس پر پیغمبر اسلام کا اس اعرابی کو عطیہ دیدینا گویا آپ نے بیک وقت دو جذبات سے کام لیا ایک تو ضبط نفس دوسرے اس ضبط نفس کے صلہ میں بجائے غضب کے عطیہ دے دینا تو یہ جذبہ صرف آپ کی عدالت کا پتہ دیتا ہے اور یہ فعل اس شخص سے واقعہ ہو سکتا ہے۔ جو کمال صفت عدالت کا مالک ہو۔

واقعہ سی نہم، عدالت

حیات القلوب جلد دوم ص ۲۳۶ ترجمہ :۔

جابر انصاری نے بیان کیا ہے کہ پیغمبر اسلام ۲۱ جنگوں میں خود ہمراہ تھے (۱) اور میں ان کے ہمراہ ۱۹ جنگوں میں رہا۔ بعض جنگوں یا غزوات میں ایسا ہوتا تھا کہ بعض سواری کے اونٹ تھک کر بیٹھ جاتے تھے۔ لہذا پیغمبر اسلام کا یہ طریقہ تھا کہ خود سب کے پیچھے چلتے تھے اور ضعیف و کمزور لوگوں کو اپنے اونٹ پر بٹھا کر آگے پہنچا دیتے تھے۔ اور ان کیلئے دعائے خیر کرتے تھے۔

(۲) جابر کہتے ہیں کہ :۔

چوں آنحضرت سوارہ می رفت نمی گذاشت	جب پیغمبر اسلام سوار ہو کر راستہ طے کرتے
کسے را کہ با او پیادہ رود تا آنکہ او را ردیف	تھے کہ آپ کو یہ گوارہ نہ تھا کہ کوئی شخص
خود می کرد و اگر قبول نہ کرد می فرمود کہ	آپ کے ہمراہ پیدل چلے حتیٰ کہ آپ اس کو
پیش برو و در فلاں مکاں مرا دریاب	اپنا ردیف بنا لیتے تھے اور اگر وہ آپ کے

ساتھ نہیں بیٹھنا چاہتا تھا تو آپ اس سے فرماتے کہ تم آگے چلے جاؤ اور فلاں مقام پر مجھ سے ملاقات کرنا۔

ان ہر دو واقعات سے بھی یہی امر واضح ہوا کہ پیغمبر اسلام ہر موقعہ پر عدالت و مساوات کو پیش نظر رکھتے تھے۔ اور اس عدالت کو قائم رکھنے کیلئے ہر ممکن تکلیف برداشت کرتے تھے۔

واقعہ چہلم، عدالت، حسن قضا و صلہ رحم و حسن شرکت و تسلیم و توکل۔

صفحات سابقہ میں تحریر ہو چکا ہے کہ فضیلت عدالت کے تحت صفت حسن قضا و صلہ رحم و حسن شرکت بھی ہے .... حسن قضاء یہ ہے کہ کسی کے حقوق کو بے منت و ندامت کے ادا کیا جائے اور صلہ رحم یہ ہے کہ اپنے اقرباء کے ساتھ بہ نیکی پیش آئے اور حسن شرکت خوش معاملگی کو کہتے ہیں۔ مختصر تعریفات یہاں لکھدی گئی ہیں۔ بعض واقعات زندگی پیغمبر اسلام میں ایسے گذرے ہیں کہ وہ کئی اجناس فضائل کو اپنے دائرہ میں لئے

ہوئے ہیں سگر چونکہ حقوق کا ادا کرنا یا حقوق اقربا کا ادا کرنا یا معاملہ لین دین میں بے انصاف پیش آنا یہ سب امور عدالت ہی پر منحصر ہیں اور یہ بغیر عدالت کے بجا نہیں لائے جا سکتے۔ مثلاً۔ زید پر اس کے چچا کا یہ احسان ہے کہ زید کو بحالت یتیمی پرورش کیا۔ اور جوان ہونے پر با روزگار کرکے اس کی خانہ آبادی کردی۔ اس صورت میں عدالت زید یہ ہے کہ وہ بحالت فراغت اپنے چچا کے حقوق کو اس طرح ادا کرے کہ نہ اس میں اظہار منت واحسان ہو اور نہ چچا کو ندامت ہو۔ اسی طرح صلہ رحم اور حسن شرکت بھی ہے۔

صلہ رحم حقوق اقرباء کے متعلق ہے۔ اور حسن شرکت میں اقرباء وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ جو بھی آپ کے ساتھ کوئی معاملہ کرے اس کے جواب میں آپ کو اس کے ساتھ خوش معاملگی برتنا چاہیے اور یہ خوش معاملگی اس بات کا معاوضہ ہے کہ اس شخص نے آپ کے ساتھ خوش معاملگی کا ثبوت دیا تھا۔ لہٰذا اس کا جواب یہ خوش معاملگی دینا ہی عدالت ہے۔ اور بقول قرآن ہل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ اگر احسان کا بدلہ احسان نہ دیا جائے تو ظلم ہے۔ اور اگر احسان کا بدلہ احسان دیا جائے تو عین عدالت ہے۔

پیغمبر اسلام کے چچا ابو طالب ابن عبدالمطلب کا واقعہ اس موقعہ پر قابل ذکر ہے۔ چونکہ تاریخ اسلام کا اہم واقعہ ہے اور عہد قدیم سے معرض اختلاف و بحث میں ہے لہٰذا میں اس معاملہ میں تاریخی اسناد پیش کرتا ہوں اور واقعہ کی صلی ذہنیت پیش ناظرین کرتا ہوں۔ تاکہ خود صاحبان انصاف صحیح نتیجہ حاصل کرسکیں۔

ابو طالب عم رسولؐ

تاریخ طبری مولفہ محمد بن جریر طبری و مترجم فارسی ابو علی بن محمد البلعمی ص ۳۷۹:

چوں نماز کردندے بجا نہاں شدندے و بازبکوہ حراء رفتندے و ‌چنیں کسے کہ آگاہ شد ابو طالب بود و با پیغمبرے گفت ایں چہ دین است کہ تو درمیان آوردی۔ آنحضرت او را آگاہ کرد و بدین اسلام خواند ابو طالب گفت من از دین پدر خویش دست باز ندارم اگر خدائے تعالیٰ ترا کارے فرمودہ است آنرا ہمی کن من ترا محافظت می کنم تا کسے ترا رنج ندارد پس روزے ابو طالب علی را دید کہ نماز می کرد

جب محمد و علی نماز پڑھتے تھے تو گھروں میں چلے جاتے تھے اور پھر کوہ حرا جاتے تھے اور سب سے پہلے جس کو نماز کی خبر ہوئی تو وہ ابو طالب تھے۔ پیغمبر سے پوچھا یہ کیا دین ہے۔ پیغمبر نے بتلایا اور دعوت اسلام دی۔ ابوطالب نے کہا کہ میں اپنے باپ کے دین کو نہ چھوڑوں گا۔ اگر خدا نے تم کو نبوت سپرد کیا ہے تو وہ کام پورا کرو میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ تاکہ کوئی تم کو تکلیف نہ پہنچائے پس ابو طالب نے ایک دن دیکھا کہ علی نماز پڑھ رہے ہیں ابو طالب نے پوچھا یہ کیا دین ہے۔ علی نے کہا کہ

ابوطالب گفت ایں چہ دین است گفت دین
محمد است گفت اے پسر ایں دین را نگہدار
کہ او دروغ نگوید ۔

(۲) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمرکت
آمد و قریش بر آنجا ہمہ جمع آمدہ بودند و ایں
ایت را بر ایشاں خواند انکم ما تعبدون
من دون اللہ حصب جہنم انتم
لہا واردون ۔ ایشاں ہمہ آہنگ او
(۱) کردند و او را از مسجد بیروں کردند و گفتند
مارا بیش ازیں شکیبائی نماند خدایان مارا
دشنام می دہی و می گوئی کہ پدراں شما ہمہ
بدوزخ اند و با ابوطالب گفتند او را بگو کہ
بعد ازیں خدایان ما را دشنام ندہد و خدائے
قریش و دین خویش را ندا ندہد اگر چنیں
نکند مارا واجب شود کہ او را بزنیم و ازیں
شہر بیروں کنیم ۔ پس ابوطالب کس فرستاد
و پیغمبر را بخواند و ایشاں حاضر بودند ابوطالب
گفت بنگر کہ ایں گروہ ترا چہ می گویند پیغمبر
سخن ایشاں را شنید و گفت اے عم میان
من و ایں گروہ سخن یکے است ہر گاہ کہ ایشاں
بگویند کہ خدائے یکے است و من رسول ویم
زبان من بر ایشاں کوتاہ گردد اگر نگویند
تا جان با من است ایشاں را با خدا خواہم
خواند ۔ پس ابوطالب ایشاں را بسخناں
خوش باز گردانید چوں ایشاں برفتند پیغمبر

دین محمدؐ ہے ۔ ابوطالب نے کہا کہ اے بیٹا
اس دین پر قائم رہو کیونکہ محمد جھوٹ کبھی نہیں
بولتے ہیں ۔

پیغمبر اسلام قریب کعبہ آئے اور وہاں تمام
قریش جمع تھے اور ان کے سامنے یہ آیت
پڑھی ۔ کہ تم لوگ جسکی عبادت کرتے ہو علاوہ
خدائے یکتا کے وہ اور تم سب جہنم میں
جاؤگے ۔ قریش نے محمدؐ پہ حملہ کردیا اور
آپؐ کو مسجد سے نکال دیا اور کہا کہ اب ہمکو
صبر کی طاقت نہیں رہی ۔ محمد ہمارے خداؤں
کو گالیاں دیتے ہیں ۔ اور یہ کہ ہمارے ابا و
اجداد سب کو دوزخی بتاتے ہیں ۔ اور ابوطالب
سے کہا کہ محمد سے کہدو کہ وہ ہمارے خداؤں کو
گالیاں نہ دے ۔ اور اپنے خدا کا اعلان نہ
کرے ۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ہم پر ضروری
ہو جائے گا کہ ہم انکو ماریں اور جلا وطن
کریں ۔ پس ابوطالب نے کسی کو بھیج کر محمد کو
بلایا ۔ اور کل حال بیان کیا ۔ اور کہا کہ دیکھو
یہ گروہ تم کو کیا کہتا ہے ۔ پیغمبر اسلام نے سنکر
کہا ۔ چچا جان میرے اور اس گروہ کے درمیان
ایک بات ہے ۔ اگر وہ کہدیں کہ خدا ایک ہے اور
میں اس کا رسول ہوں ۔ تو پھر میں ان کو کچھ
نہ کہوں گا ۔ اور اگر وہ اقرار توحید و نبوت
کریں گے تو جب تک میری جان ہے میں ان کو
دعوت اسلام دوں گا ۔ پس ابوطالب نے

تنہا بماند ابوطالب گفت اے برادر زادہ قوم انصاف می دہند و تو انصاف نمی دہی پس آنحضرت آب از دیدگان فرود آمد و گفت یا عم من با ایشاں این سخناں کہ می گویم نہ از خویش می گویم۔ بلکہ خدا تعالیٰ می گوید کہ بگوئی و اگر ایشاں چیزے وہند کہ آفتاب بیک دست من نہند و ماہتاب بیک دست من یا مرا چنداں عقوبت کنند و دور ہم نگنجد من از آں کہ خدا فرمودہ است یک حرف کم نہ کنم و ہمچناں گریاں بیروں شد۔ ابوطالب چوں دید کہ محمد گریاں بیروں شد او را باز خواند و سر مبارکش در کنار گرفت و بوسید و گفت اے برادر زادہ ہر چہ بخواہی بکن و فرمان خدا را بجا آور دانہ ہیچکس میندیش تا من بزیر خاک اندر نشوم کسے ترا چیزے نیارند گفت تو کار خویش کن و خلائق گویند کہ ابوطالب چوں پیر شدہ است از دین آباء و اجداد خویش باز گشت دگر نہ من نیز بدین تو بگر دیدمے تا چشمہائے تو روشن گشتے۔

قریش کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا جب وہ سب چلدیئے اور پیغمبر اسلام تنہا رہ گئے تو ابوطالب نے کہا اے بھتیجے قوم انصاف سے کہتی ہے اور تم انصاف نہیں کر رہے ہو پس پیغمبر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ اے چچا جو کچھ میں کہتا ہوں اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ ان سے کہو۔ اگر وہ لوگ میرے ایک ہاتھ پہ آفتاب اور ایک پر مہتاب رکھ دیں یا مجھ کو سخت اذیت دیں۔ میں تب بھی ایک حرف کم نہ کروں گا اور آپ روتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ابوطالب نے جب دیکھا کہ محمد روتے ہوئے باہر جا رہے ہیں۔ ان کو واپس بلایا اور ان کا سر سینہ سے لگایا۔ اور بوسہ دیا اور کہا اے بھتیجے جو تمہارا دل چاہے کرو اور حکم خدا کو پورا کرو اور کسی سے نہ ڈرو جب تک میں خاک میں نہ مل جاؤں گا۔ اس وقت تک تم کو کوئی اذیت نہیں پہنچا سکتا ہے تم اپنا کام کرو۔ اور لوگ کہیں گے کہ۔ ابوطالب چونکہ بوڑھا ہو گیا ہے اپنے اجداد کے دین سے پھر گیا ہے۔ ورنہ میں بھی تمہارے دین میں داخل ہو جاتا۔ تا کہ تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں۔

(ب) چوں خدا عزوجل فرمود کہ با مشرکان جنگ کن۔ قولہ عزوجل اقتل المشرکین کافۃ پس مشرکان خیرہ شدند ....

جب خدا کا حکم آیا کہ مشرکوں سے جنگ کرو اور حکم قرآن نازل ہوا کہ سب کافروں کو قتل کر دو تو مشرک یہ سنکر پریشان ہو گئے

پس مشرکاں نزد ابوطالب آمدند و شکایت کردند واز محمد گلہ کردند و گفتند ایں زمان انہ اندیشہ گذشت د بخون ریختن و جنگ کردن انجامید مبادا اگر پسران قریش دست برآورند و او را بکشند آنگاہ قریش و بنو ہاشم باہم دشمن شوند و درمیان خون افتند محمد را بما دہ تا او را بکشیم و مادر عیوض عمارہ را تو بدہیم ابوطالب چوں ایں سخن بشنید بخندید و گفت در جہاں ہرگز ہیچ کس چنیں نہ کردہ است کہ فرزند خویش را بکشتن دہد و فرزند دیگراں را پرورد پس ایشاں ناامید شدند

اور ابوطالب کے پاس آئے اور شکایت محمدؐ کی اور کہا اب بات بہت بڑھ گئی ہے اور اب خون بہانے اور جنگ کی نوبت آگئی ہے۔ مبادا جوانان قریش ہاتھ اٹھائیں اور محمدؐ کو قتل کردیں اس وقت قریش اور بنی ہاشم باہم دشمن ہو جائیں گے۔ اور ان کے درمیان خون ریزی ہو جائے گی۔ لہذا آپ محمد کو ہمکو دیجئے تاکہ ہم اسے قتل کردیں۔ اس کے عوض میں ہم تم کو عمارہ دیتے ہیں۔ ابوطالب نے یہ سنا تو مسکرائے اور کہا کہ دنیا میں کبھی کسی نے ایسا نہیں کیا ہے کہ اپنے بیٹے قتل ہونے کیلئے دیدے اور دوسرے لڑکے کو پرورش کرے۔ پس قریش ناامید ہوگئے۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونا، تسلیم وتوکل :-

(ج) پس مشرکان مکہ گفتند حیلت آنست کہ ما از محمد و از متابعاں او جدا شویم و با ایشاں نیامیزیم و سخن با ایشاں نگوئیم و از ایشاں زن نخواہیم و زن با ایشاں ندہیم تا ایشاں در مکہ ذلیل شوند و برخیزند و بروند پس بریں نوع شرط کردند و صحیفہ بنوشتند و ہمہ اہل مکہ را بر خود گواہ گرفتند و آں صحیفہ را بر در مکہ بیاویختند پس مسلماناں بسوئے پیغمبر شدند و ہمہ قریش از دگر سوئے بودند مگر ابوطالب

(ج) مکہ کے قریش نے کہا کہ تدبیر یہ ہے کہ ہم محمد اور اس کے ماننے والوں سے الگ ہو جائیں اور ان سے نہ ملیں اور ان سے بات نہ کریں اور نہ ان کی عورت کریں اور نہ اپنی عورت ان کو دیں۔ تاکہ وہ مکہ میں ذلیل ہو جائیں اور یہاں سے چلے جائیں پس انہوں نے باہمی معاہدہ کیا اور عہد نامہ لکھا اور تمام اہل مکہ کو اس پر گواہ کیا اور اس عہد نامہ کو در کعبہ پر لٹکایا۔ پس مسلمان پیغمبر کی طرف ہوگئے اور تمام قریش دوسری جانب ہوگئے۔ ابوطالب محمدؐ کے ساتھ رہے۔

(د) چوں ابوجہل در آمد زبیر پسر عاتکہ بنت عبدالمطلب با او جنگ کرد و ابوطالب بجائے خویش تنہا نشستہ بود گفتند تا کے ایں صحیفہ

ستم اینجا آویخته باشد و بنی ہاشم بدین سختی
اندر باشند.... و این صحیفہ را باید درید

(د) پس ابوطالب قوم خود را گرد کرد و بہ مسجد
رفت و قریش در کعبہ نشستہ بودند چون
ابوطالب را دیدند خرم شدند و گفتند مگر
موافق ایشان شدہ است و گفتند یا
ابا طالب مگر دل خود بر قتل محمد کہ صلاح
ہمہ در آں است خوش کردہ ابوطالب گفت
مصلحتے آمدہ ام کہ صلاح ہمہ در آں است
اگر قبول کنید فہو المراد والا شما می دانید تا ہم
کہ بہ عداوت نوشتہ بود بیاورید ایشان
پنداشتند کہ محمد را تسلیم با ایشان خواہد
کرد بہ رفتند و آں عہد نامہ در کیسہ بود بیاوردند
ابوطالب گفت کہ محمد می گوید کہ ایں عہد نامہ
را رشمیز خوردہ است و حال آنکہ محمد ہرگز
دروغ نگوید اگر ایں راست باشد شما ترک
ظلم و جور کنید و گر دروغ باشد محمد را تسلیم
بہ شما کنم۔ چوں صحیفہ اباز کردند ہمچناں بود
کہ محمد خبر داد و بود آں صحیفہ را بدریدند
و ترک آں عہد جور و ظلم کردند و مسلمانان
از آں تنگی برستند۔

(د) چوں ابوجہل درآمد۔ جب ابوجہل آیا
زبیر پسر عاتکہ بنت عبدالمطلب نے اس
سے جنگ کی اور ابوطالب ایک جگہ تنہا
بیٹھے رہے انہوں نے کہا کہ کب تک یہ
عہد نامہ ظلم باقی رہے گا۔ اور بنی ہاشم اس
سختی میں رہیں گے۔ اس صحیفہ کو اب پارہ
پارہ کر دینا چاہیئے۔

(د) پس ابوطالب نے اپنی قوم کو جمع کیا
اور مسجد میں گئے اس وقت قریش کعبہ میں
جمع تھے جب انہوں نے ابوطالب کو دیکھا
خوش ہو گئے اور کہا شاید وہ ہماری طرف
داری پر آمادہ ہو گئے ہیں اور کہا اے
ابوطالب تم محمد کے قتل پر آمادہ ہو گئے؟
اسی میں طرفین کی بھلائی ہے۔ ابوطالب نے
کہا مصلحتاً آیا ہوں اس میں تمہاری ہماری
بہتری ہے۔ اگر تم قبول کرلو تو بہتر ہے۔
ورنہ تم جانو۔ کہا کہ جو عہد نامہ تم نے لکھا
تھا وہ لاؤ۔ قریش نے سوچا کہ ابوطالب محمد
کو ہمارے سپرد کر دیں گے۔ اس عہد نامہ کو
جو ایک تھیلے میں تھا لائے ابوطالب نے کہا
کہ محمد کہتے ہیں کہ اس عہد نامہ کو دیمک کھا گئی
ہے۔ حالانکہ محمد کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اگر یہ درست ہے تو تم ظلم ترک کر دو۔ اور اگر
محمد کی بات غلط نکلی تو ہم محمد کو تمہارے سپرد کر دیں گے۔ جب عہد نامہ کو کھولا تو وہ
مطابق قول محمد کرم خوردہ تھا۔ اس عہد نامہ کو پھاڑ ڈالا گیا اور ظلم و ستم کو ترک کر دیا گیا
اور مسلمان اس محصوری شعب ابی طالب سے رہا ہو گئے۔

(۲) چوں از نبوت آنحضرت ہفت سال
گذشت و بقولے پنج سال ابوطالب بمرد
و چنیں گویند کہ ابوطالب بیمار شد و پیغمبر
صلعم ازیں حال سخت نافتہ شد و دراں
بیماری شب و روز در خانہ ابوطالب بودے
و ہر کس کہ نزد ابوطالب رفتے باو گفتے کہ
بدیں محمد درآ کہ او امین و راست گو
است پس ابوطالب وصیت کرد .....
و عباس را بہ نگہداشت و تقویت محمد
وصیت کرد کہ اور انکو داری ہمچناں کہ
من نیکو داشتم و بدیں وے اندر شو کہ
دین وے بہترین از دین ماست ....
و چوں ابوطالب جان داد امیر المومنین
علی رضی اللہ عنہ' بنزد آنحضرت صلعم
آمد و گفت پدرم و عم تست بمرد آں حضرت
فرمود برود او را بشوے و بگور کن ۔

جب نبوت پیغمبر اسلام کو سات سال یا بقولے
پانچ سال گذر گئے تو ابوطالب کا انتقال
ہو گیا۔ بیان کیا گیا ہے کہ ابوطالب بیمار
ہو گئے۔ پیغمبر اسلام کو ان کی بیماری سے
سخت تکلیف ہوئی اور آپ بہت پریشان
ہوئے اور ابوطالب کی بیماری کے زمانہ
میں پیغمبر اسلام رات دن ابوطالب کے
مکان پر رہتے تھے۔ اور جو شخص ابوطالب
کو دیکھنے آتا تھا۔ تو ابوطالب اس سے
کہتے تھے کہ تم محمد کے دین میں داخل ہو جاؤ
کہ وہ امین اور صادق ہیں۔ اور پھر ابوطالب
نے وصیت کی .... اور عباس
بن عبد المطلب کو نگرانی و تقویت محمد کی
وصیت کی اور کہا کہ محمد کو اس طرح آرام
سے رکھنا جیسے میں آرام سے رکھتا تھا۔
اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ کہ ان
کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ جب ابوطالب نے وفات پائی تو علی نے پیغمبر اسلام
سے کہا کہ میرے باپ اور آپ کے چچا ابوطالب نے وفات پائی۔ پیغمبر اسلام نے علی سے فرمایا
کہ ان کو غسل دو اور دفن کرو۔

(۳) تاریخ طبری جلد اول ص ۱۱۲۳ ترجمہ متن :۔

فتوفی عبد المطلب بعد الفیل بثمانی
سنین وکان عبد المطلب یوصی برسول
اللہ وعمہ ابا و ان ابا طالب وعبد
اللہ ابا رسول اللہ صلعم کان لام
فکان ابا طالب ھو الذی یلی امر

واقعہ فیل کے آٹھ سال بعد عبد المطلب
کی وفات ہو گئی اور وہ رسول خدا کے متعلق
ابوطالب کو وصیت کر گئے۔ ابوطالب اور
عبد اللہ ایک ہی ماں سے تھے اس وجہ
سے رسول خدا کی تولیت و نگرانی ابوطالب

رسول اللہ بعد جدہ وکان یکون معه۔

کے سپرد ہوئی اور رسول خدا ہمیشہ ابوطالب کے ساتھ رہے۔

(۴) طبقات ابن سعد ص۷۵ جلد اوّل :۔

(۱) کان ابی طالب یحبہ شدیدا لا یحبہ ولدہ وکان لا ینام الا الی جنبہ ویخرج فیخرج معہ ویصیب بہ ابی طالب صبابۃ یصیب بھا بشئ قط۔

ابوطالب محمد سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ وہ ایسی محبت اپنے کسی بیٹے سے نہیں کرتے تھے۔ راتوں کو ہمیشہ اپنے پہلو میں سلایا کرتے تھے۔ اور جب کہیں باہر جاتے تو اپنے ہمراہ لیکر جاتے تھے اور جس چیز سے آپ کو رنج ہوتا تھا اس سے ابوطالب کو بھی برابر رنج پہنچتا تھا۔

(ب) وکان یخصہ بالطعام۔۔۔۔۔۔

فکان اذا اراد ان یغدیھم قال کما انتم حتی یحضر ابنی فیاتی رسول اللہ صلعم فیاکل معھم۔

(طبقات ابن سعد ص۷۶)

ب۔ ابوطالب محمد کے کھانے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ جب آپ ارادہ کرتے تھے کہ اپنے بچوں کو کھانا کھلائیں تو ان کو حکم دیتے تھے کہ جب تک میرا بیٹا محمد نہ آجائے کوئی کھانا نہ کھائے۔ پس رسول خدا آجاتے تو ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے

(۶) سیرۃ النبی شبلی نعمانی ص۱۳۷ :۔

خطبہ نکاح رسول ابوطالب نے پڑھا

تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام رؤساء خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے ابوطالب نے خطبہ پڑھا اور پانچسو درم طلائی مہر مقرر فرمایا۔

خطبہ نکاح رسول جو ابوطالب نے محفل عروسی میں پڑھا۔

الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم و زرع اسمٰعیل وضئضئ معد و عنصر مضر وجعلنا حضنۃ بیتہ وسواس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوجا و حرما آمنا وجعلنا الحکام

تمام تعریف اس خدائے پاک کی ہے جس نے ہمکو ذریت ابراہیم و اولاد اسمٰعیل ونسل سعد بن عدنان و صلب مضر سے پیدا کیا۔ اور ہمکو اپنے بیت کا محافظ اور اپنے حرم کا نگہبان مقرر فرمایا ہے۔

على الناس ثم ان ابن اخي هذا محمد بن عبد الله لا يوزن برجل الا رجح به شرفاً ونبلاً وفضلاً وعقلاً فان كان في المال قل وان المال ظل زائل وامر حائل - ومحمد من قد عرفتم قرابته وقد خطب خديجة بنت خويلد وبذل لها ما اجله وعاجله من مالي كذا، هو والله بعد هذا له نبأ عظيم وخطر جسيم -
(زرقانی ص ۲۴۲)

ہمارے لئے ایک گھر قرار دیا جس کا حج خلق خدا کرتی ہے اور ایسی متبرک زمین عطا کی کہ جہاں خدا کی مخلوق امن پاتی ہے ۔ ماسوا اس کے خدا نے ہمکو لوگوں پر حاکم بنایا۔ اما بعد میرا یہ بھتیجا محمد بن عبد اللہ ہے ۔ جس کا اگر کسی سے موازنہ کیا جائے تو از روئے فضل و کمال و باعتبار شرافت و ذہانت و عقل گرامی تر ثابت ہو گا ۔ یہ مالداری اور دولتمندی میں کم ہے ۔ تو مال کیا ہے ایک ڈھلتی ہوئی چھاؤں ہے اور متغیر و متبدل ہونے والا مال ہے محمد سے جو مجھ کو قرابت ہے ۔ وہ سب کو معلوم ہے اس نے خدیجہ بنت خویلد سے ارادہ عقد کیا ہے اور میرے مال سے اس نے خدیجہ کا مہر معجل و موجل ادا کر دیا ہے اور خدا کی قسم محمد وہ شخص ہے کہ جسکے بارہ میں کوئی خبر عظیم اور عظیم الشان حصہ نصیب ہونے والا ہے ۔

(۷) زرقانی نے دولابی سے روایت کی ہے :۔

دولابی کہتے ہیں کہ خطبہ نکاح میں حضرت ابی طالب کے یہ الفاظ بھی داخل تھے ۔
"معاشر قریش میں آپ لوگوں کے سامنے خاتون کریمہ خدیجہ کا خطبہ نکاح بطیب خاطر پڑھتا ہوں اور ان کے مہر موجل و معجل میں بارہ اوقیہ سونا دیتا ہوں "

(۸) و نیز حافظ جمال الدین محدث شیرازی روضۃ الاحباب میں ابی طالب کے یہ الفاظ لکھتے ہیں:۔
"خدیجہ بنت خویلد کا میں محمد کی طرف سے خطبہ نکاح پڑھتا ہوں اور ان کے مہر موجل و معجل میں بیس مہار اونٹ جو میری ملکیت سے ہیں ادا کرتا ہوں ۔"
(روضۃ الاحباب ص ۱۰۶ و روضۃ الصفاء)

(۹) روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۷ :۔

۱ - ابوطالب وجود ادرا بر خود مبارک دانستہ بر فرزندان صلبی ترجیح می نمود۔ ترجمہ ابوطالب پیغمبر اسلام کے وجود کو اپنے لئے مبارک سمجھتے تھے ۔ اور ان کو اپنے صلبی بیٹوں پر ترجیح

دیتے تھے۔

ب - ابوطالب بعمرہ سال پیغمبر اسلام کو اپنے ہمراہ تجارت مصر میں لے گئے تھے راہ میں ایک صومعہ ملا اس میں ایک عالم عیسائی راہب رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ اے ابوطالب اس بچہ کو ملک شام نہ لے جاؤ۔ کیونکہ یہودی اس کے دشمن ہیں مبادا قتل کر دیں اسی اثناء میں ایک قافلہ یہودیوں کا وارد صومعہ ہوا اور وہ بارادہ قتل محمد ملک روم سے آیا تھا۔

ص ۲۸ روضۃ الصفاء:-

آوردہ اند کہ طائفہ از یہود بقصد قتل حضرت مقدس نبوی از روم متوجہ شدہ در روز ضیافت بحیرہ قافلہ خویش را بصومعہ او رسیدند و در خلوت باو گفتند کہ ما از کتب سماوی معلوم کردہ ایم کہ محمد امروز با کاروان قریش دریں منزل نزول خواہد کرد و ما اکنون بقصد وے کمر بستہ ایم و ترا دریں سفر با ما ہمراہی باید کرد۔

تاریخ میں ہے کہ یہودیوں کا ایک قافلہ محمد کو قتل کرنے کے ارادہ سے روم سے چلا۔ اور جس روز بحیرہ راہب نے ابوطالب کی دعوت کی تھی۔ اسی روز وہ بھی صومعہ میں پہنچا۔ اور تنہائی میں اس سے کہا کہ ہم نے آسمانی کتابوں سے معلوم کیا ہے کہ آج کے دن محمد قافلہ کے ساتھ وارد صومعہ ہوں گے۔ ہم ان کے قتل کے ارادہ سے آئے ہیں تمکو اس کام میں ہماری مدد کرنی چاہیئے

ج - روضۃ الصفاء ص ۲۸:-

ابوطالب اندیشناک شد و متاع خویش را در مصر بحسب دلخواہ فروختہ بمکہ مراجعت نمود ....

و بعد از سفر مصر ابوطالب در ہیچ سفر حضرت ختمی پناہ را مصحوب خود نگردانند۔

ترجمہ - ابوطالب کو جب معلوم ہوا کہ محمد کو یہودان شام و مصر بہت دشمن رکھتے ہیں اور درپئے قتل ہیں - لہٰذا آپ کو بہت اندیشہ و خوف ہوا۔ آپ نے مصر پہنچ کر اپنے سامان کو حسب دلخواہ فروخت کر دیا۔ اور خود مکہ واپس آگئے اور اس سفر مصر کے بعد کبھی محمد کو اپنے ہمراہ نہ لے گئے۔

(۹) روضۃ الصفاء ص ۳۴:-

حضرت مقدس نبوی در روز دوشنبہ مبعوث شد و علی روز سہ شنبہ کہ دیگر روز بعثت بود بدولت ایمان استسعاد یافت .... حارس و پاسبان شما است۔

ترجمہ - حضرت محمدؐ روز دوشنبہ مبعوث رسالت ہوئے۔ اور علی بروز سہ شنبہ بعثت کے

دوسرے دن دولت ایمان سے سرفراز ہوئے

ترجمہ :۔ حضرت علی اپنے حال کو اپنے والد ابوطالب سے چھپاتے تھے اور پیغمبر اسلام کے ہمراہ گوشہ کوہ میں نماز ادا کرتے تھے اتفاق سے ابوطالب نے ان دونوں کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملے فاطمہ والدہ علی سے حال پوچھا۔ فاطمہ بنت اسد نے کہا کہ علی ہمہ وقت محمد کے ساتھ رہتے ہیں۔ مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ کوئی ایسی بات کر بیٹھے جو ہمارے دین کے خلاف ہے۔ ابوطالب نے کہا کہ میرا بیٹا علی اس قسم کے کام کو بغیر میری اجازت و مشورہ کے نہیں کریگا۔ پس ابوطالب ان دونوں کو ڈھونڈنے نکل گئے ابوطالب نے مرتضیٰ و مصطفیٰ کو ایک پہاڑ کی گھاٹی میں پایا۔ اور دیکھا۔ محمد نماز عصر ادا کر رہے تھے۔ اور علی ادھر ادھر نظر ڈال رہے تھے۔ جیسے ہی باپ کو دیکھا تو خوف کی وجہ سے لرزنے لگے۔ ابوطالب نے محمدؐ سے دریافت کیا کہ یہ کونسا دین ہے۔ محمدؐ نے فرمایا کہ یہ وہ دین ہے کہ جسکو خدائے واحد نے اپنے لئے مخصوص کیا ہے اور اس کے اظہار کیلئے انبیاء کو مبعوث کیا ہے۔ اس وقت محمدؐ نے ابوطالب کو دعوت اسلام دی۔ اس پر ابوطالب نے کہا کہ میں دین عبدالمطلب سے انحراف نہ کروں گا۔ ہاں تم البتہ جس کام پر خدا کی جانب سے مامور ہوئے ہو اس پر ثابت قدم رہو۔ میں جب تک زندہ ہوں میں تمہاری مدد کامل کرتا رہوں گا۔ اور تمکو کسی دشمن کے سپرد نہ کروں گا۔ اور دشمنوں کے شر سے تمہاری حفاظت کروں گا۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ اس کام کو پورا کر دے گا جس کیلئے تم کو مبعوث کیا ہے۔ اس کے بعد ابوطالب نے علی سے کہا کہ اے علی تم کو کچھ خوف نہ ہونا چاہیئے اس کام میں جس میں کہ محمد تمہارے ابن عم مشغول ہیں اور جو دین محمدؐ نے تم کو بتایا ہے اس کو اختیار کرو۔ کیونکہ خدائے بزرگ و برتر تمہارا حافظ و نگران و محافظ ہے۔

(۱۰) ص ۳۵ :۔ ایک دن ابوطالب اپنے بیٹے جعفر کے ساتھ شعب عبادت میں آئے دیکھا کہ محمد و علی نماز ادا کر رہے ہیں۔ ابوطالب نے کہا کہ اپنے بھائی کے بازو سے بازو ملا کر کھڑے ہو جاؤ۔ جعفر بحکم ابوطالب پہلوئے پیغمبر اسلام میں کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ پیغمبر اسلام نے جعفر کو دعا دی وصلی اللہ الیک جناحین یطیر تعالیٰ الجنۃ۔ خدا تم کو اے جعفر دو پر عطا فرمائے جن کے ذریعہ تم جنت میں پرواز کرتے رہو۔ خداوند عالم نے اپنے حبیب کی دعا فوراً قبول فرمائی اور غزوہ موتہ میں جعفر شہید ہوئے اور خدا نے ان کو پر پرواز دیئے جس سے وہ جنت میں پرواز کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے ان کو جعفر طیار کہتے ہیں۔

جب ابوطالب نے جعفر کو حکم نماز دیا تو پیغمبر اسلام بہت خوش و خرم ہوئے اور ابوطالب جب

گھر میں آئے تو فاطمہ مادر علی نے دریافت کیا کہ آپ کا لڑکا کہاں ہے۔ ابو طالب نے کہا کہ اس کا کیا کرو گی۔ فاطمہ نے کہا کہ مجھ کو ایک کنیز کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ فلاں شعب میں محمد کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو کیا آپ کو علی کا یہ کام پسند ہے۔

ابو طالب گفت خاموش باش و دست از وے بدار واللہ کہ او بحق است در یاری نمودن محمد پسر عم او — ابو طالب نے کہا کہ چپ رہو اور اس سے ہاتھ اٹھا لو خدا کی قسم کہ وہ اپنے ابن عم محمد کی مدد کرنے میں حق بجانب ہے۔ اور اگر میرا نفس مجھ کو دین عبد المطلب کے ترک کرنے پر اجازت دے دیتا تو میں بھی آج محمد کی اطاعت کرتا۔

قریش ایں سخن را شنیدہ عظیم شمر دند و ہراساں شدید۔ قریش نے جب ابو طالب کے یہ الفاظ سنے تو ان کو بڑی اہمیت دی اور خوفزدہ ہو گئے۔

(۱۲) روضۃ الصفاص ۲۷ :-

تا ابو طالب در حیات بود عبدہ اوثان مجال آں نداشتند کہ زیادہ تعرضے بحضرت رسول رسانند

جب تک ابو طالب زندہ رہے بت پرست مشرک مکہ کو اتنی مجال نہ تھی کہ وہ پیغمبر اسلام کو ستا سکیں اور زیادہ تعرض کریں۔

(۱۳) روضۃ الصفاص ۴۴ :-

جب قریش مکہ نے بنی ہاشم کا مقاطعہ کیا ہے۔ اور شعب ابی طالب میں ان کو محصور کر دیا ہے اس وقت کے حالات کے تحت صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں:-

(أ) و طنطنہ کوس نبوت بمسامع اقاصی و ادانی قبائل عرب رسید ہمت بر ہلاک حضرت مقدس نبوی مصروف داشتند و ایں خبر بہ ابو طالب رسیدہ بنی ہاشم و بنی مطلب را جمع فرمودہ در حفظ و حراست حضرت رسالت پناہ ازیشاں معاونت خواست .... و ابو طالب بنا بر کمال احتیاط با رسول و اصحاب در شعب آمدند و سائر بنو ہاشم بنو عبد المطلب در دخول

رعب پیغمبر اسلام و شہرت دین اسلام قریب و دور قبائل عرب میں پہنچی تو سب پیغمبر اسلام کے قتل پر آمادہ ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ یہ خبر ابو طالب کو ملی تو ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد کو جمع کیا اور پیغمبر اسلام کی حفاظت کے بارہ میں ان کی مدد چاہی اور ابو طالب بطور احتیاط کے شعب ابی طالب میں مع اصحاب پیغمبر کے داخل ہو گئے اور تمام

شعب بادے اتفاق نمودند الا ابولہب۔

(ب) ابوطالب شعب را استوار کردہ در ہیچ وقتے از محافظت حضرت مقدس نبوی تغافل وتساہل جائز نداشتے وچوں آفتاب عالمتاب در شعب مغرب متواری گشتے شمشیر حمائل کردے ودر گرد خانہ حضرت رسول کہ درانجا خفتہ بودے طواف نمودے وگاہے آنحضرت را از جائے کہ در اوائل شب دراں موضع باستراحت مشغول شدے بیروں آوردے ودر خانہ دیگر خوابانیدے۔ ودر روز پسراں وبرادر زادگان خود را می فرمود تا بہ صیانت سید ولد آدم اشتغال می نمودند باوجود محافظت وخدمت چنیں بعضے گویند کہ ابوطالب کافر مرد وحاشا وچوں مدت سہ سال برایں منوال گذشت۔

بنی ہاشم وبنو مطلب شعب ابی طالب میں ابوطالب کے ہمراہ آگئے۔ مگر صرف ابولہب نہیں آیا۔

(ب) ابوطالب نے مزید احتیاط یہ برتی کہ شعب وگھاٹی کو ہر جانب سے مضبوط کر لیا اور کسی وقت بھی اس کی حفاظت ونگرانی سے کاہلی نہ کی اور جو آفتاب عالمتاب مغرب میں غروب ہو جاتا تھا تو ابوطالب کمر میں تلوار لگا کر اس مکان کا جس میں پیغمبر رہتے تھے اور وہاں سوتے تھے طواف کرتے تھے اور کبھی پیغمبر اسلام کو اس جگہ سے جہاں انہوں نے آرام کیا تھا یا سو گئے تھے باہر لاتے تھے اور دوسرے مکان میں سلا دیتے تھے اور مزید یہ کہ بیٹوں اور پوتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ سب پیغمبر اسلام کی حفاظت کرتے رہیں۔ باوجود اتنی مدد پیغمبر اسلام کرنے کے اور اتنی خدمت پیغمبر اسلام بجا لانے کے بعض کہتے ہیں کہ ابوطالب کافر مر گئے اور اسی طرح تین سال شعب ابی طالب میں رہتے ہوئے گذر گئے۔

(ج) روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۴۶:

حضرت مقدس نبوی بایمان ابوطالب امیدوار شدہ فرمود کہ اے عم آں کلمہ را تو بگو تا فردائے قیامت تو را بوسیلہ آں شفاعت کنم ابوطالب جواب داد کہ بخدائے کہ اگر نہ اندیشہ از ملامت قریش بودے وطعن مردم کہ از بیم مرگ ایمان آوردم از برائے خاطر تو ایں کلمہ می گفتم

(ج) ص ۴۶۔ پیغمبر اسلام کو امید پیدا ہو گئی کہ ابوطالب بھی اسلام قبول کر لیں گے تو آپ نے فرمایا اے چچا اس کلمہ کو آپ پڑھ لیجئے تاکہ میں اس کے ذریعہ روز قیامت آپ کی شفاعت کروں۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو ملامت قریش اور طعنہ

و دل ترا خرم و چشم ترا روشن می گردانیدم
آں گاہ حال دے تغیر یافتہ زباں در دہاں
جنبانید و چیزے می گفت عباس گوش
نزدیک دہان ابوطالب بردہ سر بر آوردہ
و با پیغمبر گفت اے برادر زادہ من آں
کلمہ کہ تو گفتن آں امر فرمودی می گوید ہر
چند محمد بن اسحاق کہ از کبار مورخین و اہل
سیر است روایت کردہ کہ دوران زمان
کہ حضرت رسالت پناہ عرض کلمہ توحید را
بر ابوطالب کرد اگر در اول ابا نمود اما در
آخر آہستہ گفت چنانچہ عباس شنید۔

افراد قوم کا اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ
موت کے خوف سے مسلمان ہو گیا تو اے محمد
تو میں تمہاری خاطر اس کلمہ کو کہتا اور تمہارا
دل خوش اور تمہاری آنکھیں روشن کر دیتا
اس کے بعد ہی ابوطالب کی حالت غیر ہو گئی
اور انہوں نے اپنے دہن میں زبان کو حرکت
دی اور زبان سے کچھ کہنے لگے۔ عباس نے ابوطالب
کے دہن کے قریب کان لگا دیئے پھر سر اٹھایا
اور پیغمبر سے عرض کیا۔ اے بھتیجے ابوطالب
وہ کلمہ جو تم نے ان سے فرمائش کی تھی کہہ
رہے ہیں۔ اگرچہ محمد ابن اسحاق جو ممتاز
و اکابر مورخین و اہل سیر سے ہیں نے روایت کی ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے
سامنے کلمہ توحید پیش کیا۔ تو اول تو انہوں نے انکار کیا اور بعد کو آہستہ کلمہ پڑھا جیسا کہ
عباس نے گواہی دی ہے۔

(د) مکافات و صلہ رحم۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۴۶ ھ

منقول است کہ پیغمبر پیش پیش جنازہ
ابوطالب می رفت و می گفت اے عم صلہ
رحم بجا آوردی و نیکوئی ہا کردی جزاک
اللہ خیرا۔ جمہور علماء برآنند کہ در سال
دہم از بعثت ابوطالب فوت شدہ و
اندوہے عظیم ازیں جہت بر ضمیر انور
حضرت رسول استیلا یافت و بعد از
سہ روز یا سی و پنج روز از فوت ابوطالب
ہم دریں سال خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا
بریاض جناں شتافت در اندوہ

جب ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو پیغمبر
اسلام جنازہ کے آگے آگے جا رہے تھے
اور زبان سے کہہ رہے تھے کہ اے چچا آپ
میرے ساتھ صلہ رحم بجا لائے اور آپ نے
میرے ساتھ نیکیاں بہت کی ہیں۔ خدا
آپ کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ علماء
کا اتفاق ہے کہ بعثت پیغمبر کے دسویں سال
ابوطالب نے وفات پائی۔ اور قلب پیغمبر
پر اس کا بہت صدمہ پڑا اور ابوطالب
کی وفات کے پانچ دن کے بعد یا ۳۵

آنحضرت از رحلت آں دو محب مشفق
بہ نہایت انجمید کہ از منزلے بے تقدیس
میل بیرون آمدن نمی فرمود آں سال را
عام الحزن نام نہادند ....
و خدیجہ در حین وفات شصت و پنج سال،
عمر داشت و اورا در حجون دفن کردند
و پیغمبر بہ قبر او رفت و در آں سال ہنوز
رسم جنازہ و نماز میت فرض نشدہ بود
و ایں قول کہ پیغمبر بہ ہنگام فوت ابوطالب
علی را فرمود کہ ولا تصل علیہ خلاف واقع
است چوں ابوطالب رحلت فرمود مشرکان
نسبت با آنحضرت دست تعدی دراز
کردند ۔

دن کے بعد خدیجہ نے بھی وفات پائی اور
ان دو محب و مشفق افراد کے مر جانے سے
غم والم پیغمبر اسلام پر چھا گیا۔ اور آپ پر
اتنا اثر ہوا کہ پیغمبر اسلام گھر سے باہر نہیں
آتے تھے۔ اور اسی سال "عام الحزن۔
غم کا سال نام رکھا گیا۔ اور خدیجہ بوقت
وفات ۶۵ سال کی تھیں اور ان کو حجون
میں دفن کیا گیا۔ پیغمبر خود قبر خدیجہ میں
گئے تھے۔ اس وقت تک رسم جنازہ اور
نماز میت فرض نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ قول
کہ بوقت وفات ابوطالب پیغمبر نے علی سے
کہا کہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھو خلاف واقعہ
ہے جب ابوطالب کا انتقال ہو چکا تو مشرکوں
نے پیغمبر اسلام پر دست ظلم و ستم دراز کر دیا

(۱۴) کتاب مناقب ۲۶۷ھ مصنفہ محمد بن علی
مازندرانی :۔

کتاب الشیصان راوی ابوایوب الانصاری
ان النبی وقف بسوق ذی المجاز فدعاھم
الی اللہ والعباس قائم یسمع الکلام
فقال اشھد انک کذاب ومضی الی ابی
لہب وذکر ذلک فاقبلا ینادیان
ان ابن اخینا ھذا کذاب فلا یغرنکم
عن دینکم قال واستقبل علیہ السلام
ابوطالب فاکتنفہ واقبل علی ابی لہب
والعباس فقال لھما ما تریدان تربت
ایدیکما واللہ انہ الصادق الیقین ثم

کتاب مناقب، کتاب الشیصان، ابوایوب
انصاری نے بیان کیا ہے کہ ایک دن پیغمبر
اسلام بازار ذو المجاز میں کھڑے تھے اور
مشرکوں کو اللہ کے دین کی دعوت دے
رہے تھے اور عباس کھڑے سن رہے تھے
کہ عباس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو
جھوٹا ہے۔ اور عباس یہ کہکر ابولہب کی
طرف گئے اور اس سے بھی واقعہ بیان کیا
یہ دونوں بڈھے اور بازار میں کہتے جاتے
تھے کہ ہمارے بھائی کا بیٹا یہ کذاب ہے

انشاابوطالب ...

انت الامین امین الله لا کذب | ایسا نہ ہو کہ تم کو تمہارے دین سے گمراہ
والصادق القول لا لھو ولعب | کردے۔ پیغمبر اسلام ابوطالب کے پاس
انت الرسول رسول الله نعلمه | آئے اور ان کو مطلع کیا۔ ابوطالب ابو
علیك تنزل من ذی عزه الکتب | لہب و عباس کے پاس آئے اور ان دونوں سے کہا کہ خدا تمہارے ہاتھ شل کرے تم

کیا کہتے ہو خدا کی قسم محمد صادق قول ہے۔ پھر ابوطالب نے یہ اشعار کہے اے محمد تم امین خدا ہو اس میں ذرا جھوٹ نہیں ہے اور تم سچے صادق القول ہو اور لہو و لعب تمہاری عادت نہیں اے محمد تم رسول ہو تم کو خدا کا رسول ہم جانتے ہیں۔ اے محمد تم پہ صاحب عزت خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے ...

الم تعلموا انا وجدنا محمداً نبیاً | اے لوگو کیا تم نہیں جانتے کہ ہمنے محمد کو
کموسیٰ خط فی اول الکتب اراد وا | نبی پایا ہے اور وہ ایسا نبی ہے جیسا کہ
قتل احمد ظالمیه۔ ولیس بقتله | کتب سماویہ میں موسیٰ نبی تھے۔ اے لوگو
فیهم زعیم ۔ | تم نے محمد کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے اور تم

ظالم ہو۔ اور یاد رکھو اس کے قتل پہ تم میں سے کوئی جرأت نہیں کر سکتا ہے اور نہ خیال میں لا سکتا ہے۔

(۱) تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی متوفی ۶۵۴ھ ص ۸۔

ثم ان اباطالب قام بنصرة رسول | جب عبد المطلب نے اپنے وقت وفات
الله صلعم وکفالته احسن القیام | ابوطالب کو مربی و نگران محمد بنا دیا اور ابو
فکان معه لا یفارقه وکان یحبه | طالب نے نصرت رسول اپنے ذمے لی
حباً شدیداً و یقدم علی اولاده | تو بہترین طریقہ پر پرورش کی اور ابوطالب
ولا ینام الا وهو الی جانبه وکان | رسول خدا کو اپنے سے مطلق جدا نہ کرتے
یقول له انك لمبارك النقیبه میمون | تھے اور بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور
الطلعة | اپنی اولاد پر آپ کو ترجیح دیتے تھے۔ اور

(۲) ص ۹ ان اباطالب لما قام بنصرة | اس وقت تک نہ سوتے تھے جب تک اپنے
رسول الله صلعم وذب عنه احسن | برابر رسول کو نہ سلالیں۔ اور کہتے تھے

الذي اجتمعت اليه قريش وقالوا
ان ابن اخيك قد سب آلهتنا وسفه
احلامنا وضلل آباءنا فاما ان تسلمه
الينا او يقع الحرب بيننا فقال بفيكم
الحجر والله لا اسلمه اليكم ابدا فقالوا
هذا عمارة بن الوليد بن المغيرة اجمل
فتى في قريش واحسنه فخذه واتخذه
ولدا عوضه وسلمه الينا نقتله و
رجل برجل فقال ابوطالب قبح الله
هذه الوجوه وبحكم والله بئس ما قلتم
تعطوني ابنكم اغذوه لكم واعطيكم
ابني تقتلونه بئس والله الرجل انا ثم
قال افرقوا بين النوق وفضلانها
فان حنت ناقة الى غير فصيلها
دفعته اليكم ثم قال ؎

والله لن يصلوا اليك بجمعهم
حتى اوسد في التراب دفينا
فاصدع بامرك ما عليك غضاضة
والبشر وقر بذاك منك عيونا
وعرضت دينا لا محالة انه
من خير اديان دينا
لولا الملامة او حذار مسبة
لوجدتني سمحا بذاك ضنينا

اے محمد تم پاک اور مبارک ہو اور تمہاری
شکل مبارک و مسعود ہے۔

(۲) جب ابوطالب نے نصرت رسول کی
اور بہترین طریقہ پر دشمنوں کو دفع کیا تو
قریش جمع ہوئے اور ابوطالب کے پاس
آئے اور کہا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارے
خداؤں کو گالیاں دی ہیں اور ہمارے
عقلمندوں کو احمق بنا دیا ہے اور ان کو
گمراہ قرار دیا ہے۔ آپ ان کو ہمارے حوالہ
کر دیں یا جنگ پر آمادہ ہو جائیں۔ ابوطالب
نے کہا قسم بخدا میں کبھی ان کو تمہارے حوالہ
نہیں کروں گا۔ قریش نے کہا یہ عمارہ بن ولید
موجود ہے جو خوبصورت نوجوان ہے اور
زیادہ حسین ہے اس کو قبول کر لو بیٹا بنا لو
محمد کے عوض میں۔ محمد کو ہمارے سپرد
کر دو ہم ان کو قتل کر دیں آدمی کا بدلہ آدمی
ہو جائے گا۔ ابوطالب نے کہا خدا تمہارے
چہروں کو بگاڑ دے۔ افسوس کتنی بری
بات تم نے کہی ہے۔ اپنا بیٹا مجھ کو دیتے ہو
کہ میں تمہارے لئے اس کو پرورش کروں
اور اپنا بیٹا تم کو دیدوں کہ تم اس کو قتل کر دو
اگر میں ایسا کروں تو کتنا برا آدمی ہوں۔
اور کہا کہ تم چراگاہ میں جاؤ۔ اگر کوئی ناقہ اپنے
بچہ کو دوسرے ناقہ کو دیدے تو میں بھی تم کو محمد دیدوں گا۔ پھر یہ شعر پڑھے۔ ترجمہ:۔
قسم بخدا میں محمد کو تمہارے حوالے نہ کروں گا جب تک کہ میں قبر میں دفن نہ ہو جاؤں۔ اے

محمد تم کو جو حکم خدا ہے اس کو بجا لاؤ۔ تم پر کوئی سختی نہیں ہے۔ تم اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو اور خوش و خرم رہو۔ اور تم نے جو دین پیش کیا ہے یقیناً وہ بہترین ادیان ہے۔ اگر مجھ کو خوف ملامت نہ ہوتا تو تم مجھ کو بھی اس دین کا قبول کرنے والا پاتے۔ اور میں اس میں بخل نہ کرتا۔

صلہ رحم و مکافات

تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی متوفی ۶۵۲ھ ص۱۰ :-

(۲) قال ابن سعد بالاسناد المتقدم حدثنی الواقدی قال قال علیؑ لما توفی ابوطالب اخبرت رسول اللہ صلعم فبکا بکاءً شدیداً ثم قال اذھب فغسلہ وکفنہ وواربہ غفر اللہ لہ ورحمہ فقال لہ العباس یا رسول اللہ انک سترجولہ فقال ای واللہ انی لارجولہ۔ وجعل رسول اللہ صلعم یستغفر لہ ایاماً مالا یخرج من بیتہ وقال الواقدی قال ابن عباس عارض رسول اللہ صلعم جنازہ ابی طالب وقال وصلتک رحم وجزاک اللہ یا عم خیراً۔

(۲) ابن سعد نے اسناد کے ساتھ کہا ہے کہ واقدی نے بیان کیا کہ علی نے فرمایا کہ جب ابوطالب کی وفات کی خبر پیغمبر کو ہوئی تو آپ بہت روئے اور کہا جاؤ غسل و کفن دو اور دفن کرو۔ خدا ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحم کرے۔ عباس نے پوچھا یا رسول کیا تم کو ان کی بخشش کی امید ہے آپ نے فرمایا بیشک قسم بخدا مجھ کو ان کی مغفرت کی امید ہے اور پیغمبر اسلام ابو طالب کیلئے کئی دن طلب مغفرت کرتے رہے اور اپنے گھر سے نہ نکلے اور ابن عباس نے کہا کہ رسول خدا جنازہ ابو طالب کے ساتھ چلے اور فرماتے تھے۔ کہ۔ آپ نے میرے ساتھ صلہ رحم ادا کیا خدا آپ کو جزائے خیر دے اے چچا۔

(۳) ص۱۰ :- اقول کون ابی طالب من اہل الجنۃ مالا ینبغی التامل فیہ وان شواھد اکثر من ان تذکر۔

(۳) میں کہتا ہوں کہ ابو طالب بے تامل اہل جنت سے تھے۔ اس کے بہت گواہ ہیں اور شواہد کثیر ہیں

نصرت ابو طالب

تذکرۃ الخواص ص۶۳ ترجمہ :-

(۱) ایک دن کا واقعہ ہے کہ ابو طالب اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں محمد داخل مکان ہوئے۔ ابو طالب نے دیکھا کہ محمد کے دونوں شانوں کے درمیان میں گندگی و خون سے ان کا لباس بھرا ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ جب محمد نماز میں مصروف تھے۔ اس وقت لوگوں نے ایک شتر بچہ کو ذبح کیا اور جب محمد سجدہ میں گئے۔ تو انہوں نے اس کی اوجھ و خون آپ کے سر و پشت پر ڈال دیا جب محمد نے نماز تمام کر لی تو آپ مسجد سے اٹھ کر سیدھے اپنے چچا ابو طالب کی خدمت میں تشریف لائے۔ ابو طالب نے دریافت کیا :۔

(۱) ابو طالب :۔ ماذاک یا ابن اخی یعنی اے بھتیجے۔ کیا ہوا اور کس نے ایسا کیا؟

(۲) محمد :۔ قال عبد اللہ بن الزبعری۔ محمدؐ نے کہا عبد اللہ ابن الزبعری نے ایسا کیا ہے!

یہ سنکر ابو طالب کھڑے ہو گئے اور اپنی تلوار کمر میں لگائی اور اپنے ساتھ ایک لڑکا بھی لے لیا اور محمدؐ کو ہمراہ لیکر روانہ ہو گئے۔ خانہ کعبہ کے قریب آئے تو دیکھا کہ جماعت قریش وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔ جب ابو طالب کو آتے دیکھا تو بھاگنے لگے۔ پھر ابو طالب نے کہا کہ اگر کوئی تم میں سے کھڑا ہوگا تو میں تلوار سے اس کو ختم کر دوں گا یہ سنتے ہی سب بیٹھ گئے یہاں تک کہ ابو طالب اس جماعت قریش کے پاس پہنچ گئے۔ اور پھر ابو طالب نے محمدؐ سے دریافت کیا۔ یا بنی من الفاعل ھذا اے بیٹا! کس نے ایسا کیا۔ محمد نے کہا کہ عبد اللہ ابن الزبعری نے ابو طالب نے لڑکے سے کہا کہ اس گندگی اور خون کو اٹھا لے اور عبد اللہ کے چہرے پر لگا دے۔ عبد اللہ کے چہرہ پر وہ خون وغیرہ مل دیا گیا تو ابو طالب نے حکم دیا کہ تمام حاضرین قریش کے چہروں میں فرداً فرداً وہ گندگی اور خون مل دیا جائے۔ پھر تو اس جماعت میں سے کوئی نہ بچ سکا۔ پھر ابو طالب واپس آ گئے اور اس جماعت میں سے کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ کلام بھی کرے۔

ابو طالب مولفہ عبد العزیز مطبوعہ بیروت ۱۹۰۱ء ص ۸۹ :۔

عدالت مکافات و صلہ رحم

اصل عبارت عربی :۔

نقد جاء من ابلغہ ان ابا طالب قد قضی فوجم النبی لہ وحزن حزناً شدیداً ولم یلبث ان ازدحم الحزن فی نفسہ وتبادرت الدموع

ابو طالب مولفہ عبد العزیز مطبوعہ بیروت ص ۸۹ :۔

جب پیغمبر اسلام کو وفات ابو طالب کی خبر ہوئی تو پیغمبر اسلام بوجہ افراط صدمہ کے خاموش ہو گئے اور آپ کو شدید حزن و ملال ہوا اور فوراً ہی آپ پر حزن و ملال

الی اجفانہ عمالی وبکی ثم مضی مسرعاً الی سریر عمہ الذی سجی فیہ و کشف عنہ ومسح بیدہ الکریمہ جبین عمہ الایمن اربع مرات وجبینہ الایسر ثلاثہ مرات مسح جبین عمہ کما کان یمسح جبینہ ثم قال یا عم ربیت صغیراً وکفلت یتیماً ونصرت کبیراً فجزاک اللہ عنی خیراً۔

طاری ہو گیا اور آپ کے آنسو پلکوں پر آ گئے پھر آپ نے گریہ کیا۔ پھر آپ فوراً تعجیل اپنے چچا کے تابوت پر جس میں جنازہ ابوطالب تھا گئے۔ تابوت کی چادر اٹھائی اور اپنے دست مبارک سے اپنے چچا کی پیشانی راست چار بار مسح کی اور پیشانی چپ کو تین بار اپنے دست مقدس سے چھوا۔ پیغمبر نے اپنے چچا کی جبین کو اس طرح مس کیا جیسے کہ چچا حالت حیات میں آپ کی پیشانی کو مس کرتے تھے

پھر آپ نے فرمایا اے چچا جب میں صغیر سن تھا تو آپ نے میری پرورش کی اور جب میں یتیم تھا تو آپ نے میری کفالت کی اور جب میں بڑا ہوا تو کار تبلیغ نبوت میں میری نصرت کی۔ پس خدا آپ کو میری جانب سے جزائے خیر دے۔

خلاصہ عبارت:۔ بکثرت کتب تاریخ و احادیث میں ابوطالب کے حالات موجود ہیں بوجہ تکرار واطناب ان کو ترک کیا جاتا ہے۔ اب میں عبارات مذکورہ کا خلاصہ درج کرتا ہوں تاکہ استنباط نتائج میں ناظرین کتاب کو سہولت ہو۔

(۱) جس روز پیغمبر اسلام مبعوث برسالت ہوئے اس کے دوسرے دن علی نے تصدیق رسالت کی اور پیغمبر کے ساتھ نماز پڑھی۔ روز دوشنبہ پیغمبر اسلام مبعوث برسالت ہوئے اور روز سہ شنبہ علی نے تصدیق رسالت کی . . . . اور نبی وعلی کو اول بار نماز پڑھتے ہوئے ابوطالب نے دیکھا اور اس امر پر اظہار رضامندی و مدد کیا اور علی کو حکم دیا کہ اس دین پر قائم رہو۔ (دفعہ ۱ و ۹)

(۲) پیغمبر اسلام نے جب آیت وانکم ما تعبدون الخ کے ذریعہ تبلیغ اسلام کی تو اکابر قریش نے ابوطالب سے شکایت کی کہ پیغمبر اسلام ان کے خداؤں کو گالیاں دیتے ہیں ہم ان کو قتل کر دیں گے تو ابوطالب نے پیغمبر اسلام سے فرمایا کہ تم جسطرح چاہو تبلیغ اسلام کرو۔ میں جب تک زندہ ہوں تم کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ (۲ دفعہ)

(۳) جب پیغمبر اسلام کو خدا کا حکم ملا کہ کفار سے جنگ کرو اور ان کو قتل کرو تو قریش ابوطالب کے پاس

آئے اور محمد کو قتل کرنے کیلئے مانگا اور ان کے عوض عمار بن ولید کو دینا چاہا تو ابوطالب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور پیغمبر اسلام سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ (دفعہ ۲ ب)

(۴) جب اہل مکہ نے پیغمبر اسلام سے مقاطعہ کیا ہے اور وہ ہلاکت پیغمبر اسلام پر متفق ہو گئے تو ابوطالب پیغمبر اسلام کو اپنے قدیم پہاڑی شعب میں لے گئے۔ اور انتہائی حفاظت پیغمبر کی کرتے رہے اور تین سال کی طویل مدت سخت مصائب میں گذاری۔ (دفعہ ۲ ج دفعہ ۱۳)

(۵) جب شعب ابی طالب میں بنی ہاشم اور پیغمبر اسلام کو سخت مصائب میں رہتے ہوئے دیکھا تو ابوطالب نے اہل مکہ سے مکر اور بہترین تدابیر کر کے اس حبس بے جا کو ختم کرا دیا۔ (دفعہ ۲ د۔ ر)

(۶) ابوطالب نے پیغمبر اسلام کی تربیت و کفالت ۸ سال کی عمر سے دسویں سال بعد بعثت تک کی۔ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور کبھی سوتے جاگتے الگ نہ کیا۔ اور اپنی اولاد سے زیادہ پیغمبر اسلام سے محبت کی اور اپنے بچوں کو اس وقت تک کھانا نہیں کھانے دیا جب تک محمد دستر خوان پر نہ بیٹھ گئے۔ (دفعہ ۴)

(۷) ابوطالب نے پیغمبر اسلام کا عقد خدیجہ بنت خویلد سے کیا اور خود اپنے مال سے مہر خدیجہ ادا کیا اور خود خطبۂ نکاح پڑھ کر نکاح کیا۔ (دفعہ ۵ و ۶ و ۷)

(۸) ابوطالب نے جب سفر شام میں بحیرا راہب سے پیغمبر اسلام کے قتل ہو جانے کا اندیشہ معلوم کیا تو وہیں سے ابوطالب واپس ہوئے۔ اور پھر کبھی سفر میں محمد کو ہمراہ نہ لیگئے۔ اور ابوطالب نے یقین کیا کہ بحیرا کا قول صادق ہے کہ محمد نبی آخر الزمان ہونے والے ہیں۔ (دفعہ ۸)

(۹) ابوطالب نے پہلی مرتبہ جب ایک گھاٹی میں محمد و علی کو نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ اے محمد و علی تم دونوں دین اسلام پر قائم رہو اور جب تک ابوطالب زندہ ہے وہ تمہاری ہر ممکن مدد کرے گا۔ اور خدا اس دین کو کامل کرے گا۔ وہ تمہاری مدد کرے گا۔ (دفعہ ۹)

(۱۰) ابوطالب ایک دن اپنے بیٹے جعفر کو ہمراہ لیکر گھاٹی میں پہنچے تو دیکھا کہ محمد نماز پڑھ رہے ہیں۔ تو ابوطالب نے جعفر کو حکم دیا کہ شانہ سے شانہ ملا کر تم بھی کھڑے ہو جاؤ۔ جعفر نے نماز پڑھی رسول نے دعا دی کہ جعفر تم کو خدا جنت میں پر عطا فرمائے۔ اسلئے جعفر کو جعفر طیار کہتے ہیں۔

(۱۱) جب ابوطالب گھر آئے اور مادر جعفر فاطمہ بنت اسد نے نماز جعفر پر اعتراض کیا تو ابوطالب نے ان کو منع کیا اور کہا کہ تم خاموش رہو۔ محمد صادق ہیں حق پر ہیں۔ (دفعہ ۱۰)

۱۲۔ جب تک ابوطالب زندہ رہے محمدؐ کو کفار اور دشمن تکالیف نہ پہنچا سکے۔ مگر بعد ابوطالب محمد کو

مکہ میں رہنا دشوار ہو گیا اور ہجرت طائف و مدینہ پر مجبور ہو گئے۔ (دفعہ ۱۲)

(۱۳) ابوطالب کے بارہ میں لوگ کہتے ہیں کہ وہ کافر مرے۔ صاحب روضۃ الصفا نے اس پر اظہار کیا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے۔

(۱۴) بقول عباس ابوطالب نے وقت آخر بموجودگی پیغمبر اسلام کلمہ پڑھا اور بہ تعلیم و حکم پیغمبر کلمہ توحید پڑھا۔۔۔

(۱۵) جب بازار ذی المجاز میں ابولہب و عباس پیغمبر اسلام کو کاذب کہتے پھر رہے تھے۔ تو ابوطالب پیغمبر اسلام کی صداقت و نبوت کا اعلان عام کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ محمد صادق ہیں، امین ہیں، رسول خدا ہیں۔ اور صاحب قرآن ہیں۔ مثل موسیٰ نبی و رسول ہیں۔ (دفعہ ۱۴)

(۱۶) ابوطالب نے بمقابلہ مشرکین مکہ اعلان کیا کہ محمد کا پیش کردہ دین بہترین ادیان ہے۔ (دفعہ ۱۶)

(۱۷) ابوطالب نے دشمنان پیغمبر سے انتقام لیا اور محمد کے برحق ہونے کا اقرار کیا (دفعہ ۱۹)

(۱۸) شواہد کثیر موجود ہیں کہ ابوطالب جنتی ہیں۔ (دفعہ ۱۸)

استنباط نتائج ۔ دین اسلام کو جتنا نقصان منافقین کے ذریعہ پہنچا ہے۔ اتنا مشرکین و کافرین سے نہیں پہنچا۔ یہ گروہ عہد پیغمبر اسلام سے موجود تھا۔ اور ہمیشہ اسلام کی بیخ کنی میں معروف رہا۔ جب اس گروہ کو طاقت حاصل ہوئی تو تلوار سے نقصان پہنچایا۔ اور جب یہ طاقتور ہوا تو شمشیر قلم سے جسد اسلام کو پارہ پارہ کیا۔ قرآن اور پیغمبر اسلام نے ہمیشہ اس گروہ سے باخبر رہنے کا حکم دیا۔ مگر پھر بھی یہ پانچواں کالم بہت حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ اور اس نے انوار اسلام پر گمراہی و ضلالت کے تاریک پردے ڈال دیئے جن کی وجہ سے جویان حق کو دشواریاں پیش آتی رہیں اور آج بھی پیش آتی ہیں۔ منجملہ صدہا و ہزارہا واقعات کے ایک واقعہ ایمان ابوطالب اور مغفرت ابوطالب کا بھی ہے۔

عدالت، مکافات، حسن قضا و صلہ رحم

تاریخی حوالہ جات و نیز اقوال پیغمبر اسلام سے واضح ہو گیا کہ ابوطالب نے پیغمبر اسلام کی پرورش، کفالت، حفاظت، ۸ سال کی عمر سے پچاس سال کی عمر تک مسلسل کی۔ اور اپنی جان و مال اولاد ہر چیز کو پیغمبر اسلام پر قربان کر دیا۔ اب اس موقعہ پر قابل غور یہ امر ہے کہ پیغمبر اسلام کی عدالت کاملہ کا اقتضا کیا تھا۔؟

تعریف عدالت تو یہی ہے کہ حقوق انسانی کو کامل طور پر ادا کیا جائے اور بمقتضاد بمصداق کلیہ

هل جزا الاحسان الا الاحسان - احسان کا بدلہ احسان ہی ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے احسانات ابوطالب کا صلہ ابوطالب کو کیا دیا۔ اگر کوئی صلہ دیا اور حسب استطاعت و حسب مقدار احسانات کا بدلہ و صلہ دیا۔ تو بیشک یہ عدالت رسول ہے۔ اور اگر اس محسن نبوت و اسلام کی خدمات کا کوئی صلہ دربارہ نبوت سے نہ ملا تو یہ امر خلاف قوانین عدالت ہے۔ جن محدثین و مورخین نے اپنی اپنی تالیفات و تصنیفات میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ابوطالب کافر مرے اور ان کو جہنم میں سزا دی جائے گی۔ انہوں نے پیغمبر اسلام کی عدالت کے بچانے کیلئے کیا تدابیر سوچی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے حق چھپا نہیں کرتا لہٰذا اس موقع پر بھی حقیقت ظاہر ہی ہو کر رہے گی۔

اگر کہا جائے کہ حیات ابوطالب میں پیغمبر اسلام نے بعوض احسانات کے ابوطالب کی مالی مدد کر دی تھی تو بھی غلط۔ اور اگر کہا جائے کوئی اور بدلہ دیا تھا۔ تو یہ بھی غلط۔ علاوہ بریں معاملہ تو تصدیق دین کا تھا۔ اس کا بدلہ تو صرف عاقبت ہی پر منحصر و مبنی ہو سکتا ہے کیونکہ مغفرت سے بہتر کوئی نعمت نظر رسول میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر پیغمبر اسلام نے ابوطالب کو جو محسن اسلام و پیغمبر اسلام تھے نعمات آخرت سے محروم رکھا۔ تو واقعی ان کی خدمات کا کوئی صلہ نہیں دیا۔ اور یہ خلاف عدالت رسول ہے مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبر اسلام نے معمولی سے معمولی موقعوں پر بھی عدالت کا لحاظ رکھا ہے اور کبھی کسی کے معمولی حق کو بھی نہیں روکا ہے۔ اور ہمیشہ پورا پورا حق ادا کیا ہے۔ پھر یہ کب ممکن تھا کہ وہ ابوطالب کے احسانات لاتعداد کا بدلہ و صلہ نہ دیتے۔ مگر یہ دشمنان اسلام و منافقین کا کارنامہ تھا۔ کہ انہوں نے ہر ممکن ذریعہ سے رسول و خاندان رسول و نبی و بنی عبدالمطلب و بنی فاطمہ کے حقوق و احسانات کو مٹانے کی کوشش کی ہے اور یہ سب کچھ اسلئے کیا ہے کہ اسلام کی بیخ کنی ہو سکے مگر خدا نے اپنے رسول سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے محبوب کا ذکر بلند کرے گا اور اسلام اور اسلام والوں کا بول بالا کرے گا۔ لہٰذا دشمنان اسلام نے ہمیشہ منہ کی کھائی ہے۔

پیغمبر اسلام بیشک عادل تھے اور آپ نے ابوطالب کے حقوق و احسانات کو جس طرح ادا کیا ہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ بیشک پیغمبر اسلام بحیثیت روحانی پیشوا کے جو اس محسن اسلام کیلئے کر سکتے تھے وہ کچھ کر دیا۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) جب ابوطالب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو پیغمبر اسلام نے شبانہ روز ابوطالب کی تیمارداری کی ہے (حوالہ دفعہ ۲ ب)

(۲) جب ابوطالب کی وفات ہو گئی تو پیغمبر اسلام نے علی کو حکم دیا کہ ان کی تجہیز و تکفین و تدفین کریں

(۳) جب تابوت جنازہ ابوطالب جا رہا تھا۔ تو پیغمبر اسلام اس کے ہمراہ تھے اور دعائے خیر فرما رہے تھے۔
یا عم ربیت صغیرا وکفلت یتیما ونصرت کبیرا فجزاک اللہ عنی خیرا۔ یعنی اے چچا عہد طفلی میں مجھ کو پالا، بحالت یتیمی میری کفالت کی اور بحالت جوانی و نبوت میری مدد کی خدا آپ کو میری جانب سے اجر خیر عطا فرمائے۔ (حوالہ ۱۳ و ۲۰)

(۴) جب پیغمبر اسلام کو وفاتِ ابوطالب کی خبر ملی تو آپؐ نے گریہ فرمایا اور بہت حزن و ملال ہوا کئی دن گھر سے باہر نہ آئے اور ابوطالب کیلئے خدا سے مغفرت طلب کرتے رہے۔

(۵) سال وفات ابوطالب کا نام "عام الحزن" رکھا۔ (دفعہ ۱۳ و)

(۶) جب عباس نے پیغمبر اسلام سے دریافت کیا کہ ابوطالب کی مغفرت ہوگی؟ اور آپ کو امید ہے کہ وہ جنتی ہیں۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا بیشک میں امید کرتا ہوں کہ وہ جنتی ہیں۔ (دفعہ ۱۷)

(۷) جب ابوطالب کا جنازہ کفن کیا ہوا رکھا تھا تو پیغمبر اسلام نے چہرہ کھولا اور اپنی پیشانی کو سات بار ابوطالب کی پیشانی سے مس کیا اور دعائے خیر کی۔ (دفعہ ۲۰)

مذکورہ واقعات ایسے ہیں جو بکثرت کتب تاریخ و احادیث میں موجود ہیں۔ اور میں نے ان حوالجات کو دفعات وار سطور بالا میں لکھا بھی ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے احسانات کا صلہ کیسا اچھا دیا ہے۔ بزرگوں کی یہی تمنا ہوتی ہے کہ ان کے خورد اور ان کا بیٹا ان کو دفن کرے۔ پیغمبر اسلام ابوطالب کے دیگر فرزندوں کو میت ابوطالب سپرد کر سکتے تھے۔ مگر نہیں پیغمبر اسلام نے موحد اول و مومن کامل علی کے سپرد ابوطالب کی تجہیز و تکفین کی۔ تاکہ مومن کو مومن دفن کرے اور مومن باپ کو مومن بیٹا دفن کرے اور اب رہا یہ معاملہ کہ رسول نے خود محبت ابوطالب کا ثبوت کس حد پر دیا ہے۔ ابوطالب کی وفات پر پیغمبر اسلام کا گھر سے باہر نہ آنا ایک رات دن یا بقولے ۳ رات دن ابوطالب کیلئے طلب مغفرت کرنا۔ ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام ابوطالب کو بدل و جان چاہتے تھے۔ اور بہت محبت کرتے تھے۔ اگر ابوطالب کافر تھے تو پیغمبر آخر الزمان و سید الانبیاء ایک کافر کو دوست نہیں رکھ سکتے کیونکہ قرآن نے سخت الفاظ میں ممانعت کردی ہے کہ مومن کافر کو دوست نہ بنائے۔

مگر چونکہ ابوطالب مومن تھے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام ان کو محبوب رکھتے تھے۔ علاوہ بریں عباس کے استفسار پر پیغمبر اسلام نے کہہ دیا کہ مجھ کو یقیناً امید ہے کہ ابوطالب جنتی ہوں گے۔ اور اگر پیغمبر اسلام اس کا اعلان نہیں بھی کرتے تو بھی پیغمبر اسلام کی دعائے مغفرت ہی ابوطالب کی بخشش کیلئے کافی تھی۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلام نے محبت کی حد کردی کہ جنازہ ابوطالب کا کفن چہرے سے ہٹا کر سات بار اپنا چہرہ اقدس ان کے چہرہ سے مس کیا

یہ کیوں؟ صرف اسلئے کہ رحمت کل شامل حال ابو طالب ہو جائے۔ یہ تو سب ایسے احسانات رسول ہیں جنکا تعلق آخرت و مغفرت ابوطالب سے ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ پیغمبر اسلام نے ایک صلہ بلحاظ دنیا بھی دیا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر مومن کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ دنیا میں بھی اس کا نام و کام زندہ رہے۔ اور آخرت میں بھی رضائے خدا اس کو حاصل ہو جائے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے چند روز مسلسل ابو طالب کا غم منایا۔ اور گھر سے باہر تشریف نہ لائے۔ اہل اسلام کو احساس ہوا اور اس سال کا نام عام الحزن رکھ دیا گیا۔ اور یہ صلہ ابو طالب کو پیغمبر اسلام کی سرکار سے ایسا ملا ہے کہ جو قیامت تک اہل اسلام و اہل دنیا کے سامنے موجود رہے گا۔ اور لفظ "عام الحزن" جب صفحات تاریخ پر نظر آئے گا تو ان دو محسنین اسلام ابو طالب و خدیجہ الکبریٰ کے احسانات کا تذکرہ ہو گا۔ کیونکہ خدیجہ الکبریٰ کا انتقال بھی ابو طالب کے انتقال کے پانچ یا ۳۵ دن کے بعد ہی ہو گیا تھا۔

اگر پیغمبر اسلام یہ دنیوی انعامات ان دونوں حضرات ابو طالب و خدیجہ کو عطا نہ فرماتے تو دامن اسلام پر محسن فراموشی کا دھبہ نظر آنے لگتا اور عدالت پیغمبر اسلام پر حرف آتا۔ مگر یہ کیسے ممکن تھا جبکہ معلم اخلاق مدبر و مصلح عالم کا معاملہ تھا۔ اسی وجہ سے ان دونوں حضرات کو وہ انعامات حاصل ہوئے جو تا قیام قیامت یادگار و قابل تذکرہ و لائق تعریف رہیں گے۔

مجھ کو ابو طالب کے حالات دیکھ کر اور ان پر الزام کفر کو بعض کتابوں میں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور اسلام دشمن منافقین کی حرکات رکیک پر افسوس ہوتا ہے۔ انہوں نے کم از کم اتنا تو خیال کر لیا ہوتا کہ دامن عدالت رسول پر دھبہ آتا تو درکنار ایک اہم بات دوسری بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ابو طالب کافر تھے تو خدیجہ الکبریٰ سے پیغمبر اسلام کا نکاح تو ابو طالب نے ہی پڑھایا تھا۔ خود ہی ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا، خود ہی اپنے مال سے مہر خدیجہ ادا کیا۔ اگر ابو طالب کافر تھے تو یہ نکاح رسول کیسے درست ہو گیا۔ اگر کہا جائے کہ نکاح رسول مطابق رسوم جاہلیت ہوا تو غلط کیونکہ پیغمبر اسلام کا فرمان ہے اور تمام اہل اسلام کے نزدیک مستند ہے۔

کنت نبیا و الا آدم بین الماء و الطین اس وقت میں نبی تھا جبکہ آدم کا جسد مٹی اور پانی کی شکل میں تھا علاوہ اس کے پیغمبر اسلام ابو طالب کی زبان سے وہ الفاظ اور ان کلمات کا اظہار دیکھ رہے تھے جو صرف مسلمان ہی کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔ ابو طالب نے جو خطبہ نکاح پیغمبر اسلام کا پڑھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:-

(۱) الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم و ذرع اسمٰعیل۔

تعریف اس اللہ کی جس نے ہم کو ذریت اولاد ابراہیم و اسمٰعیل میں پیدا کیا۔

(۲) وجعلنا حضنته بيته وسواس حرمه

اس خدا کی تعریف جس نے ہمکو اپنے گھر کعبہ کا نگران وحرم مقدس کا محافظ بنایا۔

(۳) ومحمد بن عبد الله لايوزن برجل الا رجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا۔

اور محمد بن عبد اللہ شرف و خاندان و فضل و عقل میں ہر انسان سے بالاتر ہیں۔

(۴) وهو والله بعد هذا له نبأ عظيم وخطر جسيم۔

محمد کیلئے اس کے بعد ایک خبر عظیم وحصہ جسیم نصیب ہونے والا ہے۔

ابو طالب کے ان کلمات خطبہ میں پہلے حصہ میں تو توحید خدا کا اقرار ہے۔ دوسرے میں خانہ کعبہ کو خانہ خدا تسلیم کیا ہے۔ اور حرم کعبہ کو قابل احترام مانا گیا ہے۔ تیسرے جملہ میں محمد کو تمام انسانوں سے اعلیٰ و افضل تسلیم کیا ہے۔ اور چوتھے جملہ میں یہ خبر دی گئی ہے کہ عنقریب محمد نبی و رسول ہونے والے ہیں تو گویا ابو طالب نے پیغمبر اسلام کے ۲۵ سال کی عمر کے موقعہ پر ہی اقرار توحید و رسالت کر لیا تھا۔

اور اسی ایمان کی بدولت ابو طالب نے حفاظت پیغمبر اسلام و دین اسلام کی۔ اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اور آخر چلتے وقت اپنی اولاد اور خاندان کو وصیت کر گئے کہ دامن دین محمد کو مضبوط پکڑے رہیں۔ کہ یہی بہترین دین ہے۔ چنانچہ آپ کی وصیت کا یہ نتیجہ تھا کہ جعفر طیار و علی حیدر کرار نے تا آخر وقت رسول خدا و دین اسلام کی خدمات انجام دیں۔ اور بنی ہاشم نے ہمیشہ حمایت اسلام کی اور سخت سے سخت مصائب برداشت کر کے اساس اسلام کو قیامت تک کیلئے مستحکم کر دیا۔

ایمان ابو طالب کے اقرار اور ابو طالب کے احسانات و خدمات دین کا اعتراف و نیز پیغمبر اسلام کا ان احسانات کا صلہ و معاوضہ دینا ان چند امور کے ماننے سے عدالت پیغمبر اسلام بھی باحسن وجوہ ثابت ہوتی ہے اور اعتراض موخر الذکر کا رد بھی ہو جاتا ہے۔

عدالت، سفر ہجرت و خرید اری شتر

عدالت کی تعریف حکماء نے ان الفاظ میں کی ہے :۔

"از تہذیب عقل عملی کہ شعبہ ثانیہ است از کمال وقت عدالت پیدا شود"

عقل عملی کی تہذیب سے عدالت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل مطابق تعریفات مندرج اجناس فضائل یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنی قوت بہیمی و شہوی و غضبی پر اپنی عقل کو غالب و حاکم بنا دے۔ اور جب کبھی کسی وجہ سے اس کے قوائے بہیمی و خواہشات میں یا اس کی قوت غضب میں اشتعال والتہاب

پیدا ہو تو وہ ان کے مطابق عمل نہ کرے۔ بلکہ اس کا ہر کام ایسے مواقع پر بھی مطابق عقل و مطابق قوانین فضائل حکمت عفت و عدالت و شجاعت کے ہو۔ اور وہ انسانِ عادل اپنے ذاتی فائدے کو دوسرے کے ذاتی فائدہ پر ترجیح نہ دے اور دوسروں کے حقوق کی کما حقہ، حفاظت کرتا رہے۔ پیغمبر اسلام پر ابتدائے اسلام میں بہت مصائب پڑے ہیں۔ سخت مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔ اہل وطن دشمن ہو گئے۔ اقربا و اعزا مخالف ہو گئے۔ ہزاروں اہل مکہ جانی دشمن بن کر در پے آزار بن گئے۔ حتیٰ کہ قتل پیغمبر اسلام کی تدبیریں کی گئیں اور آخر ایک رات ایسی ٹھہرائی گئی کہ اس رات خانہ پیغمبر اسلام میں بہادران عرب گھس جائیں اور بحالت خواب پیغمبر اسلام کو قتل کر دیا جائے۔

جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ وہ اور ان کا گھر دشمنوں میں گھر چکا ہے اور مسلح بہادران عرب بالارادہ قتل گھر کو گھیر چکے ہیں تو آپ نے ارادہ کر لیا کہ اب وطن کی سرزمین کو چھوڑ دیا جائے۔ اس کشمکش میں پیغمبر اسلام تھے کہ اتنے میں علی آ گئے پیغمبر نے علی کو قریب بلایا اور خاموشی سے کہا کہ میری چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو اور میں مدینہ جاتا ہوں۔ علی نے حکم کی تعمیل کی اور بستر رسول پر سو گئے اور پیغمبر اسلام دعا بہ لب و دعا بہ زبان دروازہ سے نکل گئے اور تا دور پہنچ گئے۔ ان کے عقب میں ابوبکر بن قحافہ چلے اور ایک منزل پر ہر دو کی ملاقات ہو گئی۔ تاریخی عبارت اس ملاقات کے بارہ میں ملاحظہ ہو۔

(۱) ابن حجر عسقلانی۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ ترجمہ :۔

ولابن عباس حدیث آخر .... و اصله فی الترمذی لنسائی

ابن عباس کی دوسری روایت زیادہ مناسب واقعہ ہے۔ اس مقام سے جسکو امام احمد بن حنبل اور امام حاکم نے عمر بن میمون سے روایت کی ہے بعد جب رسول خدا تشریف لے گئے تو مشرکین علی پر پتھر برسا رہے تھے۔ اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ نبی سو رہے ہیں۔ اتنے میں ابوبکر آئے اور کہا یا رسول اللہ تو علی نے جواب دیا کہ رسول خدا تو بئر میمون کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ تم ان سے جا کر مل جاؤ۔ ابوبکر ادھر روانہ ہوئے اور رسول خدا کے ساتھ داخل غار ہوئے۔ الحدیث اور اس کی اصل ترمذی اور نسائی میں ہے۔

(۲) تفسیر دُرِ منثور امام سیوطی جلد ۲ صفحہ ۲۴۰ :۔

اخرج ابن مردویہ و ابو نعیم فی دلائل النبوۃ .... فاتیا الغار ذلک۔

ابن مردویہ اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلعم رات کو نکلے اور غار ثور کے قریب پہنچے تو آپ کے پیچھے ابوبکر بھی آ رہے تھے۔ رسول خدا نے جب ان کی آہٹ سنی تو خوف ہوا

کہ کوئی پکڑنے والا تو تعاقب نہیں کر رہا ہے جب رسول خدا نے بغور دیکھا تو لا ابو بکو (تخنخ) ابو بکر نے کھکھار رسول خدا نے آواز سے پہچانا اور ٹھہر گئے حتیٰ کہ ابو بکر رسول خدا کے ساتھ چلے اور پھر دونوں غار ثور تک پہنچ گئے۔

(۳) مدارج النبوت جلد ۲ صہ مؤلفہ شاہ عبدالحق دہلوی :-

ابو بکر را دو شتر بود کہ بچہار صد درم ودر روایتے ہشت صد درم خریدہ ودر مدت چہار ماہ آنرا علف دادہ فربہ ساختہ نگاہ داشتہ بود۔ ہر دو را پیش آوردہ تا یکے را آنحضرت قبول فرماید فرمود قبول کردم الا بشرطیکہ ابتباع پس بہ نہصد درم آں ناقہ را از ابو بکر صدیق خرید۔

ابو بکر کے پاس دو شتر تھے جن کو انہوں نے چار سو یا آٹھ سو درم میں خریدا تھا۔ اور چار ماہ تک ان کو چارہ کھلا کر موٹا کر لیا تھا۔ وہ اونٹ ان کے پاس تھے۔ ابو بکر دونوں اونٹوں کو رسول کے سامنے لائے۔ تاکہ ایک اونٹ کو رسول خدا لے لیں۔ رسول خدا نے فرمایا کہ میں نے قبول کیا۔ بشرطیکہ اس کو میرے ہاتھ فروخت کرو پس نو سو درم میں ابو بکر سے ایک اونٹ خرید لیا۔

(۴) امام جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور جلد ۲ صہ ۲۰۴ :-

ممکث هو وابو بکر فی الغار ثلثة ایام .... ورکب رسول اللہ ورکب ابو بکر اخری فتوجھوا نحو المدینه۔

پیغمبر اسلام اور ابو بکر تین دن تک غار میں ٹھہرے رہے اور عامر بن فہیرہ ان کے لئے کھانا لاتا تھا اور علی اس کھانے کا سامان کرتے تھے۔ پس علی نے تین اونٹ بحرین کے اونٹوں میں سے خریدے اور ایک رہبر کو اجرت پر مقرر کیا۔ جب تیسری رات کا کچھ حصہ گذرا تو علی اونٹ اور رہبر کو ساتھ لائے ایک اونٹ پر رسول خدا اور ایک اونٹ پر ابو بکر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۵) روضۃ الصفا جلد دوم صہ ۵۶ :-

ابو بکر التماس نمود کہ ازیں دو شتر کہ دارم یکے را قبول فرمائی پیغمبر فرمود کہ بہ قیمت فراگیرم۔

ابو بکر نے پیغمبر سے التماس کی کہ ان دونوں اونٹوں میں سے جو میرے پاس ہیں ایک اونٹ کو آپ قبول کر لیں۔ پیغمبر نے فرمایا کہ میں قیمت دیکر خریدوں گا۔

حوالہ جات تاریخی نے واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام نازک ترین و صعب ترین مواقع پر بھی اپنی ذاتی غرض و منفعت کو قبول نہیں کرتے تھے اور اپنا ہر فعل مطابق قوانین و اصول فضیلت عدالت رکھنا چاہتے تھے اس پریشانی میں ہر شخص یہی کرتا ہے کہ دوست دشمن جس کا بھی اونٹ مل جاتا یا کوئی بھی سواری مل جاتی وہ حاصل کر لیتا اور اپنی جان بچا کر شہر سے باہر نکل جاتا۔

مگر جو انسان انسانِ کامل ہو اور جو مصلح اصول تمدن و معاشرہ ہو وہ بھلا ایسی رکیک حرکت کب کر سکتا ہے۔ اگر اس موقع خوفناک پر پیغمبر اسلام ابوبکر سے اونٹ کو بغیر قیمت قبول کر بھی لیتے تو کیا بیجا واقع ہوتا۔ کیا بحیثیت سردار ہونے کے پیغمبر کو اپنے ماتحت افراد کے مال پر اتنا بھی حق نہ تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے وقت وقتی طور پر ایک سواری لے لیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے اس احسان کو معاملہ دین میں قبول نہ کیا۔ اور ابوبکر کے اونٹ کی قیمت اصل قیمت سے زیادہ دیکر اونٹ کو خرید کر لیا۔ اس سے دو فائدے ہوئے۔

(۱) اول تو یہ امر عین عدالت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اونٹ کی قیمت حسب منشاء مالک ادا کی۔ ابوبکر نے دو شتر چار سو درم کو خرید کئے اور ان کو خوب کھلایا پلایا اور فربہ کیا۔ جیسے ہمارے یہاں قربانی کیلئے لوگ بکروں، دنبوں کو پالتے ہیں۔ اور جب خوب فربہ کر لیتے ہیں۔ تو دگنی چوگنی قیمت پر فروخت کرتے ہیں۔ ابوبکر نے بھی چار ماہ تک کھلا پلا کر ان کو خوب موٹا کیا اور منافع پر بیچنے کا ارادہ کیا۔ اگر پیغمبر اسلام اونٹ کی قیمت مع منافع کے ادا نہیں کرتے تو بھی خلاف انصاف و عدل تھا۔ اور اگر مفت لے لیتے تو بھی منافی عدالت تھا۔ ہونا یہی چاہئے تھا جو پیغمبر اسلام نے کیا۔

(۲) دوسرا یہ کہ کس موقعہ نازک پر آپؐ نے قوانین عدالت کا لحاظ رکھا اور کس خوبی سے اپنے اصحاب خاص کو خوش رکھا۔ بادی النظر میں تو یہ معاملہ بہت سادہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر موقعہ کی اہمیت اس معمولی واقعہ کو نہایت اہم بنا رہی ہے اور بہترین نمونہ عدالت پیغمبر کو ظاہر کر رہی ہے۔

حوالہ دفعہ چار میں امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب درمنثور میں لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام اور ابوبکر کی سواری کیلئے مال بحرین میں سے خرید کر علی اونٹ لائے۔ تو یہ بھی ممکن ہے کیونکہ سفر طولانی تھا اور عرب کا موسم گرم تھا۔ ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابوبکر سے بھی اونٹ لئے ہوں اور علی کے لائے ہوئے اونٹوں پر خود سوار ہوئے ہوں اور راہبر راہ کو دوسرے اونٹ پر سوار کر لیا ہو اور کچھ سامان خورد و نوش خرید کر تیسرے اونٹ پر بار کر لیا ہو۔ اتنی باریک باتوں اور دقیق واقعات کو مورخین نظر انداز کر جاتے ہیں۔ اور ایسا خود بخود بھی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ واقعہ تاریخی اسناد رکھتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابوبکر سے

اونٹ بمنافع قیمت پر خرید کر اعلیٰ نمونہ عدالت پیش فرمایا۔

واقعہ چہل و دوم۔ حسن شرکت و مکافات

صحیح بخاری پارہ ۵ الکتاب وکالت ترجمہ مرزا حیرت دہلوی ص۳۱۳۔

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم کے پاس ایک شخص اپنے اونٹ کا تقاضا کرنے آیا اور اس نے آپ سے سخت کلامی کی تو آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے کا ارادہ کیا۔ مگر رسول خدا نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ صاحب حق کی گفتگو ایسی ہی ہوتی ہے۔ بعد اس کے آپ نے فرمایا کہ اسے اسی عمر کا اونٹ دیدو کہ جس عمر کا اس کا اونٹ تھا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اس سے عمدہ عمر کے اونٹ کے علاوہ اور کوئی اونٹ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اسے وہی دیدو اسلئے کہ تم میں اچھا وہ شخص ہے جو ادائے حق اچھی طرح کرے۔

(۲) صحیح بخاری پ۱۵ باب وکالت ۔

رسول خدا کے پاس جب قبیلہ ہوازن کے لوگ مسلمان ہو کر آئے تو آپ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کے مال اور ان کے قیدی انہیں واپس کر دیں۔ تو ان سے رسول خدا نے فرمایا کہ مجھے وہ بات پسند ہے جو حق ہو۔ پس تم لوگ ایک بات اختیار کرو یا قیدیوں کو واپس لے لو یا مال کو اور میں نے تمہارے انتظار میں مال غنیمت کی تقسیم دیر میں کی مگر تم لوگ اس وقت تک نہ آئے (اور بیشک رسول خدا نے کچھ اوپر دس دن ان کی انتظار کی۔ جبکہ آپ طائف سے لوٹے تھے۔) بس انہیں معلوم ہو گیا کہ رسول خدا انہیں صرف ایک ہی چیز واپس دیں گے تو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں۔ پس رسول خدا مسلمانوں کی جماعت کے سامنے کھڑے ہوئے اور آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اس کے بعد فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہمارے پاس توبہ کر کے آئے ہیں اور میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو دیدوں۔ لہٰذا جو شخص تم میں سے تبرعاً ایسا کرے وہ دیدے اور جو شخص تم میں یہ چاہے کہ وہ اپنے حصہ پر قائم رہے یہاں تک کہ ہم سب سے پہلے غنیمت سے اسے اس کا معاوضہ دیں تو وہ اسی شرط پر دیدے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بلا معاوضہ اس کو منظور کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کس نے منظور کیا۔ کس نے نامنظور کیا۔ لہٰذا تم لوگ لوٹ جاؤ اور تمہارے سردار تمہارا پیغام میرے پاس لائیں۔ پس سب لوگ لوٹ گئے اور ان سے ان کے سرداروں نے گفتگو کی۔ بعد اس کے وہ رسول خدا کے پاس آئے۔ اور آپ سے بیان کیا کہ وہ لوگ بخوشی منظور کرتے ہیں۔

استنباط نتائج ۔ واقعہ اول سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اعرابی کو اس کے اونٹ کے بدلے میں

بہتر اونٹ عطا فرمایا اور باوجود اس کی سخت کلامی کے آپ کے مزاج میں مطلق تغیر پیدا نہ ہوا۔ بلکہ اصحاب کو اس کے مارنے سے روکا نہ غصہ کیا نہ بدزبانی کا بدلہ بدزبانی سے دیا اور نہ اسکو معاوضہ سے محروم کیا بلکہ اس کے اونٹ کے بدلہ اعلیٰ نسل کا اونٹ اس کو عطا فرمایا۔

بادی النظر میں کسی کی چیز کے بدلہ کسی چیز کا دیدینا روزمرہ کی معمولی بات ہے۔ مگر اعرابی کی سخت کلامی سردارِ قوم و مذہب کیلئے ایک بیجا و نامناسب حرکت تھی۔ ایسے مواقع پر معمولی حیثیت کے انسان کو بھی طیش آجاتا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام کی عدالت اس کی مقتضی تھی کہ اس کی سخت کلامی کو برداشت کیا جائے اور بہتر بدل بھی دیدیا جائے۔

دوسرے واقعہ سے عدالت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ عدالت ظاہر ہوتا ہے۔ قبیلہ ہوازن کا مال غنیمت اور اسیروں کا مجاہدین پر تقسیم ہو جانا۔ اور بنی ہوازن کے بعض اشخاص کی فرمائش پر پیغمبر اسلام کا اپنا حصہ واپس کر دینا اور لشکر اسلام سے سفارش کرنا کہ وہ بھی اپنا حصہ واپس کر دیں اور اس پر مزید عدالت یہ کہ ان سپاہیوں کو واپس کر دیا جو بحکم رسول اپنا اپنا حصہ واپس کر رہے تھے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں شائبہ تھا کہ شائد وہ بخوشی اپنا حصہ واپس کرنے پر راضی نہ ہوں۔ پیغمبر اسلام نے کہا۔ کہ تم لوگ اپنے سرداران لشکر کو بھیجو اور وہ مجھ کو تمہارا پیغام واپسی مال غنیمت سنائیں۔

گویا پیغمبر اسلام نے ایک نمونہ عدالت تو افراد بنی ہوازن کے ساتھ سلوک نیک کر کے دکھایا۔ اور دوسرا نمونہ عدالت اپنی فوج کے افراد سے ان کی رضامندی کو بخوشی معلوم کر کے ظاہر فرمایا۔ اور تیسرا نمونہ عدالت اپنے کردار واپسی مال غنیمت سے ظاہر کیا۔ اس ایک واقعہ میں قوانین عدالت کے تین پہلو تھے ایک ذاتِ رسول سے معاملہ تو آپ نے سب سے پہلے اپنا حصہ واپس فرما کر عدالت برتی دوسرا پہلو مجاہدین کے حصص مال غنیمت سے تھا تو ان سے سفارش کر کے مال واپس کرا دیا۔ تیسرا پہلو مخصوص افراد لشکر اسلام سے تھا۔ کہ وہ چاہتے اپنا مال واپس کرتے اور چاہتے نہ کرتے۔ تو پیغمبر اسلام نے ان کو کامل اختیار دیا۔ اور ان کو پورا موقعہ دیا کہ وہ حاضرانہ و غائبانہ اپنے معاملہ پر غور کر لیں۔ اس میں ان پر معمولی دباؤ بھی نہ پڑے۔ چنانچہ ان مجاہدین اسلام نے اپنے سرداروں کے ذریعہ پیغام دیا کہ ہم اپنا اپنا مال واپس کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تھی وہ عدالت رسول جو ہمیشہ انسانوں کیلئے نمونہ عدالت پیش کرتی رہے گی۔

واقعہ چہل و سوم، عدالت، حسنِ شرکت، حسنِ قضاء

صحیح بخاری پ ۹ ترجمہ مرزا حیرت دہلوی ص ۳۲۹

کعب بن مالک سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد کے اندر ابن ابی حدرد سے اپنے ایک قرض کا جو

ان پر تقاضا کیا۔ پس ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ حتیٰ کہ رسول خدا نے سنا۔ آپ اپنے گھر میں تھے
پس آپ ان کے پاس آئے اور اپنے حجرہ کا پردہ اٹھا کر ان کو آواز دی کہ اے کعب۔ کعب نے کہا لبیک یا
رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنا قرض اسے معاف کردو۔ اور آپ نے انہیں اشارہ کیا کہ نصف۔ انہوں نے کہا
یا رسول اللہ میں نے معاف کیا۔ آپ نے ابی حدرد سے فرمایا کہ اٹھو اور ان کا قرض ادا کردو۔

نتیجہ ۔ اس واقعہ میں صرف پیغمبر اسلام نے دو باہم لڑنے والے مسلمانوں میں حکم عدالت ہی نہ دیا بلکہ وہ طریقہ
عدالت اختیار کیا کہ ان کے مابین محبت و یگانگت بھی باقی رہی اور قرضہ بھی ادا ہوگیا۔ کیونکہ کعب نے بحکم
رسول اپنا نصف قرضہ ابن ابی حدرد کے حق میں معاف کردیا۔ تو گویا یہ احسان کیا اور اس احسان کے بدلہ
میں ابن ابی حدرد ممنونِ احسان ہوا اور یہی وجہ دوستی باقی رہی۔ اور چونکہ قرض ادا کردیا گیا۔ لہٰذا کعب بن مالک
بھی مطمئن ہوگئے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ہوتی تو ایک تو ایکدوسرے کے مقابلہ میں مقدمہ کی
ہار جیت کا ملال زندگی بھر رہتا۔ اور دل صاف نہ ہوتا۔

مگر پیغمبر اسلام نے عدالت کے ذریعہ ایسا حکم دیا کہ ہر دو دوست بھی رہے اور ایکدوسرے کے ممنون
و متشکر بھی۔

واقعہ چہل و چہارم ، عدالت ، ہجرت ، قیام قبا

بعثتِ پیغمبر اسلام کے تیرھویں سال
واقعہ ہجرت پیش آیا۔ پیغمبر اسلام نے
جب دیکھا کہ کفار مکہ نے چالیس بہادروں سے آپ کے مکان کو گھیر لیا ہے اور ان کا ارادہ ہے کہ وہ رات کو
سونے کی حالت میں مجھ کو قتل کردیں تو آپ نے علی ابن ابی طالب سے کہا کہ تم اس رات میرے بستر پر میری
چادر اوڑھ کر سو رہو۔ اور میں مکہ سے مدینہ روانہ ہو جاؤں۔ علی نے بخوشی بسترِ رسول پر سونا منظور کیا۔ اور
پیغمبر اسلام تاریکی شب میں مکان سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ علی نے تین روز مکہ میں قیام کیا۔ اور
پیغمبر اسلام کے پاس کفار مکہ کی جو امانتیں موجود تھیں وہ ان کے مالکوں کو واپس کیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ
کی جانب روانہ ہوگئے۔ ادھر پیغمبر اسلام تین روز غار ثور میں مقیم رہے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کا رُخ کیا
اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر مقام قبا میں قیام کیا۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ اہل مدینہ آپ کی تشریف آوری کے
مشتاق ہیں۔ آپ جلد مدینہ میں داخل ہوں۔ مگر پیغمبر اسلام نے انکار کردیا۔ اور فرمایا کہ جب تک علی مجھ
تک نہیں پہنچیں گے میں مدینہ میں داخل نہ ہوں گا۔ اس واقعہ کی اسناد مختصراً کتب تاریخ سے ملاحظہ فرمایئے

(۱) اسوۃ الرسول جلد دوم صفحہ ۳۲۱۔

قبا میں شاہ مرکب رسالت ۸ ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوت یا سنہ ۱ھ روز دوشنبہ مطابق ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ء کو پہنچا

(۲) ناسخ التواریخ جلد اول ص ۳۳۰ :-

مع القصہ پیغمبر صلعم پنج شبانہ روز داخلہ قبا متوقف بود ..... بعد از ورود بقبا ابوبکر در حضرت رسول معروض داشتہ کہ مردم مدینہ بسیار انتظار کردہ اند صواب آنست کہ در مدینہ نزول فرمائید۔ آنحضرت فرمودند تا برادرم علی با من ملحق نشود وارد مدینہ نشوم -

مختصر یہ ہے کہ پیغمبر اسلام پانچ رات دن مقام قبا میں مقیم رہے۔ قبا میں پہنچنے کے بعد ابوبکر نے خدمت پیغمبر میں عرض کیا کہ مدینہ کے لوگ آپ کا شدید انتظار کر رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ مدینہ میں داخل ہو جائیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جب تک میرا بھائی علی مجھ سے آکر نہ ملجائے گا۔ میں مدینہ میں داخل نہ ہوں گا۔

(۳) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۵۹ :-

چوں حضرت رسالت پناہ از مکہ بعزم مدینہ روان شد علی ابن ابی طالب سہ روز در حرم توقف نمود تا ودائع کہ نزد رسول بود بامر واشارت آنسرور بہ صاحبانش رسانید و پیادہ در عقب پیغمبر روان شد و ہنوز آن سرور در قبا بود کہ امیر المومنین علی بخدمت مشرف گشت واز پیادہ رفتن در پایہایش آبلہ شدہ بود۔ حضرت رسالت پناہ دست مبارک را بداں می مالید و دعاء شفا می خواند تاآں رنج بہ صحت پیوست و دیگر حضرت درد پا نکشید گویند کہ حضرت رسول بعد از چہار روز کہ در مسجد محلہ قبا توقف نمود عازم مدینہ شد و فرقہ بعد از چہاردہ روز با ہجدہ روز دگروہے بعد از بست روز گفتہ اند دگویند کہ روز جمعہ از قبا متوجہ مدینہ گشت کے بعد بروز جمعہ مدینہ روانہ ہوئے ..

جب پیغمبر اسلام مکہ سے مدینہ روانہ ہوئے تو علی ابن ابی طالب نے تین دن تک مدینہ میں قیام کیا تاکہ وہ لوگوں کی امانات جو پیغمبر اسلام کے پاس رکھی تھیں۔ بحکم پیغمبر واپس کردیں۔ اس کے بعد علی پا پیادہ پیغمبر کے پیچھے روانہ ہوگئے۔ پیغمبر اسلام ابھی مقام قبا میں مقیم تھے کہ علی خدمت پیغمبر میں پہنچے۔ پیدل چلنے کی وجہ سے علی کے پیروں میں آبلے پڑگئے تھے۔ پیغمبر اسلام اپنے دست مبارک کو پائے علی پر مل رہے تھے۔ اور دعائے صحت کر رہے تھے۔ اس کے بعد علی کے پیروں میں کبھی درد نہ ہوا۔ بعض کہتے ہیں مقام قبا میں چار روز پیغمبر نے قیام کیا پھر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ایک گروہ کی رائے ہے کہ چودہ دن یا اٹھارہ دن یا بیس دن

کیفیت ہجرتِ رسول

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۵۵

(ا) چوں شب شد بر درے سرائے مصطفےٰ بدستوریکہ قرار دادہ بودند جمع آمدہ انتظار می بردند کہ آنحضرت در خواب شود تا ایشاں بقتل و ہلاک آنحضرت پردازند گویند ابو لہب گفت امشب اورا نگاہ میداریم کہ چوں صبح شود در روشنی اورا بقتل رسانیم تا بنی ہاشم را معلوم شود کہ بہئیات اجتماعی ایں کار ساختہ ایم حضرت رسول بر کیفیت قضیہ اطلاع یافتہ علی ابن ابی طالب را فرمود کہ مشرکاں قصد قتل من دارند تو برو و بردِ مرا بپوش و در خوابگاہ من تکیہ کن و دل قوی دار کہ ہیچ مکروہے بتو نخواہد رسید۔ علی مرتضیٰ بموجب فرمودہ عمل نمودہ بردے کہ پیغمبر در خواب پوشیدے بر دوش کشید و در فرش خاص آنحضرت بعز اغبال تکیہ فرمود ومن الناس لیرجع نفسِ نفیس خود را فدائے ذات مقدس او ساخت و آیہ کریمہ من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللّٰہ رؤف بالعباد دریں واقعہ نازل شد۔۔۔

ب دیدند کہ شخصے در خوابگاہ حضرت رسالت است و آنجا غنودہ است گفتند اینک محمد است کہ برد خود پوشیدہ و در خوابگاہ خسپیدہ است چوں بعزم دست بردپائے

ترجمہ

جب رات ہو گئی تو اہل مکہ مطابق اپنی قرارداد کے در پیغمبر پر جمع ہوئے۔ اور انتظار کرنے لگے کہ پیغمبر اسلام سو جائیں تو ان کو ہم قتل و ہلاک کر دیں۔ ابولہب نے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ آج رات بھر محمد کو گھیرے رہیں اور صبح ہو تو صبح کی روشنی میں اس کو قتل کر دیں۔ تا کہ بنی ہاشم کو معلوم ہو جائے کہ ہم سب نے اجتماعی حیثیت سے محمد کو قتل کیا ہے۔ تاکہ وہ قصاص نہ لے سکیں۔ پیغمبر اسلام کو ان کے ارادہ کی خبر ہو گئی۔ آپ نے علی مرتضیٰ کو بلایا اور ان سے کہا کہ مشرکین نے میرے قتل کا ارادہ کر لیا ہے۔ تم جاؤ اور میری چادر کو اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ۔ اور تم اپنے دل کو مطمئن رکھو کہ تم کو کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ علی مرتضیٰ نے مطابق حکم پیغمبر عمل کیا اور وہ چادر جو پیغمبر بحالت خواب اوڑھتے تھے اپنے اوپر تان کر پیغمبر اسلام کے خاص بستر پر بہ اطمینان تمام سو گئے۔ کون شخص ہے جو ایسا ارادہ کر سکتا ہے۔ علی نے اپنے نفسِ نفیس کو ذات اقدس نبوی پر قربان کر دیا۔ اور آیہ کریمہ من یشری الخ جو کہ بیچ دیتا ہے اپنے نفس و جان کو خدا کی رضا کی طلب کیلئے اور اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اسی موقعہ پر نازل ہوئی

در خانہ بنهادند مرتضیٰ علی از خواب برجست وایشاں او را دیدند و دانستند کہ آں شخص در قول صادق بودہ از علی سوال کردند کہ محمد کجاست۔ فرمود کہ مرا بجا فظت او تعین نہ کردہ بودند کہ دانم بکدام جانب رفتہ مشرکاں منفعل و متحیر و خاکسار گشتہ زمانی علی را محبوس کردند و آخر باشارت ابولہب دست تعرض اندو باز داشتند۔

مشرکین مکہ نے دیکھا کہ بستر رسول پہ ایک شخص لیٹا ہوا ہے۔ اور سو رہا ہے تو انہوں نے باہم کہا کہ یہ محمد ہے جو اپنی چادر اوڑھے اپنے بستر پر سو رہا ہے۔ جب دشمن محمد کو قتل کرنے کے ارادہ سے گھر میں داخل ہوئے تو علی بستر سے اٹھ بیٹھے۔ ان لوگوں نے علی کو دیکھا تو یہ جانتے ہوئے کہ علی صادق القول ہے علی سے پوچھا کہ محمد کہاں ہیں۔؟ علی نے کہا کہ تم نے محمد کو میری سپردگی میں دیا تھا جو مجھ سے پوچھتے ہو کہ وہ کہاں گئے۔ مشرک تو اب سنکر شرمندہ و خجل و ذلیل ہوئے۔ کچھ دیر علی کو گرفتار رکھا۔ پھر ابولہب کے کہنے سے چھوڑ دیا۔

استنباط نتائج ۔ پیغمبر اسلام کو جب معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بارادۂ قتل جمع ہو گئے۔ تو آپ نے اپنے بستر پر اپنی چادر اوڑھ کر سونے کا حکم علی کو دیا۔

(۲) علی نے بخوشی تلواروں کی چھاؤں میں بستر رسول پہ سونا گوارہ کیا اور مطابق حکم سو گئے۔

(۳) کفار و مشرکین مکہ حسب قرار داد باہمی خانہ پیغمبر اسلام میں گھس آئے اور علی پہ حملہ کیا۔ مگر علی باخبر ہو گئے۔ کچھ دیر قید رہے اور بعد کو چھوٹ گئے۔

(۴) علی نے بوقت شب اجتماع قاتلین میں بستر پیغمبر اسلام پہ سو کر گویا اپنی جان قربان و فدیہ رسول کر دی اور خدا نے علی کو اس خدمت کا صلہ آیت قرآن نازل فرما کر ادا کر دیا۔ اور عدالت خداوندی اس طرح ظاہر ہو گئی۔

(۵) علی نے مکہ میں بعد رہائی تین دن مسلسل قیام کیا۔ اور پیغمبر اسلام کے فرائض عدالت و نبوت کو اس طرح ادا کیا کہ پیغمبر اسلام کے ذمہ جو امانات تھیں ان کو ان کے مالکوں کو واپس دیا۔

(۶) علی مکہ سے مدینہ تک پیدل گئے۔ اور علی کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ تو پیغمبر اسلام نے ان چھالوں پر اپنا دست شفا لگایا۔ اور وہ پاؤں کے چھالے درست ہو گئے۔

(۷) پیغمبر اسلام نے مقام قبا میں تین دن یا بقولے اٹھارہ بیس دن قیام کیا۔ اور جب آپ کے صحابی ابوبکر نے کہا کہ اہل مدینہ آپ کے منتظر آمد ہیں آپ جلد چلیں تو آپ نے مدینہ میں داخل ہونے سے انکار کیا۔ اور کہہ دیا کہ جب تک میرا بھائی علی مجھ سے نہ مل جائے گا۔ میں مدینہ میں داخل نہ ہوں گا۔

۸ جب علی ابن ابی طالب مقام قبا میں پہنچ گئے تو پیغمبر اسلام علی کو ہمراہ لیکر داخل مدینہ ہوئے۔
مندرجہ تاریخی واقعات و حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی نظر قوانین عدالت پر تھی۔ لہٰذا
..... آپ نے نہیں چاہا کہ خلاف قوانین عدالت کوئی کام کریں۔ پیغمبر اسلام مکہ میں پیدا ہوئے مکہ ہی
میں مبعوث برسالت ہوئے۔ اور تیرہ سال مسلسل اہل مکہ کو تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ مگر بجز چند اہل مکہ
کے مسلمان نہ ہوئے۔

پیغمبر اسلام نے اپنا مرکز تبلیغ بدلا۔ اور مدینہ کو اس مرکز بننے کیلئے انتخاب فرمایا۔ گویا پیغمبر اسلام
مدینہ پہنچ کر کار نبوت و رسالت کی بنیاد تو رکھنے والے تھے۔ اور اسی مدینہ کو ہمیشہ کیلئے مرکز تبلیغ اسلام
بنانے والے تھے۔ اس صورت میں اگر پیغمبر اسلام علی کی اس جاں فروشی کی داد نہ دیتے۔ اور بہ نفس نفیس
تنہا ہی مدینہ کے کار تبلیغ کو شروع کر دیتے تو گویا علی کی فدا کاری، جاں سپاری کو نظر انداز کر دیتے۔
اور علی کے ان کاموں کو حقیر و سبک سمجھ کر پس پشت ڈال دیتے۔ تو خود ہی صاحبان نظر و انصاف غور فرمائیں
کہ پیغمبر اسلام کا یہ فعل مطابق عدالت ہوتا۔ یا خلاف قوانین عدالت۔؟

خدا تو خود ان خدمات و اس فدا کاری علی کو آیت قرآن کے ذریعہ سراہے اور علی کی مدح کرے۔ اور
خدا کا نبی اس اہم کار منصبی کی تکمیل و تجمیل کو نظر انداز کر دے یہ صورت ہرگز مطابق قوانین عدالت نہیں ہو سکتی
تھی۔ اس موقعہ پر پیغمبر اسلام اگر خدمات علی کا صلہ نہ دیتے۔ تو خلاف عدالت بھی ہوتا اور آئندہ کیلئے
مضرت رساں بھی کیونکہ کسی مرد مجاہد و جاں سپار کی خدمات کو سبک و حقیر گردانا ہی خلاف عدالت بھی ہے
اور آئندہ کیلئے باعث عدم التفات و عدم توجہ بھی ہوتا ہے۔ جب کسی جانثار کی خدمات جاں نثاری
کی داد نہیں دی جاتی تو یقیناً اس مرد مجاہد کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اور وہ فطری طور پر بد دل اور مایوس
ہو جاتا ہے۔ اور جو کارنامے اس کے ذریعہ انجام پانے والے ہوتے ہیں۔ وہ اس کے دل ہی میں فنا
ہو جاتے ہیں۔

اس موقع پر پیغمبر اسلام کیلئے وہی صورت بہتر و مناسب تھی کہ جو آپ نے اختیار کی اور فرمایا کہ میں
ابتدائے کار تبلیغ کو غیر موجودگی علی میں نہیں کروں گا۔ اور جب تک علی مجھ سے نہ مل لیں گے میں مدینہ میں داخل
نہ ہوں گا۔ پھر اتنا ہی نہیں کیا بلکہ جب پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے ان کے پیروں کو گرد
و غبار پاک کیا اور پیروں کے چھالوں کی دوا اپنے دست مبارک کے ملنے سے کر دی۔ پیغمبر اسلام کی
یہی وہ عدالت تھی جس نے ہر خاص و عام دوست و دشمن کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اور اسی مساوات و
عدالت کی وجہ سے ہر سپاہی اسلام جاں نثاری کو اپنا اولین فریضہ سمجھتا تھا۔ خدمات و فدا کاری کا ایک

صلہ و عیوض تو یہ ہے کہ اس شخص کو نقد انعام دیدیا جائے۔ یا کوئی تمغہ یا خطاب عطا فرمایا جائے اور اعلیٰ انعام یہ ہے کہ اس شخص کو اپنے کارِ منصبی میں اپنا شریک بنا لیا جائے۔ جس طرح خدمات و فداکاری کے درجات ہیں اسی طرح ان انعامات و معاوضہ کے مراتب ہیں۔

علی کی خدمات و فداکاری کو کتب تاریخ اسلام سے پیش کیا گیا۔ واقعی شب ہجرت نرغہ اعدا و قاتلین میں بسترِ رسول پر سو کر بعد ہجرت نبوی امانات رسول کو واپس کر کے پھر پیدل سفر کرتے ہوئے مدینہ تک خدمت رسول میں پہنچ کر علی نے وہ خدماتِ خدا و رسول ادا کی ہیں کہ جن کا مثل و نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔ اس صورت میں انعام و معاوضہ خدمات بھی اسی درجہ کا ہونا چاہیئے تھا۔ جس درجہ کی خدمات و فداکاری تھی۔ چنانچہ مطابق قوانین عدالت خدا نے خطاب میں خطاب "مالک مرضی خدا" عطا فرمایا۔ اور سند خطاب کو بہ شکل آیۃ من یشری نفسہ ابتغ مرضات اللہ واللہ رؤف باالعباد نازل فرمائی۔ اور عدالت محمد صلعم کا اقتضا یہ ہوا کہ علی کو اپنے کارِ منصبی میں اپنا شریک و سہیم بنایا اور فرمادیا کہ میں ابتدائے کار تبلیغ و رسالت کیلئے مدینہ میں داخل نہ ہوں گا جب تک کہ علی مکہ سے واپس آکر میرے ہمراہ مدینہ میں داخل نہ ہونگے۔

بعض طبائع کو یہ تاویل و تشریح نامناسب معلوم ہو گی۔ مگر وہ خود غور کریں۔ اور انصاف کریں کہ آنحضرت پیغمبر اسلام کو علی کی اس فداکاری کا صلہ دینا ضروری تھا یا نہیں۔ اگر صلہ دینا ضروری تھا تو یہ عدالت پیغمبر کے مطابق ہے۔ اور اگر اس موقعہ پہ صلہ دینے سے انکار کیا جائے تو یہ خلاف قوانین عدالت ہے اور پیغمبر اسلام کا ہر کام مطابق قوانین عدالت ہوا کرتا ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ اس اہم موقعہ پہ پیغمبر اسلام علی کو صلہ خدمات عطا نہ فرماتے۔

واقعہ چہل و پنجم، عدالت، اخوت

سنہ ۱ھ ہجری میں پیغمبر اسلام نے مہاجرین و انصار کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا جس کا مفصل تذکرہ باب حکمت میں ہو چکا ہے۔ مہاجرین جب مدینہ پہنچے ہیں تو وہ مکہ ہی میں اپنا سب کچھ چھوڑ آئے تھے۔ نہایت افلاس و غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور انصار بوجہ اپنے وطن میں ہونے کے متمول اور صاحب حیثیت تھے۔ ظاہر ہے کہ مالدار کی نظر غریب پر ہمیشہ بہ حقارت پڑتی ہے اور ابنائے جنس میں ایک کا دوسرے کو بنظر حقارت دیکھنا خلاف قوانین عدالت ہے۔ اور یہ کسی طرح بھی مطابق عدالت نہیں ہے کہ ہم جنس اور ہم مذہب و مومن میں بعض افلاس و غربت کی زندگی گذارتے رہیں اور فاقہ پہ فاقہ کرتے رہیں اور دوسرے عیش و راحت کی زندگی بسر کریں اور غربا کو بہ نظر حقارت دیکھیں چشم عدالتِ پیغمبر میں یہ بات ناپسند ہوئی آپ نے باقتضائے عدالت

انصار و مہاجرین میں عقد مواخات قائم کر دیا اور یہاں تک یہ رشتہ اخوت مستحکم کیا کہ ایک مسلم کا دوسرے مسلم کی میراث میں حصہ قرار دیدیا۔ اور پیغمبر اسلام نے یہ رشتہ مواخات دوبارہ قائم کیا۔ ایک وقت تو آپ نے صرف مہاجرین ہی کو باہم رشتہ مواخات میں منسلک کیا اور دوسرے وقت آپ نے انصار و مہاجرین میں عقد مواخات قائم کیا اسکی سند میں تاریخ روضۃ الصفا جلد دوم سے پیش کرتا ہوں۔

(۱) دریں سال حضرت مقدس نبوی میان مہاجر و انصار عقد مواخات بست و در لئے مواخات مواخاتے دیگر بود کہ تعلق بہ مہاجرین میداشت و انصار را در آن دخلے نبود و دراں مواخات میان ابوبکر و عمر عقد برادری بست و ہمچنیں میان طلحہ و زبیر و عبدالرحمٰن بن عوف و عثمان بن عوف و عثمان بن عفان چوں عقد مواخات مہاجراں بست حضرت علی مرتضیٰ عرض کرد یا رسول اللہ برائے من ہیچ برادرے تعین نہ نمودی حضرت فرمود انا اخوک فی الدنیا و الآخرہ

سال یکم ہجری میں پیغمبر اسلام نے مہاجرین و انصار کے درمیان عقد مواخات قائم کیا اس مواخات و بھائی چارہ کے علاوہ دوسری مواخات ہے جس کا تعلق صرف مہاجرین سے ہے انصار کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اس عقد مواخات میں جو مہاجرین کے درمیان میں قائم ہوا پیغمبر اسلام نے ابوبکر و عمر کو بھائی بنایا اسی طرح طلحہ اور زبیر کو اور عبدالرحمٰن بن عوف و عثمان بن عوف اور عثمان بن عفان کو بھائی بنایا جب مہاجرین میں عقد مواخات قائم کیا تو علی مرتضیٰ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے میرے لئے کوئی بھائی منتخب نہیں فرمایا پیغمبر اسلام نے فرمایا اے علی میں دنیا و آخرت میں تیرا بھائی ہوں۔

پیغمبر اسلام کی عدالت کا یہ اقتضا تھا کہ وہ تمام اہل اسلام میں مساوات و عدالت قائم کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے مہاجرین کو علیحدہ بھی رشتہ مواخات میں منسلک کر دیا اور پھر مہاجرین و انصار میں علیحدہ علیحدہ عقد مواخات قائم کر دیا۔ اور اس صورت میں مسلمانوں کو یہ بتایا کہ تم خواہ کسی قبیلہ کسی خاندان کے فرد ہو تمکو یہ حق نہیں ہے کہ تم اپنے بنی نوع کو غریب و افلاس کی مصیبت میں دیکھو اور خوش ہو۔ یا مالداروں کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنی مالداری کا فائدہ اپنے اور اپنے اہل خاندان ہی تک محدود رکھیں پیغمبر اسلام نے اپنے اس طریقہ سے عدالت بین الناس کا وہ نمونہ اعلیٰ قائم کیا ہے۔ جس پر عمل کرنے سے ہمیشہ اہل عالم عموماً اور اہل اسلام خصوصاً امن و امان۔ عیش و راحت اور مساوات و عدالت کی زندگی بسر کر سکیں گے۔ اور سارا اہل دنیا سے جنگ و جدال و خودغرضی و نخوت کا وبال و نحوست دور ہو جائے گی۔

عدالت واقعہ چہل و ششم سلمان فارسی

سلہ ھ میں سلمان فارسی بعمر تقریباً ۲۵۰ برس مسلمان ہوئے۔ سلمان نے جو خدمات اسلام کی ہیں اور جو مرتبہ اصحاب پیغمبر میں ان کا تھا وہ دنیائے اسلام جانتی ہے مہاجر و انصار ہر دو انکو بیحد دوست رکھتے تھے اور چونکہ یہ فارسی نژاد تھے عرب نہ تھے لہٰذا اہل عرب کی نظر غیرت بیگانگی پڑتی تھی اسلئے کہ عرب اپنے کو اہل عجم سے برتر جانتے تھے۔ مگر بایں ہمہ سلمان فارسی کا علمی تبحر مراتب ایمانی اس درجہ تک تھا کہ ہر صاحب ایمان انکو اپنے میں شامل کرنا چاہتا تھا اور ان کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔ ایک دن مجمع انصار و مہاجرین میں بر-

یہ سوال پیدا ہو گیا کہ سلمان انصار سے تعلق رکھتے ہیں یا مہاجرین سے۔ انصار کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ اور مہاجرین کا دعویٰ تھا کہ سلمان ہم میں سے ہیں۔ بات نے طول پکڑا معاملہ پیغمبر اسلام تک پہنچا۔ آپ نے سلمان کے بارہ میں ارشاد فرمایا:۔

اَلسَّلمان رجل منا اهل البیت۔ روضۃ الصفا جلد ۲ ص۴۳۔

نتیجہ۔ بظاہر یہ واقعہ معمولی نظر آتا ہے۔ مگر بہ نگاہ عمیق دیکھا جائے تو اس واقعہ میں عدالت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ نظر آتا ہے۔ بات یہ تھی کہ سلمان فارسی اپنی ڈھائی سو سالہ زندگی میں مختلف حالاتِ زندگی سے دو چار ہو چکے تھے۔ موصوف ایک دیہاتی آتش پرست کے لڑکے تھے۔ ان کا کام تھا کہ آتشکدہ کی آگ روشن کرتے رہیں۔ کچھ زمانہ انہوں نے کنیسہ و گرجا کی خدمات میں گزارا اور اسقفِ شام کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد نصاریٰ نے ان کو عثمان بن اشہد یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اور یہ غلامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ قسمت نے یاوری کی تو ان کو مدینہ پہنچا دیا۔ سلمان اپنے مالک کے ساتھ نخلستان میں کھجوریں چن رہے تھے کہ پیغمبر اسلام ہجرت کرتے ہوئے مقام قبا میں پہنچے۔ سلمان نے خدمت پیغمبر اسلام میں کچھ خرمے پیش کئے اور پیغمبر اسلام کی نظر کیمیا اثر نے قلب سلمان میں نور ایمان کا دریا موجزن کر دیا۔

ان مختصر ترین واقعات نے بتایا کہ سلمان غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور عرب میں زر خرید غلام ہوکر رکھنے کا دستور تھا۔ اور غلام کی منزلت ایک جانور سے بھی کم سمجھی جاتی تھی۔ اب انصار کا یہ دعویٰ کہ سلمان کو اپنے سے متعلق کر لیں اور مہاجرین کا یہ دعویٰ کہ سلمان ہم میں سے ہے۔ سلمان کی حیثیت کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچاتا تھا۔ اور سلمان پر داغ غلامی اسی طرح ثبت رہتا تھا۔ اور تفوق آزاد و تنزل غلام باقی رہتا تھا۔ پیغمبر اسلام کی عدالت کب اس کو گوارا کر سکتی تھی۔ کہ ایک معتمد دیندار صحابی کی پیشانی پر داغ غلامی قائم رہے۔ آپ کی تو غرض تبلیغ ہی یہ تھی کہ بنی نوع انسان کو مساوات و عدالت کا درس دیا جائے۔ لہٰذا آپ نے انصار و مہاجرین کے جھگڑے کو اس طرح فیصل کر دیا کہ فرما دیا کہ "سلمان رجل منا اہل بیت" آپ کے اس قول کا مطلب یہ تھا کہ مہاجرین و انصار پھر قبائل عرب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی حیثیت میں تفریق خاندانی ہے مگر سلمان کا درجۂ اسلام و ایمان اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کو خاتم النبیین و سید المرسلین کے اہل بیت کا ہمرتبہ کر دیا جائے۔

پیغمبر اسلام نے سلمان کو یہ رتبہ عطا فرما کر دو کام اہم انجام دیئے۔ اول تو یہ کہ سلمان کی پیشانی سے داغ غلامی کو ہمیشہ کیلئے محو کر دیا۔ دوسرے سلمان کے درجہ ایمان کا معاوضہ یہ دیا کہ ان کو اپنے اہل بیت میں شامل کر لیا۔ تیسرے سلمان کو اس درجہ جلیلہ پر پہنچا کر عدالت بین الناس کا اعلیٰ نمونہ پیش فرما دیا۔

عدالت واقعہ چہل و ہفتم ۲ھ

پیغمبر اسلام مشرکین مکہ کی آزار رسانی دبالآخر ارادہ قتل سے تنگ آکر مدینہ تشریف لے آئے۔ انصار مدینہ نے پیغمبر اسلام کی کمک و تائید کا وعدہ کیا تھا۔ مگر عدالت پیغمبر اسلام اس امر کی مقتضی ہوئی کہ آپ اہالیانِ مدینہ کو سب سے پہلے جہاد کا حکم نہ دیں۔ لہٰذا جب آپ کو اطلاع ملی کہ تقریباً دو سو مشرکین مکہ مدینہ کی طرف آرہے ہیں۔ اور ان کا ارادہ کسی پر ظاہر نہیں ہے کہ وہ کس ارادہ سے مکہ سے نکلے ہیں۔ تو آپ نے بہ نظر احتیاط و مطابقتِ قانون حفظ ماتقدم حمزہ ابن عبدالمطلب کو ساٹھ افراد ہمراہ کر کے ان کے مقابلہ کیلئے روانہ فرمایا۔ یہ ساٹھ افراد سب مہاجرین تھے۔ پیغمبر اسلام نے جامہ سفید کا علم کا پھریرا بنایا اور علمدار فوج حمزہ کو بنایا۔ جب ابوسفیان اور اس کے دو سو افراد لشکر کو اطلاع ملی تو وہ واپس فرار ہوگئے اور نوبت جنگ کی نہ آئی۔ صاحب روضۃ الصفا[۹۵] جلد دوم میں رقمطراز ہیں۔

آوردہ اند کہ حضرت مقدس نبوی قبل از جنگ ہیچیک از انصار را بجہاد امر نفرمود بظن آں کہ ایشاں یاری نخواہند داد مگر در وقتے کہ اعدائے دین متوجہ نفس مدینہ شوند۔ . . . .

مورخین کا بیان ہے کہ پیغمبر اسلام نے قبل جنگ کسی ایک انصار کو جہاد کا حکم نہیں دیا۔ صرف آپ کو یہ خیال ہوا کہ وہ مدد نہ کریں گے جب تک کہ مدینہ ہی پر کوئی حملہ نہ کردے . . . .

غزوہ بدر کبریٰ۔ ایں اول غزوہ بود کہ انصار بداں فائز گشتند۔

انصار سب سے پہلے غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔

اس تاریخی عبارت سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ عہد پیغمبر اسلام میں بعد ہجرت مدینہ ہی میں یہ بات مشہور تھی کہ اہل مدینہ اسی وقتِ خاص مسلمانوں کی مدد کریں گے جبکہ کوئی بیرونی طاقت مسلمانوں پر حملہ کردے۔ پیغمبر اسلام نے اہل مدینہ کے اس عہد کا لحاظ و پاس رکھا۔ البتہ چونکہ ابوسفیان کا دو سو افراد کا لشکر غیر معلوم مقصد کیلئے جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے بعض مورخین کو خیال ہوا کہ وہ لشکر مشرکین صرف قافلہ تجارت تھا۔ اور شام سے مکہ واپس ہو رہا تھا۔ بہر حال جو صورت بھی ہو پیغمبر اسلام کا یہ فعل کہ آپ نے حمزہ کو ساٹھ افراد دیکر ان کے مقابلہ یا ان کے دفع کرنے کو بھیج دیا یہ اعلیٰ قسم کی سیاست و حکمت تھی۔ اس سے مغرورین اہل مکہ پر رعب اسلام چھا گیا اور پہلے ہی مقابلہ میں ان کے ارادہ ہائے جنگ اس طرح پسپا ہوگئے کہ وہ پہلے ہی مقابلہ میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ علاوہ اس واقعہ تاریخی سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ پیغمبر اسلام نے اہل مدینہ کے ساتھ عادلانہ طرز عمل قائم رکھا اور ان کو اس دفاعی حملہ میں دعوت شرکت نہ دی۔ بلکہ خود اپنے آدمیوں اپنی بھی

حفاظت کی ذمہ داری ان کے شہر کی بھی حفاظت کا انتظام کر دیا۔ اس واقعہ نے صرف ایفائے عہد کو ہی ظاہر نہیں کیا بلکہ پیغمبر اسلام کی عدالت کاملہ کا بھی اظہار کیا۔

عدالت واقعہ چہل و ہشتم

۲ سنہ ہجری میں غزوہ بدر کبریٰ واقعہ ہوا۔ اس غزوہ میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ صرف ۳۱۴ افراد تھے اور یہ بھی ایسی حالت میں کہ اسلحہ جنگ و سواری و رسد بھی نہ رکھتے تھے۔ جوش اسلامی سے سرشار چند نابالغ نوجوان بھی لشکر اسلام کے ہمراہ مدینہ سے باہر نکل آئے اور انہوں نے بھی میدانِ جنگ میں لڑمرنے کا ارادہ و عزم کر لیا۔ پیغمبر اسلام کو اطلاع ملی کہ اس لشکر میں کچھ نوجوان بھی شامل ہو گئے ہیں۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ وہ سب واپس مدینہ جائیں۔ چنانچہ تاریخی سند بالفاظ روضۃ الصفا صفحہ ۶۷ جلد ۲ پیش کی جاتی ہے۔

و طائفہ کہ ہنوز از مہد صبی بمیدان شباب نخرامیدہ بودند رخصت انصراف یافتند۔

ایک گروہ ان افراد کا جو ابھی تک سن بلوغ کو نہ پہنچے تھے۔ بحکم پیغمبر واپس کر دیا گیا۔

واقعہ مذکور نے ثابت کر دیا کہ پیغمبر اسلام صرف دنیوی جنگ نہیں لڑ رہے تھے۔ بلکہ آپ اہل عالم کو اصول و مقاصد جنگ تعلیم کر رہے تھے۔ آپ نے اس موقعہ نازک پر نوجوانوں کو ساتھ نہ لیکر اور ان کو جنگ کے میدان سے واپس کر کے عدالت کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔ اور اہل عالم کو بتایا ہے کہ اپنے حصول مقصد کیلئے جائز و ناجائز اسباب سے کام نہ لینا چاہیئے۔ بلکہ مطابقتِ اصول ہر وقت لازم رکھنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ آپ نے میدانِ جنگ میں جانے کیلئے ایک خاص عمر کی قید و پابندی لگا دی اور اس طرح آپ نے نسل انسانی کو تیغ و شمشیر و نیزہ کی زد سے بچا کر عدالت بین الناس اور حفاظتِ حقوق طبقات و درجات انسانی کا انتظام فرما دیا۔ یہی وہ کارنامے ہیں جنہوں نے قوانین عدالت کو ابدی زندگی عطا کر دی ہے۔

عدالت واقعہ چہل و نہم

جنگ بدر کبریٰ کیلئے پیغمبر اسلام مدینہ سے روانہ ہوئے۔ تو آپ نے بقول تاریخ روضۃ الصفا صفحہ ۸ جلد ۲ فرمایا:۔

حضرت فرمود لا یخرج معنا رجل لیس علی دیننا۔

ہمارے ساتھ جنگ میں شرکت کی غرض سے کوئی شخص نہ جائے بجز اس کے جو ہمارے دین پر ہو

پیغمبر اسلام کا یہ فرمان خاص اہمیت رکھتا ہے۔ عام دستور تو یہ ہے کہ انسان جب اپنی طاقت کو کمزور پاتا ہے تو ہر ممکن صورت کو اختیار کرتا ہے اور چھوٹی سے چھوٹی مدد کو بھی منظور کر لیتا ہے۔ مگر پیغمبر اسلام معدودے چند افراد کو دشمن حملہ آور قوی کے مقابلہ میں لئے جا رہے ہیں اور یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ صرف وہ لوگ ہمارے ساتھ چلیں اور دشمن سے جنگ کریں جو ہمارے دین کے پیرو ہوں۔ باقی واپس چلے جائیں۔

پیغمبر اسلام کے اس فرمان میں کئی فائدے تھے اول تو یہ کہ سب کو معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کی جنگ کی غرض صرف تبلیغ دین اور اصلاح معاشرہ انسانی و تہذیب اخلاق تھی۔ اور جو لوگ اپنے نفوس کو ان اصلاحات کا اہل قرار دے چکے تھے وہ گویا دین اسلام قبول کر چکے تھے۔ اب ان مہذب و دینداروں کی جنگ ویسے طبقہ انسانی سے تھی جو اشرار معاشرہ سمجھے جانے کے مستحق تھے۔ ان کی اصلاح ضروری تھی یا ان کو شل عضو بوسیدہ و متعفن کے قطع کر دینا ضروری تھا۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر اسلام نے اپنے اس قول سے ثابت کر دیا کہ ہم اپنی غرض و حصول مطلب کیلئے دوسروں کی مدد کے طالب نہیں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسا کرنا خلاف قانون عدالت ہے اور ہمارا مقصد اشاعت و نشر قانون عدالت ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم خلاف قوانین عدالت کام کریں۔

تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ دامن اسلام نصرتِ اغیار کے دھبے سے پاک و صاف رہا۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ مسلمان ہر مصیبت کا مقابلہ اور ہر فوج کا مقابلہ امداد خداوندی کے سہارے کرتا ہے۔ اور وہ کبھی کسی حالت میں اغیار کی مدد کا طالب نہیں ہوتا ہے۔

عدالت، واقعہ پنجاہم النعام معاذ و معوذ

جنگ بدر ۲ھ میں واقع ہوئی ہے۔ جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ تو یکایک معاذ و معوذ ابنائے حارث کی نظر ابو جہل پر پڑی۔ ان دونوں نے ابو جہل پر حملہ کر دیا۔ سخت جنگ واقع ہوئی۔ معاذ نے ایک وار تلوار کا ایسا کیا کہ ابو جہل کی ٹانگ کٹ گئی اور وہ دشمن خدا تڑپنے لگا۔ عکرمہ ابو جہل کے بیٹے نے جیسے ہی باپ کو تڑپتے ہوئے دیکھا آگے بڑھ کر معاذ پر شمشیر تیز کا وار کیا کہ معاذ کا ہاتھ قلم ہو گیا اور تھوڑی سی کھال کٹنے سے باقی رہ گئی معاذ برابر لڑتے رہے اور معوذ برابر بھائی کی مدد کرتے رہے آخر معاذ نے تنگ آ کر اپنے لٹکتے ہوئے ہاتھ کو پیر سے دبایا اور کھینچ کر جدا کر دیا۔ اور پھر جنگ کرنے لگے۔ آخر ان دونوں بھائیوں نے ملکر ابو جہل کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس دشمن رسول سے سطح ارض کو صاف کر دیا۔ معاذ اور معوذ دونوں بھائی خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے اور قتل ابو جہل کا پورا واقعہ بیان کیا۔ گویا دونوں بھائی اپنے کارنامہ کی داد چاہتے تھے۔ پیغمبر اسلام نے دریافت فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ ابو جہل کا قاتل تم دونوں میں سے کون ہے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم دونوں قاتل ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اپنی اپنی تلواریں زمین پر ڈال دو۔ دونوں نے اپنی اپنی تلواریں زمین پر رکھدیں۔ پیغمبر خدا نے ان دونوں پر گہری نظر ڈالی اور فرمایا کہ بیشک تم دونوں ابو جہل کے قاتل ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے معاذ کو ابو جہل کی صلیب عطا فرما دی اور معوذ کو جہاد کا حکم دیا معوذ جنگ کرتے ہوئے جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔ اور معاذ عہد عثمان بن عفان تک زندہ رہے۔ (روضۃ الصفا جلد دوم صـ۵ـ)

واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام نے دونوں مجاہدین کے کارنامہ کی داد دی اور چونکہ معاذ کا ہاتھ قطع ہو چکا تھا اور وہ جہاد سے معذور و مجبور تھے۔ لہٰذا ان کو صلیب ابوجہل انعام میں دیدی اور جہاد سے معاف رکھا۔ اور معوذ چونکہ سالم و صحیح تھے۔ لہٰذا ان کو حکم جہاد دیا اور سعادت شہادت عطا فرمائی۔ اگر اس موقعہ پر پیغمبر اسلام معوذ کو صلیب ابوجہل انعام میں دیدیتے تو خلاف عدالت ہوتا۔ کیونکہ معوذ بمقابلہ معاذ صحیح و سالم تھے۔ اور جنگ و جہاد سے معافی کے قابل نہ تھے۔ لہٰذا اگر ان کو صلیب ابوجہل دیجاتی تو وہ صلیب لیکر پھر بھی میدان جنگ میں جاتے تو اول تو یہ صلیب لشکر دشمن کیلئے مزید جوش و اشتعال کا سبب ہوتی۔ دوسرے معوذ کو شہید ہونا تھا لہٰذا پھر یہ صلیب دشمن کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی۔ اور فعل پیغمبر اسلام خلاف حکمت و عدالت ثابت ہوتا۔

پیغمبر اسلام نے صلیب ابوجہل معاذ کو دیکر صحیح طریقہ اور عادلانہ سلوک اختیار فرمایا۔ وہ صلیب مجبور و معذور معاذ کیلئے ایک قسم کی مالی مدد ثابت ہوئی۔ اور یہی عدالت ہے کہ معذور کی مدد بحالت معذوری و مجبوری کی جائے۔ علاوہ بریں معاذ و معوذ دونوں کو داد شجاعت دیکر اور قاتل ابوجہل ہونے کا لقب دیکر بھی پیغمبر اسلام نے اظہار عدالت فرمایا۔

عدالت واقعہ پنجاہ ویکم

سنہ ۲ھ میں جب لشکر اسلام غزوہ بدر کیلئے مدینہ سے روانہ ہوا تو پیغمبر اسلام نے افراد لشکر سے کہا کہ مجھ کو علم ہے کہ بنی ہاشم کے کچھ لوگ بہ کراہت ہمارے مقابلہ کیلئے آئے ہیں۔ تم لوگ جب ان پر غلبہ پاؤ تو ان کو قتل نہ کرنا۔ اور خصوصاً عباس بن عبدالمطلب کو قتل نہ کرنا۔ و نیز ابوالبختری کو بھی قتل نہ کرنا ابوالبختری ہی وہ شخص تھا جس نے عہدنامہ قریش جو آزار رسانی بنی ہاشم کیلئے لکھا گیا تھا۔ اس پر دستخط نہ کئے تھے اور نہ اس نے کوئی اذیت پیغمبر اسلام یا ان کے اصحاب کو پہنچائی تھی۔ بلکہ مشرکین کو مسلمانوں کو اذیت دینے سے روکتا تھا۔ جب ابوحذیفہ بن عتبہ نے پیغمبر اسلام کا یہ حکم سنا تو اس نے کہا کہ ہم اپنے باپ یا بھائیوں بھتیجوں کو تو قتل کر دیں اور عباس کو زندہ چھوڑ دیں یہ کیونکر ممکن ہے۔ خدا کی قسم اگر میرا قابو عباس بن عبدالمطلب پر چل گیا تو میں عباس کے چہرہ پر تلواریں ماروں گا۔ پیغمبر اسلام کو حذیفہ کے ایسا کہنے کی جب اطلاع ملی۔ تو آپ نے عمر ابن خطاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔ یا اباحفص تم سنتے ہو کہ حذیفہ کہتا ہے کہ وہ رسول خدا کے چچا کے چہرہ پر تلواریں مارے گا۔ عمر نے جب سنا تو کہا یا رسول اللہ رخصت فرمائی تا گردن وے را بزنم کہ منافق گشتہ۔ (روضتہ الصفا جلد ۲ صـ۲۲)

اے خدا کے رسول آپ مجھ کو اجازت دیں تو میں حذیفہ کی گردن ماردوں۔ کیونکہ وہ منافق ہوگیا ہے۔

روضتہ الصفا جلد دوم صـ۲۲۔

حضرت مصطفیٰ در جواب عمر فرمود کہ او کافر و منافق نہ گشت ولیکن از درد پدر و برادر و عم ایں سخن میگوید۔ چوں عمر الحاح کرد کہ دستور می فرمائی تا او را بکشم پیغمبر فرمود کہ یا ابا حفص تو او را مکش کہ خدائے تعالیٰ او را شہادت دہد۔ ایں شہادت کفارت ایں سخن وے گردد وے را بہ بہشت برد ماجرائے حضرت و عمر را ابو حذیفہ شنید از سخن خویش پشیمان و از سخط عز و علا ترسال گشت۔

پیغمبر اسلام نے عمر کے جواب میں فرمایا کہ وہ (حذیفہ) کافر و منافق نہیں ہوا ہے۔ لیکن اپنے باپ چچا اور بھائی کے قتل ہو جانے کے درد و الم میں ایسا کہہ رہا ہے۔ جب عمر نے زیادہ اصرار قتل حذیفہ پر کیا اور کہا کہ آپ مجھ کو قتل حذیفہ کی اجازت دیں تو پیغمبر نے کہا کہ اے ابا حفص تم اس کو قتل نہ کرو خدا حذیفہ کو درجہ شہادت دیگا وہ شہادت حذیفہ کے گناہ بدکلامی کا کفارہ ہو جائے گی۔ اور اس کو بہشت میں لے جائیں گی۔ جب حذیفہ نے پیغمبر اور عمر کی باہمی گفتگو کو سنا تو وہ اپنے لیے پر سخت پشیمان اور ناراضگی خدا سے خوفزدہ ہوا۔

واقعہ مذکورہ سے عدالت پیغمبر اسلام کے دو پہلو واضح ہوئے۔ اول تو یہ کہ آپ نے حملہ آور جماعت کے ان لوگوں کی جان بخشی کا حکم دیا جو بجبر میدانِ جنگ میں لائے گئے تھے اور یہ پیغمبر اسلام کی عدالت تھی۔ کیونکہ حق بحقدار پہنچانا ہی عدالت ہے۔ جو لوگ پیغمبر اسلام سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اور بجبر ابو جہل کے دباؤ سے میدان جنگ میں آ گئے تھے۔ واقعی وہ قابلِ قتل نہ تھے۔ اور ان کو قتل کر دیا جاتا تو پیغمبر اسلام کی لاعلمی ہوتی اور بجائے عدالت کے ظلم ہوتا۔

چنانچہ پیغمبر اسلام نے قیام مکہ کے زمانہ ہی میں سمجھ لیا تھا کہ کون دشمن ہے اور کون دوست۔ چونکہ بنی ہاشم نے بمشارکت ابو طالب ہمیشہ پیغمبر اسلام کی مدد کی تھی اور زمانہ انقطاع شعب ابو طالب میں بنی ہاشم نے بھی تکالیف و مصائب برداشت کی تھیں۔ لہٰذا وہ بیشک اس مراعات کے مستحق تھے۔ کہ ان کو عوام مشرکین کے ساتھ قتل نہ کیا جائے۔ پیغمبر اسلام کا اس موقع پر بنی ہاشم کے بارے میں قتل نہ کرنے کا حکم دیکر گویا ان کی خدمات کا صلہ ان کو دیا اور یہی فیصلہ پیغمبر اسلام کی عین عدالت تھا۔

دوسرا پہلو عدالت پیغمبر اسلام کا یہ نمایاں ہوتا ہے کہ حذیفہ نے عدالت و حکم پیغمبر اسلام پر اعتراض کیا تھا اور عمر نے بار بار اس کے قتل کر دینے کی اجازت چاہی۔ بادی النظر میں تو معاملہ صاف تھا کہ حذیفہ نے پیغمبر اسلام کے حکم پر اعتراض کیا تھا اور اس کی نافرمانی کا اعلان کر دیا تھا۔ لہٰذا قابل گردن زدنی تھا۔ مگر پیغمبر اسلام اگر حذیفہ کو صرف اس کی زبانی خطا پر قتل کرا دیتے تو خلاف عدالت ہوتا اور ظلم ہوتا۔ کیونکہ در حقیقت

وہ مومن تھا اس کا باپ بھائی اور چچا سب مسلمانوں کے ہاتھوں سے جنگ بدر میں مارے گئے۔ مگر اس کے ایمان میں لغزش نہ آئی بھلا ایسا مسلمان کب منافق اور کافر ہو سکتا تھا۔ پیغمبر اسلام نے موقع کی نزاکت کو سمجھ لیا۔ اور بالآخر عمر سے کہہ دیا کہ حذیفہ کو منافق و کافر نہ کہو بلکہ خدا اس کو درجہ شہادت دیگا۔ چنانچہ حذیفہ شوق شہادت میں غزوات میں شریک ہوتا رہا۔ اور آخر جنگ مسیلمہ کذاب میں شہید ہوا۔

اگر پیغمبر اسلام مطابق رائے عمر حذیفہ کو قتل کرا دیتے تو در حقیقت یہ ظلم ہوتا کہ مومن کو قتل کرا دیا اور ایسا مومن جو پختہ کار مجاہد بھی ہو۔ پیغمبر اسلام نے حذیفہ کی وکالت بھی کی اور جان بخشی بھی کی اور یہی عین عدالت تھا۔

عدالت واقعہ پنجاہ دوم تقسیم غنیمت

سنہ ۲ ھ میں جنگ بدر واقع ہوئی۔ پیغمبر اسلام کو مشرکین مکہ پر فتح حاصل ہوئی۔ مسلمانوں نے بھاگے ہوئے کفار کا مال جمع کیا اور ہر مسلمان کو یہ گمان تھا کہ جتنا مال وہ جمع کرے گا وہ اسی کا ہے۔ جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ سب مال غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ اب بعض بہادران اسلام کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ مال ان کا ہی حصہ ہوگا۔ مگر پیغمبر اسلام نے بالالفاظ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۶۸ :-

حضرت ختمی مرتبت فرمان داد کہ اموال بالسویت میان اصحاب قسمت نمایند سعد وقاص گفت یا رسول اللہ اتعطی فارس القوم مثل ما تعطی الضعیف حضرت مقدس نبوی فرمود۔ ثکلتک امک وہل تنصرون الا بضعفائکم۔

پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ مال غنیمت کو مساویانہ طور پر اصحاب کے درمیان تقسیم کر دیا جائے سعد وقاص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ شہسوار قوی بہادر کو بھی وہی دے رہے ہیں جو آپ کمزور و نحیف کو دے رہے ہیں پیغمبر اسلام نے فرمایا اے سعد تیرا برا ہو تو نے غور نہیں کیا تمہاری مدد صرف ضعفا کی وجہ سے کی گئی ہے۔ یعنی صرف ضعفا کی وجہ سے خدا نے تمہاری مدد کی اور فتح دی ہے۔ پیغمبر اسلام کی عدالت کے نمایاں پہلو اس تاریخی واقعہ میں موجود ہیں۔ غزوہ بدر عہد اسلام کی پہلی جنگ تھی۔ اہل اسلام بحالت غربت و افلاس بسر کر رہے تھے۔ ان حالات کا اقتضا یہ تھا کہ جو کچھ بھی مال غنیمت حاصل ہو۔ وہ بحصہ مساوی سب کو پہنچایا جائے۔ تاکہ ہر مسلم کو یکساں فائدہ پہنچے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ کچھ سپاہی میدان جنگ میں بہادرانہ جنگ کر رہے تھے۔ اور کچھ سپاہی ان کی طاقت بڑھا رہے تھے۔ یا دیگر جنگی خدمات انجام دے رہے تھے اس صورت میں سعد وقاص کا اعتراض کہ ہر مجاہد کو

مساویانہ تقسیم مال غنیمت نہ کی جائے منافی قوانین عدالت تھا۔ کیونکہ میدان جنگ میں آنے کے بعد ہر سپاہی کے سامنے جو موقع جاں نثاری آتا وہ اس کو پورا کرتا لہٰذا ہر ایک کا حصہ بھی مساوی ہی ہونا چاہئے تھا۔ علاوہ بریں اگر کسی سپاہی کو عذر ضعیفی یا پیری یا دیگر اہم عذر پیدا ہو جائے تو اس کا شمار بھی شرکائے جنگ ہی میں کیا جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے ان تمام امور اور اصول جنگ کو نظر میں رکھتے ہوئے و نیز قوانین عدالت کی پابندی کرتے ہوئے۔ مساوی طور پر تقسیم مال کا حکم دیدیا۔ چونکہ یہ اسلام کی پہلی جنگ تھی اور پیغمبر اسلام کے ہمراہی نو مسلم تھے۔ اور عہد جاہلیت کی جنگوں کے طریقوں کو دیکھے ہوئے تھے اور وہ اس بات کے عادی تھے کہ جو آگے بڑھ کر بہادری کے جوہر دکھائے اور اپنے دشمن کو قتل کرے۔ وہی مال غنیمت کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ اور باقی محروم رکھے جاتے تھے۔ یا صرف بطور امداد کے ان کو کچھ دیدیا جاتا تھا۔۔

مگر عہد اسلام میں ایسا ہونا ناممکن تھا۔ کیونکہ پیغمبر اسلام تدوین قوانین معاشرہ و تہذیب اور جنگ و صلح چاہتے تھے۔ لہٰذا آپ نے سعد وقاص کو سختی سے جھڑک دیا۔ اور فرمایا کہ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ تو ہر موقع بے موقع بول اٹھتا ہے یاد رکھ کہ ضعفاء کی بدولت ہی تم کو فتح بدر نصیب ہوئی ہے۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ میدان جنگ میں کمزور و طاقتور دونوں کی خدمات بلحاظ جاں فروشی مساوی ہوا کرتی ہیں۔ بہر حال پیغمبر اسلام نے عرب کے حریص الطبع انسانوں کو حکم دیدیا کہ وہ کل مال ایک جگہ جمع کر دیں اور پھر آپ نے اس کی تقسیم بحصہ مساوی سب پر کر دی اور جو لوگ بوجہ عذر اہم کے مدینہ واپس کر دیئے گئے تھے اور حفاظت مدینہ کی خدمات یا نگہبانی و خبر رسانی حالات مدینہ کی خدمات ان کے سپرد کی گئی تھیں۔ پیغمبر اسلام نے ان کو بھی حصہ مساوی دیا۔ تاریخی سند ملاحظہ ہو۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص۷۹ :۔

غنائم را بر حاضرانِ معرکہ بدر و بر آں ہشت کس کہ سالقہ مذکور شد کہ بعضے از ایشاں بنا بر عذرے مقبول و برخے بفرمان آنحضرت از ملازمت تخلف نمودہ بودند بسویت قسمت فرمود۔

پیغمبر اسلام نے مال غنیمت بدر کو حاضرین معرکہ بدر و نیز ان آٹھ افراد پر جن کا ذکر ہو چکا ہے کہ ان میں کے بعض بوجہ عذر معقول اور بعض بحکم رسول جنگ میں شامل نہ ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے ان سب کو مال غنیمت کا مساویانہ حصہ دیا۔

پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پر تقسیم مال کو بحصہ مساوی دیکر صرف عدالت و مساوات ہی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ قوانین جنگ و اصول شرکاء جنگ کا

تعیین فرمادیا۔ موجودہ زمانہ کی تہذیب وتمدن واصول جنگ پیغمبر اسلام کے اس فعل کو خلاف اصول قرار دیں گے کیونکہ موجودہ تہذیب واصول جنگ کے لحاظ سے ہر منفعت و مال غنیمت وغیرہ کا مالک صرف صدرمملکت یا ڈکٹیٹر ہے اور اس کی جگہ صرف خزانہ ملک ہے۔ سپاہی کا صرف اتنا ہی حق ہے کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت کیلئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہادے اور اپنے پسماندگان کو بے یار و مددگار دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ جائے۔ اور اس کے متعلقین اس کے مرجانے کے بعد در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ گویا اس سپاہی مقتول کا مقصد حیات صرف اتنا ہی تھا کہ وہ چند روپوں کی خاطر فوج میں بھرتی ہو۔ اور جب ضرورتِ فوجی ختم ہو جائے تو فوج سے نکال دیا جائے یا اگر وہ میدانِ جنگ میں کام آجائے تو اس کے پسماندگان زندہ درگور ہو جائیں۔ پیغمبر اسلام نے اس طریقہ کو ظالمانہ طریقہ قرار دیا ہے۔

آپ نے عہد اسلام کی پہلی جنگ ہی میں سعد وقاص کو سختی سے جھڑک کر اور مال غنیمت کو بحصہ مساوی تقسیم کر کے اہل عالم کو بتادیا کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ تو حاکم و حکومت کا ہے۔ اور باقی تمام اموال کے مالک و حقدار وہی لوگ ہیں جنہوں نے میدان جنگ میں اپنے خون کو پانی کی طرح بہایا ہے۔ جسم پر تیروتبر کھائے ہیں۔ اور ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد ان کے مال کی وارثِ حقیقی ہے۔ اس واقعہ کی بھی سند تاریخی ملاحظہ ہو:۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص۷۹ :۔

گفتہ اند کہ رسول خدا نصیب سعد بن عبادہ را کہ ہر چند تخلف نمودہ بود بنابر آنکہ در موافقت و ملازمت بغایت رغبت داشت و مردم را ترغیب بخروج می نمود مقرر ساخت از اں جہتہ کہ ہنگام بیروں آمدن او را مار گزیدہ و زاں غزوہ باز ماند و ہمچنیں گفتہ اند کہ سہم سعد بن مالک ساعدی را بورثہ او داد زیرا کہ سعد را اثناء آنکہ تہیہ خروج می کرد مریض شدہ وفات یافت۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ رسول خدا نے سعد بن عبادہ کے حصہ کو اگرچہ سعد واپس ہو گئے تھے۔ مگر چونکہ وہ ساتھ رہنے کو دل سے چاہتے تھے۔ اور دوسرے افراد کو آمادہ جنگ کرتے تھے مقرر کر دیا وہ اسلئے کہ سعد مدینہ سے نکل رہے تھے تو راہ میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا اور وہ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اور ایسا ہی واقعہ دوسرا پیش آیا۔ اور پیغمبر اسلام نے سعد بن مالک کے حصہ کو بھی ان کے وارثوں کو دیا کیونکہ سعد بن مالک ساعدی جبکہ سامانِ سفر کر رہے تھے بیمار ہو گئے اور مر گئے۔

واقعات و عبارات تاریخی نے بتایا کہ پیغمبر اسلام نے شرکا جنگ بدر کو مساوی حصہ دیا۔ وہ ان کو بھی جو بوجہ معقول عذر کے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے یا جنکو بفرض خدمت پیغمبر اسلام نے مدینہ میں مدد کردیا تھا۔ یا جو راہ میں بیمار ہوگئے یا جو راہ میں مرگئے۔ یہ تھی وہ مساوات و عدالت محمدی جس نے عالم کو محمد کا کلمہ گو بنادیا۔ اور فخر یہ دین اسلام قبول کرکے اپنے کو اعلیٰ فرد نوع انسانی بنالیا۔

عدالت واقعہ پنجاہ وسوم، مکافات، واقعہ عمیر بن وہب

تحت فضیلت عدالت جنس فضیلت مکافات بھی ہے۔ مکافات کی تعریف حکما نے ان الفاظ میں کی ہے۔ "مکافات آں بود کہ احسانے راکہ باو کنند بمانند آں یا زیادہ از آں مقابلہ کند و در اسائت بکمتر ازاں"۔ ترجمہ:

مکافات یہ ہے کہ جو احسان کوئی شخص کرے تو اس کا بدلہ اتنا ہی یا اس سے زیادہ دے۔ اور جب کوئی شخص برائی کرے اور نقصان پہنچائے تو اس کا بدلہ اس کی برائی سے کم کرے۔ واقعہ مندرجہ ذیل سے ثابت ہوگا کہ پیغمبر اسلام نے اس جنس فضیلت کو جو شعبہ عدالت ہے کس خوبی سے اپنے دشمن کے ساتھ پورا کیا ہے۔

عمیر بن وہب جمحی بقول محمد بن اسحاق کے زمانہ جاہلیت میں ایک شیطان تھا شیاطین قریش میں سے تخریب بنیاد اسلام میں سرگرم رہتا تھا۔ ایک روز بدر کے مقتولوں پر اظہار افسوس کررہا تھا۔ اور صفوان بن امیہ بھی اس کا شریک غم تھا۔ عمیر نے کہا کہ اگر مجھ کو اپنے بچوں کے یتیم ہونے کا خیال اور اپنے قرض نہ ادا ہو سکنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں مدینہ جاکر محمد کو قتل کردیتا۔ کیونکہ اب مجھ کو اپنی زندگی اچھی معلوم نہیں ہوتی ہے۔ صفوان بن امیہ نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہارے بچوں کو اپنے اہل و عیال میں شامل کئے لیتا ہوں اور تمہارے تمام قرض کو میں ادا کردوں گا۔

عمیر نے اسی وقت سامان سفر مدینہ شروع کردیا۔ اپنی تلوار کو زہر میں بجھایا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا جب مدینہ پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عمر ابن خطاب مع چند مسلمانوں کے ایک جگہ مقتولین بدر کا ذکر کررہے ہیں اور اپنی فتح پر خوش ہو رہے ہیں۔ جب عمر خطاب کی نظر عمیر پر پڑی تو خوف طاری ہوگیا۔ کچھ مسلمانوں نے عمیر کو گھیر لیا۔ اور اس سے پوچھا کہ کس ارادہ سے مدینہ آئے ہو۔ اس نے کہا کہ اپنے قیدی کا فدیہ دینے اور اس کو رہا کرانے آیا ہوں۔ عمیر ان مسلمانوں کے ساتھ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ اس وقت عمیر کی تلوار پر عمر ابن خطاب نے اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ عمیر خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ عمیر کی تلوار سے ہاتھ ہٹالیا جائے۔ اور اس کو آزاد کردیا جائے۔ اور پھر آپ نے پوچھا کہ اے عمیر کیسے آنا ہوا۔ عمیر نے کہا

کہ اپنے قیدی کی رہائی کیلئے آیا ہوں۔ پیغمبر اسلام نے کہا کہ سچ بتا۔ مگر عمیر نے وہی جواب دیا۔ تو پیغمبر اسلام نے عمیر کو اس کا ارادہ اور صفوان بن امیہ کی پوری گفتگو اس کو سنادی۔ عمیر متعجب و متحیر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا کہ صفوان اور میرے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ آپ نے کل حالات کیونکر بیان کردیئے۔ پیغمبر اسلام نے پوچھا اب کیا ارادہ ہے۔ کیا تو میرے قتل کے ارادہ سے آیا ہے۔ عمیر نے پیغمبر اسلام کی زبانی یہ الفاظ سنے تو کانپنے لگا اور عرض کیا یا رسول اللہ آیا تو قتل کے ارادہ سے تھا۔ مگر اب تو میں مسلمان ہوتا ہوں۔ اور اس نے کلمہ توحید پڑھا۔ اس کے بعد کے واقعہ کو الفاظ تاریخ روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۸ میں پیش کرتا ہوں۔

چوں عمیر بدولت ایمان سرفراز شد .... حضرت ختمی پناہ با اصحاب گفت کہ برادرِ خودرا تعلیم قرآں کنید و اسیر اورا اطلاق نمائید۔ عمیر گفت یا رسول اللہ پیش ازیں در اطفائے نور الٰہی می کوشیدم و اکنوں کہ توفیق الٰہی رفیق من شد مرا رخصت فرمائی تاجکہ مراجعت نمودہ قریش را با سلام دعوت نمائیم۔

جب عمیر مسلمان ہو گیا تو پیغمبر اسلام نے صحابہ کو حکم دیا کہ عمیر کو قرآن کی تعلیم دی جائے اور حکم دیا کہ عمیر کے قیدی کو آزاد کر دیا جائے عمیر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس سے قبل میں نور اسلام کو بجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اب مجھ کو قبول اسلام کی توفیق حاصل ہوئی ہے۔ تو مجھ کو اجازت دیجئے کہ میں مکہ واپس جاکر قریش کو دعوت اسلام دوں۔

عبارات تاریخی سے واضح ہو گیا کہ عمیر بن وہب جمحی قتل رسول کے ارادہ سے مدینہ آیا تھا۔ اور جب وہ خدمت پیغمبر اسلام میں پہنچا اور پیغمبر نے اس کو بتایا کہ وہ صفوان کے معاہدہ کے ماتحت میرے قتل کے ارادہ سے آیا ہے۔ اور عمیر تلوار بھی لئے ہوئے تھا ان حالات میں ہونا کیا چاہئے تھا۔ کوئی صاحب انصاف غور کر کے خود بتائے کہ ایسے مواقع پر مدبرین کیا کیا کرتے ہیں۔ ایسے واقعات تو ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں کہ جاسوس اور قاتلین بھیس بدل کر حکمرانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ پیغمبر اسلام کو بحیثیت ایک مدبر اور حکمران ہونے کے کیا کرنا چاہیئے تھا۔ ؟

یہی نا ! کہ آپ حکم دیتے اور مسلمان عمیر کی گردن اڑا دیتے اور اس دشمن خدا و رسول کے وجود سے نجات حاصل ہو جاتی مگر بادی النظر میں تو یہ صورت صحیح تھی مگر حقیقت میں یہ صورت منافی قوانین عدالت و منافی حقوق انسانی تھی۔ پیغمبر اسلام نے عمیر کے حقوق انسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے عمیر کو پورا موقع دیا کہ وہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرے۔ اور جب عمیر کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تو پیغمبر اسلام نے اصحاب سے کہا کہ

اب عمیر تمہارا بھائی ہے اس کو قرآن سکھاؤ اور اس پر یہ اور کرم کیا کہ فرمایا کہ اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔ عمیر نے کلمہ توحید زبان پر جاری کیا اور چونکہ قول رسول کی تصدیق کی تھی۔ گویا پیغمبر اسلام کے نزدیک عمیر کا یہ فعل احسان و نیکی تھا اس احسان و نیکی کا بدلہ دینا عین عدالت تھی۔ اور اس کی نیکی کے اظہار کے باوجود عمیر کا قتل کرا دینا ظلم صریح تھا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے عمیر کی نیکی کا صلہ فوراً اس کو دیا۔ اور اس کو اخوت اسلامی میں شامل کر کے اعلیٰ نمونہ عدالت پیش فرمایا۔

پیغمبر اسلام کی اس عدالتِ برمحل کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو دشمن قسم کھا کر تلوار زہر میں بجھا کر قتل پیغمبر کے ارادہ سے آیا تھا وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اور ایسا مطیع ہوا کہ فوراً ہی قریش مکہ کو دعوت اسلام دینے کے کام اور اسلامی مشن پر روانہ ہو گیا۔ پیغمبر اسلام نے اس موقع پر جو نمونہ عدالت پیش کیا ہے۔ اس کی نظیر واقعات تاریخ عالم کبھی پیش نہ کر سکیں گے۔ اور یہی وہ قوانین عدالت ہیں جو فلاح و بہبود و ترقی و سلامتی عالم کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

عدالت، واقعہ پنجاہ و چہارم، مکافات و حسن قضا

حکما نے حسن قضا کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ "حقوق دیگر کہ بروجہ مجازات می گذارد از منت و ندامت خالی باشد۔ دوسروں کے وہ حقوق جو بطور بدلہ کے ادا کئے جاتے ہیں اس طرح ادا کئے جائیں کہ ان کی ادائیگی میں احسان و ندامت کا احساس نہ دلایا جائے"۔

ابواب مذکورہ میں مکافات کی تعریف بیان ہو چکی ہے۔ بعض واقعات تاریخی ایسے بھی پائے جاتے ہیں کہ ان میں چند اجناسِ فضائل جمع ہو جاتے ہیں۔ اب آپ واقعہ کی کیفیت و تاریخی اسناد ملاحظہ کیجئے۔

ترجمہ روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۱۶ پر

جنگ خندق میں جب ابو سفیان اور اس کے لشکر کو شکست ہو گئی تو ابو سفیان مکہ واپس گیا اور اس نے اعلان کیا۔ کہ کیا کوئی عرب و قریش میں ایسا نہیں ہے کہ جو مدینہ جائے اور ہمارے خون کا انتقام محمد سے لے لے۔ محمد مدینہ کے بازاروں میں بلا روک ٹوک پھرتے ہیں اور ان کا قتل کر دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ایک بدو عرب نے ابو سفیان کا کلام سنا اور خلوت میں آ کر عہد و پیمان کئے اور کہا کہ اے ابو سفیان اگر تم میری مدد کرو تو میں محمد کو قتل کر سکتا ہوں۔ مدینہ کے راستوں کو بخوبی جانتا ہوں اور میرے پاس نہایت عمدہ لوہے کا خنجر تیز موجود ہے۔ اور مجھ کو کبھی کسی کا کوئی ڈر نہیں ہوتا ہے۔ ابو سفیان نے جب اس بدو کو اپنے حسب دلخواہ پایا تو اس کی دلجوئی کی انعام و اکرام کے وعدے کئے اور ایک تیز رفتار اونٹ اور زاد راہ دیا۔ اور چلتے وقت اعرابی نے ابو سفیان سے عہد لیا کہ وہ کسی سے اس راز کو افشا نہ کرے۔ اس کے بعد وہ اعرابی (بقیہ)

مدینہ کی طرف چلا اور مدینہ جا پہنچا۔ مدینہ میں اعرابی کو معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام قبیلہ بنی عبدالاشہل میں تشریف
فرما ہیں۔ اعرابی نے اپنے اونٹ کو مضبوط کر کے باندھا۔ اور پیادہ تلاش پیغمبر میں نکلا جب یہ وہاں پہنچا تو
اس وقت پیغمبر اسلام قبیلہ بنی اشہل کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور گفتگو میں معروف تھے۔ کہ اتنے میں
آپ کی نظر اس بدو اعرابی پر پڑی آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ یہ شخص کوئی فساد و غدر کرنا چاہتا ہے۔ مگر
خدا کی نظر لطف ہم پر ہے۔ یہ شخص ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا ہے اتنے میں یہ قوی ہیکل عرب بدو پیغمبر اسلام کے سامنے
پہنچ گیا اور جاتے ہی سوال کیا کہ تم لوگوں میں سے عبدالمطلب کا بیٹا کون شخص ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا
"انا ابن عبدالمطلب"۔ یہ سنتے ہی وہ اعرابی پیغمبر اسلام کی جانب تیزی سے بڑھا۔ اور ایسا ظاہر کیا کہ گویا وہ
پیغمبر اسلام کے قریب جاکر کان میں کچھ کہنا چاہتا ہے کہ اتنے میں صحابی پیغمبر اسید بن خضیر نے اس کو پکڑ لیا۔
اور کہا اے ملعون دور ہو اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈالکر دیکھا کہ اس کے اندر خنجر موجود ہے یا نہیں۔ اس کے بعد
اسید نے پیغمبر سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ شخص کمر میں خنجر لگائے ہوئے ہے اور غدار ہے۔ پیغمبر اسلام نے
نظر رعب و جلال اس پر ڈالی اور اصحاب کا ہجوم اور اسید کا اس کو پکڑ لینا یہ سب اسباب ایسے جمع ہو گئے کہ
وہ اعرابی اسید کے قدموں پر گر گیا۔ اور اس نے رو رو کر معافی مانگی کہ میری جان بخشی کی جائے۔ صاحب
روضۃ الصفا کے الفاظ اس موقعہ پر یہ ہیں۔

اسید بن خضیر معلوم کرد کہ در زیر جامہ خنجرے دارد و گفت یا رسول اللہ ھذا رجل غادر
اعرابی در پائے اسید افتاد و فریاد بر آورد کہ خون مرا بخشید۔ مگر اسید نے اس کو مضبوطی سے
پکڑ لیا۔ پیغمبر اسلام نے اس اعرابی بدو سے فرمایا کہ سچ بتا تو کون شخص ہے اور کس ارادہ سے آیا ہے
اگر تو سچ کہے گا تو تیرا سچ تجھ کو نفع پہنچائے گا۔ ورنہ یاد رکھ کہ میرے خدا نے مجھ کو تیرے حالات
سے باخبر کر دیا ہے۔ اعرابی امان طلبید۔ حضرت اورا امین ساخت۔ اعرابی نے جان کی امان
چاہی پیغمبر نے امان جان عطا کی۔ اس کے بعد اس اعرابی نے پورا واقعہ بیان کیا۔ پیغمبر نے حکم دیا
کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ وہ قید کر دیا گیا۔ دوسرے دن پیغمبر اسلام نے اپنے سامنے طلب
کیا اور اس سے کہا کہ میں نے تجھ کو امان دیدی جہاں تیرا جی چاہے چلا جا۔ اور اگر تو اس سے
بہتر شے کوئی اور چاہتا ہے تو بتا اعرابی نے پوچھا کہ اس سے بہتر شے کیا ہو سکتی ہے۔ پیغمبر اسلام
نے فرمایا کہ وہ یہ ہے کہ تو خدا کی وحدانیت اور میری رسالت کا اقرار کرے اور مسلمانوں کا
بھائی بن جائے۔ اعرابی نے کہا کہ میں کسی شخص اور کسی شے سے نہیں ڈرا۔ اور نہ کسی کی تلوار کا
مجھ کو خوف ہوا۔ مگر جب آپ کی صورت میں نے دیکھی تو میری عقل زائل ہو گئی اور حواس گم

ہو گئے اور میرے اور ابو سفیان کے مابین جو عہد و پیمان تھا اس کا علم میرے اور اس کے سوا کسی کو نہ تھا۔ آپ نے وہ بھی ظاہر کر دیا للہذا مجھ کو دین اسلام تعلیم فرما دیجئے یہ کہہ کر اس نے اپنی زبان پر کلمہ توحید اشہدان لاالہ الا اللہ و اشہدان محمداً رسول اللہ۔ جاری کیا۔ پیغمبر اسلام نے اس کو آزاد کر دیا۔ چند روز وہ مدینہ میں تعلیمات اسلام کے سیکھنے کی غرض سے رہا۔ پھر وہ اپنے وطن چلا گیا۔

واقعہ تاریخی سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اس خاص موقعہ پر عدالت سے بھی بالا صفت کا اظہار فرمایا عدالت تو صرف یہ ہے کہ مطابق عمل بدلہ دیا جائے اور کسی قسم کی زیادتی و ظلم کو روا نہ رکھا جائے۔ مگر فضیلت مکافات و حسن قضا یہ ہے کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے اور پھر اس میں احسان بھی نہ جتایا جائے اور وہ بدلہ مفت و بے احسان کے دیا جائے۔ گویا یہ صفت عدالت سے بھی بالاتر ہے۔ پیغمبر اسلام کی عدالت کا تو تقاضا یہ تھا کہ اعرابی ارادہ قتل سے آیا تھا اور اس نے قریب پیغمبر پہنچ کر قاتلانہ حملہ بھی کر دیا تھا۔ اس کی سزا مطابق قانون عدالت یہی تھی کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ یا بصورت کمی سزا اس کو حبس دوام کی سزا دی جائے۔ عموماً ایسے مواقع پر ایسا ہوتا ہے کہ سردار قوم پر حملہ کرنے والے کو خود افراد قوم ہی عین موقعہ پر قتل کر دیا کرتے ہیں۔ جیسے مملکت پاکستان میں یہ واقعہ ہوا کہ قائد ملت لیاقت علی خان کو جب مجمع عام میں ایک شخص نے گولی ماردی تو اس قاتل کو افراد قوم ہی نے فوراً قتل کر دیا۔ اسی طرح اسید بن خضیر اصحاب پیغمبر موجود تھے۔ انہوں نے قاتل کو گرفتار بھی کر لیا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ قاتل بغیر ارشاد پیغمبر کے مار ڈالا جاتا۔ مگر پیغمبر اسلام نے اصحاب کو روکا اور قاتل سے انتہائی نرمی سے گفتگو کی اور اس کی درخواست جان بخشی پر فوراً اس کو معاف بھی کر دیا۔ صرف ۲۴ گھنٹہ اس کو قید کی سزا دی۔ تاکہ اس کو حق و باطل میں تمیز کرنے کا موقع مل جائے اور اس کی عقل انسانی اس کو صحیح نتیجہ تک پہنچا دے۔ ایک رات دن کی سزائے قید کے بعد بلایا۔ اور اس سے دریافت کیا تو وہی ہوا جو پیغمبر اسلام نے اندازہ کیا تھا۔ وہ صداقت اسلام کا قائل ہو گیا اور بصدق دل مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ میں عدالت پیغمبر اسلام کے کئی پہلو پائے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ صرف ارادہ قتل پر قتل کی سزا دینا خلاف عدالت تھا۔ وہ پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ دوم قتل عمد کے ارادہ کرنے والے کو بے سزا چھوڑ دینا بھی خلاف عدالت تھا۔ وہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ سوم بعد سزائے قید کے اعتراف جرم و طلب معافی پر معاف نہ کرنا بھی سراسر ظلم تھا۔ وہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ چہارم ارادۂ قتل و حملہ قتل کی سزا قید طولانی بھی ہو سکتی تھی۔ مگر وہ کسی حد پر زیادتی و ظلم ہوتا۔ لہٰذا وہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔ پنجم یہ بھی ممکن تھا کہ اس قاتل کو مدینہ ہی میں رکھا جاتا اور اس کو بجبر مسلمان بنا لیا جاتا۔ تاکہ آئندہ اس سے خطرہ جان نہ ہو۔ مگر یہ بھی ظلم تھا کہ کسی کو

اس کے خلاف منشاء کے مذہب کے قبول کرنے کو بجبر کہا جائے ۔ لہٰذا یہ بھی پیغمبر اسلام نے نہیں کیا۔
پیغمبر اسلام نے جو سلوک اس اعرابی و قاتل کے ساتھ کیا وہ صرف عادلانہ ہی نہ تھا بلکہ اس عدالت سے بھی بالاتر تھا۔ اور حسن قضاء و مکافات احباس فضائل سے بھی بلند نہ تھا۔ پیغمبر اسلام کے یہی و اخلاق و فضائل تھے جن کی وجہ سے عرب کے جنگجو اور جاہل پیغمبر اسلام کا کلمہ پڑھنے لگے اور پیغمبر اسلام کے حکم سے واحد خدا کا کلمہ پڑھنے پر راضی ہو گئے ۔ اہل عالم اگر ان نظائر عدالت کو اپنا دستور العمل حیات بنالیں تو دنیا میں بجائے فساد و خوں ریزی کے امن و امان کا دور دورہ ہو جائے اور اس امن و امان کا دوسرا نام اسلام ہے ۔

عدالت واقعہ پنجاہ و پنجم

حکماء نے عدالت کو چند اقسام میں تقسیم کیا ہے ۔ عدالت فعلی عدالت قولی ۔ انسان اگر عملاً و فعلاً تو ہر کام مطابق عدالت کرے مگر اس کا قول خلاف عدالت ہو تو بھی وہ عادل نہیں ہے ۔ انسان کامل وہی ہے جس کا قول و فعل ہر کام مطابق عدالت ہو ۔ اگر زید نے عمر کے ساتھ یا عمر کے خاندان و قبیلہ کے ساتھ کوئی سلوک نیک کیا ہے ۔ اور اس سلوک نیک کا صلہ عمر نے زید کو نہیں دیا تو بیشک عمر نے زید کے ساتھ ظلم کیا یہ صلہ چند اقسام کا ہو سکتا تھا ۔ اول تو یہ کہ اگر زید کا مقصد روپیہ دینے سے پورا ہوتا تھا ۔ اور زید کو مال کی ضرورت تھی ۔ تو چاہئے تھا کہ عمر زید کو مالی انعام عطا کرے ۔ اور اگر زید کے تعلقات عمر سے اتنے بلند تھے کہ زید عمر سے مال لینا خلاف حق دوستی کے سمجھتا ہے تو عمر ایسی صورت میں اگر زید کو مال دیتا تو عمر کا یہ فعل بھی زید کی دوستی کے حق میں ظلم ہوتا پھر ایسے دوستانہ ماحول میں حق و انصاف و عدالت یہی ہے کہ زید کے حسن سلوک کی تعریف و مدح زبان عمر سے ادا ہو اور اس انداز سے وہ تعریف و مدح ہو کہ اس کے حسن سلوک کے درجہ کے مطابق ہو ۔

واقعہ ذیل ایک ایسا واقعہ ہے کہ اس سے پیغمبر اسلام کی عدالتِ قولی کا اظہار ہو گا ۔ شاید بعض ناظرین کو صداقت قولی و عدالت قولی کی تعریفات میں اشتباہ ہو جائے اسلئے مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک دوسری مثال سے اس موضوع کو واضح کر دیا جائے ۔ اگر زید مطابق واقعہ کوئی بات کہتا ہے ۔ تو یہ صداقتِ قولی ہے اور اگر زید کسی اچھے کلام کی داد دیتا ہے تو یہ عدالت قولی ہے ۔ کیونکہ کسی کے کلام خیر و حسن سلوک کی داد نہ دینا اور اس پہ خاموش رہنا ظلم ہے ۔ جب یہ ظلم قرار پایا تو حسنِ سلوک کا صلہ بصورت عمل دینا بھی عدالت ہے اور بصورت قول یعنی تعریف کر دینا بھی عدالتِ قولی ہے ۔ پیغمبر اسلام نے اس دقیق ترین موقع پر تو انہیں عدالت کا اظہار کیا ہے ۔ تاریخی اسناد ملاحظہ ہوں ۔

روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۱ :-

(۱) ۸ھ کا واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابو عبیدہ جراح کو ایک جماعت کے ساتھ جانب سیف البحر روانہ کیا اور اس سفر میں مسلمانوں کے پاس صرف خرما زاد راہ تھا۔

(۱) روایت است کہ ہر کس از غازیان نخست روزے بخرمائے قناعت می کردند و در اواخر بہ نیم خرما قرار یافت..........

واقدی گوید قیس بن سعد بن عبادہ گفت کہ کیست کہ شتراں بخرما فروشد مشروط بآنکہ شتر اکنون تسلیم نماید و خرما در مدینہ بستاند۔ عمر ابن خطاب گفت عجب است ازیں جوان کہ بمال پدر دست درازی می کند وحال آنکہ ہیچ چیز از خود ندارد و قیس بمقابلہ فاروق اعظم سخنان درشت بر زبان آورد و گفت پدر من پیادگان را سواری می سازد و گرسنگان را سیر می سازد و قرضے کہ من از جہتہ مجاہدان دین کردہ باشم چگونہ در ادائے آں تاخیر و تسویف جائز دارد۔ بعد ازاں قیس از مردے پنج شتر بدو وسق خرما خریدہ و بوقت احتیاج آں را صرف کرد۔ چوں ازاں سفر مراجعت نمودہ بمدینہ رسیدند سعد بن عبادہ بجہتہ احسانے کہ قیس کردہ بود خرم شد و او را ثنا ہا گفت و چہار نخلستان بوے بخشید و بائع شتراں چوں بمدینہ آمد سعد بہائے شتراں را تسلیم نمودہ آں شخص را (خلعت) پوشانید و حضرت چوں از مردانگی قیس آگاہ شد فرمود :۔

بیان کیا گیا ہے کہ لشکریان اسلام کو فی کس ایک خرما روزانہ غذا ملتی تھی اور وہ اسی پر ہی قناعت کرتے تھے اور آخری دنوں میں دن رات میں صرف نصف خرما کھانے کو ملتا تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ قیس بن سعد بن عبادہ نے کہا اے گروہ مسلماناں تم میں سے کون ہے جو اپنا اونٹ خرما کے عوض فروخت کر دے۔ شرط یہ ہے کہ وہ اونٹ ابھی دیدے اور خرمہ مدینہ پہنچ کر لے۔ عمر ابن خطاب نے کہا تعجب ہے اس نوجوان سے کہ اپنے باپ کے مال پر دست درازی کرتا ہے۔ حالانکہ یہ خود تو کچھ بھی نہیں رکھتا ہے۔ قیس نے جواب میں فاروق اعظم کو بہت سخت سست کہا اور کہا میرا باپ تو وہ ہے کہ جو پیدلوں کو سوار بنا دیتا ہے۔ اور بھوکوں کو شکم سیر کر دیتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جو قرض میں مجاہدین اسلام کی خاطر لے رہا ہوں تو کیونکہ اس کی ادائیگی میں تاخیر کرونگا۔ اس کے بعد قیس نے ایک شخص سے پانچ اونٹ دو وسق خرما کے بدلے میں خریدے۔ اور بوقت ضرورت مسلمانوں نے اسکو صرف کیا۔ جب اس سفر سے مدینہ واپس ہوئے سعد بن عبادہ اس احسان کی خبر کو سن کر جو ان کے بیٹے قیس نے کیا تھا بہت خوش ہوئے

انہ من بیت جواد ۔ وہ تو سخی گھر کا بیٹا ہے (قیس)

بادی النظر میں یہ چند الفاظ ہیں۔ جو زبان پیغمبر اسلام پر جاری ہوئے ہیں۔ لیکن اگر اس نازک موقعہ پر جبکہ لشکر اسلام مسلسل فاقوں کی حالت گذار رہا تھا۔ اور بحکم پیغمبر اسلام اپنے کارِ منصبی کو پورا کرنے کیلئے سفر کر رہا تھا۔ اور تعمیلِ ارشاد پیغمبر میں لشکریوں کا یہ حال تھا کہ شبانہ روز میں نصف خرما کھانے کو ملتا تھا۔ گویا یہ جماعت اسلام فنا و ہلاکت کے قریب ہو چکی تھی۔ ایسی حالت میں قیس بن سعد بن عبادہ کا حسن سلوک قابلِ مدح و تعریف نہ سمجھا جاتا۔ اور کل حالات کو سنکر پیغمبر اسلام خاموش رہتے تو بیشک پیغمبر اسلام کا یہ فعل خلاف عدالت ہوتا۔ اور قیس کے حسن سلوک کا معاوضہ پیغمبر اسلام کی جانب سے کچھ بھی نہ ملتا۔ اور یہ دوسرا ظلم ہوتا۔ اور یہ کب ممکن تھا کہ پیغمبر اسلام احسان کا بدلہ احسان نہ دیں۔ بلکہ احسان کا بدلہ اس سے بہتر دینا ہی عدالت پیغمبر اسلام تھی۔ قیس کی بروقت تدبیر سے جماعتِ مسلمانان کو بہت فائدہ پہنچا۔ مگر وہ واقعہ حدود زمانی و مکانی میں عارضی زندگی پاکر فنا ہو گیا اب نہ وہ لشکری ہیں نہ وہ اہل اسلام پر بحالتِ افلاس ہے۔ مگر وہ انعام جو پیغمبر اسلام نے قیس بن عبادہ کی خدمات کے صلہ میں دیا آج بھی باقی ہے۔ اور دو صورتوں میں باقی ہے۔

ایک تو اس مادی جہان میں کہ جبتک یہ دنیا باقی رہے گی۔ قیس اور قیس کا گھرانا جواد یعنی سخی و کریم کہلائے گا۔ یہ وہ صفت سخاوت خاندانِ قیس کو بزبان پیغمبر اسلام حاصل ہوئی ہے۔ جس کا بدل ممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر اسلام نے صرف قیس ہی کی تعریف و مدح نہیں کی ہے بلکہ اس کے خاندان کو جواد کہا ہے۔ اور یہ اور بھی بہتر صلہ ہے۔ تیسرے یہ کہ قیس اور قیس کے خاندان کی تعریف پیغمبر اسلام نے کی ہے گویا پیغمبر اسلام نے خاندان قیس کو ابدی نعمات جنت و رضائے خدا کا مستحق بنا دیا ہے۔

عدالت واقعہ پنجاہ و ششم، حفر خندق ۵ھ

ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند

جب اہل اسلام پر افلاس اور جنگوں کی سختیاں پڑی ہیں تو پیغمبر اسلام ہمیشہ ان حالات میں برابر کے شریک رہے ہیں۔ پیغمبر اسلام کا اقتضائے عدالت فطری یہی تھا کہ وہ اپنے کو اور اپنے اصحاب غریب اور متمول کو یکساں سمجھتے تھے اور جب کوئی کام مشکل آپڑتا تھا تو اس میں برابر محنت و مشقت فرماتے تھے۔ جنگ خندق کے تاریخی حالات اور پیغمبر اسلام کی مساویانہ شرکت ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۵۳۸ :۔

جنگ احزاب اسلئے کہتے ہیں کہ عرب کی تمام غیر مسلم قومیں اسلام کے استیصال کیلئے آمادہ ہو کر آئی تھیں

غزوہ خندق اس وجہ سے مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر کفار سے مدافعانہ مقابلہ فرمایا تھا۔

ص۵۳۔ خندق کھودنے کا کام یوں کیا گیا کہ دس دس آدمیوں پر دس دس ہاتھ لمبی اور پانچ پانچ گز عمیق خندق تیار کرنے کیلئے زمین تقسیم کردی گئی۔ ان جماعتوں میں ایک فرد رسول اللہ کی خاص ذات اقدس بھی تھی۔ آپ بھی عام مزدوروں کی طرح مٹی کھودتے تھے۔ اور برابر پھینکتے جاتے تھے۔

ص۵۳۳۔ علامہ طبری الشافعی ذخائر العقبیٰ میں لکھتے ہیں:۔

عن علی قال کنا........ منذ ثلاثۃ ایام۔

علی کا بیان ہے کہ میں پیغمبر اسلام کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف تھا کہ فاطمہ آئیں

ان کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا۔ خدمت رسول میں عرض کرنے لگیں کہ میں نے اپنے دونوں بچوں کیلئے روٹی پکائی تھی اس میں کا یہ ٹکڑا آپ کیلئے لائی ہوں۔ تناول فرمائیے۔ آپ نے وہ پارہ نان لیکر فرمایا:۔

انہا لاول الطعام دخل فی فم ابیک منذ ثلاثۃ ایام۔

بیٹی یہ پہلا طعام ہے جو تین دن کے بعد تمہارے باپ کے منہ میں گیا ہے۔

(۲) روضۃ الصفا جلد دوم ص۱۰ (غزوہ خندق)

اول خط بر موضع خندق کشیدہ بر اصحاب قسمت فرمود ہر دہ کس را دہ گز رسید .... رسول خدا مقرر فرمود کہ من و سلمان و حذیفہ و نعمان و شش کس دیگر از انصار بکنند چہل گز زمین قیام نمائیم۔

خندق کے مقام پر پہلے خط کھینچا گیا۔ اس کے بعد زمین کو اصحاب پر تقسیم کردیا۔ ہر دس اصحاب کو دس دس گز زمین کھودنے کیلئے دی گئی۔ رسول خدا نے مقرر فرمایا کہ میں اور سلمان و حذیفہ و نعمان اور چھ افراد دیگر انصار میں سے چالیس گز زمین کھودیں گے۔

(۳) ص۱۰۔ حضرت بنا بر آنکہ مخالفان مبادا انتہاز فرصت یافتہ از آنجا بگذرند شبہا بہ نفس نفیس و ذات مقدس خویش بحراست آں قیام می فرمود۔

(۳) پیغمبر اسلام اس لحاظ سے کہ مبادا دشمن موقع پاکر اس تنگ خندق میں سے گذر جائے خود بہ نفس نفیس شبانہ روز نگرانی کرتے تھے۔

(۴) اسوۃ الرسول جلد دوم ص۵۳۴:۔

محاصرہ مدینہ کو تین ہفتے گذر چکے تھے۔ غزوہ خندق میں رسول خدا کے پاس تقریباً تین ہزار فوج تھی گویا آپ اس وقت ایک متعدبہ فوج کے مالک تھے۔ خود ہی سپہ سالار بھی تھے۔ پھر بھی آپ کا یہ حال تھا کہ بحالت فاقہ و سخت سردی شبانہ روز میدان جنگ میں کام کر رہے تھے۔

آج بھی اس متمدن زمانہ میں میدان جنگ میں خندقیں کھودی جاتی ہیں۔ مگر یہ کام سب سپاہیوں کا ہوا کرتا ہے خود سپہ سالار فوج ان کاموں کو اپنے ہاتھ سے نہیں کیا کرتا ہے۔ آجکل سپاہی کا فریضہ ہے کہ وہ ابتداء سے تا انتہا کل کام خود کرے۔ افسران صرف احکام دیں اور نظام فوج کو باقی رکھیں۔ مگر پیغمبر اسلام نے اپنی جنگوں میں اس طریقہ سے جداگانہ طریقہ قائم کیا تھا۔ شہر مدینہ کے چاروں طرف خندق کھودنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ انتہائی غیر معمولی محنت و مشقت چاہتا تھا۔ مگر عبارت تاریخی نے واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام نے جتنی زمین پیمائش کر کے مساوی طریقہ پہ اصحاب کو کھودنے کیلئے دی تھی اسی قدر زمین خود بھی کھودنے کیلئے لی۔ اصحاب بھوک کی تکلیف میں مبتلاء تھے۔ تو پیغمبر اسلام بھی تین دن سے بھوکے تھے اور ہر سپاہی اسلام کے مقابلہ میں خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ صرف حاکمانہ حیثیت سے حکم نصیحہ دینا۔ یہ دوسری بات ہے۔ حالانکہ یہ بھی عدالت ہی ہے۔ مگر یہ عدالت جو پیغمبر اسلام نے قائم کی ہے وہ اعلیٰ ترین عدالت ہے۔ فوج کا ادنیٰ سپاہی جو کام کر رہا ہے۔ وہی کام حاکم اعلیٰ بھی اپنے دست و بازو سے کر رہا ہے۔ یہ عمل پیغمبر اسلام عدالت بین الناس کا اعلیٰ و بہترین نمونہ پیش کر رہا ہے۔ آجکل یہ عملی مساوات خلاف اصول جنگ قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ حاکم اعلیٰ اور سپاہی کے درمیان بحیثیت درجات و خدمات کے فرق ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ حاکم و محکوم میں درجہ امتیاز بھی باقی رہے۔ اور رعب حاکم بھی سپاہیوں پر باقی رہے مگر پیغمبر اسلام نے اس اصول کے خلاف اصول جنگ قائم کئے تھے۔ وہ اصول انسانیت کی مساوات و عدالت پر مبنی تھے۔ پیغمبر اسلام کی جنگ چونکہ حقوق انسانی کے حدود صحیح کو قائم کرنے کیلئے تھی لہٰذا پیغمبر اسلام کا ہر فعل جو میدان سے تعلق رکھتا تھا۔ یا جو قوانین جنگ کو مترتب کرتا تھا۔ وہ سب مساوات و عدالت پر مبنی و منحصر ہوتا تھا۔

مزید۔ اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۵۳۳ :-

(۲) اکثر نرم دل مسلمان کچھ تو خائف ہو کر اور کچھ بھوک پیاس، شدت کی سردی سے اور راتوں کی ہوائے تند سے عاجز آ کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بھوک کی شدت و رسد کی کمی کی شکایت کرنے لگے تصدیق بیانات کیلئے اپنے شکم کھول کر دکھائے جو پیٹھ سے لگ کر تختہ ہو رہے تھے اور بھوک کی شدت رد کرنے کیلئے غریبوں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ عرب میں دستور تھا کہ بھوک کی شدت رد کرنے کیلئے

اور مستقیم القامت رہنے کی غرض سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے بھی دستور و عادت کے موافق اس وقت یہی کیا تھا۔

جناب رسالت مآب صلعم ان کی یہ حالت زار دیکھ کر بحید ملول ہوئے۔ لیکن آپ نے جب ان کے سامنے اپنی قمیص کا دامن اٹھا کر اپنا شکم مبارک دکھلایا تو ان کے دیدہائے حقیقت کھل گئے۔ دیکھا کہ رسول کے پیٹ پر ایک کی جگہ دو پتھر بندھے ہوئے ہیں۔ اس حالت کے دیکھنے کی کسے تاب تھی۔ تمام دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ سب کے سب نادم ہو کر عرض کرنے لگے کہ ہمیں معلوم ہوتا کہ حضور ہم سے زیادہ بھوکے ہیں۔ تو ہم کبھی مدعا کے اظہار کی جرأت نہ کرتے۔ ارشاد ہوا کہ ہر حالت میں ہمکو اور تم کو خدا کے حکم پر قائم اور اس کی عنایت و کرم پر متوکل رہنا چاہئے۔

استدلال ۔ میں اس جنگ خندق کے واقعات میں لکھ چکا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے خندق کے کھودنے کے وقت خود بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ خندق کھودنے میں شرکت کی اور اس مشقت میں شریک رہے جو مشقت، سپاہی کیلئے ضروری تھی۔

مذکورہ عبارت تاریخی نے ایک اور امر منکشف کیا۔ اور وہ اس پہلے واقعہ سے بھی زیادہ عدالت پیغمبر پر روشنی ڈالتا ہے۔ کہ چند سپاہی خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے اور اپنی بھوک کی شکایت کی اور تصدیق گرسنگی کی خاطر اپنے پیٹ دکھائے۔ جن پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے سپاہیوں کو صبر و شجاعت کا درس دیا اور ان کی تسکین خاطر کیلئے اپنے پیٹ کو دکھایا۔ جس پر بجائے ایک کے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ سپاہی مطمئن ہو گئے اور جنگ کا کارنامہ جاری رہا۔

نتیجہ ۔ درحقیقت تاریخ عالم از آدم تا ایندم ایسے نمونہ ہائے عدالت پیش نہیں کر سکتی جو پیغمبر اسلام نے پیش فرمائے ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں جنگ ہوتی ہی رہتی ہے۔ اور ہمیشہ جنگ کے گھنگھور بادل دنیا پہ چھائے ہی رہتے ہیں۔ مگر سپہ سالار و حاکم اعلیٰ کو کبھی بھوکا پیاسا نہ دیکھا گیا ہو گا۔ جب تک لشکر کا ایک سپاہی بھی لڑ رہا ہے اور فوج اور نشان فوج کا نام باقی ہے۔ حاکم اعلیٰ کے ہاتھ میں کمان فوج ہے۔ مختلف حصوں میں قریب او دور جنگ ہو رہی ہے۔ دور دراز حصوں میں رسد نہیں پہنچ سکتی ہے۔ لہٰذا سپاہیوں کو فاقہ ہے۔ اور آجکل باوجود ہوائی جہاز کے ذریعہ رسد پہنچانے کے بھی ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ فوج دشمنوں میں گھر جاتی ہے۔ اور رسد نہیں پہنچ سکتی ہے اور وہ بیچارے بھوک اور پیاس کی شدت کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، اور خود کو غیر کی غلامی میں دیدیتے ہیں۔ مگر پیغمبر اسلام کا عہد جو اب سے چودہ سو سال قبل تھا۔ اس وقت تصور کیجئے۔

موجودہ عہد میں چاہے فوج پر کتنے دن کا فاقہ ہو۔ وہ کتنے ہی دن سے پیاسے ہوں۔ مگر کمانڈر انچیف و حاکم اعلیٰ بادشاہ یا صدر مملکت بہ فراغت کامل اپنے محلات (پیلیس) میں زندگی گذارتے ہوں گے۔

ایسا کیوں ہے؟ اسلئے کہ اس حاکم اعلیٰ و صدر مملکت و شہنشاہ نے عوام و سپاہیوں کی جان کو تنخواہ دیکر خرید لیا ہے۔ اب یہ حاکم ہیں وہ محکوم یہ سپاہی ہیں وہ بادشاہ، یہ فدیہ و قربانی ہیں اور وہ بادشاہ و شہنشاہ یہ تفوق و تفریق درجات و مراتب انسانی موجودہ تمدن و تہذیب نے پیدا کئے ہیں۔ مگر پیغمبر اسلام اس تفریق درجات انسانی کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ ملوکیت و مالکیت غلام و آقا، زردار و زر خرید، سپاہی و حاکم کا فرق طبقات انسانی سے مٹا دیا جائے اور اہل عالم کے دل و دماغ میں راسخ کر دیا جائے کہ وہ بنی نوع انسان کو مساویانہ و عادلانہ سلوک کا مستحق سمجھنے کے عادی ہو جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اسلام ہر غزوہ میں خود موجود بھی رہتے تھے اور ہر سپاہی کے ساتھ مشکل سے مشکل کام و محنت و مشقت میں برابر کے شریک بھی رہتے تھے۔

پیغمبر اسلام کا یہی عادلانہ انداز حکومت تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے اصحاب بھوک و پیاس کی شدت کو برداشت کرتے تھے۔ مگر قدموں پر نثار ہونے کو اپنا حاصل زندگی سمجھتے تھے۔ گویا پیغمبر اسلام اور ان کے اصحاب اپنے اس جذبہ ایثار سے مساوات و عدالتِ انسانی کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم فرما رہے تھے۔

عدالت، پنجاہ و ہفتم ایثار

عبارات تاریخی و بیاناتِ مذکورہ سے واضح ہوا کہ جنگ خندق کے موقعہ پر پیغمبر اسلام معہ اپنے اصحاب کے گرد مدینہ خندق کھودنے میں مصروف رہے اور سخت محنت و مشقت میں پیغمبر اسلام نے اصحاب کی مساویانہ شرکت کی۔

اگر پیغمبرِ اسلام کے پاس بکثرت مال و دولت ہوتا اور آپ اس حالت میں غربائے اسلام کو کچھ دیتے تو یہ سخاوت کہلاتی۔ مگر پیغمبر اسلام نے اپنی غربت و فاقہ کی حالت میں جو کچھ پایا اس کو بھی اصحاب پر تقسیم کر دیا یہ ایثار ہے۔ مگر اس موقعہ پر جو انداز پیغمبر اسلام نے برتا ہے۔ وہ عین عدالتِ رسول ہے۔ ناظرین پہلے عبارت تاریخی و سند واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مع القصہ مسلمانان ہمہ روزہ لکار کندہ رنج همی بردند رسول خدا برکت مشارکت از مردم باز نمی گرفت۔ جابر بن عبداللہ گوید یک روز

مختصر یہ ہے کہ مسلمان تمام دن خندق کھودنے میں مصروف رہتے تھے رسول خدا اپنی برکتِ شرکت کو اصحاب سے نہیں روکتے تھے۔

آثار جوع در بشرہ مبارک پیغمبر مشاہدت کردم بتیوانی بخانہ خویش شدم و بزغالہ فربہ داشتم آنرا ذبح نمودم و زوجہ خود را فرمان دادم تا صاع جو آرد کردہ خمیر ساخت و بزغالہ در دیگ کردہ آتش کردم و باز خندق شدہ بکار در آمدم چوں روز بکراں رفت و مسلمانان ساز مراجعت بمدینہ طراز کردند عرض کردم یا رسول اللہ اندک طعامے ساختہ ام تواند بود کہ با چند کس از اصحاب بخانہ من در آئی۔ فرمود کہ چہ مقدار طعام کردہ اند اندازہ آنرا باز نمودم۔ فرمود کثیرٌ طیبٌ ..... و پیغمبر بانگ برداشت کہ یا اھل الخندق ان جابراً صنع لکم سُوراً فحیّ ھلا کم . . . .

و ہر دہ تن از مردم را جلوس داد تا از ان سیر بخوردند و برفتند۔

جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ایک دن میں نے چہرہ پیغمبر اسلام پر آثار گرسنگی پائے۔ فوراً اپنے گھر گیا میرے پاس ایک فربہ بکرا تھا میں نے اس کو ذبح کیا اور اپنی بیوی کو حکم دیا کہ ایک صاع جو کا آٹا خمیر کر کے روٹی پکائے اور گوشت دیگ میں ڈال کر چولھے پر چڑھا دیا۔ اور پھر جا کر خندق کھودنے میں معروف ہو گیا جب شام ہو گئی اور مسلمان واپس مدینہ ہونے لگے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے تھوڑا کھانا تیار کیا ہے۔ آپ اور چند اصحاب میرے گھر تشریف لے چلیں۔ پیغمبر نے پوچھا کہ کتنا کھانا ہے۔ میں نے مقدار بتادی تو فرمایا کہ بہت ہے اور پاک ہے۔ پھر پیغمبر نے اعلانِ عام فرمایا کہ اے خندق کھودنے والو تمہاری جان بچ گئی کہ جابر نے تمہارے لئے گوشت پکایا ہے۔ پھر دس دس اصحاب دستر خوان پر بیٹھتے گئے اور کھانا کھاتے رہے حتیٰ کہ وہ سب سیر ہوگئے اور چلے گئے۔

واقعہ تاریخ سے ظاہر ہوا کہ پیغمبر اسلام نے سخت بھوک اور محنت کی حالت میں یہ ایثار نفس ظاہر کیا کہ ایک ہزار افراد کو صلائے عام کھانے پر دیدی اور اس میں کسی تخصیص کا لحاظ نہیں کیا۔ گویا آپ کی نگاہ میں ہر صحابی و ہر سپاہی ایک ہی منزلت و درجہ رکھتا تھا۔ اور آپ نے اپنے نفس کو بھی ان کے ہم درجہ ہی رکھا۔ اور امتیاز سرداری مطلق باقی نہ رکھا۔ بس یہی موخر الذکر امر عدالتِ پیغمبر اسلام پر دلالت کرتا ہے۔ آپ کی نگاہ میں افراد لشکر میں جتنے افراد بھی خندق کھود رہے تھے سب برابر اور مساوی تھے۔ اور آپ نے سب ہی کو شریک دعوت جابر فرمایا۔ خدا نے اس قلیل کھانے میں برکت عطا فرمائی۔ اور وہ کثیر ہوگیا۔ یہ ایک علیحدہ اعتقادی مسئلہ ہے۔ مگر عدالت پیغمبر اسلام اور ایسے سخت موقع پر ایک دوسری چیز ہے۔ اور اہل عالم کے لئے ایک اعلےٰ درس کا نمونہ ہے۔

واقعہ پنجاہ و ہشتم، عدالت بین مہاجر و انصار

پیغمبر اسلام کے ہموطن اہل مکہ مہاجر تھے اپنا وطن و اپنا اثاثہ البیت وغیرہ چھوڑ کر پیغمبر اسلام کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی تھی۔ بیشک یہ کام بھی خاص اہمیت رکھتا تھا۔ علاوہ بریں یہ مہاجر زیادہ تر نسب خاندان پیغمبر سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ کئی سبب اور وجوہ اس بات کے موجود تھے کہ پیغمبر اسلام اپنے ان ہموطنوں کو خاص و امتیازی سلوک کا مستحق سمجھتے۔ اچھا اگر ایسا نہ سہی تو اہل مدینہ نے مکہ جاکر مدینہ آنے کی دعوت دی۔ جب پیغمبر اسلام کے ہموطن تیرہ سال تک ان کو آزار دیتے رہے تھے۔ اور شدید مصائب میں مبتلا کر رہے تھے۔ تو اہل مدینہ نے پیغمبر اسلام کی مدد کا وعدہ کیا۔ جب پیغمبر مدینہ پہنچے تو ان کو اور دیگر اہل اسلام کو طعام و قیام کے ساتھ ہی ساتھ وعدۂ نصرت بھی دیا۔ اور بمواقع جنگ مدد بھی کی یہ سب چیزیں ضرور اس قابل تھیں کہ پیغمبر اسلام انصار کو مہاجرین پر ترجیح و یدیتے۔ مگر یہ سب مہاجر و انصار بحیثیت انسان و بحیثیت مسلمان یکساں تھے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے ہر موقع پر ان ہر دو فریق کو مساویانہ حقوق ادا فرمائے۔ اور جب خدمات دینی سپرد کیں۔ تب بھی یہ خیال و لحاظ رکھا گیا کہ ان میں کسی ایک جماعت کو ترجیح و فوقیت و دوسری جماعت کو خفت و سبکی حاصل نہ ہو سکے۔ چنانچہ جب خندق کھودی جا چکی تو پیغمبر اسلام نے خندق پر نگہبان مقرر فرمائے۔ ملاحظہ ہو سند تاریخی۔

(۱) ناسخ التواریخ جلد اول ص ۲۱۳

مع القصہ مسلمانان کار خندق را بکران بردند	مختصر یہ ہے کہ جب مسلمان خندق کھود چکے
وطرق آنرا بہ ہشت باب بنہادند آنگاہ	تو اس کے آٹھ راستے مقرر کیے۔ اس وقت
پیغمبر فرمان کرد تا در ہر باب یکتن از مہاجر	پیغمبر نے حکم دیا تاکہ ہر راستہ پر دو شخص
و یکتن از انصار با چند کس از لشکر حارس	ایک مہاجر اور ایک انصار کو مع چند افراد
و محافظ باشند۔	کے ان راستوں کا نگہبان و محافظ رکھا جائے

اس تاریخی واقعہ سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اسلام کی نگاہ ہر معمولی سے معمولی واقعہ کی طرف رہتی تھی۔ اور آپ چاہتے تھے کہ ہر فرد مہاجر و انصار۔ عامی و جاہل، فقیر و مالدار مسلمان مساویانہ زندگی بسر کریں اور یہی وجہ ہے کہ عدالت پیغمبر اسلام کے نقوش قلب انسانی پر دیرپا رہے۔ اور تا قیامت باقی رہیں گے پیغمبر اسلام خندق کے ابواب پر صرف مہاجر یا صرف انصار ہی کو مقرر کر سکتے تھے۔ مگر آپ کا ایک باب خندق پر انصار کو مقرر کرنا اور دوسرے پر مہاجرین کو معین کرنا اور اسی طرح آٹھ ابواب کو ترتیب وار تقسیم کر دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام حقوق و خدمات کو مساویانہ و عادلانہ تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ اور اپنی امت کو

اپنے ہر فعل سے عدالت کا سبق دیتے رہتے تھے۔ اور قیامت تک کی آنے والی نسلوں کیلئے چھوٹے بڑے عدالت کے نمونے قائم کر رہے تھے۔

عدالت، واقعہ پنجاہ و نہم، خدمات علی و انعام نبیؐ

عادل کا ہر فعل عدل و انصاف پر مبنی و منحصر ہوا کرتا ہے۔

پیغمبر اسلام عادل کامل تھے۔ لہٰذا آپ کی زندگی کا ہر لمحہ عدالت پر منحصر و مبنی تھا۔ یہ معاملات خواہ گھریلو ہوں یا باہم یک دیگر اصحاب کے ہوں، یا رزم میں ہوں، یا بزم رسول میں واقع ہوئے ہوں۔ ہر فعل پیغمبر اسلام کا انحصار عدالت کاملہ پر تھا۔ ذیقعدہ ۵ھ جنگِ خندق یا احزاب واقع ہوئی۔ معرکہ بہت سخت تھا۔ اور اس جنگ کی نوعیت دیگر غزوات سے سخت تر و عظیم تر تھی۔ تمام قبائلِ عرب نے اجتماعی حیثیت سے جمع ہو کر مرکز اسلام و پیغمبر اسلام کو فنا کر دینا چاہا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ تعداد قلیل تھی فاقہ و افلاس عام تھا۔ سخت سردی کا زمانہ تھا۔ کہ دفعتاً یک معلوم ہوا کہ قبائل عرب اجتماعی طور پر مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں۔ پیغمبر اسلام و عام مسلمان پریشان و متردد ہو گئے۔ تدابیر سوچنے لگے کہ اب کیا ہونا چاہیئے۔ دشمن کی تعداد کثیر و افواج مسلح سے قلیل و مفلس فوج کا کیسے مقابلہ ممکن ہو سکتا ہے آخر رائے یہ قرار پائی کہ گرد مدینہ ایک خندق عمیق کھودی جائے۔ چنانچہ وہ تیار کی گئی۔ اس کے تیار ہونے کے تین دن کے بعد حملہ ہو گیا۔

افواجِ بہادرانِ عرب نے مدینہ کو گھیر لیا۔ اور جب دیکھا کہ مدینہ کے اندر داخلہ ناممکن ہے مسلمانوں نے خندق کھود رکھی ہے۔ اور اس پر پہرہ بھی دے رہے ہیں۔ تو وہ یکبارگی حملہ تو نہ کر سکے۔ مگر انہوں نے اپنا کیمپ ڈال دیا۔ اور مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ مدت محاصرہ تقریباً تین ہفتہ تک رہی۔ اور اس طرح مسلمانوں کو مجبور کیا گیا۔ خود مسلمانوں میں یہ سرگوشیاں ہونے لگیں۔ عبدالرحمٰن ابن عوف نے اور دیگر منافقین نے آپس میں مشورے کئے کہ ہم میں طاقتِ مقابلہ تو ہے نہیں۔ خواہ مخواہ محمد کی خاطر جان دینے سے کیا فائدہ ایسا کیا جائے کہ ہم سب متفق ہو کر محمد کو گرفتار کر لیں اور حملہ آوروں کو سپرد کر دیں۔ اور ہم سب اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہ خطرۂ جان اور سب پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ اس باہمی مشورہ کی سند تاریخی ملاحظہ ہو۔

ناسخ التواریخ جلد اول صفحہ ۲۲۰ :-

و منافقان خیرہ تر شدند عبدالرحمٰن بن عوف با جماعتے گفت کہ این شیطان کہ عمرو است

عمرو ابن عبدود نے خندق سے پار آ کر جب مبارزہ طلب کیا ہے اور اصحاب پیغمبر میں سے

ہیچ کس را زندہ نخواہد گذاشت صواب
آنست کہ اگر توانیم یکدیگر ہمدست شویم و محمد
را گرفتہ بدو سپریم کہ اورا بکشد و خود با قوم
پیوستہ شویم در روزگار با آسودگی بریم۔

کوئی مقابلہ کو نہ اٹھا۔ تو منافقوں کو طعنہ
زنی کا موقعہ ملا۔ اور ان کو غلبہ حاصل ہو گیا
چنانچہ عبدالرحمن بن عوف نے جماعت سے
مخاطب ہو کر کہا کہ یہ شیطان عمرو کسی کو زندہ
نہ چھوڑے گا۔ بہتر یہ ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو ہم سب ملکر محمد کو گرفتار کر لیں اور عمرو عبدود کے
سپرد کر دیں وہ محمد کو قتل کر دے اور ہم سب اپنی قوم سے مل جائیں اور بآرام زندگی بسر کریں
ان حالات میں اور انتہائی پریشانی و مصیبت کے عالم میں علی نے پیغمبر اسلام کی آوازِ طلبِ نصرت پر آگے بڑھ
کے لبیک کہی اور ظاہر کیا کہ وہ عمرو ابن عبدود بدترین دشمن اسلام کے حملہ سے اسلام کو بچالیں گے۔ اگر علی نے
ایسے نازک موقعہ پر ایسا وعدہ پیغمبر اسلام سے کیا اور واقعی اس وعدہ کو پورا بھی کیا تو آپ خود غور فرمائیے کہ
پیغمبر اسلام کی عدالت کا مقتضا اس موقعہ خاص پر کیا ہونا چاہیئے تھا۔؟

اچھا اس سے پہلے کہ ہم کسی فیصلہ تک پہنچیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موقع کی اہمیت و نزاکت کا احساس
کتب تاریخ کی مدد روشنی میں کریں۔ وھو ھذا۔

سیرۃ النبی شبلی نعمانی صہ ۳۱۳ :۔

(۱) ان سب میں زیادہ مشہور بہادر عمر ابن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر
میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا۔ اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لونگا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔

(۲) عمر ابن عبدود خندق سے پار مع اپنی جماعت کے آگیا تو اس نے مبارزہ طلب کیا اور ان الفاظ میں
مسلمانوں کو مخاطب کیا :۔

یا ایھا الناس انکم تزعمون اِنَّ قتلاکم فی الجنّۃ وقتلانا فی النار أفما یحبُّ احدکم
ان یُقدم علی الجنۃ او یقدم عدواً لہ الی النار ۔

ترجمہ۔ اے مسلمانو! اے لوگو تمہارا تو یہ خیال ہے کہ تمہارے مقتول جنت میں جائیں گے
اور ہمارے مقتول جہنم میں جائیں گے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو محبوب رکھتا ہے کہ وہ
اپنے دشمن کو دوزخ میں پہنچا دے۔ یا خود جنت کی طرف گامزن ہو جائے۔

اس نے ایک رجز پڑھا جس کا پہلا مصرعہ تھا :۔

ولقد بححت من النداء بجمعکم ھل من مبارز (ناسخ جلد۱ صہ ۲۳۰)

میری آواز تم کو مخاطب کرتے کرتے گرفتہ و سخت ہو گئی۔ کیا تم میں کوئی میرا مقابل ہے۔؟

(۳) سیرت النبی شبلی نعمانی ص۲۱۲ :-

عمرابن عبدود کے سوال کے جواب میں حضرت علی نے اٹھ کر کہا کہ میں ہوں۔ لیکن آنحضرت نے روکا اور کہا کہ یہ عمرابن عبدود ہے۔ یعنی یہ ایک نبرد آزما اور اہل تجربہ مرد میدان ہے اور تم نومشق دلیر جواں ہو اس کا جوڑ نہیں۔

تھوڑی دیر اور مقابل کا انتظار کر کے عمرابن عبدود نے پھر بڑے زور سے مبارز طلبی کی۔ حضرت علی نے رسول صلعم سے پھر اجازت جنگ چاہی۔ جناب سرور کائنات کا وہی جواب تھا۔ عمرابن عبدود نے پھر کچھ انتظار کر کے تیسری بار ایک غیرت دہ شان میں پکارا۔ حضرت علی مرتضیٰ نے پھر ویسے ہی خدمت رسول صلعم میں اجازت حرب کی درخواست کی۔ پھر ارشاد ہوا کہ یہ عمرابن عبدود ہے۔ حضرت علی نے جواب میں عرض کیا کہ ہاں میں جانتا ہوں یہ عمرابن عبدود ہے۔ غرض آپ نے اجازت دیدی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔

(۴) روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۰۹ :-

چوں عمر از خندق عبور نمودہ پائے در میدان شجاعت و دلیری نہادہ مبارز خواست لشکر اسلام کہ تہور و مردانگی او می دانستند از خوف چناں شدند کہ گویا خون در بدن ایشاں نماند سرہا در پیش افگندہ خشک بایستادند گوئیا علی رؤسہم الطیر رسول فرمود کہ سبب تامل چیست۔ عمر ابن خطاب از جانب اہل اسلام زبان اعتذار کشادہ معروض حضرت خیر الانام گردانید کہ نوبتے بہمراہی طائفہ از قریش کہ عمرابن عبدود دراں میاں بود برسم تجارت باملک وافر و متاع متکاثر متوجہ شام بودیم۔ ناگاہ قریب ہزار نفر از قاطعان طریق سر راہ بر ما گرفتند اہل کاروان از مال بلکہ از جان خویش مایوس

جب عمر نے خندق سے عبور کر لیا۔ اور میدان شجاعت میں قدم رکھ دیا۔ تو اس نے اپنا مقابل چاہا۔ لشکر اسلام جو اس کی بہادری و دلیری سے واقف تھا۔ خوف سے اس کا حال یہ ہو گیا کہ گویا ان کے جسم میں خون نہ تھا گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے تھے کہ ان کے اڑنے کے خوف سے وہ حرکت نہ کرتے تھے رسولؐ نے پوچھا کہ تامل کی کیا وجہ ہے تو پیغمبر کے جواب میں لشکر اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے اور معذرت چاہتے ہوئے عمرابن خطاب نے عرض کیا۔ کہ میں ایک مرتبہ قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ تھا۔ اس قافلہ میں عمرابن عبدود بھی موجود تھا۔ یہ قافلہ بہت سامان تجارت لیکر ملک شام کی طرف جارہا تھا کہ یکایک ایک ہزار

گشتند عمر ابن عبدود چو صورت حال بدانسان دید شمشیر از نیام برکشید و شتر بچہ بہ یک دست ربودہ بجائے سپر پیش خود بداشت و چون شیر ژیان و ببر دمان بر مخالفان حملہ کرد و آں جماعت بواسطہ توجہ او روئے بانہزام نہادند و قافلہ بسلامت گذشت۔

رہزنوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ قافلہ والے مال بلکہ جان سے بھی مایوس ہو گئے۔ عمر ابن عبدود نے جب صورت واقعہ دیکھی تو ایک شتر بچہ کو ہاتھ میں اٹھا لیا اور اس کو سپر بناتے ہوئے۔ مثل حملہ آور و خوفناک شیر ببر کے رہزنوں پہ حملہ کر دیا اس کے حملہ کی وجہ سے وہ قزاق سب بھاگ کھڑے ہوئے اور قافلہ بسلامتی منزل تک پہنچا۔

(۵) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۰۹ :-

بالجملہ چون عمر ابن عبدود از اہل اسلام مبارز خواست و ہیچ کس در برابر او نیامد حضرت مقدس نبوی فرمود کہ ہیچ دوستے ہست کہ شر این دشمن خدا را دفع کند امیر المومنین علی گفت۔ یا رسول اللہ انا ابارزہ۔ حضرت در جواب علی ہیچ نہ فرمود بار دوم عمر مبارز طلبیدہ علی مرتضیٰ رخصت جستہ مرخص نہ گشت بار سیوم عمرو گفت در میان شما ہیچ مردے نیست کہ در میدان در آید نہ امیر المومنین علی دستوری خواست تا آن متہور در محاربہ آید حضرت رسول درین نوبت فرمود۔ اُدن یا علی۔ و چون علی نزدیک رفت پیغمبر شمشیر خود کہ موسوم بذوالفقار بود باو داد و زرہ خاص در او پوشانید . . . . و عمامہ خویش بر سرش نہاد و دستار بر سر او پیچیدہ گفت اللّٰھم اَعنہ علیہ۔ یاری

مختصر یہ کہ جب عمر ابن عبدود نے لشکر اسلام سے اپنا مد مقابل طلب کیا۔ اور پھر کوئی لشکر اسلام سے اس کے مقابلہ کیلئے نہیں گیا۔ تو پیغمبر اسلام نے لشکر اسلام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کوئی ہمارا دوست ہے جو اس دشمن خدا کے شر کو ہم سے دور کر دے۔ امیر المومنین علی نے کہا۔ اے رسول خدا میں عمر سے جنگ کروں گا۔ پیغمبر اسلام نے علی کا جواب نہیں دیا۔ عمرو نے پھر مبارز طلب کیا۔ پھر علی نے اجازت جہاد چاہی۔ مگر رسول نے اجازت نہ دی۔ تیسری مرتبہ عمر نے مسلمانوں کو للکار کر کہا۔ کیا تم میں کوئی مرد نہیں ہے جو مقابلہ کیلئے نکلے علی نے پھر اجازت چاہی کہ اس نادان بہادر سے جنگ کریں۔ اب کی بار پیغمبر اسلام نے کہا اے علی میرے قریب آؤ۔ علی قریب گئے۔ پیغمبر اسلام نے اپنی خاص تلوار ذوالفقار علی کی کمر میں لگائی۔ اپنی خاص زرہ علی کے جسم

دہ علی را بر عمرو ۔ میں پہنائی اور اپنا عمامہ علی کے سر پر باندھا
اور خدا سے دعا کی اے خدا علی کو عمرو پر فتح دے ۔

نتیجہ ۔ اس موقعہ پر ضروری نہیں ہے کہ میں اس سے زیادہ جنگ خندق کے حالات لکھوں۔ یہاں صرف اتنا بتانا ضروری تھا کہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ جنگ خندق میں اہل اسلام کیلئے و نیز شہر مدینہ کیلئے کتنا عظیم خطرہ تھا۔

لشکر کفار کی کثرت، ان کا مدینہ پر چڑھائی کر کے آنا، اور مدینہ کا محاصرہ کر لینا، اور ان کے بہادر ترین افراد عمرو بن عبدود، نوفل بن عبداللہ، ضرار ابن الخطاب (عمر ابن الخطاب کے بھائی)، ہبیرہ بن ابی وہب و عکرمہ بن ابوجہل اور مرداس الفہری ۔ خندق سے پار آ گئے ۔ اور ادھر لشکر اسلام کے حواس باختہ ہو گئے ۔ اور ان پر موت کی سی خاموشی چھا گئی ۔ پیغمبر اسلام لشکر اسلام سے بار بار تقاضا کر رہے ہیں کہ کوئی مسلمان عمرو کا جواب دے ۔ مگر تمام مسلمان خاموش ہیں ۔ اور اگر ایک صاحب بولے بھی تو یہ کہ یا رسول اللہ عمرو بن عبدود تو ہزار قزاقوں کو تنہا بھگا چکا ہے اس سے کون مقابلہ کر سکتا ہے ۔ مسلمانوں کے رہے سہے حواس یہ سنکر اور بھی باختہ ہو گئے ۔

اب ناظرین کتاب خود فیصلہ کر لیں اور نتیجہ نکال لیں کہ ان حالات میں اہل مدینہ کا کیا حال ہوتا ۔ اور پیغمبر اسلام اور اہل اسلام پر کیا کچھ نہ بن جاتی ، اور دین اسلام ہمیشہ کیلئے فنا ہو جاتا ۔ ایسے نازک و اہم و خطرناک موقعہ پر علی ابن ابی طالب نے قربانی کیلئے اپنے آپ کو پیش کیا اور عمرو ابن عبدود و نیز اس کے ساتھی بہادران عرب کو قتل کر ڈالا اور تھوڑی ہی دیر میں عمرو ابن عبدود کا سر لا کر قدم پیغمبر اسلام پر ڈال دیا و نیز اس کے ساتھیوں کا بھی خاتمہ کر دیا ۔

ایک فرد واحد علی تو ذات پیغمبر اسلام و دین اسلام پر یوں اپنی جان کی بازی لگا دیں ۔ چنانچہ اس موقعہ خاص کی ترجمانی صاحب ناسخ التواریخ نے ان الفاظ میں کی ہے ۔

ناسخ التواریخ جلد اول ص ۲۲۱ :-

آنگاہ بشتافت و عمرو را سنان انداختہ بر سینہ او بنشست و با شمشیر سر پلیدش را از تن بپرانید و بانگ تکبیر بر آورد ص ۲۲۳ ...... مع المقصد علیؑ سر عمرو را بنزدیک رسول خدا آورد و بخاک راہ در انداخت

اسوقت علی جھپٹے سنان دور پھینکی اور سینہ عمرو پر بیٹھ گئے اور اپنی تلوار سے عمرو کے سر نجس کو کاٹ لیا ۔ اور زبان سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا ...... مختصر یہ کہ علی سر عمر کو خدمت رسول میں لائے اور زمین پر ڈال دیا

.... عمر ابن خطاب گفت۔ یاعلی بازرہ عمرو کہ مانند آں در عرب یافت نشود چہ کردی۔ فرمود شرم داشتم کہ پسر عم خود را عریاں سازم۔

.... عمر ابن خطاب نے کہا یاعلی وہ زرہ جو عمرو پہنے تھا اور جسکی مثل عرب میں زرہ دوسری نہیں ہے تم نے کیا کردی۔ علی نے فرمایا مجھے شرم آئی کہ میں چچا کے بیٹے کو عریاں کردیتا۔

ان خاص حالات میں علی ابن ابی طالب کا عمرو ابن عبدود کو قتل کردینا اور اس کے ساتھیوں کو قتل کردینا بیشک ذاتِ پیغمبر اسلام و دینِ اسلام پر احسان تھا۔ فیصلہ قرآن ہے و کلیہ قوانین تہذیب و تمدن ہے کہ ھل جزاءُ الاحسان الا الاحسان احسان کا بدلہ صرف احسان ہی ہوسکتا ہے۔ اور یہی عین عدالت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے احسان کے بدلے برائی کرے تو یہ ظلم ہے اور اگر احسان کے بدلے احسان کرے۔ تو یہی عدالت ہے۔ تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے علی کو ان خدمات کا کیا معاوضہ دیا۔ اور وہ معاوضہ یا صلہ خدماتِ علی کے مقابل کم درجہ تھا یا زیادہ بہتر و اعلیٰ صلہ تھا۔ اگر پیغمبر اسلام نے علی کو ان خدمات کے معاوضہ میں برابر کا صلہ دیا ہے تو یہی اقتضائے عدالت پیغمبر اسلام ہوسکتا تھا۔

نتیجہ و صلہ ۔ آپ حضرات عبارات تاریخی کی روشنی میں ان دقائق پر غور فرمائیں۔ جب لشکر کثیر کفار نے مدینہ کو گھیر لیا اور عمرو بن عبدود نے مسلمانوں کو بالفاظ حقیر للکارا اور کوئی مقابلہ کو باہر نہ نکلا تو پیغمبر اسلام نے لشکر اسلام کو ترغیب دلائی اور تین مرتبہ عمرو کے مقابلہ کے لئے علی اٹھے اور ہر مرتبہ پیغمبر اسلام نے علی کو روک دیا آخر ایسا کیوں ہوا؟ ایسے نازک خطرناک موقعہ پر تو پیغمبر اسلام کیلئے یہ مناسب تھا کہ جو بھی ہمت کرتا اس کی ہمت افزائی فرماتے نہ کہ یوں خوف دلا رہے ہیں کہ یا علی یہ عمرو ابن عبدود ہے؟

پیغمبر اسلام کا یہ انداز و طریقہ بتاتا ہے کہ پیغمبر اسلام حالات و واقعات پر کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے۔ اور خدمات علی و کارنامہ علی پر بھی آگاہ تھے اسلئے آپ علی کو بار بار روک دیتے تھے۔ تاکہ کوئی دوسرا مقابلہ عمرو کیلئے کھڑا ہوتا ہو تو کھڑا ہو جائے۔ اور اگر کوئی بھی مقابلہ عمر کو کھڑا نہ ہوگا۔ تو پھر علی کے معاوضہ و صلہ کو جاذب تر غرض بنا رہے تھے اور خدمات و جان نثاری کے نقوش کو اور بھی اجاگر فرما رہے تھے۔ اب رہا عملی صورت میں صلہ و معاوضہ خدمات ادا کرنا تو آپ کو تاریخی عبارات سے معلوم ہوگا۔

ناسخ التاریخ جلد ۲ صفحہ ۲۲:-

(۱) پہلا انعام و صلہ جب علی عمرو ابن عبدود کے مقابلہ کیلئے بڑھے تو پیغمبر اسلام نے ان الفاظ میں دعا کی اَللّٰھُمَّ احفظہُ من بین یدیہ و مِن خلفہ و عن یمینہ و عن شمالہ و من فوق راسہ و من تحت قدمیہ فلا تذرنی فرداً و انت خیر الوارثین

ترجمہ :- اے خدا تو علی کی حفاظت کر سامنے سے اس کے داہنی جانب سے اور اس کی بائیں جانب سے اس کے سر کے اوپر سے اس کے قدموں کے نیچے سے اور اے خدا تو مجھ کو تنہا نہ چھوڑ دینا۔

پیغمبر اسلام نے علی کے صرف ارادہ جنگ کے ظاہر کرنے پر یہ انعام و صلہ کامل عطا فرمایا کہ علی کی ذات کا حصار نصرت خداوندی سے کر دیا۔ لہٰذا اس صورت میں پیغمبر اسلام کا احسان علی پہ پہلے واقع ہوا اور علی کا احسانِ سرفروشی برائے دین بعد میں شروع ہوا۔

(۲) جب علی مرتضیٰ خدمت پیغمبر اسلام سے رخصت ہوئے اور مقابلہ عمر ابن عبدود میں پہنچے تو پیغمبر اسلام نے علی کو دوسرا انعام دیا۔

بَرَزَ الاِیمَانُ کُلُّہٗ اِلَی الشِّرکِ کُلِّہٖ۔ (آج کل ایمانِ کُل شرک کے مقابلہ میں نکلا ہے) ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ ۲۲۰۔

پیغمبر اسلام نے اپنے اس کلام سے علی کی وہ تعریف و توصیف بیان کی ہے جو در حقیقت خدمات علی کے ہم رتبہ و ہم پلہ ہے۔ اور عدالت پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ پیغمبر اسلام نے ظاہر فرمایا ہے کہ اگر آج مقابلہ عمرو ابن عبدود کو علی نہ جاتے تو ہمیشہ کیلئے ایمان ختم ہو جاتا اور ایمان کی شکست ہو جاتی۔ اور شرک و کفر کا غلبہ و فتح ہو جاتی۔ مگر علی تنہا اس وقت مجسمہ و پیکر ایمان ہیں۔ اور عمرو پیکر شرک و کفر ہے۔

(۳) تیسرا انعام۔ جب علی کا بھرپور وار عمرو ابن عبدود کے سر پہ پڑ گیا اور وہ واصل جہنم ہو گیا۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا :-

"المبارزة علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة
علی کا یوم خندق عمرو سے جنگ کرنا میری امت کے تمام اعمال سے جو وہ قیامت تک کریں گے افضل و بہتر ہے۔"

(۴) چوتھا انعام جو علی کو دربار رسالت سے عطا ہوا۔ جب علی مرتضیٰ نے عمرو ابن عبدود کا سر قدم رسول پہ لا ڈالا تو فوراً دربار رسالت سے علی کو یہ صلہ عطا ہوا۔

اَبْشِرْ یَا عَلِیُّ فَلَوْ وُزِنَ الْیَوْمَ عَمَلُکَ بِعَمَلِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ لَرَجَحَ عَمَلُکَ عَلٰی عَمَلِهِمْ۔
اے علی تم کو بشارت ہو کہ اگر آج کا تمہارا عمل میری امت کے اعمال سے وزن کیا جائے تو تمہارا آج کا ایک عمل میری امت کے اعمال سے گراں تر ہو گا۔ (ناسخ صفحہ ۲۲۳)

(۵) روضة الصفا جلد دوم صفحہ ۱۱ :-
رسول اللہ صلعم در شان اسد اللہ فرمود۔ پیغمبر خدا نے علی کی شان میں یہ حدیث فرمائی

مبارزة علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة ....

چوں امیر المومنین علی بخدمت رسول آمد۔ ابوبکر و عمر بر خواستند و سر او را بوسہ دادند۔ و عبداللہ مسعود بر خواند کہ۔ کفی اللہ المومنین القتال بعلی و کان اللہ عزیزاً حکیماً۔

یوم خندق علی کی جنگ میری امت کے اعمال سے جو وہ قیامت تک کریں گے افضل و برتر ہے.... جب علی خدمت رسول میں حاضر ہوئے تو ابوبکر و عمر نے علی کی پیشانی کا بوسہ لیا۔ اور عبداللہ ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی کہ خدا نے جنگ میں مومنین کی مدد علی کے ذریعہ کی اور خدا غالب و حکمت والا ہے۔

عبارت روضۃ الصفا سے معلوم ہوا کہ علی کو صحابہ رسول بھی بقدر وسعت و حیثیت انعام و صلہ دے رہے تھے۔ ابوبکر و عمر نے پیشانی علی کو بوسہ دیا مبارکباد دی عبداللہ ابن مسعود صحابی نے رگ نے آیت قرآن شان علی میں پڑھی۔ اور پیغمبر اسلام نے تو خدمات علی کا وہ صلہ و معاوضہ دیا جو تا قیامت باقی رہے گا۔ اور امت محمدی کے تمام اعمال نیک سے اس کا پلہ گراں تر ہوگا۔ درحقیقت پیغمبر اسلام کا یہ فرمانا کہ اگر عمل علی کو میری امت کے عمل سے وزن کیا جائے تو علی کے آج کے عمل کا پلہ میری امت کے اعمال تا قیامت سے زیادہ وزنی رہے گا۔ یہ قول صاف صاف بتاتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے وزن و تول کا ذکر اسی لئے کیا ہے تاکہ اہل عالم کو معلوم ہوتا رہے کہ عادل کامل مطابق وزن عمل ہی صلہ و انعام دیتا ہے اور اس موقعہ پر جو انعام و صلہ علی کو دیا جا رہا ہے۔ وہ قوانین عدالت کے مطابق ہی دیا جا رہا ہے۔ یہ کام بہت دشوار تھا کہ علی کی ان خدمات اعلیٰ کا بدل و معاوضہ کما حقہ، کر دیا جاتا۔ مگر پیغمبر اسلام کی حکمت و عدالت نے جس انداز سے جنس معاوضہ کو مقرر کیا ہے۔ وہ بس آپ کا ہی کام تھا۔

دفعہ دخل۔ ایک صورت یہ بھی ممکن تھی کہ پیغمبر اسلام خدمات جاں فروشی کو نظر انداز کر دیتے۔ اور اس اہم کارنامہ علی کو قابل اعتنا نہ سمجھتے۔ ناظرین کتاب خود انصاف فرمائیں کہ اگر پیغمبر اسلام خدمات علی کا معاوضہ نہ دیتے تو پیغمبر اسلام کا یہ فعل مطابق قوانین عدالت سمجھا جاتا یا مخالف عدالت، کسی مستحق شخص کی برمحل و مطابق استحقاق داد نہ دینا صریحاً ظلم ہے۔ اور برمحل و مطابق توقع داد و معاوضہ دینا عین عدالت ہے۔

لہٰذا پیغمبر اسلام نے علی کے ہر کارنامہ پہ ایک صلہ و انعام عطا فرمایا۔ جب علی عمرو ابن عبدود کے مقابلہ کو چلے تو پیغمبر اسلام نے دعائے فتح و کامیابی دی۔ اور جب علی مسلح ہو کر میدان جنگ میں عمرو ابن عبدود کے مقابل میں پہنچے تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ کل ایمان کل شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ گویا علی کی تنہا ذات کو ایمان کل فرمایا۔ اور عمرو ابن عبدود کو مجسمہ شرک و کفر۔ اب علی کی فتح ایمان کل کی فتح اور عمرو

ابن عبدود کی موت وشکست کل شرک وکفر کی موت وشکست ہوگی۔

جب علی نے عمر ابن عبدود کا سر نجس کاٹ لیا اور اس سے جم کر جنگ کی تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ یہ جنگِ علی اتنا وزن رکھتی ہے کہ اگر میری تمام امت کے تا قیامت اعمال کو ایک پلہ ترازو میں رکھا جائے اور علی کی اس جنگ کو دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو اس ضرب علی کا وزن زیادہ ثابت ہوگا۔

جب علی نے سر نجس عمر ابن عبدود کو کاٹ لیا اور فاتحانہ وشیرانہ انداز سے واپس ہو کر خدمت رسول میں پہنچے اور قدمِ رسول پر سرِ عمر کو ڈال دیا تو فوراً پیغمبر اسلام نے علی کو انعام وصلہ عطا فرمایا کہ علی کی جنگ دیکھا یہ ضرب شمشیر میری امت کے قیامت کے اعمال سے زیادہ افضل ہے۔

اسی باب کی دفعہ ۵ میں روضۃ الصفا کی ایک عبارت پیش کی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے بوقت روانگی جنگ علی کو اپنے پاس بلایا اور اپنی زرہ پہنائی اور اپنا عمامہ سحاب علی کے سر پر رکھا اور اپنی تلوار موسوم بہ ذوالفقار علی کو عطا فرمائی۔

پیغمبر اسلام نے علی کو ان کی خدمات کے صلہ ومعاوضہ میں دو قسم کی اشیاء مرحمت فرمائیں۔ ایک دنیوی دوسری روحانی وباقی۔ سطور بالا میں سب سے پہلے جن انعامات ومعاوضوں کا ذکر کیا گیا وہ دربارِ رسول سے علی کو باقی وروحانی انعامات دیئے گئے۔ اور بعد کی عبارت میں جن انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہ دنیوی ومادی انعامات علی کو دربارِ رسالت سے عطا ہوئے۔

درحقیقت پیغمبر اسلام کے ہر فعل کو جب بغور دیکھا جائے گا تو وہ عدالت کاملہ کا بہترین نمونہ ثابت ہوگا۔ اور کبھی کسی واقعہ سے یہ مترشح وظاہر نہ ہو سکے گا کہ پیغمبر اسلام نے کبھی وکہیں خلاف قوانین عدالت کوئی کام کیا ہو۔

عدالت، واقعہ ششم، واقعہ بنی قریظہ

۲۳ ذوالحجہ ۵ھ میں واقعہ بنی قریظہ واقع ہوا۔ جنگ خندق کے بعد پیغمبر اسلام نے یہودان بنو قریظہ کی جانب علی ابن ابی طالب کو روانہ کیا علی نے قلعہ کے سامنے علم اسلام کو نصب کیا۔ جب بنی قریظہ نے دیکھا تو درِ قلعہ بند کر لیا اور بالائے قلعہ سے خدا اور رسول کو گالیاں دینے لگے۔ چونکہ پیغمبر اسلام نے علی سے فرمادیا تھا کہ تم آگے چلو ہم پیچھے آتے ہیں۔ اسلئے علی نے بنی قریظہ کی گالیوں کا جواب کچھ نہ دیا۔ اور غصہ کو ضبط بھی نہ کر سکے بلکہ واپس آئے اور پیغمبر اسلام کو راہ میں ملے۔

پیغمبر اسلام نے علی کی واپسی کی وجہ پوچھتے ہوئے فرمایا:۔

آنحضرت فرمود گمان میبرم کہ چیزے از ایشاں شنیدہ کہ موجب ایذاء من باشد۔ علی عرض کرد آرے:

پیغمبر اسلام نے فرمایا میں گمان کرتا ہوں کہ تم نے بنو قریظہ سے ایسے الفاظ سنے ہیں جو میرے لئے سبب اذیت ہوتے ہیں۔ علی نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔ (روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۱۴)

بہر حال پیغمبر اسلام معہ تین ہزار لشکریوں کے پہنچے اور بنو قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور ان کو موقع دیا کہ وہ حلیف بن جائیں یا اسلام قبول کر لیں۔ یا کوئی صورت مصالحت پیدا کریں۔ مگر بنو قریظہ کے سات سو افراد چونکہ ابو سفیان و قریش سے ہم عہد و ہم پیمان تھے۔ اس غرور کی وجہ سے انہوں نے پیغمبر اسلام کی کسی شرط کو منظور نہ کیا۔ آخر مدت محاصرہ تقریباً تین ہفتہ گذر گئی۔ اور پھر علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ آج مجھ کو حملہ کی اجازت دی جائے۔ تاکہ یا تو میں مثل حمزہ کے شہید ہو جاؤں یا قلعہ بنو قریظہ کو فتح کر لوں یہ کہہ کر علی نے سخت حملہ کیا کہ جس کے رعب سے بنو قریظہ کے حواس جاتے رہے۔ ملاحظہ ہو عبارت تاریخی

(۱) ناسخ التواریخ جلد اول ص ۲۳۲:-

یک روز علی فرمود من امروز مانند حمزہ شہید شوم یا ایں حصار را بکشائم و بجانب حصار حملہ افگند یہودان را از صولت آنحضرت ہول و رعب تمام بگرفت نباش بن قیس را بحضرت رسول فرستادند و گفتند ما بحکومت سعد بن معاذ فرود آئیم

ایک دن علی نے کہا کہ میں آج مثل حمزہ کے شہید ہو جاؤں گا۔ یا اس قلعہ کو فتح کرونگا یہ کہہ حملہ کر دیا یہودی حملہ علی و رعب حملہ سے خوفزدہ ہو گئے اور انہوں نے نباش بن قیس کو خدمت رسول میں بھیجا۔ اور یہ پیغام دیا کہ ہم لوگ سعد بن معاذ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

جب ان دشمنان دین اسلام و پیغمبر اسلام نے تحکیم و فیصلہ سعد بن معاذ کو تسلیم کر لیا اور قلعہ کا دروازہ کھول دینے اور قلعہ سے باہر آنے کا اظہار کر دیا۔ تو پیغمبر اسلام نے بھی عادلانہ و منصفانہ انداز اختیار فرمایا چنانچہ یہ واقعہ بھی تاریخی عبارت سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ معترضین و دشمنان اسلام کو موقع نکتہ چینی نہ ملے

ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۲۳۲:-

(۱) رسول خدا فرمود ہیچ رضا بستید کہ از میان شما مردے اختیار کنم و او را حکم سازم و بدانچہ در میان ایشاں حکومت کند بپردازم گفتند آرے فرمود آں مرد سعد است بدانچہ گوید چناں کنم۔ پس یہودان در باز کردند

پیغمبر نے فرمایا کہ آیا تم راضی ہو کہ میں تم سے ایک حکم بنادوں اور جو کچھ وہ فیصلہ دے اس پر عمل کروں۔ بنو قریظہ نے عرض کیا کہ ہم راضی ہیں۔ تو پیغمبر نے فرمایا کہ وہ شخص سعد ہے۔ جو کچھ وہ کہے گا میں عمل کر دونگا۔

یہودیوں نے دروازہ قلعہ کھول دیا۔

(۲) روضۃ الصفا صفحہ ۱۱۵

سعد باد سیاں گفت عہد و میثاق خدا
(۱) وند تعالیٰ بر شما است کہ بر آنچہ حکم کنم راضی
ہستید و از فرمودہ من تجاوز جائز نخواہید
داشت ہمہ جواب دادند کہ آرے۔ آنگاہ روئے
توجہ بحضرت ختمی پناہ آوردہ و از غایت توقیر
و تبجیل از خطاب احتساب کردہ۔ گفت
ہر کس کہ دریں جا است بحکم من راضی است
رسول خدا فرمود کہ حکم آنست کہ تو کنی۔
(ب) سعد گفت کہ حکم می کنم کہ مردان ایشاں
را بکشند و غلِ رقبت بر رقبہ زنان و کودکان
ایشاں نہند و اموال آنجماعت را بہ مسلمانان
درمیان یکدیگر قسمت نمایند۔
(ج) رسول خدا فرمود تا در موضع مناسب
خندقے کنند و فوج از خانہ اسامہ
بیروں آوردہ علی مرتضیٰ و زبیر بفرمودہ
رسول بضرب اعناق ایشاں بپرداختند
.... آں روز تا شب علی و زبیر
بقتل بنی قریظہ اشتغال نمودند

سعد نے بنو قریظہ سے کہا کہ خدا کا عہد و پیمان
تم پر ہے کہ جو کچھ میں حکم دوں گا تم راضی
ہو گے۔ اور میرے فیصلے سے تجاوز نہ کرو گے
سب نے جواب دیا کہ بیشک آپ کا حکم مانیں
گے۔ اس وقت سعد نے پیغمبر اسلام کی طرف
رخ کیا۔ مگر انتہائی ادب و احترام کی وجہ
سے مخاطب نہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ جو
شخص بھی اس مجمع میں ہے وہ میرے حکم پر
راضی ہے؟ پیغمبر نے کہا حکم تو وہی ہے جو
تم دو۔
ب۔ سعد نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ بنو قریظہ
کے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ ان کی عورتوں
اور بچوں کو قید کیا جائے اور ان کا مال و اسباب
مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔
ج۔ رسول خدا نے فرمایا تاکہ ایک مناسب
جگہ خندق کھود دی جائے۔ اور اسامہ کے گھر
سے گروہ گروہ بنو قریظہ کو لاتے تھے اور حکم
رسول سے علی مرتضیٰ اور زبیر ان کی گردن
مارتے تھے وہ پورا دن رات بنو قریظہ کے قتل میں علی و زبیر کو صرف کرنا پڑا۔

واقعہ مذکور پر رائے زنی و استنباط نتائج کرنے سے پہلے حقیقت واقعہ کو واضح کرنے کیلئے میں چند سطریں
سیرت النبی شبلی نعمانی سے بھی نقل کرتا ہوں۔

سیرۃ النبی صفحہ ۳۲۱ :-

(۱) آنحضرت صلعم نے مدینہ میں آکر ان کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا۔ جس میں ان کو پوری مذہبی آزادی

دیگئی اور ان کی جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا

(۲) بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے۔ یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اسکو صرف آدھا خونبہا دینا ہوتا تھا۔ بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خونبہا ادا کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے بنی قریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا۔

(۳) آنحضرت صلعم نے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی۔

(۴) باوجود ان سب باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگ خندق میں شریک ہوئے۔

(۵) ازواج مطہرات جو... حفاظت کیلئے قلعہ میں بھیج دی گئی تھیں ان پر جاکر حملہ کرنا چاہا۔

(۶) حئی ابن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ اور جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگ احزاب قائم کی تھی اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتش جنگ کی اشتعال کا دیباچہ تھا۔ ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔

استنباط نتائج ۔ عبارات تاریخی سے واضح ہو گیا کہ بنو قریظہ نے نقض عہد کیا مسلمانوں کے پہلو نشین ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ خندق میں قریش وغیرہ کے ساتھ شرکت کی۔ جنگ خندق فتح ہو جانے کے بعد بھی اپنے معاہدہ کا خیال و لحاظ نہ کیا۔ اور جب پیغمبر اسلام نے علی کو بھیجا تو بجائے صلح و آشتی کی گفتگو کے پیغمبر اسلام کو بالائے قلعہ سے گالیاں دینے لگے۔

دنیا کا کوئی انصاف پسند انسان خود فیصلہ کرے کہ ان حالات میں پیغمبر اسلام کو ان دشمنان اسلام کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے تھا۔ باب حکمت میں میں بہ تفصیل غزوۂ بنو قریظہ کے بارہ میں لکھ چکا ہوں اس موقعہ پر تو صرف اتنا کہنا ہے۔ کہ اگر پیغمبر اسلام بنو قریظہ کے ساتھ قتل عام کا سلوک نہ کرتے تو آپ کے بارہ میں مدبرین عالم کیا رائے قائم کرتے۔ اور مقننین عالم کیا سمجھتے۔ قوانین جنگ کے ماتحت خلاف معاہدہ کر کے مقابلہ جنگ میں آنیوالے کی سزا صرف موت و گردن زدنی ہے۔ بنو قریظہ کا اتنا ہی جرم کہ انہوں نے پیغمبر اسلام سے معاہدہ کر کے توڑ دیا۔ اور جنگ احزاب میں قبائل و افواج عرب کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ان کی سزائے موت کیلئے کافی ہے۔ مگر پیغمبر اسلام کا ہر فعل انتہائی عدالت پر منحصر ہوا کرتا ہے لہذا پھر بھی پیغمبر اسلام نے بنو قریظہ کو ایک موقعہ اور بھی دیا۔ اور وہ یہ کہ علی کو پہلے بھیج دیا اور خود مع لشکر بعد کو گئے۔ علی کا پہلے بھیج دینا اور علی کا قلعہ بنی قریظہ کے پاس جا کر علم اسلام نصب کر دینا ہی بنو قریظہ کے سمجھنے کیلئے کافی تھا۔ اور ان کو کوشش صلح و تجدید معاہدہ کرنا چاہیئے تھی۔ مگر بجائے صلح جوئی کے ان کا پیغمبر اسلام کو گالیاں دینا و نیز حئی ابن اخطب بانی مبانی جنگ احزاب کو اپنا سردار بنا کر قلعہ میں رکھنا جرم بالائے جرم

تھا۔ علاوہ بریں پیغمبر اسلام نے جب ان کی درخواست پر ابو لبابہ بن عبدالمنذر اوسی کو جو ان کا حلیف تھا ان کے پاس بھیجا تھا تو ان کو چاہیے تھا کہ وہ شرط پیغمبر اسلام کو تسلیم کر لیتے اور اقرارِ اسلام کر لیتے۔ کیونکہ ان کے سردار کعب بن اسدی نے اشراف قوم کو بلا کر کہا تھا کہ :-

"اے مردمان سہ سخن گویم یکے را از من بپذیرید نخستین آنکہ با پیغمبر ایمان آورید چہ دانستہ اید برحق است .... الخ

(۱) اے لوگو تین باتیں کہتا ہوں ان میں سے ایک کو مان لو۔ اول تو یہ کہ پیغمبر پر ایمان لے آؤ کہ وہ نبی برحق ہے۔

(۲) دوسری بات یہ مانو کہ تم سب اپنے اہل و عیال کو خود قتل کر دو۔ اور خود مسلمانوں پر حملہ کر کے جان توڑ کوشش کرو کہ تم کو فتح حاصل ہو جائے۔

(۳) تیسری یہ کہ روز شنبہ جو ہمارے نزدیک محترم ہے۔ اور مسلمان جانتے ہیں کہ ہم اس روز کوئی کام دنیوی نہیں کرتے۔ اس روز دھوکہ دیکر مسلمانوں پر حملہ کر دو۔ (ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۲۳۱)

مگر بنو قریظہ نے اپنے سردار کعب بن اسد کے ان تینوں مشوروں سے انکار کر دیا۔ اور نہ ہی ابو لبابہ کے مشورے سے اتفاق کیا۔ اور نہ ہی پیغمبر اسلام کے موقعہ دینے سے کوئی فائدہ اٹھایا۔ اور نہ ہی پیغمبر اسلام سے کوئی مصالحانہ معاملہ کیا۔

اس صورت میں بنی قریظہ کا جرم عہد شکنی و جرم فوج کشی و شرکت جنگِ احزاب باقی رہا۔ اور اس کی سزا بجز موت کے دوسری ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اور آج کی دنیا بھی ایسے مجرم حکومت کی سزا موت ہی مقرر کرتی ہے۔

اگر ان مجرمین کو پیغمبر اسلام معاف کر دیتے تو یہ خلاف انصاف و عدالت ہوتا۔ کیونکہ عدالت اسی بات کا نام ہے کہ جو جس جزا و سزا کے لائق ہو۔ اس کو وہ جزا و سزا دی جائے۔ اور اس میں کمی بیشی و رو رعایت کو مطلق کوئی جگہ نہ دی جائے۔

اس کے علاوہ ایک دوسرے نظریہ سے بھی پیغمبر اسلام کا ان کو چھوڑ دینا معاف کر دینا قابل اعتراض و خلاف عدالت ہوتا۔ کیونکہ جب بار بار یہ معلوم ہو چکا تھا کہ بنو قریظہ دشمن اسلام ہیں۔ خود بھی دشمن اور دشمنانِ اسلام کے حلیف بھی تو ایسی حالت میں ان کو رعایت دینا اور ان کو معاف کر دینا، ان کا زندہ رکھنا نفس اسلام و پیروانِ اسلام پر ظلم تھا۔ کسی ظالم و قاتل کو آزاد کر دینا اور بے خطا و بے گناہ افراد کے قریب آباد کر دینا۔ انتہائی ظلم و جور ہے ...!

بالکل یہی مثال بنو قریظہ و اہل اسلام کی تھی۔ پیغمبر اسلام نے بنو قریظہ کو قتل کر کے۔ اور ان کے قلعہ کو برباد کر کے دو قسم کی عدالت کا نمونہ قائم کیا۔ اول تو یہ کہ جس سزا کے بنو قریظہ مستحق تھے۔ وہ ان کو دیدی گئی۔ دوسرے یہ کہ اہل اسلام کو ان کے دشمنوں اور قاتلوں سے نجات دلائی۔ اور ہمہ وقت کا خطرۂ جان دور کر دیا۔ مظلوم کی مدد بھی عدالت ہے اور ظالم کو سزا دینا بھی عدالت ہے۔ اور اس واقعہ نے پیغمبر اسلام کی عدالت کے دونوں پہلو روشن کر دیئے۔

پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پہ جو عدالت کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اس کا اگر حکم پیغمبر اسلام سے بھی عمل در آمد کیا جاتا۔ تو بھی کافی تھا۔ مگر آپ نے بہ اقتضائے حکمت اپنی عدالت پہ ایک گواہ بھی پیدا کر لیا ہے۔ وہ گواہ سعد بن معاذ ہے۔ بنو قریظہ نے خود سعد بن معاذ کو اپنا حکم بنایا اور ان کے حکم ہونے پہ اپنی رضامندی مطلق دیدی۔ اس صورت میں سعد کا حکم و فیصلہ بحیثیت حکم ہونے کے عین عدالت ہوا۔ اس پہ مزید احتیاط پیغمبر اسلام نے یہ بھی کی کہ جب مجمع اصحاب میں سعد نے بنو قریظہ سے پوچھا کہ تم لوگ مجھ کو بخوشی اپنا حکم بناتے ہو تو بنو قریظہ نے بالاتفاق اعلان کیا کہ ہم کو سعد بن معاذ کا حکم ہونا منظور ہے۔ اس کے بعد سعد بن معاذ نے پیغمبر اسلام سے دریافت کیا۔ کہ آپ بھی مجھ کو اس معاملہ کا حکم مقرر کرتے ہیں۔ تو پیغمبر اسلام نے ان الفاظ میں فرمایا:۔

"رسول خدا فرمود اینک از قبل من حکومت تراست بہر چہ خواہی حکم کن۔ (ناسخ جلد اول)

رسول خدا نے فرمایا کہ میری جانب سے تم حکم ہو۔ اب جو تم چاہو فیصلہ کرو۔ پیغمبر اسلام کا سعد بن معاذ کو حکم منظور کر لینا ہی عدالت کافی تھی۔ تاکہ آپ کا فرمانا کہ میں نے کلی اختیار تم کو دیا تم جو چاہو کرو۔ اور بھی نمایاں امر ہے۔ اور عدالت پیغمبر اسلام پہ دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد سعد نے جو حکم بنو قریظہ کو دیا وہ عین عدالت تھا۔ اور پیغمبر اسلام نے اس فیصلہ کے مطابق جو عمل در آمد کیا۔ وہ اعلیٰ نمونہ عدالت تھا۔

بعض متعصب و ناواقفِ حالات مورخین غیر مسلمین نے پیغمبر اسلام کے اس فیصلہ کو کہ بنو قریظہ کو قتل کر دیا جائے۔ بہ نظرِ تعصب دیکھتے ہوئے اعتراضات کئے ہیں۔ ہم اس کے بارہ میں اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ کہ وہ مورخین غیر مسلمین یا تو سخت دشمنانِ اسلام ہیں۔ اور متعصب ہیں۔ یا واقعاتِ تاریخی کے دقیق پہلوؤں تک ان کی رسائی عقل وسیع نہیں ہوئی ہے۔ یا وہ نرم دل ہیں کہ معاملہ قتل بنو قریظہ سے ان کے دل متاثر ہو گئے۔ اور وہ نازک دل عورتوں کی طرح روانی خون دیکھ کر رونے لگے۔ یا وہ قوانین حکومت و سیاست سے واقف نہیں ہیں کہ فیصلہ عدالت کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکے۔ یا وہ قوانین یا اصول عدالت سے آگاہ نہیں ہیں کہ مطابق عدالت فیصلہ کو سمجھ سکیں۔

عدالت واقعہ شعصت و حکم حئی ابنِ اخطب

اسیران جنگ خندق میں حئی ابن اخطب بھی تھا۔ حئی ابن اخطب سردار قبیلہ تھا۔ پیغمبر اسلام و اسلام کا شدید مخالف تھا۔ اس کے تفصیلی واقعات باب حکمت رسول میں درج کئے گئے ہیں۔ جنگ احزاب یا خندق میں دشمنان اسلام و مشرکین کا پیش پیش کارکن رہا۔ بنو قریظہ پیغمبر اسلام سے عہد کر چکے تھے۔ ابو سفیان نے حئی ابن اخطب سے کہا کہ وہ بنو قریظہ سے عہد شکنی کرادے اور بنو قریظہ کو جنگ احزاب میں ہمارا شریک کردے۔

چنانچہ حئی ابن اخطب نے چالاکیوں و مکاریوں سے بنو قریظہ کو آمادہ کیا کہ وہ پیغمبر اسلام سے کئے ہوئے معاہدہ کو پارہ پارہ کر دیں۔ یہی حئی ابن اخطب قلعہ بنو قریظہ پر گیا۔ اور کعب بن اسعد پیشوائے بنو قریظہ کو اس نے اپنا ہمخیال کر کے معاہدہ شکنی کروائی۔ یہ جس وقت قلعہ بنو قریظہ پر پہنچا ہے۔ اور کعب نے دروازہ کھولا ہے۔ اور حئی نے عہد شکنی کرنے کی رائے دی ہے۔ تو حئی کے جواب میں کعب نے کہا۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص۱۰۸ :-

حئی ابن اخطب گفت :-

اے کعب در حصن بکشا کہ منم حئی۔

کعب جواب داد کہ :- ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اے حئی تو مرد نامبارکی و بواسطہ شامت تو بنی نضیر پریشان و آوارہ شدہ اند اکنون آمدہ کہ قلع و قلمع ما کنی باز گرد کہ ما با محمد عہد بستہ ایم و پیمان را بایمان موکد گردانیدہ دریں مدت بجز صدق و راستی و محبت مشاہدہ نکردہ ایم۔

حئی ابن اخطب نے کہا :-

اے کعب قلعہ کا دروازہ کھول کہ میں حئی ہوں۔

کعب نے جواب دیا کہ :-

اے حئی تو منحوس آدمی ہے۔ تیری نحوست کی وجہ سے تو بنی نضیر پریشان و آوارہ حال ہوئے ہیں۔ اب تو آیا ہے کہ ہم کو برباد کرے۔ واپس جا کہ ہم نے محمد سے عہد و پیمان کر لیا ہے۔ اور ہم نے اس مدت میں محمد سے بجز سچائی اور محبت کے دوسری چیز نہیں دیکھی ہے۔

مذکورہ عبارت تاریخی نے ظاہر کیا کہ حئی ابن اخطب ہی نے بنی نضیر کو خلاف اسلام بھڑکایا تھا۔ اور اسی نے ابوسفیان سے سازباز کر کے بنو قریظہ کو عہد شکنی پر آمادہ کیا اور اسی نے جنگِ خندق میں شرکت کی اور یہی پھر بھاگ کر قلعہ بنو قریظہ میں آبیٹھا۔ اور خلاف اسلام مہم کو آغاز کرنے کی تدابیر کرنے لگا مدبرین و سیاست دانانِ عالم بتائیں کہ ایسے دشمن کی سزا کیا ہونی چاہیئے۔ جان بخشی یا گردن زدنی۔ اگر کوئی صاحب یہ فیصلہ دیں کہ جان بخشی تو گویا انہوں نے صحیح و مطابق حالات فیصلہ نہیں دیا۔ لہٰذا خلاف عدالت ہوا۔

اور اگر یہ فیصلہ دیا گیا کہ ایسا شخص بیشک قابلِ گردن زدنی ہے۔ اور یہی عین عدالت ہے۔ تو پھر یہی عمل پیغمبر اسلام نے بھی کیا ہے۔

میں یہاں حیئ ابن اخطب کے باطنی وظاہری بغض وعداوت اسلام ومختصر حالاتِ تاریخی عبارت میں پیش کرتا ہوں۔

(۱) روضۃ الصفا جلد دوم ص۱۱۵:-

چوں حیئ ابن اخطب را با دست بستہ نزدِ حضرت رسول آوردند فرمود کہ یا عدو اللہ عاقبت حق عز وعلا نور را بدست من انداخت ومرا بر تو حاکم ساخت حیئ گفت من نفس خود را در عداوت تو ملامت نمی کنم من عز نفس خویش طلب کردم خدائے تعالیٰ ترا ظفر داد باکے نیست دراں زماں کہ حیدر کرار از برائے قتل وے ذو الفقار برکشید حیئ گفت قتل شریف بید شریف علی گفت اخیار را اشرار بقتل می رسانند واشرار را اخیار می کشند وسے بہ از کس کہ اخیار بدست ایشاں کشتہ شوند وخوشا حال آنکہ اشرار اورا بکشد حیئ گفت آنچہ گفتی راست التماس آنکہ جامہ مرا از تن بیروں نکنی علی گفت این معنی آساں تر ست۔

جب حیئ ابن اخطب کو دونوں ہاتھ باندھ کر پیغمبر اسلام کی خدمت میں لائے۔ تو آپ نے فرمایا اے دشمن خدا آخر کار خدا نے تجھ کو میرے قبضہ میں دیدیا۔ اور مجھ کو تیرا حاکم بنا دیا۔ حیئ نے کہا کہ میں اپنے نفس کو تمہاری دشمنی میں ملامت نہیں کرتا ہوں۔ میں نے اپنے نفس کی عزت کو چاہا خدا نے تم کو ظفر دی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور جس وقت علی مرتضیٰ نے اس کے قتل کرنے کیلئے تلوار کھینچی حیئ نے کہا شریف الشان شریف کے ہاتھ سے قتل ہو رہا ہے۔ علی نے جواب دیا۔ نیکوں کو شریر قتل کرتے ہیں اور شریروں کو نیک لوگ قتل کرتے ہیں۔ وائے ہو ان پر جن کے ہاتھ سے نیک لوگ قتل ہوتے ہیں۔ اور خوش بخت وہ لوگ ہیں جو اشرار کے ہاتھ سے قتل ہوں

حیئ نے کہا جو کچھ آپ نے فرمایا درست فرمایا۔ آخر میں میری التماس ہے کہ میری زرہ ولباس کو میرے جسم سے نہ اتارا جائے۔ علی نے کہا یہ کام میرے لئے آسان ہے۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حیئ ابن اخطب جس وقت گرفتار کرکے پیشِ پیغمبر اسلام لایا گیا۔ تو اس نے کس زور سے گفتگو کی۔ اور کہا کہ مجھ کو مطلق ملال نہیں ہے۔ اور میں اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتا۔ یعنی مجھ کو مطلق پشیمانی نہیں ہے کہ میں نے پیغمبر اسلام سے کیوں دشمنی کی۔ اور کیوں اس کے بدلہ میں قتل کیا جا رہا ہوں۔

اور جب علی نے حیّ ابن اخطب کی گردن مارنی چاہی تو بھی حیّ ابن خطب نے یہی کہا کہ میں نے اپنے عزّ نفس کیلئے پیغمبر اسلام سے مقابلہ کیا اور تا آخر وقت میں نے اپنی شرافت کو برقرار رکھا۔ گویا حیّ کے خیال میں اسلام دشمنی میں اس کا قتل ہونا بھی شرافت تھا۔ جس دشمن اسلام کی عداوت قلبی اور تدابیر بیخ کنی اسلام کا یہ ریکارڈ موجود ہو اس کیلئے مدبران عالم کیا حکم لگاتے ہیں۔ اس کو قتل کیا جائے یا رہا کر دیا جائے۔ اور ان میں سے کونسا حکم مطابق عدالت ہوگا ہر ذی فہم یہی رائے دیگا کہ ایسے شخص کو قتل کر کے راہ فتنہ و قتل و غارت بند کر دینا چاہیئے تھا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے مطابق قوانین عدالت حیّ ابن اخطب کے قتل کا حکم علی کو دیا۔ اور علی نے اس شریر النفس انسان کے وجود سے سطح ارض کو پاک کر دیا۔

تاریخ اسلام میں اس واقعہ کے سلسلہ میں ایک واقعہ لبابہ بن منذر کا بھی ہے۔ پیغمبر اسلام نے ابو لبابہ کو قلعہ بنو قریظہ کے سامنے بھیجا۔ افراد بنو قریظہ نے ابو لبابہ سے دریافت کیا کہ تمہارے کیا ارادے ہے۔ ابو لبابہ نے ان سے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ذبح کیئے جاؤگے۔ مگر ان محصورین کی گریہ و زاری پہ ابو لبابہ کو رحم و ترس آگیا تھا۔ اور ظالم و قاتل پر رحم کرنا اور اس کو اس کے جرم کے مطابق سزا نہ دینا بھی ظلم ہے اور خلاف عدالت ہے۔ لہذا ابو لبابہ کو بعد کو خیال آیا کہ ان کے دل میں ایسے موقع پر رحم آنا بھی ظلم تھا۔ اور ظلم گناہ عظیم ہے۔ لہذا ابو لبابہ نے اپنے کو مدینہ کی ایک مسجد کے ستون سے باندھا اور تین دن رات مسلسل گریہ و زاری کی اور خدا سے معافی طلب کی۔ جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ ابو لبابہ نے پشیمان ہو کر اپنے کو ستون مسجد ام سلمیٰ سے باندھ رکھا ہے۔ تو بالالفاظ تاریخ روضتہ الصفا آپ نے فرمایا۔ ص۱۵۱ ۔

چوں رسول خدا بہ حال او اطلاع یافت فرمود اگر نخست پیش من آمدے از برائے او آمرزش می کردم و اکنون اورا نگشائم تا اللہ تعالیٰ توبہ اورا قبول کند و بروایتے از پانزدہ روز در شان قبول توبہ ابو لبابہ وحی نازل شد ۔۔۔

جب رسول خدا کو ابو لبابہ کے حال کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا کہ اگر پہلے میرے پاس آجاتا تو میں خدا سے اس کیلئے طلب معافی کرتا۔ مگر اب اس کو ستون مسجد سے نہ کھولوں گا۔ حتیٰ کہ خدا اس کی توبہ قبول کرے۔ ایک روایت سے ۱۵ دن میں آیت قبول توبہ نازل ہوئی۔

(۲) وجہ و سبب رحم ابو لبابہ (ثبوت تاریخی)

روضتہ الصفا ص۱۵۱ ۔ ابو لبابہ بحصار در آمد یہود اورا استقبال نمودند و زنان و کودکان بنزد او مجتمع گشتند و از شدت حال نالہ و نفیر

ابو لبابہ یہود قریظہ کا طلب کردہ قلعہ میں جب آیا تو یہودان قریظہ نے اس کا استقبال کیا اور عورتیں و بچے اس کے گرد جمع ہوگئے اور

بنزروهٔ فلک اثیر رسانید ند چنانچہ ابو لبابہ را برایشاں رحم آمد۔

شدتِ مصیبت کی وجہ سے ان کا شور و فریاد و فغاں آسمان کے کنگروں تک پہنچ رہا تھا یہ حالت دیکھ کر ابو لبابہ کو ان پر رحم آگیا۔۔۔

تاریخی عبارات نے ظاہر کیا کہ بنو قریظہ کی عورتوں بچوں، مردوں کی گریہ و زاری سنکر ابولبابہ کو رحم آگیا۔ ابو لبابہ کا یہ رحم گویا قوانین عدالت کے خلاف تھا۔ عدالت تو یہی تھی کہ ان دشمنانِ اسلام کو (جن کی دشمنی وقتی و عارضی نہ تھی۔ بلکہ مرض مزمن کے مانند قدیم ہو چکی تھی) قتل کر دیا جائے۔ اور ان کے وجودِ پُر فتنہ سے نواح مدینہ کو صاف کر دیا جائے۔ مگر ابو لبابہ کا ان پر رحم کھانا۔ گویا حکم قتل کے غلط ہونے پر ایک قسم کا احتجاج تھا۔ اور یہ احتجاج خلافِ قانونِ عدالت تھا۔ لہٰذا اس کا احساس خود ابو لبابہ کو ہوا اور وہ فوراً مدینہ گئے اور مسجد مکان ام سلمیٰ میں پہنچ کر اپنے کو ستون مسجد سے باندھ دیا۔

پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا تو چونکہ ابو لبابہ کا فعل خلافِ اصول عدالت تھا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے بھی فرما دیا کہ وہ ضرور خطاوار ہے۔ اگر پہلے میرے پاس آجاتا اور اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا۔ تو میں اس کے لئے خدا سے طلبِ عفو کرتا۔ مگر اب اس کو ستونِ مسجد سے نہیں کھولوں گا۔ اگر پیغمبر اسلام اپنے اختیارِ حکومت سے ابو لبابہ کو کھول دیتے تو یہ امر آسان تھا۔ مگر پیغمبر اسلام کا یہ فعل اس امر کو ثابت کر دیتا کہ ابو لبابہ کا اعتراف جرم نظر پیغمبر میں غلط تھا۔ اسلئے پیغمبر نے ابو لبابہ کو کھول دیا۔ پیغمبر اسلام تو خود ہی اشاعتِ قوانینِ عدالت چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ کیونکر ممکن تھا۔

اس موقعہ پر پیغمبر اسلام کا یہ فرمانا کہ میں ابو لبابہ کو ستونِ مسجد سے نہیں کھولوں گا۔ اور اسی طرح سے ابو لبابہ ۱۵ دن تک ستون مسجد سے بندھے رہے۔ اور پیغمبر اسلام اس تکلیف دہ منظر کو دیکھتے رہے اور ابو لبابہ کو نہیں کھولا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ پیغمبر اسلام کی نظر میں بھی ابو لبابہ کا یہ فعل (رحم آنا) منافی قوانین عدالت تھا۔ اور چونکہ ابو لبابہ نے حکم رسول و حکم خدا کے خلاف یہ عمل کیا تھا۔ لہٰذا اس کی معافی بھی خدا ہی دے سکتا تھا۔ صرف پیغمبر کو حق نہ تھا کہ وہ قصور بھی اپنے حکم سے معاف کر دیں جو اس نے خدا کے حکم کی خلاف ورزی میں کیا تھا۔

اگر پیغمبر اسلام اس موقع پر یہ کہہ دیتے۔ کہ اے ابو لبابہ میں نے معاف کیا۔ تو بھی خلاف عدالت تھا۔ کیونکہ محمد اپنا قصور تو معاف کرنے کے حقدار تھے۔ مگر ابو لبابہ کا وہ جرم نہیں معاف کر سکتے تھے۔ جو اس نے درگاہِ خدا میں کیا تھا۔

بہر حال اس واقعہ نے مزید تائید و تصدیق کر دی کہ پیغمبر اسلام نے بنو قریظہ کے مردوں کے قتل عام کا جو حکم

دیا تھا۔ وہ عین عدالت تھا۔ اور بنو قریظہ اسی سزا کے مستحق تھے۔

کم بصیرت و متعصب مورخین غیر مسلمین نے پیغمبر اسلام کے اس حکم پر اعتراضات کئے ہیں اور قتل عام بنو قریظہ کو خلاف انسانیت فعل قرار دیا ہے۔ مگر یہ سب ان کی تنگ نظری اور تعصب مذہبی ہے۔ ورنہ مدبران عالم کے سامنے اگر بنو قریظہ کا معاملہ رکھا جائے۔ تو وہ یہی فیصلہ دیں گے جو پیغمبر اسلام نے ان کے بارہ میں حکم دیا تھا۔

عدالت، واقعہ شصت و دوم، واقعہ عجیب

جب بنو قریظہ کے سات سو افراد قتل کر دیئے گئے اور ان کے بچے اور عورتیں فریاد و فغاں میں مصروف تھیں۔ تو ان کو ایک شخص زبیر بن باطیہ جو بوڑھا شخص تھا سمجھا بجھا رہا تھا۔ جب زبیر بن باطیہ کے قتل کی باری آئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے پاس گیا۔ ثابت بن قیس اس سے پہلے جنگ میں گرفتار ہو گئے تھے۔ تو زبیر بن باطیہ نے ثابت کے ساتھ بہت ہمدردی کی تھی۔ زبیر نے ثابت سے پوچھا کہ تم اس وقت مجھ کو پہچان سکتے ہو۔ ثابت نے کہا کہ بھلا کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ مجھ جیسا انسان اپنے محسن کو بھول جائے۔ ثابت اس ضعیف العمر زبیر کو ہمراہ لئے خدمت پیغمبر اسلام میں آئے۔ اور بتایا کہ میرے اوپر زبیر کا احسان ہے۔ آپ زبیر کو مجھ کو بخش دیں۔ پیغمبر اسلام نے بالفاظ روضۃ الصفا[۱] فرمایا اور فرمودکہ اورا بتو بخشیدم۔ "میں نے زبیر کو تمکو بخشا"۔ زبیر نے کہا کہ تنہا انسان بغیر بچوں کے کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ پیغمبر نے اس کے اہل و عیال کو بھی آزاد کر دیا۔ پھر زبیر نے عرض کیا کہ انسان بغیر مال و دولت کے کیونکر زندہ رہ سکتا ہے۔ تو پیغمبر نے اس کو سامان و دولت بھی عطا کی[۱]

پیغمبر اسلام کا یہ فعل اگرچہ تحت عفو میں شمار ہونا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ ثابت نے یہ بتایا تھا کہ زبیر نے اس کے ساتھ حسن سلوک بہ اسیری کیا ہے لہٰذا ضروری اور مطابق عدالت تھا کہ بموقعہ اسیری ہی زبیر کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ بدی کا بدلہ بدی اور احسان کا بدلہ احسان دینا ہی عدالت ہے۔ لہٰذا اگر اس موقعہ پر پیغمبر اسلام ثابت کو منع کر دیتے۔ تو پیغمبر اسلام کا یہ فعل خلاف عدالت ہوتا۔ لہٰذا آپ نے مطابق اقتضائے عدالت۔ زبیر کو آزاد کر دیا۔ اور اس کے کہنے سے اس کے متعلقین کو بھی آزاد کر دیا۔ اور سامان و دولت بھی عطا کر دی۔ پیغمبر اسلام کا یہ فعل چونکہ جواب حادثہ احسان زبیر ہوا تھا لہٰذا عین عدالت ہے۔

---

[۱] زبیر نے ثابت سے دریافت کیا کہ حی ابن اخطب و دیگر سردار قبیلہ کیا ہوئے۔ ثابت نے بتایا کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔ تو زبیر نے ثابت کو قسم دی کہ وہ اسکو بھی قتل کر دے۔ تو ثابت نے زبیر کو قتل کر دیا۔

عدالت، واقعہ شصت وسوم، صلہ رحم وشفقت

پیغمبر اسلام نے سنہ ۶ھ میں اصحاب کو نجد کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے ایک شخص کو بنی حنیفہ میں سے گرفتار کر لیا۔ اس اسیر کا نام ثمامہ تھا۔ اس کو خدمت پیغمبر میں لائے۔ آپ نے حکم دیا کہ اس کو ستون مسجد سے باندھ دیا جائے۔ اس کے بعد پیغمبر نے ثمامہ سے سوال کیا۔ روضۃ الصفا جلد ۲ صـ۱۱۷ ہ۔

ما عندک یا ثمامہ ؟ اے ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے۔؟

ثمامہ :۔ تحت دمن خیر است ۔ میرے پاس نیکی ہے۔ اے محمد اگر تم مجھ کو قتل کر دگے تو گویا تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اور اگر تم انعام کرو گے تو گویا تم نے ایک شکر گذار کے ساتھ انعام کیا۔ اور اگر تم مال چاہتے ہو تو طلب کر لو۔

دوسرے روز پھر پیغمبر اسلام نے یہی سوال کیا۔ ثمامہ نے پھر یہی جواب دیا۔ تیسرے روز پھر سوال کیا پھر یہی جواب پایا۔

پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ ثمامہ کو قید سے آزاد کر دیا جائے۔ ثمامہ مسجد سے باہر گئے غسل کیا اور پھر مسجد میں حاضر ہو کر کہا۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و محمد رسول اللّٰہ۔ اور کہا کہ اے محمد روئے زمین پر تمہارا دشمن مجھ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔ اور آج تم سے زیادہ کوئی شے مجھ کو محبوب نہیں ہے۔ اب مجھ کو اجازت ہو کہ میں مکہ جاؤں اور اپنے وطن کو واپس ہو جاؤں۔ پیغمبر اسلام نے بخوشی اجازت دیدی جب ثمامہ حرم مکہ میں پہنچا تو کسی دشمن نے اس سے کہا کہ اے ثمامہ تو صابی ہو گیا ہے۔ ثمامہ نے کہا نہیں بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ اور اے اہل مکہ یاد رکھو کہ اب ایک دانہ گندم نجد سے تم تک نہ آئے گا جب تک محمد کی اجازت نہ ہو گی۔

جب ثمامہ وطن پہنچا تو اس نے لوگوں سے کہدیا کہ اب وہ مکہ کو گیہوں نہ بھیجا کریں۔ قریش مکہ سخت پریشان ہو گئے۔ اور انہوں نے پیغمبر اسلام کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ اور اس خط میں التماس کی کہ آپ ثمامہ کو حکم دیدیں کہ وہ گیہوں ہم کو پہنچایا کریں۔ آنحضرت مقدس نبوی از غایت فضل واحسان دبر دامتنان تشریف رخصت ارزانی داشتہ اہالی حرم از بلیہ عسرت خلاص یافتند پیغمبر اسلام نے انتہائی مہربانی و کرم سے ثمامہ کو حکم واجازت عطا فرمائی۔ تو اہل مکہ نے قحط کی پریشانی سے نجات پائی۔

ظاہر ہے کہ قریش مکہ نے پیغمبر اسلام کو سخت اذیتیں دیکر وطن سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ معدودے چند مسلمان تھے ان کو ہر طرح طرح کی تکالیف پہنچاتے تھے۔ افواج جمع کر کے مدینہ پر چڑھائی بھی کرتے رہتے تھے

یہ واقعہ ۶ھ کا ہے کہ پیغمبر اسلام نے ثمامہ کو حکم دیا کہ اہل مکہ کا غلہ بند نہ کیا جائے اور سلسلہ تجارت گندم اہل مکہ سے باقی رکھا جائے۔ ایسے رحم و کرم و ایثار کے واقعات تاریخ عالم میں مفقود ہیں۔ مگر تاریخ اسلام میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پر اپنے ہموطنوں سے یہ صلہ رحم شفقت کا سلوک فرمایا ہے۔ اور اس انداز سے یہ سلوک فرمایا ہے کہ ایسا کرنے میں نہ کوئی احسان ہی جتایا جائے اور نہ کسی کو حقیر کیا جائے بے منت و بدون ندامت آپ نے یہ عمل شفقت ظاہر فرمایا ہے۔ چونکہ شفقت و صلہ رحم اجناس تحت عدالت میں ہیں۔ لہٰذا پیغمبر اسلام کا یہ فعل بھی عدالت پر مبنی ہے

عدالت، واقعہ شصت و چہارم

۶ھ میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔ صلح حدیبیہ کے تفصیلی حالات باب حکمتِ رسول میں لکھے گئے ہیں۔ جب پیغمبر اسلام بہ ارادہ زیارت عمرہ خانہ کعبہ مکہ کے قریب پہنچ گئے اور کفار مکہ نے مسلمانوں کو زیارت عمرہ کعبہ کرنے نہ دی اور پیغام دلوایا کہ پیغمبر اسلام اس سال واپس چلے جائیں۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے مزید تفصیلی حالات معلوم کرنے کیلئے دس افراد کو مکہ پہنچایا۔ تاکہ وہ صحیح حالات کا پتہ لگائیں۔ اور اشراف مکہ سے ملاقات کر کے عمرہ کی اجازت لے لیں۔ اور ان کو یہ بتادیں کہ پیغمبر اسلام معہ ہمراہ سو افراد کے صرف زیارت خانہ خدا کیلئے آئے ہیں۔ اس زیارت کے پردہ میں کوئی دوسرا ارادہ نہیں ہے۔ اور مسلمان اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ بھی لائے ہیں۔ اور ہتھیار کسی کے پاس نہیں ہیں۔ جب یہ دس افراد جن کی سرکردگی عثمان بن عفان کے ذمہ تھی۔ مکہ پہنچے تو وہاں ضرورت سے زیادہ ٹھہر گئے۔ اور پیغمبر اسلام و اصحاب پیغمبر میں یہ افواہ اڑ گئی کہ عثمان کو کفار مکہ نے قتل کر ڈالا۔ جب پیغمبر اسلام کو یہ معلوم ہوا تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔

پیغمبر اسلام نے مطابق قوانینِ جنگ کفار مکہ کا یہ طرز عمل دیکھ کر ایک دستہ فوج کو نگرانی و پاسبانی اصحاب کیلئے مقرر کر دیا۔ ان اصحاب کا سردار و نگران و ذمہ دار اوس بن خولی و عبادہ بن بشیر و محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا۔ ایک شب یہ اصحاب پہرہ دے رہے تھے کہ انہوں نے ایک جماعت سواروں کی دیکھی۔ ان کو خطرہ ہوا ان کا تعاقب کیا اور وہ پچاس افراد تھے۔ ان کو گرفتار کر لیا۔ ان سے حالات دریافت کئے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان و کفار قریش نے یہ پچاس سوار اسلئے بھیجے تھے کہ جو بھی مسلمان ہاتھ لگ جائے اس کو پکڑ لائیں۔ اتفاق سے یہ سب تو خود ہی شکار ہو گئے۔

محمد بن مسلمہ نے ان کو خدمت پیغمبر اسلام میں پیش کیا آپ نے ان کو قید کر دینے کا حکم دیا۔ اس دستہ فوج کفار کا سردار سہیل بن عمیر تھا۔ اہل مکہ کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ ان کے پچاس حملہ آور مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں تو انہوں نے سہیل بن عمر کو معہ ایک جماعت کے خدمت پیغمبر اسلام میں بھیجا۔ جب پیغمبر اسلام

نے اس کو آتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ تم اس سے کچھ نہ کہو میں خود بات کروں گا۔ کیونکہ یہ شخص نہایت خطرناک و غدار ہے۔ اب میں اس واقعہ کو تاریخی عبارت روضۃ الصفا صت ۱۲۰۲ میں سے پیش کرتا ہوں ۔ :۔

چو سہیل شرف مجلس حضرت را دریافت ۔

ا گفت اے محمد حبس اصحاب تو بہ رضائے خردمندان رائے و تدبیر بتو د بلکہ طائفہ از سفہا براں امر اقدام نمودند و جمیع عقلا آں را کارہ بودند ملتمس آنکہ جمع از یاران ما بتقید اسیر گرفتار شدہ اند اطلاق فرمائی ۔

حضرت فرمود کہ من ایشاں را نمی فرستم تا اصحاب مرا نفرستند۔ سہیل گفت کہ سخن تو عین صوابست ۔

ب چوں ایں سخن بسمع قریش رسید عثمان را باآں دہ نفر آزاد ارسال نمودند و حضرت نیز زمرہ را کہ محمد بن مسلمہ دستگیر کردہ بود اطلاق فرمود

ج چوں سہیل بن عمر یاران او بدیدند کہ مسلمانان از سر فرط رغبت مسارعت نمودند وہم و ہراس بر ضمائر ایشاں استیلا یافت بجانب قوم باز گشتند و ایشاں را از اتفاق اہل اسلام اعلام کردند و قریش نیز از استماع ایں خبر اندیشناک شدند و سہیل بن عمر و خویطب بن عبد العزیٰ و مکرز بن حفص را بجہہ تمہید لباط مصالحت نزد رسول خدا باز فرستادند۔ سہیل معروض رائے صواب نمائے حضرت نبوی گردانید کہ قریش با تو

جب سہیل ابن عمر دربار رسالت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا اے محمد آپ کے اصحاب کی گرفتاری ہمارے صاحبانِ رائے کے مطابق حکم نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ یہ فعل چند بیوقوفوں کا تھا۔ عقلا تو اس کام سے کراہت کرتے تھے اب ہماری یہ التماس ہے کہ آپ قیدیوں کو آزاد کر دیجئے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں ابھی تو ان کو آزاد نہیں کروں گا جب تک اہل مکہ میرے اصحاب کو واپس نہیں کریں گے سہیل نے کہا کہ آپ کا فرمان درست اور بجا ہے۔

ب ۔ جب قریش مکہ کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے عثمان کو معہ دس افراد کے واپس کر دیا۔ پیغمبر اسلام نے بھی ان افراد کو جن کو محمد بن مسلمہ نے قید کر لیا تھا۔ آزاد کر دیا

ج ۔ جب سہیل بن عمر اور اس کے رفقاء نے دیکھا کہ مسلمان انتہائی شوق سے جلد واپس ہو گئے تو ان کے دلوں پہ خوف و ہراس چھا گیا وہ اپنی قوم کے پاس گئے اور ان کو بتایا کہ مسلمان کتنے متحد و یکجہت ہیں۔ قریش بھی کچھ ڈرے اور انہوں نے سہیل بن عمر و خویطب بن عبد العزیٰ و مکرز بن حفص

صلح می کنند شرط آنکه امسال ازینجا باز گردی و سال دیگر آمده بقصد عمره قیام نمائی و حضرت باین معنی ممد ایستاں شده

کو صلح کی گفتگو کیلئے بھیجا۔ سہیل خدمت رسول میں حاضر ہوا۔ اور اس نے اپنے مدعا کو عرض کیا اور کہا کہ قریش آپ سے صلح چاہتے ہیں شرط یہ ہے کہ اس سال مسلمان واپس جائیں۔ دوسرے سال آکر عمرہ کعبہ بجالائیں۔ پیغمبر اسلام اس شرط پر راضی ہو گئے۔

خلاصہ عبارات :-

(۱) پیغمبر اسلام مدینہ سے مکہ اسلئے تشریف لیگئے کہ زیارت خانہ کعبہ بجالائیں

(۲) قریش مکہ نے پیغمبر اسلام کو روک دیا کہ وہ مکہ میں داخل نہ ہوں اور مراسم عمرہ خانہ کعبہ ادا نہ کریں

(۳) پیغمبر اسلام نے معاہدہ کو سلجھانے کیلئے عثمان بن عفان کو معہ دس افراد کے قریش کے پاس بھیجا تو قریش نے ان کو گرفتار کر لیا۔

(۴) قریش مکہ نے پچاس افراد کا ایک دستہ سہیل بن عمیر کے ہمراہ بھیجا کہ وہ مسلمانوں کو گرفتار کرکے لائیں

(۵) سہیل بن عمیر معہ پچاس افراد کے گرفتار ہو گیا اور پیغمبر اسلام نے ان کو قید کر دیا

(۶) جب سہیل بن عمر فرستادہ قریش خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے افراد کو طلب کیا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں اس وقت تک تمہارے قیدی آزاد نہ کروں گا جب تک تم میرے اصحاب مجھ کو واپس نہ کر دو۔

(۷) قریش نے جب پیغمبر اسلام سے چاہا کہ وہ امسال خانہ کعبہ کی زیارت نہ کریں اور صلحنامہ لکھدیں تو پیغمبر اسلام نے اس کو منظور کر لیا۔

ان واقعات کو نظر میں لاتے ہوئے خود ناظرین غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کے ہر معاملہ میں عدالت ہی عدالت کا مظاہرہ کامل ملتا ہے۔ بلکہ عدالت بھی اعلیٰ پیمانہ کی پائی جاتی ہے۔ جب مشرکین کے پچاس افراد گرفتار ہوئے تھے اور مسلمانوں کے دس افراد تو پیغمبر اسلام اگر ان دس کے بدلہ صرف دس ہی افراد کو آزاد کر دیتے تو یہ بھی عدالت تھی۔ مگر آپ نے اپنے کل اصحاب کی رہائی کا مطالبہ کیا تھا لہٰذا آپ نے ان کے بھی کل افراد کو آزاد کر دیا۔ علاوہ بریں جب قریش نے شرائط صلح حدیبیہ پیش کیں تو پیغمبر اسلام نے بخوشی ان سب کو منظور کر لیا۔ اور اپنے اس عمل سے صلح جوئی اور عدالت بین الناس و حفاظت حقوق انسانی کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا

عدالت واقعہ شصت و پنجم ، واقعہ ابو جندل مکافات و حسن قضاء

صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی ہے شرائط صلح لکھے جا رہے تھے کہ سہیل بن عمر نے اپنے بیٹے ابو جندل کی واپسی کا مطالبہ خدمت

رسول میں پیش کر دیا۔ معاملہ یہ ہوا کہ شرائط صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی منظور کی گئی تھی کہ اگر قریش میں کا کوئی شخص اپنے ولی کے خلاف منشاء بے اجازت خدمت رسول میں آئے گا۔ تو اس کو رسول واپس کر دیں گے۔ جب شرائط نامہ لکھا جا رہا تھا۔ اور شرط مذکور لکھی گئی تو سہیل بن عمر نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ اس کا لڑکا ابو جندل جو مسلمان ہو گیا تھا اور میری قید سے بھاگ کر مدینہ آگیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ مجھ کو واپس کر دیا جائے۔ ملاحظہ ہو:-

روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۲۳:-

سہیل بن عمرو گفت اے محمد ایں اول
امر یست کہ مصالحہ براں قرار یافتہ او را
بمن سپار حضرت فرمود کہ من ہنوز از کتابت
فراغت نیافتہ ایم۔ سہیل گفت بریں تقدیر
ہیچ نوع میان من و شما طریق صلح مسلوک
نیست۔ حضرت فرمود کہ ایں یک را از برائے
خاطر من مستثنیٰ کن و بمن گذار۔ سہیل
اباء و امتناع نمود و ہر چند رسول اللہ دریں
باب مبالغہ کرد سہیل قبول نہ کرد بعد ازاں
پیغمبر فرمود اے سہیل بعد ازیں او را تعذیب
و ایذا منما و مکرز بن حفص ضامن شد کہ
مکروہے بہ ابو جندل نرسانند و چوں ابو
جندل دانست کہ او را بمکہ خواہند برد
فریاد برآورد کہ یا معشر المسلمین مرا بمشرکان
تسلیم خواہید نمود و من مسلمان شدہ بشما
پناہ آوردہ ام و بہ سمع شما نہ رسیدہ کہ از کافراں چہ مشقت
بمن رسیدہ .... حضرت مقدس نبوی فرمود
کہ صبر کن و دل خوش دار و طالب ثواب باش از
خدائے عز و علاء و اعتماد بر کرم حق نما کہ ترا د باقی

سہیل ابن عمر نے کہا اے محمد یہ وہ پہلی شرط
ہے جس پر معاہدہ صلح طے پایا ہے۔ اب آپ
ابو جندل کو میرے سپرد کر دیں۔ پیغمبر اسلام
نے جواب دیا کہ ابھی تو معاہدہ لکھا بھی نہیں
گیا ہے۔ سہیل نے کہا کہ صلحنامہ کا انحصار ہی
اس شرط پر ہے۔ ورنہ ہم صلح ہی نہ کریں گے
پیغمبر اسلام نے فرمایا تو اچھا اس ایک شخص
کو میری خاطر مستثنیٰ کر دو اور مجھ کو دیدو
سہیل نے انکار کیا۔ رسول نے بہت اصرار کیا
مگر سہیل نہ مانا۔ پھر پیغمبر نے فرمایا کہ اے
سہیل کہ اب ابو جندل کو ایذا نہ دینا۔ اور
مکرز بن حفص کو ضامن ٹھہرایا۔ ابو جندل
کو جب معلوم ہوا کہ اس کو مکہ لے جائیں گے۔
تو اس نے فریاد و فغاں شروع کر دی اور
کہا اے مسلمانو! کیا تم مجھ کو کافروں کو دیدو گے
جبکہ میں مسلمان ہوں۔ اور تمہاری پناہ میں
آیا ہوں۔ تم کو نہیں معلوم کہ کافروں نے
مجھ کو کتنا ستایا ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا
اے ابو جندل صبر کرو خوش رہو خدا سے ثواب

مسلمانان را کہ در مکہ اند فرجے و رہائی خواہد داشت حالا با ایں جماعت شرطے درمیان در آمدہ و خلاف آں طریقہ ما نیست اولی دریں کار صبر است۔

ملیگا۔ اس کے کرم پر بھروسہ کرو۔ تمکو اور مسلمانانِ مکہ کو وہی رہائی دیگا۔ اب میں نے اسباب کا معاہدہ کر لیا ہے۔ اس معاہدہ کے خلاف میں کچھ نہ کروں گا۔ تمہارے لئے صبر بہتر ہے۔

معاملہ بہت سنگین تھا۔ عرب میں قدیم دستور تھا کہ اگر دشمن بھی کسی کی پناہ میں آجائے تو پھر اس کو دشمن کے سپرد نہیں کرتے تھے اور اپنی جان و مال کی بازی لگا دیتے تھے اور سینکڑوں حلیف اس معاملہ میں اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے تھے۔ مگر پیغمبر اسلام نے اس رسم جاہلیت کو مٹایا۔ اور عدالت قولی و فعلی کے خلاف کوئی امر جائز نہ رکھا۔

ابو جندل کہتا رہا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ میں مسلمانوں کی پناہ میں آیا ہوں۔ مگر پیغمبر اسلام نے صاف صاف الفاظ میں فرما دیا کہ میں خلاف عدالت کچھ بھی کرنے کو آمادہ نہیں ہوں۔ اور ابو جندل سے کہہ دیا کہ ہمارے دین و آئین میں یہ جائز ہی نہیں ہے کہ خلاف معاہدہ و خلاف قوانینِ عدالت کوئی عمل کیا جائے۔ لہٰذا اگر تم مسلمان دل سے ہوئے ہو تو پھر اس دین کے اصول کی خاطر صبر کرو۔ خدا سے مدد طلب کرو اور سخت تکالیف برداشت کرتے ہوئے ثواب آخرت حاصل کرو۔

عدالت شصت و ششم لفظِ رسول سے سہیل کا انکار

درحقیقت اس واقعہ پر جس عدالت کا مظاہرہ پیغمبر اسلام نے کیا ہے۔ اس کی مثال تاریخ عالم آجتک پیش نہ کر سکی۔ اور نہ کبھی پیش کر سکے گی۔ معاہدہ صلح حدیبیہ لکھا جا رہا تھا۔ کہ سہیل بن عمر نے اعتراض کر دیا کہ ہم محمد کے نام کے ساتھ رسول کا نام نہیں لکھنے دیں گے۔ اور اس نے دلیل یہ پیش کی کہ اگر ہم محمد کو رسول اللہ تسلیم کر لیتے تو پھر ان کو خانہ کعبہ کی اجازت ہی کیوں نہ دیدیتے یا ہم مسلمان ہی کیوں نہ ہو جاتے۔ بات معقول تھی اور مرد عادل کی نگاہ میں اہمیت رکھتی تھی لہٰذا پیغمبرِ اسلام نے علی کو حکم دیا کہ کتابت معاہدہ سے لفظ رسول کو مٹا دو مگر علی نے لفظ کے مٹانے سے معذرت چاہی اور پیغمبر اسلام نے خود لفظ رسول کو کتابت معاہدہ سے مٹایا۔ یہ واقعہ ہر دوست و دشمن کی کتاب میں بلا اختلاف لکھا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی سند تاریخی پیش نہیں کی گئی۔

آپ خود غور فرمائیں کہ اس موقعہ پر بھی پیغمبر اسلام نے صلح جوئی اور عدالت کا کسقدر پاس و لحاظ رکھا ہے۔ عدالت یہی تو ہے کہ معاملات میں کسی پر زیادتی و ظلم نہ کرے۔ معاملہ قریش مکہ سے تھا۔ اگر پیغمبر اسلام اس بات پر اڑ جاتے کہ میرے نام کے ساتھ رسول کا لفظ تو ضرور لکھا رہے گا۔ تو آپ کا یہ فرمانا بیشک درست و حق تھا۔ مگر معاملہ فہمی و مقابلہ بندی کے خلاف تھا کیونکہ امر متنازعہ فیہ ہی رسالت تھی۔ پھر اسی پر اصرار

گویا معاہدہ کرنے سے انکار تو یہ تو معاملہ نہ ہوا۔ ضد تم ضدا ہو گئی۔ پیغمبر اسلام نے اس موقع پر اپنے دست مبارک سے لفظ رسول مٹا کر انتہائی عدالت و مساوات کا ثبوت دیا ہے۔ یہ واقعہ تاریخ عالم میں ہمیشہ یادگار رہے گا اور اسی کے ساتھ پیغمبر اسلام کی عدالت کا یہ نمونہ بھی تاریخ عالم کیلئے قابل تقلید رہے گا۔

عدالت واقعہ شصت و ہفتم شتر ہدی

جنگ بدر میں ابوجہل مارا گیا تھا۔ اور اس کا اونٹ مال غنیمت میں آگیا تھا۔ جب ۶ھ میں پیغمبر اسلام عمرہ خانہ کعبہ کیلئے ۱۴ سو مسلمانوں کو ہمراہ لیکر تشریف لائے اور اپنے ہمراہ قربانی کے اونٹ بھی لائے تھے۔ ان اونٹوں میں شتر ابوجہل بھی تھا وہ اونٹ جب مکہ کے قرب و جوار میں پہنچ گیا تو بھاگ کر مکہ میں خانہ ابوجہل میں پہنچ گیا۔ دشمنانِ اسلام نے شرارتاً چاہا کہ اس اونٹ کو واپس نہ کریں۔ مگر سہیل بن عمر نے ان لوگوں کو سمجھایا آخر طے یہ ہوا کہ اس ایک اونٹ کے عیوض سو اونٹ پیغمبر اسلام کو دیدیئے جائیں مگر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں اس ایک اونٹ کا معاوضہ سو اونٹوں سے اسلئے نہیں کرنا چاہتا کہ وہ اونٹ ہدی یا قربانی کا ہے۔ جو چیز نام خدا کی مقرر کی جا چکتی ہے۔ اس کو واپس نہیں لیتے۔ بلکہ خدا کے نام ہی پر صرف کرتے ہیں۔ وہ چیز ذاتی استعمال کے قابل نہیں رہتی۔ بالفاظ تاریخ روضۃ الصفا پیغمبر اسلام کے یہ الفاظ تھے۔:۔

رسول خدا نے فرمایا :۔

رسول خدا فرمود کہ اگر آں شتر مسمی بہ ہدی نمی شد التماس شمارا اجابت می کردم۔	اگر وہ اونٹ خدا کے نام پر بہ اسم ہدی موسوم نہ ہوتا تو میں ضرور واپس کر دیتا۔

پیغمبر اسلام نے بیس اونٹ جن میں شتر ابوجہل بھی تھا ناجیہ بن جندب کو دیئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مکہ میں داخل ہوں اور ان کا گوشت غربا و فقراء پر تقسیم کر دیں۔ اور باقی اونٹوں کو حدیبیہ میں نحر کر کے قربانی کی گئی۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوا کہ پیغمبر اسلام نے ایک اونٹ کا بدلہ سو اونٹ قبول نہ کیا۔ کیونکہ ایک کے بدلہ میں سو ہم مثل اشیاء کا لینا خلاف عدالت تھا۔ دوسرے یہ کہ شتر ابوجہل ونیز ۱۹ اونٹ کو مکہ بھیجا گیا اور مکہ ہی میں ان کو نحر کر کے مکہ کے غرباء کو ان کا گوشت تقسیم کیا گیا۔ اس سے ایک مسئلہ تو یہ صاف ہو گیا کہ کفار قریش کے دلوں میں شتر ابوجہل کی وجہ سے کینہ پیدا نہ ہوا۔ دوسرے فتنہ و فساد فرو ہو گیا۔ تیسرے قریش مکہ جس چیز پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر رہے تھے۔ وہ ان کو عطا بھی کر دی گئی اور پیغمبر اسلام کا اختیار کلی بھی باقی رہا کہ اسکو بصورت گوشت دیا گیا۔ نہ کہ بصورت شتر زندہ ۔۔

پیغمبر اسلام کے اس انداز میں بھی ایک دقیق پہلو عدالت کا ظاہر ہوتا ہے۔ جو صاحبانِ بصیرت پر ظاہر ہے

واقعہ شصت و ہشتم واقعہ ابوبصیر

ایفائے عہد و عدالت پیغمبر اسلام مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ صلح حدیبیہ سنہ ۶ھ میں ہوئی۔ جب پیغمبر اسلام مدینہ واپس تشریف لائے۔ تو ابوبصیر جو حلیف و ہم عہد ابوزہرہ کا تھا۔ مسلمان ہو گیا۔ اور مکہ سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ لی۔ احسن بن شریق و ازہر بن عبد عوف نے پیغمبر اسلام کو ایک خط لکھا۔ ایک شخص موسوم بہ کوثر یہ خط لیکر مدینہ آیا اور ابی ابن کعب نے وہ خط خدمت پیغمبر اسلام میں پیش کیا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ حسب عہد نامہ حدیبیہ ابوبصیر کو مکہ واپس کر دیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے ابوبصیر کو بلا کر حکم دیا کہ تم واپس مکہ جاؤ اور ابوبصیر ان قاصدوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ ابوبصیر نے خدمت رسول میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھ کو دشمن کے ہاتھ میں دے رہے ہیں یہ لوگ سخت ظلم مجھ پر کریں گے۔ اور میرے دین و ایمان کو برباد کر دیں گے۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا:-

"قد علمت انا اعطینا القوم عهدا ولا یصلح فی الدین الغدر۔"

"اے ابوبصیر تم جانتے ہو کہ ہم نے قریش سے عہد کر لیا ہے۔ اور ہمارے دین میں عہد شکنی نہیں ہوا کرتی ہے اس کے بعد فرمایا۔"

فانطلق فان الله سیجعل لک وللمسلمین فرجا۔

"اے ابوبصیر جاؤ کہ خدا تمہارے لئے اور مسلمانوں کیلئے رہائی دیگا۔"

مختصر یہ کہ ابوبصیر مسجد میں آئے دو رکعت نماز پڑھی اور ان قاصدوں کے ساتھ روانہ ہو گئے اثناء راہ میں ابوبصیر نے کسی بہانہ سے عامری کو قتل کر دیا اور دوسرا شخص کوثر کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔ اور مدینہ پہنچا اور اس نے پیغمبر اسلام سے عامری کے قتل ہو جانے کا واقعہ بیان کیا۔ اسی اثناء بیان میں ابوبصیر بھی مدینہ پہنچ کر خدمتِ پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ اور کہا یا رسول اللہ۔ آپ تو اپنا عہد پورا کر چکے کہ آپ نے مجھ کو مکہ واپس کر دیا تھا۔ مگر خدا نے مجھ کو ان دشمنوں کے ہاتھوں سے رہائی دیدی یہ سنکر پیغمبر اسلام نے فرمایا:-

"بل انه مشتعل حرب لو کان معه احد۔"

یعنی ابوبصیر شعلہائے جنگ کا بھڑکانے والا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی ہو۔ جیسے ہی ابوبصیر نے پیغمبر اسلام کے اس فرمان کو سنا۔ بس فوراً بھاگ گیا اور منزل عیض تک کسی جگہ ٹھہر کر دم نہ لیا اور جب ابوجندل بن سہیل کو مکہ میں ابوبصیر کی خبر لگی تو وہ بھی مقام عیض میں ابوبصیر کے ساتھ ہو گئے

اور اس طرح یکے بعد دیگرے مکہ کے مسلمان مقامِ عیص میں جمع ہو گئے حتیٰ کہ ستر افراد جمع ہو گئے۔ اب ان تمام لوگوں کا یہ طریقہ ہو گیا تھا کہ جو قافلہ قریش اس طرف سے گذرتا تھا اسکو لوٹ لیتے تھے۔ آخر مجبور ہو کر قریش مکہ نے پیغمبر اسلام کو خط لکھا جس کی تاریخی شہادت پیش کی جاتی ہے۔

روضۃ الصفا جلد ۲ صہ ۱۳۶ :-

ومشرکانِ مکہ ازیں حرکت بتنگ آمدند والوسفیان بن حرب را نزد حضرت رسول فرستادند تا خدائے را شفیع آوردہ ازاں حضرت درخواست نماید کہ ابوبصیر و یارانِ او را بمدینہ طلب نماید ابوسفیان ملتمس مشرکاں را معروض داشتہ گفت قریش گویند کہ ما از سر ایں شرط درگذشتیم کہ از ما نزدِ محمد رود در اماں باشد۔ ودلرا بااو دریں باب ہیچ مضائقہ و مناقشہ نیست آں مظہرِ رحمت عالمیاں مسئول مخالفان مبذول داشتہ نامہ با ابوبصیر نوشتہ ارسال نمود . . . .

ابوجندل و سائر اصحاب روئے توجہ بمدینہ نہادند۔ . . . .

مکہ کے مشرک ابوبصیر اور اس کے رفقاء کی اس حرکت سے تنگ آ گئے۔ اور انہوں نے ابوسفیان بن حرب کو خدمت پیغمبر اسلام میں بھیجا تاکہ خدا کا واسطہ دیکر درخواست کرے کہ ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کو مدینہ واپس بلالیں۔ ابوسفیان نے قریش کا پیغام پہنچایا۔ کہ ہم اس شرط سے باز آئے کہ ہمارا آدمی جو محمد کے پاس چلا جائے امان میں رہے اب ہمکو اس سے کوئی سروکار نہیں ہے جو آپ چاہیں کریں۔ پیغمبر اسلام نے ان کی درخواست کو قبول کر لیا۔ اور ابوبصیر کو بلانے کیلئے خط بھیج دیا۔ چونکہ ابوبصیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ابوجندل اور دوسرے مسلمان سب کے سب وہاں سے مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابوبصیر مسلمان ہو چکا تھا۔ مکہ سے مدینہ پہنچ چکا تھا۔ خدمتِ رسولِ اسلام میں باریاب ہو چکا تھا مسلمانوں کی پناہ میں آ چکا تھا۔ ایسی صورت میں اس کا واپس کر دینا۔ اور دشمنوں کے حوالے کر دینا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ مگر پیغمبر اسلام صلح حدیبیہ کی شرائط میں منظور فرما چکے تھے کہ جو شخص قریش کا مدینہ آئے گا۔ اس کو واپس کر دیا جائے گا۔

لہٰذا آپ نے ابوبصیر کو حکم دیدیا کہ وہ واپس مکہ چلا جائے۔ اور بعد کو مکہ کے قاصدوں کے حوالے بھی کر دیا۔ یہ جو پیغمبر اسلام نے کیا۔ وہ اقتضائے عدالت کاملہ تھا۔ اس کے بعد ابوبصیر اثنائے راہ سے اپنے دشمن کو قتل کر کے پھر واپس مدینہ آ گیا۔ اور پیغمبر سے عرض کیا کہ آپ تو مطابق عدالت معاہدہ کی شرط اللہ

کو پورا کر چکے ہیں۔ اب میں پھر واپس آگیا ہوں۔ مگر پھر بھی پیغمبر اسلام نے ابوبصیر کی حمایت کرنے اور اسے مدینہ رکھنے کو خلاف عدالت پایا۔ لہٰذا آپ نے پھر بھی فرمایا کہ ابوبصیر کو واپس مکہ ہی جانا چاہیئے اگرچہ اس دفعہ یہ امر یقینی تھا کہ ابوبصیر اپنے نگران عامری کے قتل کے جرم میں قتل کر دیا جاتا۔ مگر چونکہ ایفائے عہد و عدالت پیغمبر اسلام کا تقاضا یہی تھا۔ کہ خلاف قوانین عدالت کوئی فعل سرزد نہ ہو۔ لہٰذا ابوبصیر کا قتل بھی اگر عامری کے قتل کے جرم میں ہو جائے۔ تو بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ پیغمبر اسلام نے ابوبصیر کو دوبارہ واپس مکہ کر کے انتہائی عدالت کا مظاہرہ فرمایا۔ اب رہا معاملہ جداگانہ کہ خود ابوبصیر فرار ہو گیا اور وہ حدود اسلامی سے باہر سکونت پذیر ہو گیا۔ اور اس کے بعد جو کچھ اس نے کیا یا اس کے ساتھیوں نے کیا اس کا وہ خود ذمہ دار تھا۔ یا اس کے ساتھی اپنے اعمال کے ذمہ دار تھے۔ واقعہ مذکور نے عدالتِ پیغمبر اسلام کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ اور یہی وہ نمونے ہیں جو ہمیشہ اہل عالم کیلئے مشعل راہ بن سکتے ہیں

عدالت واقعہ شصت و نہم شفقت و حسن قضا

انواع تحت عدالت میں ایک نوع فضیلت شفقت بھی ہے۔ شفقت کی تعریف حکماء نے بایں الفاظ کی ہے۔ اما شفقت آں بود کہ از حالے غیر ملائم کہ بکسے رسد متشوش و متألم بود و ہمت بر ازالہ آں مقصور دارد۔

شفقت کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی ضرر و تکلیف پہنچے تو اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے پیغمبر اسلام نے اپنی تمام زندگی مصیبت زدہ افراد کی مدد فرمائی ہے۔ صدہا واقعات ہیں جن کو بہ تفصیل لکھنا کار دشوار ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ اوس بن صامت نے اپنی زوجہ سے کہدیا کہ :۔

انت علی کظھر امی (تو مجھ ایسی ہی ہے جیسے میری ماں کی پشت میرے لئے) اوس نے یہ کلمات اظہار کئے تو اس کی زوجہ خویلہ بنت ثعلبہ بن قیس خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئی۔ اور دریافت کیا کہ کیا علاج کیا جائے۔ پیغمبر اسلام خاموش ہو گئے۔ پس خویلہ بنت ثعلبہ نے زمین پر سجدہ خالق میں سر رکھدیا اور عرض کیا۔ اللّٰھم اشکی الیک وحدتی و وحشتی و فراق زوجی وعلاتی۔ اے خدا میں شکوہ کرتی ہوں تیری جناب میں اپنی تنہائی وحشت اور جدائی شوہر کا۔

ابھی خویلہ نے سجدہ خالق سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ آیت ظہار:۔

قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا وتشتکی الی اللہ نازل ہوئی۔ عہد جاہلیت میں ظہار مثل طلاق تھا۔ پیغمبر اسلام نے اوس کو بلایا اور آیت قرآنی سنائی۔ اور حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کرو۔ اور اپنی زوجہ سے رجوع کرو۔ اوس نے عرض کیا کہ غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلسل

دو ماہ روزے رکھو۔ اوس نے کہا کہ میں ایسے مرض میں مبتلا ہوں کہ اگر دن میں تین بار غذا نہ کھاؤں۔ تو بیمار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ ساٹھ غربا کو کھانا کھلا دو۔ اوس نے عرض کیا تو آپ میری اس کام میں مدد فرمائیں تو ایسا ممکن ہے۔

پیغمبر اسلام نے پندرہ صاع طعام اوس کو دیا تاکہ وہ کفارہ ظہار کو ادا کر سکے۔ اوس نے ساٹھ افراد کو کھانا کھلایا۔ اور وہ اس کفارہ کو ادا کر کے اپنی زوجہ کی جانب رجوع ہوا۔ (روضۃ الصفا جلد دوم) اس واقعہ تاریخی سے واضح ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اوس کی اس وقت مدد فرمائی کہ اس کا گھر تباہ ہوا جا رہا تھا۔ اور وہ بیچارہ اس قابل نہ تھا کہ قسم ظہار کے کفارہ کو ادا کر سکے۔ پیغمبر اسلام نے بحیثیت نوعی سلوک شفقت فرمایا۔ اور اس طرح زن و شوہر کے بگڑے ہوئے تعلقات کو مساویانہ ہموار کر کے شفقت معہ عدالت فرمائی۔ اور ان کے گھر کو از سر نو آباد کر دیا۔

واقعہ ہفتادم۔ عدالت

روضۃ الصفا صـ ۱۲۹ :۔

پیغمبر اسلام نے لشکر اسلام کو حکم دیا کہ وہ کمر بستہ ہو کر خیبر کی طرف چلیں۔ یہودان خیبر نے سوچا کہ اب یہودان خیبر کے ساتھ پیغمبر اسلام کا وہی سلوک ہو گا۔ جو انہوں نے بنو قریظہ اور یہودان بنی نضیر کے ساتھ کیا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کو مشورہ دیا کہ وہ ان مسلمانوں پر سختی کریں۔ جو یہودیوں کے قرضدار ہیں۔ چنانچہ منجملہ دیگر یہودیوں کے ایک شخص مسمی ابو شحم یہودی نے بھی عبداللہ بن ابی حدرہ پر شدید تقاضا و سختی شروع کر دی۔ ابو شحم کے پانچ درہم بذمہ عبداللہ تھے جب عبداللہ نے دیکھا کہ ابو شحم کسی طرح باز نہیں آتا تو اس نے بھی جھلا کر کہدیا کہ اہل خیبر پر جب مسلمانوں کی فتح ہو گی اور مال غنیمت مجھ کو ملے گا تو میں تیرا قرضہ بھی ادا کر دوں گا۔

ابو شحم نے مغرورانہ انداز میں کہا کہ یہودان خیبر کو مثل دیگر اہل قلعہ یہودیوں کے نہ سمجھنا۔ کیونکہ دس ہزار لشکر ان کے پاس موجود ہے۔ عبداللہ نے کہا کہ او دشمن خدا تو یہ کیا کہتا ہے۔ تو نہیں جانتا کہ تو ہمارے قبضہ میں ہے اور ہم نے تجھ کو امان دے رکھی ہے۔ بات بڑھی جھگڑا اور نزاع زیادہ ہوا۔ آخر ابو شحم خدمت پیغمبر میں گیا۔ اور دونوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ ابو شحم یہودی نے پیغمبر اسلام سے کہا کہ:۔

اے ابوالقاسم عبداللہ نے میرا حق مار لیا ہے۔ اور وہ مجھ کو نہیں دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے عبداللہ کو حکم دیا۔ حضرت فرمود کہ حق او را دہ (روضۃ الصفا) پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے عبداللہ ابو شحم کا حق اسکو عطا کر۔ عبداللہ کے پاس صرف دو لباس تھے۔ عبداللہ نے ایک لباس صرف تین درم کو فروخت کیا اور دو درہم اس میں اپنے پاس سے شامل کر کے ابو شحم کو دیدیئے۔ اس کے بعد سلمہ بن اسلم نے عبداللہ

کو ایک لباس عطا کیا۔ تو عبداللہ جنگ خیبر میں ان دو لباس کے ساتھ شریک ہو سکا۔

نتیجہ:۔ عدالت پیغمبر اسلام اس واقعہ سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ ابوشحم یہودی تھا۔ دشمن اسلام تھا۔ اہل خیبر کے مشورہ دینے کی وجہ سے مسلمانوں پر سختی کر رہا تھا۔ عبداللہ مسلمان تھا غریب تھا۔ جنگ خیبر میں شرکت کی تیاری کر رہا تھا۔ مگر ان حالات کی موجودگی میں بھی پیغمبر اسلام نے ابوشحم کو اس کا حق عبداللہ سے دلوایا۔ چاہے عبداللہ کو اپنا لباس ہی بیچنا پڑا۔ اور دوسرے شخص سے لباس لیکر سفر جنگ خیبر میں شریک ہوا۔

بادی النظر میں واقعہ معمولی ہے۔ مگر حالات مذکورہ کی موجودگی میں اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ مگر باایں ہمہ پیغمبر اسلام نے وہی فیصلہ دیا۔ جو قوانین عدالت کے عین مطابق تھا۔

عدالت واقعہ ہفتاد و یکم

جنگ خیبر کے موقعہ پر پیغمبر اسلام نے عباد بن بشیر کو ——— اہل خیبر کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا۔ اور اس کے ساتھ میں سوار بھی کر دیئے۔ عباد نے صحرا میں پہنچ کر ایک شخص کو گرفتار بھی کر لیا۔ اس شخص کو اہل خیبر نے بحیثیت جاسوس اہل اسلام کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ عباد نے اس جاسوس سے حالات دریافت کئے۔ تو اس نے اہل خیبر اور ان کے لشکر جرار اور ان کے شرکاء قبائل کی شان و شوکت بیان کی اور بتایا کہ دس ہزار مسلح افواج تیار ہیں۔ جو محمد سے مقابلہ کریں گی۔ عباد نے جب یہ سنا تو اس جاسوس کے دو تازیانے لگائے۔ اور کہا کہ تو جاسوس اہل خیبر ہے۔ ہم کو ان کے حشم و خدم سے ڈراتا ہے۔ اگر تو نے صحیح حالات بیان نہ کئے تو جان سے مار دوں گا۔ جاسوس ڈر گیا اور اس نے کہا کہ جان کی امان ہو تو عرض کروں۔ چنانچہ اس نے صحیح واقعات بیان کر دیئے۔ اس کے بعد کے واقعہ کو روضۃ الصفا جلد دوم صنہ ۱۳۰ کی عبارت سے پیش کرتا ہوں۔

(۱) چوں قاصد عبداللہ بن ابی سلول نزد منافقان آمدہ پیغام رسانیدند کنانہ ابن ابی الحقیق بجہتہ تحقیق کمیت لشکر شمار را فرستادہ عباد جاسوس را نزد خواجہ کائنات آوردہ کماہی حالات معروض داشت و فاروق اعظم در قتل جاسوس مبالغہ نمود عباد گفت من او را امان دادہ ام آنسرور

جب عبداللہ ابن ابی سلول اور اس کے پیروان نے آکر پیغام پہنچایا تو کنانہ ابن ابی الحقیق نے کہا تعداد لشکر اسلام کے معلوم کرنے کیلئے مجھ کو بھیجا ہے۔ عباد جاسوس کو خدمت پیغمبر اسلام میں لائے۔ اور تمام واقعات کو بیان کیا۔ اس وقت عمر ابن خطاب فاروق اعظم نے اس جاسوس کے قتل کر دینے پر بہت اصرار

جاسوس را بعباد سپرده داد بہ لحظہ ایمان آورد واز جنگ مرگ اماں یافت۔ کیا تو عباد نے کہا کہ میں نے اس کو امان دی ہے۔ وہ قتل نہ کیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے عباد سے یہ کلام سنکر جاسوس کو عباد کے حوالے کر دیا۔ جاسوس نے جب یہ مہربانی دیکھی تو اسی لحظہ وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے موت سے نجات پائی۔

نتیجہ:۔ ظاہر ہے کہ اہل خیبر نے کثیر تعداد افواج جمع کر لی تھیں۔ اور ان کا ارادہ تھا کہ اسلام کی بیخ کنی کر دی جائے۔ اس حالت میں ان کے جاسوس کا پکڑا جانا۔ اور حقیقت حال کا اس سے معلوم ہونا کہ وہ بھی دشمن اسلام ہے اور دشمن اسلام فوج کثیر کا جاسوس ہے۔ بیشک قابل گردن زدنی تھا۔ اور عمر ابن خطاب نے اس کے قتل کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ بلکہ پیغمبر اسلام سے باصرار کہا کہ اس دشمنِ خدا کا قتل کر دینا ہی مناسب ہے۔ مگر جب عباد نے ظاہر کیا کہ اس نے اس جاسوس کو امان دی ہے۔ تو پھر عدالت پیغمبر اسلام کا اقتضا یہی ہوا کہ حقوق امان دہندہ و حقوق امان پائندہ کو ملحوظ رکھا جائے۔ اور خواہ وہ جاسوس کیسا ہی دشمن قوی ہو۔ مگر اب اس کے بارہ میں وہی فیصلہ ہونا چاہیئے۔ جو فیصلہ عدالت ہے۔ تاکہ عباد کا عہد بھی باقی رہے اور جاسوس جو مجرم ہے اس کو بھی اس عہد کا فائدہ پہنچ سکے۔ چونکہ پیغمبر اسلام نے برمحل اور برموقعہ اظہار عدالت فرمایا تھا۔ لہٰذا اس کا اثر بھی فوری ہوا۔ اور وہ جاسوس بصدق دل بخوشی خاطر مسلمان ہو گیا۔ اور اگر وہ مسلمان نہ بھی ہوتا۔ تو بھی پیغمبر اسلام اس کو عباد کے سپرد کر چکے تھے۔ اور عباد اس سے جاں بخشی کا وعدہ کر چکے تھے۔ اس لحاظ سے وہ آزاد ہو کر اپنے وطن ہی واپس جاتا۔ ایسے ہی نازک مواقع پر قوانین عدالت کا مظاہرہ پیغمبر اسلام نے اکثر و بیشتر کیا ہے۔ جو بہت دشوار و مشکل ہے۔

عدالت واقعہ ہفتاد و دوم مکافات حسنِ قضا و شفقت

پیغمبر اسلام نے خیبر کے قلعوں کے فتح کرنے کا ارادہ فرمایا۔ وہ قلعے متعدد تھے۔ پیغمبر اسلام مختلف افراد کو سردار لشکر بنا کر مختلف قلعوں کے فتح کرنے کیلئے بھیجتے تھے۔ واقعات تفصیلی بابِ حکمت میں لکھے گئے۔ میں اس موقع پر صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ ایک شب پیغمبر اسلام نے عمر ابن خطاب کو نگرانی لشکر اسلام کیلئے مقرر کیا۔ اسی شب ایک یہودی گرفتار ہوا۔ عمر ابن خطاب نے حکم دیا کہ اس کی گردن ماری جائے۔ مگر اس یہودی نے درخواست کی کہ مجھ کو خدمت پیغمبر اسلام میں پیش کر دیا جائے۔ تاریخی حوالہ ملاحظہ ہو۔

روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۳۱ حالات خیبر (قلعہ نطارہ وشق) :۔

آوردہ اند کہ در شبے از شبہا کہ عمر ابن خطاب بحراست سپاہ اسلام قیام می نمود یہودی را گرفتہ نزد او آوردند فرمود کہ اورا بکشند آں شخص گفت مرا نزد پیغمبر خود ببرید کہ باو سخنے دارم ....

پیغمبر آنحضرت از یہودی فرمود کہ چہ سخن داری یہودی گفت .... کہ یہود آلات حرب و حبوبات در موضع پنہاں کردہ اند کہ محل آنرا می دانم چوں فردا حصار مفتوح گردد آں موضع را بنمائم حضرت گفت انشاء اللہ یہودی گفت اہل و عیال من در حصن اند ایشاں را بمن بخش ۔ رسول خدا گفت بخشیدم۔

بیان کیا ہے کہ محاصرۂ قلعۂ خیبر کی راتوں میں سے ایک رات جبکہ عمر ابن خطاب کو سپاہ اسلام کی نگرانی سپرد کی گئی تھی لوگ ایک یہودی کو پکڑ کر عمر کے پاس لائے انہوں نے حکم دیا کہ اس کو قتل کر دیا جائے یہودی نے کہا کہ مجھ کو اپنے پیغمبر کی خدمت میں لے چلو مجھ کو کچھ کہنا ہے ......

پیغمبر اسلام نے یہودی سے پوچھا کہ کیا کہتے ہو۔ یہودی نے کہا کہ یہودیوں نے اپنے آلات جنگ اور غلہ و رسد جہاں پوشیدہ کی ہے ۔ وہ مجھ کو معلوم ہے ۔ کل جب قلعہ نطارہ فتح ہو جائیگا تو میں اسلحہ کو دکھا دوں گا ۔ پیغمبر نے فرمایا کہ انشاء اللہ ۔ یہودی نے عرض کیا کہ آپ میرے بال بچوں کو جو قلعہ نطارہ میں محصور ہیں مجھے بخش دیجئے ۔ پیغمبر نے فرمایا میں نے تیرے بچوں کو تجھے بخش دیا ۔

نتیجہ ۔ ظاہر ہے کہ خیبر کے قلعے باری باری فتح ہو رہے تھے۔ قلعہ نطارہ کا بھی محاصرہ ہو چکا تھا ۔ وہ بھی دوسرے دن فتح ہونیوالا تھا ۔ یہودی گرفتار ہو کر آیا یہ یہودی دشمن اسلام تھا۔ قاعدہ کی رو سے تو عمر ابن خطاب کی رائے درست تھی کہ اس دشمن کی گردن ماردی جائے ۔ مگر جب وہ خدمت پیغمبر اسلام میں لایا گیا ۔ تو اس نے اپنی اور اپنے بچوں کی جان بچانے کیلئے ۔ ایک بہانہ و حیلہ کیا ۔ اور وہ یہ کہ پیغمبر اسلام سے کہا کہ وہ رسدگاہ لشکر دشمن کو جانتا ہے اور جب قلعہ فتح ہو جائے گا تو بتائے گا ظاہر ہے کہ جب قلعہ فتح ہو جاتا تو وہ سب مال و غلہ و اسلحہ اہل اسلام کو مل ہی جاتا اور پوشیدہ ذخیرہ کا بھی پتہ لگ ہی جاتا ۔ مگر چونکہ اس یہودی نے ۔ اپنی جان بخشی کی تدبیر اسی حیلہ کو بنایا تھا ۔ اور بظاہر اس سراغ رسانی سے اپنا حق ثابت کرنا چاہا تھا ۔

لہٰذا خلق مجسم پیغمبر اسلام نے باقتضائے رحم و خلق کریمانہ اس کے حق کو تسلیم کر لیا ۔ تو پھر اقتضائے عدالت پیغمبر یہی تھا ۔ کہ اس حق کا اس کو صلہ و معاوضہ دیا جائے ۔ یہودی نے خود بچا اپنی غرض و غایت کو

ظاہر کر دیا اور درخواست کی کہ اس کے محصور متعلقین کی جان بخشی جائے۔ پیغمبر اسلام مطابق قوانین عدالت تو خود ہی اس کو اس کے حقِ سراغ رسانی کا صلہ دینا چاہ رہے تھے۔ لہٰذا آپ نے بخوشی اس کی درخواست کو قبول کر لیا اور فرما دیا کہ میں نے تیرے بال بچوں کو تجھ کو بخش دیا۔ جب قلعہ فتح ہو گیا اور اس یہودی کو اس کے بال بچے مل گئے۔ تو اس نے پیغمبر اسلام کی یہ شانِ کریمانہ دیکھ کر اسلام قبول کیا۔ خود صاحب روضۃ الصفا کی عبارت یہ ہے کہ۔ و یہودی با توابع خود ایمان آورد۔ یہودی مع اپنے متعلقین کے مسلمان ہو گیا۔

اس موقعہ پر عدالتِ پیغمبر اسلام سے کئی فائدے حاصل ہوئے۔

اول تو اس یہودی کی جان بچ گئی۔ بعد قلعہ فتح کے اس کے متعلقین قتل ہونے سے بچ گئے۔ دوسرے وہ یہودی اور دوسرے متعلقین بخوشی مسلمان ہو گئے۔ تو تعداد اہل اسلام میں اضافہ ہو گیا۔

واقعہ ہفتاد و سوم حالات عامر

جب اسی جنگ خیبر کے سلسلہ میں مسلمان قلعہ صعب کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ تو ایک دن فوج دشمن سے مرحب یہودی نکلا اور اس نے لشکر اسلام کے مقابلہ میں آ کر مبارزہ طلبی کی۔ عامر کہ جس کیلئے وقت حدی خوانی پیغمبر اسلام نے دعائے استغفار کی تھی۔ اور اس کی بخشش کی دعا کی تھی۔ اس کے مقابلہ میں آیا مرحب بدبخت نے عامر کے سر پر تلوار کا کاری وار کیا عامر کے سر میں مرحب کی تلوار پیوست ہو گئی۔ عامر نے بھی اس یہودی کے سر پر وار کیا۔ مگر عامر کا وار خود عامر ہی کی ران پر لگا۔ اور وہ زخم اتنا کاری تھا کہ عامر جانبر نہ ہو سکے۔ اور وفات پائی۔

جب پیغمبر اسلام جنگ خیبر سے واپس ہو رہے تھے۔ تو اثناء راہ میں پیغمبر اسلام نے سلمہ بن الاکوع کو جو عامر کا بھتیجا تھا مغموم و ملول دیکھا۔ پیغمبر اسلام نے سلمہ سے وجہ غم و اندوہ پوچھی۔ سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے اصحاب کی ایک جماعت ایسا کہتی ہے کہ عامر کا عمل جہاد باطل ہو گیا۔ اور اس کا کوئی صلہ عامر کو نہیں ملے گا۔ کیونکہ عامر اپنی تلوار سے خود قتل ہو گیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے سلمہ کا بیان سنکر انگلیوں کو باہم ملایا اور فرمایا کہ انہ مجاھدٌ۔ یقیناً عامر مجاہد راہ خدا تھا۔ اور راہ خدا میں شہید ہوا (روضہ صفا جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

نتیجہ - بات دیکھنے میں تو بہت معمولی ہے۔ مگر چونکہ عدالت پیغمبر کو ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ بیان میں یہ واقعہ لکھا گیا۔ پیغمبر اسلام کی نظر چھوٹے سے چھوٹے واقعہ پر رہتی تھی۔ اور آپ جانتے تھے کہ چاہے معاملہ اجتماعی ہو یا انفرادی۔ معاملہ بڑا ہو یا معمولی۔ ہر ایک میں قوانین عدالت پر عمل کیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے سلمہ برادر زادہ عامر کے جواب میں فرمایا کہ عامر یقیناً مجاہد تھا۔ اس کے معنے یہ ہوئے کہ

آپ نے ارادہ جہاد عامر کا صلہ بعد موت بھی عامر کو دیا۔ چونکہ عامر کا ارادہ دشمن سے جنگ کرنے کا تھا۔ اور عامر دشمن اسلام سے مقابلہ کر رہے تھے۔ ایسی حالت ہی میں غلطی یا سہواً اپنا ہی وار اپنے اوپر ہوگیا۔ اور یہی وجہ قتل عامر ہوگیا۔ اگر اس موقعہ پر عامر کو مجاہد کا لقب نہ دیتے۔ اور ان کے ثواب آخرت کی خبر نہ دیتے تو یہ صریحاً ظلم ہوتا کہ ایک شخص جس کا ارادہ و فعل جہاد تھا وہ بوجہ سہواً غلطی کے اجر جہاد سے محروم کردیا گیا۔ اب چونکہ پیغمبر اسلام نے اعلان فرمادیا کہ عامر کا جہاد حقیقت میں شہادت ہے۔ اور ایسا کرنا ہی عین عدالت تھا۔

عدالت، واقعہ ہفتاد و چہارم شفقت بر اصحاب

اسی جنگ خیبر کے سلسلہ کی بات ہے کہ اہل اسلام اثنائے محاصرہ قلعہ صعب میں بوجہ کمی زاد سخت تکلیف میں تھے۔ اور فاقہ نے ان کے حواس پراگندہ کردیئے تھے کہ دشمنانِ اسلام محصورین قلعہ صعب کی چند گوسفند چرنے کیلئے قلعہ سے باہر میدان میں آگئیں۔ ان میں سے دو گوسفند کو ابوالیسر کعب بن عمر انصاری نے پکڑ لیا۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ ان کو پکایا جائے۔ جب وہ گوسفند پکاکر پیغمبر اسلام کے سامنے پیش کی گئیں۔ تو آپ نے تمام اصحاب کو بلایا اور بحصہ مساوی ان سب کو وہ خورش تقسیم کردی۔ چنانچہ صاحب روضۃ الصفا نے۔ ان الفاظ میں صورت واقعہ کو نقل کیا ہے۔

"درآں معسکر ہیچ کس نماند کہ ازاں خوردنی محظوظ نگشت۔" اس لشکر میں کوئی ایسا باقی نہ تھا جس کو اس خورش کا حصہ مساوی نہ ملا ہو۔"

جب کبھی حالت رزم یا بزم میں سختی و فاقہ میں قلیل سے قلیل طعام یا کوئی از قسم خورش شے خدمتِ پیغمبر اسلام میں لائی گئی تو کبھی آپ نے باوجود سخت گرسنگی کے تنہا نہیں کھائی اور نہ چند مخصوص اصحاب کو کھلائی۔ بلکہ تمام حاضرین پر اس خورش کو تقسیم کیا۔ ایسے واقعات سے صفحاتِ تاریخ مملو پائے جائیں گے یہ تھا وہ انصاف اور یہ تھی وہ عدالت جس نے پیغمبر اسلام کو محبوب ترین افراد بنادیا تھا۔ اور ہر شخص آپ کو اپنی جان، مال، اولاد سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔

عدالت واقعہ ہفتاد و پنجم جنگِ خیبر وصلہ علی و معاملۂ اہلِ خیبر

جنگ خیبر میں سب سے زیادہ دشواری قلعہ قموص پر پیش آئی یہ قلعہ سامانِ رسد و اسلحہ سے مسلح تھا۔ بلحاظ تعمیر بہت مستحکم و بلند تھا۔ فوجی طاقت بھی اس قلعہ میں بکثرت تھی۔ پیغمبر اسلام نے اپنے مخصوص اصحاب کی سرکردگی میں

افواج روانہ فرمائیں۔ مگر روزانہ ہر شخص مع فوج کے ناکام و مایوس واپس آتا اور ہر بہادر اسلامی اپنی معذوری اور استحکام قلعہ بیان کرتا تھا۔ یہ غزوہ تاریخ اسلام میں خاص اہمیت و شہرت رکھتا ہے۔ میں مختصراً تاریخی حوالجات عبارات پیش کرکے اپنے موضوع کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد اول ص ۳۵۶ :۔

"ناعم کے بعد اور قلعے بآسانی فتح ہوگئے۔ لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا۔ اس مہم پر آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو بھیجا۔ لیکن وہ دونوں ناکام واپس آئے طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمر کے پاؤں نہ جم سکے اور آنحضرت کی خدمت میں آکر عرض کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے ان کی نسبت بھی یہی شکایت کی۔"

(۲) خصائص امام نسائی :۔

عن ابی بریدہ قال حاصرنا خیبر فاخذ الرایۃ ابوبکر ولم یفتح لہ فاخذہ من الغد عمر فانصرف ولم یفتح لہ و اصاب شدۃ و جہد۔۔	ابو بریدہ کا بیان ہے کہ جب ہملوگوں نے قلعہ خیبر کا محاصرہ کیا تو ابوبکر علم لیکر نکلے مگر بغیر فتح کے واپس آئے۔ دوسرے دن عمر علم لیکر گئے وہ بھی ناکام آئے اور سخت تکلیف و محنت اٹھانی پڑی

(۳) روضۃ الاحباب ص ۳۸۵ ترجمہ :۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایک روز ابوبکر نے علم رسول کو اٹھایا۔ اور قلعہ کے پاس آئے اور شدید جنگ کی۔ مگر بغیر فتح کے واپس آئے۔ دوسرے دن عمر علم رسول لیکر نکلے اور پہلے دن سے بھی زیادہ سختی سے مقابلہ کیا پھر بھی قلعہ فتح نہ ہوا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ پہلے دن عمر نے جنگ کی دوسرے دن ابوبکر نے جنگ کی اور تیسرے دن پھر عمر نے جنگ کی مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ تو بوقت شب پیغمبر اسلام نے فرمایا :۔

لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ یفتح اللہ علی یدیہ (روضۃ الاحباب ص ۱۸۵)	میں کل صبح کو ایسے شخص کو علم اسلام دونگا جو مرد ہوگا بار بار حملہ کرنے والا ہوگا وہ بھاگنے والا نہ ہوگا۔ خدا اور رسول کو وہ دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول

اس کو دوست رکھتے ہیں خدا اس کے ہاتھوں پر قلعہ خیبر کو فتح کر دے گا۔

(۴) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۳۲ :-

(أ) چوں آں قلعہ بود در غایت حصانت و نہایت اصانت زیادہ کارے از پیش نمی رفت از موئدات ایں مقال آنکہ روزے فاروق اعظم متصدی امر محاربہ گشت وعلم بر داشتہ با طائفہ از حامیان بیضہ اسلام بپائے قلعہ اہل شرک و ظلام رفت و ہر چند دست و پائے زد فتح در آئینہ مراد روئے ننمود و روز دیگر حضرۃ صدیق اکبر رایت برگرفتہ با جمع از شجاعان والطال بمقابلہ اہل ضلال شتافت و محاربہ عظیم درمیانِ فریقین واقع شدہ بے حصول مقصود باز گشت و در نوبت سیوم بازہ۔ عمر ابن خطاب بازمرہ از اصحاب روئے بجنگ بہ محصوران قلعہ قموص آورد و کوشش بسیار نمودہ بدستور سابق مراجعت فرمود۔

چونکہ قلعہ قموص بے حد مضبوط تھا لہٰذا اس پر اہل اسلام کا قابو نہیں چلتا تھا۔ اس امر کی تائید اس واقعہ سے ہوگی کہ ایک دن فاروق اعظم جنگ کیلئے گئے علم اسلام و لشکرِ اسلام ہمراہ لیا اور زیر دیوار قلعہ پہنچے اگرچہ بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے مگر شاہد فتح نے اپنا چہرہ نہیں دکھایا۔

دوسرے دن صدیق اکبر نے علم اسلام لیا اور شجاعانِ اسلام کو ہمراہ لیکر اہلِ قموص پر حملہ کیا۔ سخت لڑائی ہوئی مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بار دیگر تیسرے دن پھر عمر ابن خطاب لشکر اسلام ہمراہ لیکر حملہ آور ہوئے۔ اور بہت کچھ کوشش کی مگر محصورین قموص پر کچھ قابو نہ چلا اور بے نیلِ مرام واپس ہوئے۔

(ب) لعبد ازاں کہ خسرو انجم با علم زرنگار متوجہ تسخیر دیارِ مغرب شدہ آنسرور لبطحا و یثرب بہ زبان گوہر نثار معجز آثار بگذرانید۔ لا عطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ و رسولہ یفتح اللّٰہ علی یدیہ۔

(ب) ——

جبکہ شاہ انجم اپنی شعاعوں کا علم لیکر دیار مغرب کے فتح کرنے کیلئے متوجہ ہوا اور شب ہوگئی تو پیغمبر اسلام نے اپنی زبانِ گوہر فشاں پہ یہ کلمات جاری فرمائے۔ میں ضرور کل ایسے شخص کو علم اسلام عطا کروں گا۔ جو مرد ہوگا بار بار حملہ کرنے والا ہوگا کبھی بھاگا نہ ہوگا خدا و رسول کو وہ دوست رکھتا ہے اور

(ج) گویند کہ علی کرم اللہ وجہہ بنابر عارضہ رمد
در مبدء حال ازیں غزوہ تخلف نمودہ
در مدینہ توقف فرمودہ بود۔

(د) چوں مرتضیٰ علی از بلیۂ رمد خلاصی یافت
رایت را باو دادہ فرمود برو و التفات
مکن تا آں زماں کہ خدا عزو علا خیبر را بر دست
تو مفتوح گرداند علی اندک مسافتے قطع
کردہ آواز بر آورد کہ یا رسول اللہ علی ماذا
اقاتل حضرت رسول فرمود۔

قاتلهم حتی تشہدوا ان لا الٰہ الا اللہ
وان محمداً رسول اللہ فاذا فعلوا ذلك
فقد منعوا منا دماءهم واموالهم
الا بحقها وحسابهم علی اللہ۔

(ر) چوں امیر المومنین علی علم برگرفتہ براہ در آمد
گفت یا رسول اللہ با ایشاں مقاتلہ کنم
تا مثل ما شوند یعنی مسلمان گردند حضرت
فرمود یا علی در مقاتلہ تعجیل منما و برو
تا آں زماں کہ بساحت ایشاں فرود آئی
ایشاں را با اسلام دعوت کنی و اخبار نما
از حقوق کہ خدا ندرا بر ایشاں واجب
است و بخدا سوگند کہ اگر یک کس را خدا
تعالیٰ بواسطہ تو ہدایت دہد بہتر است تو
را از شتران سرخ موی کہ در راہ حق عزو
علا تصدق کنی۔

(س) بالجملہ چوں اہل حصن قموص و مردم قلاع

اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں
خدا اس کے ہاتھوں پر قلعہ قموص کو فتح کردیگا

ج - بیان کیا گیا ہے کہ علی مرض آشوب
چشم میں مبتلا تھے اسلئے اس غزوہ میں
شریک نہ ہو سکے تھے اور مدینہ میں قیام پذیر
تھے ۔۔

د - جب رسول خدا نے اپنا لعاب دہن
علی کی آنکھوں میں لگا دیا اور علی کو مرض آشوب
چشم سے شفا ہوگئی تو پیغمبر اسلام نے علم اسلام
علی کے ہاتھوں میں دیدیا۔ اور فرمایا کہ اے
علی اس وقت تک جنگ کرو کہ قلعہ خیبر فتح
ہو جائے۔ علی حسب ارشاد پیغمبر آگے کچھ دور
بڑھے اور پھر وہیں سے باواز بلند دریافت
فرمایا کہ کب تک اور کس امر پر جنگ کروں
پیغمبر نے فرمایا کہ اس وقت تک کہ وہ کافر
کلمہ توحید زبان پر جاری کریں۔ جب وہ
مسلمان ہو جائیں تو ان کا مال و جان وغیرہ
ان کا ہی حق ہے اور خدا ان کا حساب کریگا

(ر) - جب علی علم اسلام لیکر آگے بڑھے
تو فرمایا یا رسول اللہ میں اس وقت تک
جنگ کروں کہ وہ ہمارے مثل۔۔ ہوجائیں
یعنی مسلمان ہو جائیں۔ پیغمبر نے فرمایا کہ اے
علی جنگ میں جلدی نہ کرنا۔ جاؤ اور ان کے
سامنے میدان میں ٹھہرو پہلے ان کو اسلام
کی دعوت دو اور خدا کے حقوق جو ان کے

خیبر چناں امر غریب از امیر المومنین حیدر
مشاہدہ کردند فریاد الامان بر آوردند علی
ابن ابی طالب بعد از رخصت از حضرت
رسالت ایشاں را امان داد مشروط
بہ آنکہ ہر مردے یک شتر دار طعام برداشتہ
از اں دیار بیروں روند۔

(ص) چوں خیبر فتح بسمع ہمایوں حضرت رسول
رسید بغایت مسرور و شادماں گشت
و در حین توجہ علی بملازمت از خیمہ باستقبال
او قدم مبارک بیروں نہاد و ویرا در کنار
گرفتہ ہر دو چشمش بوسید و قد بلغنی
نباءک المشکور و سعیک المشکور فلا
رضی اللہ عنک و رضیت انا عنک
امیر را ایں سخن رقت دست داد و در گریہ
شد حضرت فرمود کہ اے علی ایں گریہ شادی
است یا گریہ حزن۔ جواب داد کہ گریہ فرح
است و چگونہ فرحناک و شادماں نباشم
کہ تو از من راضی باشی رسول فرمود کہ نہ من
تنہا از تو راضیم بلکہ خدا عزو علا و فرشتگان
و جبرائیل و میکائیل از تو راضی اند۔

ذمہ واجب ہیں وہ ظاہر کرو۔ خدا کی قسم کہ
اگر ایک شخص کافر کو بھی تم نے ہدایت کر کے
مسلمان کر لیا تو اس سے بہتر ہے کہ تم کئی ہی
شتر سرخ راہ خدا میں تصدق کرو۔

س ۔ جب علی کی بہادری، باب قلعہ خیبر
کا اکھاڑنا، مرحب اور اس کے سات رفقاء
بہادروں کو قتل کر دینا۔ اہل قلعہ و اہل خیبر
نے دیکھا تو ان پر خوف و رعب علی طاری
ہو گیا۔ فریاد الامان الامان طلب کرنے لگے
علی ابن ابی طالب نے پیغمبر اسلام سے اجازت
لیکر ان کو امان دی۔ مگر شرط امان یہ تھی
کہ ان کا ہر شخص ایک اونٹ معہ سامان کے
اپنے ہمراہ لے جائے اور شہر بلد چھوڑ جائے۔

ص ۔ جب فتح خیبر کی خبر پیغمبر اسلام کو
ملی تو آپ بہت خوش ہوئے۔ جب خیمہ رسول
کی طرف آئے تو پیغمبر اسلام نے آگے بڑھ کر
علی کا استقبال کیا گلے لگایا علی کی دونوں
آنکھوں کو بوسہ دیا۔ اور فرمایا اے علی
مجھ کو وہ خبر ملی جو قابل شکریہ ہے۔ اور وہ
سعی معلوم ہوئی جو یادگار رہے گی۔ یقیناً
خدا تم سے راضی ہے۔ اور میں بھی تم سے راضی ہوں۔ جب علی نے پیغمبر اسلام کے یہ کلمات سنے
تو آپ رونے لگے۔ رسول خدا نے دریافت فرمایا۔ یا علی یہ گریۂ خوشی ہے یا گریۂ غم۔ علی
نے جواب دیا کہ یہ گریہ مسرت ہے۔ میں کیونکر مسرور و خوش نہ ہوں کہ آپ مجھ سے راضی
ہیں رسول نے فرمایا کہ میں ہی صرف تم سے راضی نہیں ہوں۔ بلکہ خدا تعالیٰ اس کے فرشتے
جبرائیل و میکائیل بھی تم سے خوشنود و راضی ہیں۔

عبارات مذکورہ بالا کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

خلاصہ عبارات:۔ (۱) جنگ خیبر کی فتح "قلعہ قموص کی فتح پر منحصر تھی۔ کیونکہ وہ قلعہ ہر نوع سے مسلح تھا۔

(۲) بحکم پیغمبر اسلام مخصوص اصحاب اور بہادران اسلام نے پے در پے قلعہ قموص پر حملے کئے۔ مگر وہ سب ناکام واپس ہوئے۔

(۳) پیغمبر اسلام نے اعلان فرمایا کہ وہ علم اسلام ایسے شخص کو دیں گے۔ جو بغیر فتح کے واپس نہ ہوگا۔۔

(۴) پیغمبر اسلام نے علی کو علم اسلام عطا فرمایا اور علی نے قلعہ خیبر کو فتح کیا۔

(۵) پیغمبر اسلام نے علی کی خدمات اور جاں نثاری کا صلہ ان الفاظ میں ادا کیا۔:۔

"یا علی میں اور خدا اور اس کے ملائک تم سے راضی ہیں۔"

(۶) علی جب بحکم رسول علم اسلام لیکر جانب فوج دشمن بڑھ رہے تھے۔ تو پیغمبر اسلام نے علی کو آدابِ جنگ بتائے۔ وہ یہ تھے۔:۔

(۱) یا علی جنگ و قتل فوج دشمن میں تعجیل نہ کرنا۔ (۲) جنگ سے پہلے ان کو دعوتِ اسلام دینا۔ (۳) جب وہ کلمہ توحید کا اقرار کرلیں تو ان کے مال و اسباب ان کو ہی دیدینا۔ (۴) یا علی ایک کافر کو ہدایت کرکے مسلمان بنالینا بہترین شے راہِ خدا میں تصدق کرنے سے بہتر ہے۔ (۵) بعد فتح خیبر علی نے پیغمبر اسلام سے اجازت لی اور سب اہلِ خیبر کو ایک ایک شتر سامان دیکر آزاد کردیا۔

استنباط نتائج۔ اگر اس اہم موقعہ جنگ پر پیغمبر اسلام علی کی خدمات و جاں فروشی کا علی کو (۱) صلہ نہ دیتے تو صاحبانِ انصاف غور فرمائیں کہ یہ فعل کیسا فعل ہوتا۔ آیا مطابق عدالت یا خلاف عدالت۔ درحقیقت پیغمبر اسلام نے اپنی و خدا و ملائک کی رضا کی سند علی کو عطا کرکے خدماتِ جاں نثاری کا صلہ و معاوضہ ادا کردیا۔ اور یہی فعل رسول مطابق قوانین عدالت ہوسکتا ہے۔

(۲) پیغمبر اسلام نے علی کو لشکر دشمن کی جانب جاتے ہوئے۔ اور حکم فتح خیبر دیتے ہوئے یہ پابندی لگادی کہ جاتے ہی ان پر حملہ نہ کیا جائے نہ ان کو قتل و غارت کیا جائے۔ بلکہ ان کو کفر و اسلام کے فرق محسوس کرنے اور اسلام کے قبول کرنے پر غور کرنے کیلئے موقعہ دیا جائے۔ پیغمبر اسلام

کا یہ فعل بھی عین عدالت تھا۔

(۳) علی کو پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ محصورین خیبر کو آزاد کر دیا جائے اور ان کی ضرورت کے مطابق ان کو ان کا مال و اسباب بھی دیدیا جائے۔ پیغمبر اسلام کا یہ فعل بھی عین عدالت بلکہ فضل و کرم تھا۔ اگر پیغمبر اسلام ان دشمنانِ اسلام کے قتل کا حکم بھی دیدیتے تو یہ بھی قوانین جنگ کے مطابق عدالت تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے ان کو آزاد کر دیا اور چونکہ ریگستان عرب میں اتنی کثیر فوج کو بے سامان خورد و نوش و سواری کے نکال دیا جاتا تو وہ مر جاتے اور تڑپ تڑپ کے بال بچے اور وہ مرتے لہٰذا اقتضائے عدالت یہی تھا کہ ان کو سفر کی سہولت بھی دی جائے اور زادِ راہ کیلئے سامان و اسباب بھی دیا جائے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے ان کو یہ سب کچھ عطا فرما کر بے مثل عدالت و رحم و کرم کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ تاریخ عالم آج باوجود دعوی تہذیب اعلیٰ کے بھی ایسے نمونے پیش نہیں کرسکتی جو سیرت پیغمبر اسلام میں ہر موقع پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔

عدالت واقعہ ہفتاد و ششم معاملہ بہ اہل خیبر شفقت و عدالت

پیغمبر اسلام نے بعد فتح قلاع خیبر اہل خیبر کو آزاد کر دیا تھا کہ جہاں چاہیں چلے جائیں اور اپنی ضرورت کے موافق اپنے شتر سامان بھی ہمراہ لیتے جائیں مگر اہل خیبر نے جو تمام یہودی تھے درخواست کی کہ اراضی مزروعہ خیبر کو کاشت کیلئے انہیں دیا جائے تاکہ وہ لوگ وہیں رہیں۔ اور اپنا آذوقہ زراعت کے ذریعے سے حاصل کرتے رہیں۔ پیغمبر اسلام نے ان یہودیوں کی درخواست منظور فرمائی۔ بالفاظ تاریخ روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۳۳ ۔

اما لیان خیبر بتضرع و زاری معروض داشتند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ملتمس آنکہ ما را باجرت بگیرند تا دریں باب مساعی مشکورہ بتقدیم رسانیم و بتعہد باغات و مزارع قیام نمائیم و در اصل ملک ہیچ دخلے نداشتہ باشیم حضرت مقدس نبوی برآں جماعت ترحم نمودہ حکم فرمود کہ بدستور ضیاع و کروم کہ دراں بر بوم بود متعلق بہ یہود داشتہ باشد مقرر و مشروط آنکہ نصف محصول

اہل خیبر نے پیغمبر اسلام سے بہ تضرع و زاری التماس کیا کہ ہمکو اجرت پر رکھ لیا جائے تاکہ باغات و اراضی مزروعہ کی نگرانی ہم لوگ کرتے رہیں۔ ہمکو ملکیت اراضی سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ پیغمبر اسلام نے اس جماعتِ یہود پر رحم فرماتے ہوئے حکم دیدیا کہ اراضی مزروعہ وغیرہ یہودیوں کی نگرانی میں رہے گی شرط یہ ہوگی کہ اس کی نصف آمدنی خزانہ اسلام میں جمع ہوگی اور نصف

رابہ بیت المال سپارند و نصف دیگر بجہتہ اجرت خویش تصرف نمایند۔	آمدنی یہودی خود اپنے مصرف میں لائیں گے۔

صاحبان انصاف و ارباب سیاست وعقل خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام نے یہودانِ خیبر کے ساتھ کتنا رواداری و انصاف کا سلوک کیا ہے۔ اہل خیبر کی فوجی تیاریاں ان کی دشمنیٔ اسلام، ان کا افواجِ اسلامی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ ان کا اہلِ اسلام کو قتل کرنا یہ سب کچھ ایک طرف رہا۔ اور جب انہوں نے درخواست ترحم خدمت پیغمبر میں پیش کی۔ تو اقتضائے عدالتِ پیغمبرِ اسلام یہی ہوا کہ ان کی درخواست کو منظور کر لیا۔

پیغمبرِ اسلام کے اس فعل سے اہل خیبر کی کامل آبادی کو اطمینان حاصل ہو گیا اور وہ حسب سابق اپنے کاروبارِ زراعت و باغبانی میں مصروف ہو کر اپنے اہل و عیلل کی پرورش کرنے لگے۔ اور آپ نے ان کے ساتھ سلوک بھی ایسا مساویانہ و عادلانہ کیا جس کی مثال تاریخِ دنیا ان حالات کی موجودگی میں پیش نہیں کر سکتی کہ آپ نے نصف آمدنی مالِ بیت المال قرار دیا۔ اور نصف حصہ ان یہودیوں کو بحق اجرت عطا فرمایا۔ گویا آپ نے اپنے اس عادلانہ انداز تقسیم منافع سے ایک دستور عدالت قائم کر دیا۔ اور ایک دائمی مثال عدالت معین فرما دی۔

عدالت واقعہ ہفتاد و ہفتم معاملہ زینب بنت حارث

جب یہودانِ خیبر کو اطمینان حاصل ہو گیا تو زینب بنت حارث کو جب معلوم ہوا کہ پیغمبرِ اسلام بکری کے گوشت میں سے گوشت دست کو دوست رکھتے ہیں اور یہ بھی اس کو معلوم ہوا کہ دعوت کو آپ رد نہیں کرتے ہیں۔ تو اس نے ایک بچہ بکری کا ذبح کیا اور اس کے گوشت دست میں پارچہ گوشت کے اندر زہر چھپا دیا۔ اور وہ اس گوشت دست کو بطور ہدیہ کے خدمت پیغمبر اسلام میں لائی۔ پیغمبر اسلام نے عادتاً اصحاب کو حکم دیا کہ وہ حاضر ہوں تاکہ شام کا کھانا ساتھ کھائیں۔ پیغمبر اسلام اور اصحاب دستر خوان پر باہم بیٹھ گئے۔ پیغمبر اسلام نے اس گوشت ہدیہ کو بھی سامنے رکھا اس میں کا ایک ٹکرا توڑ کر اپنے دہن اقدس میں رکھا۔ اور اس کے بعد اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس گوشت کو نہ کھانا۔ کیونکہ اس پارہ گوشت میں زہر ملا ہوا ہے۔ اسی اثناء میں بشیر بن البراء ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے تو اس گوشت کا ایک لقمہ کھا لیا ہے۔ میں نے جب اس گوشت کو منہ میں رکھا تو مجھے کراہت محسوس ہوئی۔ مگر میں نے صرف اس لحاظ سے کہ آپ کی طبیعت اس دستر خوان پر مکدر و متنفر نہ ہو خاموشی اختیار کی اور اس لقمہ کو طوعاً و کرہاً نگل گیا۔ بشیر بن البراء یہی گفتگو کر رہا تھا کہ کچھ

دیر میں اس کا انتقال ہوگیا اور زہر نے اس کا کام تمام کر دیا۔

بہر حال کھانا ختم ہوا اور پیغمبر اسلام نے زینب بنت حارث کو معہ رؤسا یہود کے طلب فرمایا۔ ان یہودیوں سے آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے باپ کون کون ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ کے نام بتائے۔ آپ نے فرمایا کہ جھوٹے ہو بلکہ تمہارے باپ فلاں فلاں ہیں۔ دوسرے یہودیوں نے تصدیق کی اس کے بعد آپ نے پوچھا کس نے اس گوشت بزغالہ میں زہر ملایا ہے۔

زینب نے عرض کیا کہ میں نے یہ جرأت کی ہے۔ پیغمبر اسلام نے دریافت کیا کہ کس امر نے تجھ کو اس کام پر آمادہ کیا۔ زینب نے جواب دیا :-

زینب گفت کہ پدر و عم و شوہر مرا کشتی۔ یعنی تم نے میرے باپ و چچا اور شوہر کو قتل کیا ہے۔ بالفاظ صاحب روضۃ الصفا جلد دوم :-

بعضے گفتہ اند کہ رسول اللہ از زینب عفو فرمود و زمرہ گویند کہ او را بقتل آورد و بعد از اں صلب کردند۔	بعض مورخین کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے زینب کو معاف کر دیا۔ اور ایک گروہ مورخین کہتا ہے کہ پیغمبر نے زینب کو قتل کرا دیا اور سولی دیدی

یہ تاریخی اختلاف ہے۔ بہر حال اتنا ضرور واضح ہو جاتا ہے۔ کہ پیغمبر اسلام نے زینب کو معاف بھی کیا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کو قتل بھی کیا گیا۔ مورخین نے دونوں صورتوں کو لکھ دیا۔ لیکن حقیقت حال پر غور نہیں کیا گیا۔ درحقیقت پیغمبر اسلام نے یہ دونوں کام کئے۔ آپ نے زینب کو عفو تو اس لئے کر دیا کہ زینب نے پیغمبر اسلام کے ساتھ دشمنی کی تھی۔ اور آپ ہمیشہ اپنی ذات کے مجرم کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ علاوہ بریں زینب کے زہر سے پیغمبر اسلام کی جان بچ گئی تھی۔ آپ اس زہر سے ہلاک نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا آپ کا اقتضائے عدالت یہی تھا کہ اس کو قتل نہ کیا جائے۔ کیونکہ قتل کا بدلہ قتل ہے۔

دوسری صورت یہ کہ پیغمبر اسلام نے حکم دیا اور زینب کو قتل کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ زینب کے زہر سے بشیر ابن البراکہ ایک مسلمان کی موت واقع ہوئی تھی۔ اگر پیغمبر اسلام اس مسلمان کی ہلاکت کے بعد بھی زینب کو معاف فرما دیتے۔ تو یہ عدالت و انصاف نہ تھا۔ بلکہ ظلم تھا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے بشیر ابن البراکہ کے مرنے کے بعد اس کے قصاص جان کے بدلہ میں زینب کے قتل کا حکم دیدیا پیغمبر اسلام نے یہ دونوں کام مطابق قوانین عدالت و انصاف کئے۔ پیغمبر اسلام کے ان عادلانہ کارناموں میں اہل سیاست و اہل ممالک و حکومت کیلئے اعلیٰ عدالت کے نمونے موجود ہیں۔

عدالت واقعہ ہفتاد و ہشتم
معاملہ عبداللہ بن سہیل

اسوۃ الرسول جلد سوم ص ۹۹ :-

اسلام نے یہود کے ساتھ جن رعایات و خوش اسلوبی سے معاملات طے کئے تھے وہ بتا رہے ہیں کہ فتح کے بعد بھی ان کی املاک ان کے قبضہ میں چھوڑ دی گئیں۔ گویا مفتوح ہو جانے کے بعد بھی یہ اپنی املاک پر ویسے ہی مالک و متصرف رہے جیسے سابق میں تھے۔ مگر افسوس ان کی کج فطرتی نے اسلام کی اس محسنانہ مراعات کی کوئی قدر نہیں کی چند دنوں کے بعد مدینہ میں قحط پڑا اور غلہ کی گرانی ہوئی تو عبداللہ بن سہیل صحابیٔ رسول عیال کے آذوقہ کیلئے خیبر سے غلہ خریدنے کی غرض سے گئے۔ یہود نے اس مخاصمت پر کہ یہ مسلمان ہیں ان کا خون ان کی جان حلال ہے۔ ان کو دھوکہ سے نہر میں ڈبو دیا۔ محیصہ ان کے ہمراہی کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ تنہا ہونے کی وجہ سے یہود سے کوئی باز پرس نہ کر سکے۔ اور مدینہ لوٹ آئے۔ رسول اللہ صلعم سے روئداد ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عرض کی اور یہودان خیبر سے عبداللہ کی دیت دلوانے کی استدعا کی جناب رسالتماب صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس بیان کی صداقت پر حلف شرعی دے سکتے ہو محیصہ نے عرض کیا کہ میں تو ضرور حلفاً بیان کر دوں گا۔ لیکن یہود تو ایک کیا پچاس مسلمانوں کو بھی قتل کر ڈالیں تاہم جھوٹی قسمیں کھانے سے باز نہ آئیں گے رحمت عالم نے اب کی بار بھی یہود کی اس خونخوارانہ حرکت سے چشم پوشی فرمائی اور معاملہ کو زیادہ طول دینا نہ چاہا۔ بیت المال سے عبداللہ کی دیت دلوا دی اور قصہ رفت و گذشت ہو گیا۔

مولف موصوف نے اس تاریخی واقعہ میں اپنی رائے سے بھی اضافی الفاظ و عبارت لکھدی ہے اس سے قطع نظر کرتے ہوئے نفس واقعہ صرف اتنا ہے کہ عبداللہ ابن سہیل ایک مسلمان شخص یہودان خیبر سے غلہ خریدنے گیا یہودیوں نے اس کو نہر میں ڈبو کر مار ڈالا۔ پیغمبر اسلام کو محیصہ نے آکر اطلاع دی اب واقعہ مذکورہ کی دو ہی صورتیں تھیں۔ اول تو یہ کہ عبداللہ خود غسل کرنے نہر پر گئے ہوں گے اور اس میں اتفاقاً ڈوب گئے اور انتقال کیا۔ دوسری صورت یہ تھی کہ عبداللہ کو بجبر پکڑ کر نہر میں ڈبو کر مار ڈالا گیا۔

پیغمبر اسلام کے سامنے ایک مسلمان شخص محیصہ نے شہادت واقعہ پیش کی مگر وہ بھی شنیدہ نہ کہ دیدہ پھر جب پیغمبر اسلام نے محیصہ سے شرعی و قانون اسلام کے مطابق گواہی طلب کی تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہود تو سب جھوٹے ہیں۔ محیصہ کا یہ قول یک طرفہ تھا۔ اور خلاف حقوق انسانی سب کو جھوٹا سمجھنا خلاف قوانین عدالت تھا۔

پیغمبر اسلام اگر محیصہ کے بیان پر اکتفا کرتے ہوئے عبداللہ کا خوں بہا اہل خیبر سے دلوا دیتے اور کوئی شہادت طلب نہ کرتے تو گویا یہ یکطرفہ ڈگری ہوتی۔ اور بر خلاف عدالت تھا۔ اصول و قوانینِ عدالت کے مطابق تو یہی تھا کہ کم از کم دو گواہ واقعہ کی تصدیق کرتے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے محیصہ سے ان گواہوں کا مطالبہ کیا۔ اور جب دیکھا کہ شہادت کامل نہیں ملتی ہے۔ تو یہودانِ خیبر کو بے قصور سمجھ لیا گیا۔ اور ان سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی اور یہی عین عدالت تھا۔

اب رہا یہ کہ ایک مسلمان جان سے گیا اور اس کے متعلقین بے یار و بے مددگار لاوارث رہ گئے۔ لہٰذا اگر ان لاوارثوں کو بغیر مدد کے چھوڑ دیا جاتا۔ تو یہ بھی ظلم اور خلافِ عدالت تھا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے عبداللہ کا خون بہا بیت المال سے دلوا دیا۔ اس طرح عبداللہ کے پسماندگان کے ساتھ بھی عدالت کا سلوک ہو گیا۔ اور یہودانِ خیبر کے ساتھ بھی عدالت برتی گئی۔ اب اگر کوئی دشمنِ عقل یہ اعتراض کرے کہ پیغمبر اسلام کو بیت المال سے دیت عبداللہ دلوانا نہیں چاہیے تھی۔ کیونکہ بیت المال تو تمام اہلِ اسلام کا مال ہے۔ تو ایسا خیال غلط فہمی پر مبنی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ بیت المال صرف اہل اسلام کی ضرورتوں ہی پر صرف ہونے کی چیز ہے۔

اگر بیت المال سے عبداللہ کی دیت نہ دلوائی جاتی۔ تو بھی عبداللہ کے لاوارث بچوں اور زوجہ کی پرورش کا بار بیت المال ہی پر پڑتا اور مسلسل یہ بار قائم رہتا۔ اس صورت میں کہ یکمشت رقم دیت وارثانِ عبداللہ کو دیدی گئی۔ بہتر صورت ہوئی۔ بہر حال اس واقعہ سے بھی عدالتِ پیغمبر اسلام کا بہترین نمونہ ظاہر ہوتا ہے۔۔

عدالت واقعہ ہفتاد و سوم تقسیم غنائم خیبر

ترجمہ روضۃ الاحباب محدث شیرازی رہ۔

(۱) در روز جمع غنائم و اخذ سبایا حضرت فرمود ۔۔۔۔۔۔۔۔ داخل سہام گردانید۔

جس دن مال غنیمت جمع کیا گیا۔ اور قیدیوں کو گرفتار کیا گیا۔ اسی روز پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جو شخص خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے پانی کو دوسرے کی زراعت پر نہ ڈالے اور قیدی عورتوں میں سے کسی کے ساتھ مقاربت نہ کرے جب تک کہ اس کی عدت کا زمانہ ختم نہ ہو جائے۔ اور چاہیئے کہ جب مالِ غنیمت تقسیم ہو جائے کوئی چیز فروخت نہ کرے۔ جب تمام مال غنیمت جمع ہو گیا تو آپ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ اہل لشکر کی تعداد معلوم کرو۔ شمار کیا گیا تو سولہ سو آدمی تھے۔ پس آپ نے پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو دو حصہ اور عورتوں کو جو مجاہدین کی

خدمت کیلئے ساتھ بھیں کچھ حصہ دیا۔

(۲) بلاذری ۔ :۔

ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سہم احدھم — پیغمبر اسلام کا بھی حصہ عام لوگوں کی مانند ایک حصہ تھا۔

(۳) سنن ابوداؤد :۔

النبی صلعم معھم لہ سہم کسہم احدھم۔ — پیغمبر اسلام بھی مجاہدین کے ہمراہ تھے اور آپ کا حصہ بھی ایک آدمی کے حصہ کے برابر تھا

تاریخی حوالہ جات سے واضح ہوا کہ اموال و اسیرانِ خیبر کی تقسیم پیغمبر اسلام نے مساویانہ کی۔ اور ہر مجاہد کو مساوی حصہ عطا فرمایا۔ اور جب تک کل اموال تقسیم نہ ہو گئے۔ آپ نے کسی شخص کو نہ اراضی نہ کھیتی نہ مال نہ عورت پہ کسی پر کسی کو دست درازی کا موقعہ نہ دیا اور سخت ممانعت فرما دی۔ اور مزید عدالت یہ فرمائی کہ اپنا حصہ بھی مساویانہ ہی رکھا۔

آپ تو حاکم افواج، شہنشاہِ عرب کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے آپ کا حصہ تو کچھ زیادہ ہونا چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ جاں نثاری و جاں فروشی میں ہر مجاہد کی حیثیت مساوی تھی اور ہر شخص کو جان کا خطرہ برابر ہی تھا۔ لہٰذا عین عدالت تو یہی تھی کہ مالِ غنیمت میں حصہ بھی برابر ہی ہو۔

عدالت واقعہ ہنیر دہم معاملہ سپردگی فدک

پیغمبر اسلام بحیثیت بشر تمام لوازمات بشریت رکھتے تھے۔

اور اسی طرح بحیثیت رسول و نبی تمام خصائص و اوصافِ نبوت و رسالت کے مالک تھے۔ بعض محدثین و مورخین نے حیات رسول کے اوقات کی تقسیم دو طرح پر کر دی ہے۔ وہ یہ کہ جب آپ پہ وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کار نبوت انجام دیتے تھے۔ تو آپ وہی کرتے تھے جو خدا کا حکم ہوتا تھا۔ مگر جب آپ اپنی اہل دنیاوی زندگی کے لمحات و ساعات گذارتے تھے تو آپ سے مطابقِ اقتضائے بشریت غلطیاں بھی سرزد ہو جایا کرتی تھیں۔ اس قسم کے واقعات بکثرت کتب احادیث و کتبِ تاریخ میں اہل اسلام کے قلم سے درج ہو گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک طبقہ اہل اسلام کا عصمت پیغمبر کا قائل نہیں ہے۔

مگر ان مورخین و محدثین نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور انہوں نے صرف یہی ایک غلطی نہیں کی ہے۔ بلکہ صدہا دیگر غلطیاں بھی ایسی کی ہیں جن کی وجہ سے اسلام نظر اغیار و اقوام دیگر میں ہدف اعتراضات قبیح بن گیا ہے۔ مگر جب مختلف محدثین و مورخین کی کتب مختلفہ کا بغور مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا

ہے کہ وہ واقعات غلط ہیں۔ روایتاً و درایتاً دونوں طریقہ پر غلط ہیں۔ انہی واقعات میں سے یہ خیال بھی غلط ہے کہ محمد صلعم بحیثیت بشریت مرتکب خطا بھی ہو جاتے تھے۔!

درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبر اسلام کا ہر لمحہ حیات اور ہر ساعت زندگی احکام خدا کے سانچے میں ایسا ڈھل گیا تھا کہ آپ سے غلطی کا امکان ہی مفقود ہو گیا تھا۔ آپ کی حیات طیبہ کے تمام واقعات کو بغور مطالعہ کر جائیے ابتدا سے انتہا تک کوئی ایک چھوٹا سا واقعہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جو خلاف حکم خدا ہو۔ یا خلافِ قوانین مکارم اخلاق ہو۔ اسی مقصد کو ثابت کرنے کیلئے یہ کتاب "انسان کامل" لکھی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کو جب بلحاظ بشریت دیکھا جاتا ہے۔ تو آپ کے افعال و اعمال اتنے مطابق منشاء خدا نظر آتے ہیں کہ ان میں تصویر رسالت و نبوت نظر آنے لگتی ہے۔ اور جب آپ کو بلحاظ رسالت و نبوت دیکھا جاتا ہے تو رسالت و نبوت کے اعلیٰ ترین مراتب پر آپ فائز نظر آتے ہیں۔ اور ایسا نظر آتا ہے کہ آپ نے بشریت کو منشاؤ رضائے الٰہی کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔

یہ سب کچھ سہی مگر پھر بھی آپ کی زندگی کے دو پہلو تھے۔ اور آپ کی حیات کے دو نمایاں فرائض تھے ایک فریضہ رسالت و نبوت خداوندی اور دوسرا بلحاظ بشریت حقوق ناس، حقوق اولاد، حقوق اعزا، حقوق ہمسایہ، حقوق ملکی، حقوق اہل مذہب، حقوق ازدواج، حقوق قوم، حقوق خدا۔ وغیرہ وغیرہ۔ پیغمبر اسلام نے ان تمام حقوق کو بدرجہ کمال ادا کیا ہے۔ اور یہی اسلام کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام بلحاظ ادائیگی حقوقِ خدا و مخلوقِ خدا تمام انبیاء اور تمام بنی نوع انسان سے برتر تھے۔ ع "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"۔ کا یہی مقصد ہے۔

اگر حیات پیغمبر اسلام میں کوئی واقعہ ایسا مل جائے جو کسی قسم کے حقوق کی ادائیگی میں تقصیر کا پہلو دکھائے تو یہ نقصِ نبوت و رسالت ہی نہ ہو گا۔ بلکہ یہ نقص بشریت و عبدیت بھی ہو گا۔ اور جو بلحاظ افعال عبدیت کی منزل و مرتبہ ہی میں ناقص ہے وہ رسالت و نبوت کے درجہ بلند کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے یا خود خدا نے جیسا بھی جی چاہے کہئے اہل اسلام کو یہ الفاظ بتائے ہیں۔ اشهد ان محمداً عبدهٗ و رسوله۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کا عبد اور رسول ہے۔ ان کلمات سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ محمد اول عبد تھے اور بعد کو رسولِ خدا تھے۔۔

جب حقوق کی ادائیگی کا نقص عبدیت ہی کو ناقص قرار دیتا ہے۔ تو پھر رسالت کا تو بہت بلند تر مقام ہے۔ اہل اسلام کو بالاتفاق یہ امر تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اور اہل اسلام کے علماء نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے بلحاظ ادائیگی فرائض بشریت و رسالت کوئی نقص نہیں چھوڑا

اب معاملہ فدک کو لے لیجئے۔ یہ مسئلہ اہل اسلام میں ہمیشہ زیر بحث رہا ہے۔ میں تحت عدالت پیغمبر اسلام اس معاملہ کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ معاملہ الجھا ہوا ہے۔ لہٰذا کتب احادیث و تاریخ اسلام سے پہلے صورت واقعہ کو پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد فیصلہ خود ناظرین کتاب کے سپرد رہے گا۔

تاریخی عبارات۔ تاریخ ابن ہشام جلد دوم ص ۱۹۰۔

(۱) قال ابن اسحاق فلما فرغ رسول اللّٰہ .... لم یوجف علیہا بخیل و رکاب

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب رسول خدا نے معاملات خیبر سے فراغت پائی تو خداوند عالم نے اہل فدک کے قلوب میں ایسا رعب پیدا کر دیا کہ انہوں نے خود نصف حاصل فدک پر مصالحت کرنے کیلئے پیغمبر اسلام کو پیغام دیا ان کا قاصد خود خدمت رسول میں آیا۔ بعض کہتے ہیں کہ قیام خیبر ہی کے زمانہ میں آیا اور بعض کہتے ہیں کہ اثنائے راہ میں حاضر خدمت ہوا، بعض کہتے ہیں کہ بعد داخلہ مدینہ باریاب خدمت رسول ہوا۔ بہر حال پیغمبر اسلام نے ان کی درخواست کو منظور کر لیا لیکن فدک پیغمبر اسلام کا خالصہ قرار پایا۔ اسلئے کہ اس میں جنگ اور سوار و پیادہ سے کام لینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

(۲) طبری ص ۱۵۸۹ میں ہے:۔

فکانت فدک لرسول اللّٰہ خالصۃ لانہ لم یوجف علیہا بخیل و رکاب

فدک رسول کا خالصہ قرار پایا اسلئے کہ بغیر لشکر کشی کے حاصل ہوا۔

(۳) تاریخ ابو الفداء:۔

کان فتح خیبر فی صفر سنۃ سبع للھجرۃ .... فتحت لغیر ایجاف خیل۔

خیبر ماہ صفر ۷ھ میں فتح ہوا اور اہل خیبر نے پیغمبر اسلام سے اس شرط پر صلح کرنی چاہی کہ ان کو ان کے باغات کے پھل نصف ملا کریں اور پیغمبر اسلام جب چاہیں ان کو جلا وطن کر دیں۔ چنانچہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔ اور ایسا ہی معاملہ اہل فدک کے ساتھ بھی طے پایا خیبر کی آمدنی مسلمانوں کیلئے تھی اور فدک کی آمدنی خالص رسول خدا صلعم کیلئے اس لئے کہ وہ بغیر جنگ کے فتح ہوا تھا۔

(۴) روضۃ الصفا جلد دوم (ذکر صلح فدک) ص ۱۳۵:۔

حضرت رسالت بسوے فدک امیر المومنین
علی را فرستاد و مصالحہ بدست امیر واقع
شد۔ براں نہج کہ امیر قصد ایشاں نکنند و
حوائط خالص از آں رسول اللہ باشد جبرئیل
فرود آمدہ گفت حق تعالیٰ می فرماید کہ حق
خویشاں بدہ۔ رسول اللہ فرمود کہ خویشان
کیانند و حق ایشاں چیست جبرئیل گفت
کہ فاطمہ است حوائط فدک را بدو دہ
و آنچہ از آں خدا و رسول است در فدک
ہم بدو بدہ پیغمبر فاطمہ را خواند و برائے او
حجتے نوشت و آں وثیقہ بود کہ بعد از وفات
رسول اللہ پیش ابوبکر آورد و گفت کہ ایں
کتاب رسول خدا است کہ برائے من و حسن
و حسین نوشتہ است

بقول پیغمبر اسلام نے فدک کے فتح کرنے
کیلئے امیر المومنین علیؑ کو بھیجا اور اہل فدک
سے مصالحت بذریعہ علی واقعہ ہوئی اس
شرط پر کہ علی ان کو قتل کرنے کا ارادہ نہ کریں
اور علاقہ فدک کل پیغمبر اسلام کی ملکیت ہو
جبرئیل درگاہ خدا سے پیغام لائے کہ حق
تعالیٰ فرماتا ہے کہ اقرباء کا حق دیدو پیغمبر
اسلام نے پوچھا کہ وہ اقربا کون ہیں۔
ان کا حق کیا ہے۔ جبرئیل نے کہا کہ وہ
فاطمہ ہے۔ علاقہ فدک فاطمہ کو دیدو اور
اس میں خدا اور رسول کا جو حصہ ہے۔ وہ
بھی فاطمہ کو دیدو۔ پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو
بلایا اور فاطمہ کیلئے ایک دستاویز لکھدی
اور یہ وہی دستاویز تھی جو بعد وفات پیغمبر
فاطمہ نے ابوبکر کے سامنے پیش کی تھی اور کہا تھا کہ یہ رسول خدا کی تحریر ہے جو انہوں نے میرے
اور میرے بچوں حسن و حسین کیواسطے لکھی ہے۔

(۵) ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص ۳۰۴ قصہ فدک۔

و حصار را بگشودند و کار بر مصالحت نہادند
رسول خدا علی را فرستاد تا کتاب مصالحت
بدست او تقریر یافت بداں شرط کہ حوائط
فدک خاص رسول خدا باشد و لشکر آہنگ
فدک نہ کنند .... و چوں
فتح فدک بے لشکر سوارہ و پیادہ نبود تمامت
خاص پیغمبر گشت و ایں آیت مبارک مفاد
ایں معنی را تواند بود۔

اہل فدک نے قلعہ کو کھول دیا اور معاملہ مصالحت پر
قرار پایا پیغمبر نے علی کو بھیجا تاکہ وہ تحریر صلح
نامہ لکھدیں۔ صلح اس شرط پر ہوئی کہ علاقہ
فدک خاص رسول خدا کا رہے اور لشکر فدک
کا ارادہ نہ کرے .... اور چونکہ
فدک کی فتح بغیر مدد سوار و پیادہ کے ہوئی
تھی لہذا تمام علاقہ فدک پیغمبر اسلام کی ملکیت
قرار پایا اور قرآن مجید کی یہ آیت اس واقعہ کی

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم . . . . شدید العقاب ترجمانی کرتی ہے۔ "اور جو کچھ بھی اموال کافرین سے بخشا اپنے رسول کو دیا تمہارے سوار اور پیادوں نے اس پر تاخت نہیں کی ہے لہٰذا وہ سب پیغمبر کے اقربا، پیغمبر کے مساکین و ایتام و مسافرین کیلئے ہے۔ تاکہ دولتمندوں کے درمیان میں دست بدست نہ جاوے پس پیغمبر جو تم کو دے وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو روکے اس سے بچو اور خدا سے ڈرو کہ اس کا عذاب شدید ہے۔

(۶) ناسخ التواریخ ص۳۰۲ :-

این ہنگام جبرئیل علیہ السلام فرود شد و در حضرت پیغمبر اسلام سلام داد و عرض کرد خدا می فرماید حق خویشاں بدہ و این آیت مبارک بیاورد۔

اس وقت جبرئیل نازل ہوئے پیغمبر کو سلام کیا اور عرض کی کہ خدا فرماتا ہے کہ اپنے اقربا کا حق ادا کرو اور یہ آیت لائے۔

فات ذا القربیٰ حقہ والمسکین و ابن السبیل ذلک خیر اللذین یریدون وجہ واولئک ھم المفلحون۔

دیدو اپنے اقربا و مساکین و ابن السبیل کو ان کا حق یہ ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو خوشنودی خدا کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پائے ہوئے ہیں۔

چوں این فرمان رسید کہ حق خویشاں باز دہ پیغمبر فرمود کہ این خویشاں کدام آند عرض کرد کہ فاطمہ است تو انٔط فدک را باد گذار حق خویش مطلب چہ خداوند نیز حق خود باو گذاشت . . . .

یہ فرمان خدا پہنچا کہ اپنے اقربا کا حق ادا کرو۔ پیغمبر نے پوچھا وہ اقرباء کون لوگ ہیں جبرئیل نے عرض کی کہ وہ فاطمہ ہے لہٰذا علاقہ فدک اس کو دیدو اس میں سے اپنا حق بھی نہ لو کیونکہ خدا نے اپنا حق بھی بحق فاطمہ چھوڑ دیا ہے۔ پیغمبر نے فاطمہ کو بلایا اور یہ آیت تلاوت فرمائی اور جو کچھ کہ فدک سے ملا تھا وہ فاطمہ کے سپرد کر دیا اور فدک بھی فاطمہ کو دیدیا

لاجرم رسول خدا فاطمہ را طلب داشت و این آیت مبارک براو قرأت فرمود و اموری کہ از فدک بدست کردہ بود تسلیم داد و حوائط فدک را بدو گذاشت . . . .

مندرجہ بالا تاریخی عبارات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔ :-

(۷) جنگ خیبر کی فتح کے رعب نے اہل فدک کو مرعوب کر دیا۔ اور اہل فدک نے علاقہ فدک پیغمبر اسلام کے

سپرد کر دیا۔

(۲) علاقہ فدک پیغمبر اسلام کو خالصہ قرار پایا۔ اور اس میں جو حصہ خدا و رسول کا تھا وہ مع اصل فدک کے بحکم خدا پیغمبر اسلام نے فاطمہ کو ہبہ کر دیا۔

(۳) پیغمبر اسلام نے باقاعدہ تحریری دستاویز ہبہ نامہ کی بحق فاطمہ لکھدی تھی۔

(۴) قرآن نے کئی آیات کے ذریعہ تصدیق کی ہے کہ فدک پیغمبر اسلام کا خالصہ تھا۔ اور پیغمبر نے بحکم قرآن فدک فاطمہ کو ہبہ کر دیا تھا۔

(۵) فاطمہ نے بعد وفات پیغمبر اسلام اپنا دعویٰ و دستاویز تحریری محررہ پیغمبر اسلام دربار ابوبکر میں پیش کی تھی۔

مذکورہ عبارات تاریخی کی روشنی میں ہم اگر پیغمبر اسلام کے عملیہ پر غور کریں تو ہمکو چند امور پیش نظر رکھنے پڑیں گے۔

اول یہ کہ پیغمبر اسلام نے کل علاقہ فدک کو صرف اپنی ذات کیلئے مخصوص کر لیا۔ آیا یہ عدالت کے مطابق تھا یا خلاف قوانین عدالت تھا۔ چونکہ فدک پر اہل اسلام ولشکر اسلام کی چڑھائی کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی اور وہ علاقہ صرف علی و محیصہ کے جانے اور معاملہ طے ہو جانے سے حاصل ہوا تھا۔ لہٰذا لشکر اسلام کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ ہر غزوہ میں ہر مجاہد کو خوف و خطرہ جان ہوتا تھا۔ لہٰذا اس کا صلہ مال غنیمت میں حصہ مساوی ملنا ہی عین عدالت تھا۔ اور جبکہ فدک کے معاملہ میں خطرہ جان تو درکنار چند قدم چلنے کی بھی زحمت کسی سپاہی کو نہ دیگئی لہٰذا فدک پر کسی کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا۔

پیغمبر اسلام کے ایسا کرنے سے ایک اعلیٰ اصول قائم ہو گیا۔ وہ یہ کہ حاکم اعلیٰ کو حق ہے کہ وہ اپنی نجی و خاص جائداد و علاقہ بھی رکھ سکتا ہے بشرطیکہ اس میں اہل ملک و اہل قوم کا مال و حصہ غصب نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ اپنی ذاتی استعداد و قابلیت و قوت سے حاصل کیا گیا ہو۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے فدک کو اپنا خالصہ قرار دیکر اس اہم مسئلہ کو ہمیشہ کیلئے جائز بنا دیا۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ حاکم اعلیٰ اپنی ضروریات زندگی و خاندانی میں بیت المال قومی کا محتاج نہ رہا۔ اور اس کا بار اس کی ذاتی املاک سے متعلق ہو گیا۔ علاوہ بریں وہ کنگاہ لشکر و قوم و ملک میں باوقار زندگی گذار سکنے کا مجاز ہو گیا۔ اور تیسرے یہ کہ وہ اپنی زندگی اور اپنی موت کے بعد اپنے اہل و عیال کی پرورش و نگہداشت کیلئے خزانہ قومی کا محتاج نہیں رہا۔ اس صورت میں اس کے بعد اس کی اولاد ففرہ فاقہ و افلاس کا شکار نہ ہو سکے گی اور باوقار زندگی گذار سکے گی۔ ان حالات کے تحت پیغمبر اسلام کا یہ فعل عین عدالت تھا۔ اور اس میں کوئی جزو بھی خلاف عدالت نہیں پایا

جاتا ہے۔

دوم یہ کہ پیغمبر اسلام پر شخصی و بشری ذمہ داریوں کے ساتھ ہی ساتھ احکام خدا کی تعمیل بھی ضروری و لابدی تھی۔ قرآن کا حکم نافذ ہوا کہ جس علاقہ پر فوج کشی کرنے کی ضرورت اہل اسلام کو پیش نہیں آئی ہے وہ علاقہ خالصہ پیغمبر ہے۔ اس نظریہ سے بھی پیغمبر اسلام کو فدک کو اپنا خالصہ مقرر کرنا تھا۔ اور چونکہ تعمیل حکم رب الارباب عین عدالت وجانِ عدالت ہے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام کا فدک کو اپنا خالصہ قرار دینا۔ اصل عدالت تھا۔

تیسرے اب رہا یہ معاملہ کہ آمدنی فدک پیغمبر اسلام کس کو دیں اور اس کا وارث کس کو بنا دیں۔ تو جب تک پیغمبر اسلام زندہ رہے آمدنی علاقہ فدک غرباء، ایتام، مساکین اہل اسلام و بنی ہاشم کو تقسیم ہوتی رہی۔ اور وہ اسلئے کہ حیات پیغمبر میں کوئی مسلم بحالت فاقہ و افلاس گذارے اور پیغمبر باآرام زندگی گذاریں یہ کسی طرح بھی مطابق قوانین عدالت نہیں ہو سکتا۔ حاکم اعلیٰ وہی عادل ہے۔ جو غرباء و مساکین رعایا کو پہلے شکم سیر کر دے اور بعد کو خود کھائے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام اور آل پیغمبر اسلام نے اپنی مخصوص آمدنی کو جو علاقہ فدک سے آتی تھی ہمیشہ غرباء امت پر صرف کیا اور یہی اقتضائے عدالت تھا۔

چوتھا معاملہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے علاقہ فدک کا وارثِ حقیقی فاطمہ کو بنا دیا تو آپ کا یہ فعل آیا مطابق عدالت تھا یا خلاف عدالت! اس معاملہ کو آپ اس طرح حل کیجئے۔ کہ پیغمبر اسلام نے علاقہ فدک بحکم خدا فاطمہ کو ہبہ کیا جیسا کہ آیت قرآن نے ظاہر کیا ہے۔ اور حکم خدا کی تعمیل ہی سب سے بڑی عدالت ہے۔ علاوہ بریں عہد پیغمبر اسلام میں بعد غزوات دسرا یا غرباء امت صاحبِ جائداد و باغات و جاگیر و صاحب دولت وثروت ہو گئے تھے۔ اور اہل اسلام کا افلاس روز بروز ریاست و امارت سے بدلتا جاتا تھا۔ یہ سب مجاہدانِ اسلام اپنی محنت و جاں فروشی سے خدمت اسلام بھی بجالاتے تھے اور اپنی اولاد و عیال کیلئے اسبابِ حیات بھی جمع کرتے جاتے تھے۔

چنانچہ پیغمبر اسلام کا یہ حکم تھا۔ (صحیح بخاری باب وصایا) ”دیکھو یہ بات کہ تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ جاؤ اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔“

پیغمبر اسلام اہل اسلام کو تو حکم عام دے رہے ہیں کہ اپنے بعد اپنی اولاد کو بحالتِ افلاس نہ چھوڑو اور خود اپنی اولاد اور وہ بھی اکلوتی بیٹی فاطمہ کو بحالت افلاس چھوڑ جائیں تو یہ کسی طرح بھی قابلِ مدح فعل نہیں ہو سکتا اور کیا یہ عمل مطابق عدالت قرار پا سکتا ہے۔ اگر پیغمبر اسلام فاطمہ کو علاقہ فدک نہ دیتے اور ان کو اسی حالت غربت و افلاس میں چھوڑ جاتے تو یقیناً یہ خلاف عدالت فعل ہوتا۔ اور قابل اعتراض بات ہوتی۔ مگر یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ عدالت مجسم کا کوئی فعل عدالت کے خلاف ہو لہٰذا آپ نے فاطمہ کو علاقہ فدک ہبہ کر دیا۔ اور

آئندہ کیلئے تحریری دستاویز بھی لکھدی اور یہی معاملہ عین عدالت ہو سکتا تھا۔

دفعِ اشکال ۔ مورخین و محدثین اسلام نے واقعہ و معاملہ فدک کو فرقہ وارانہ رنگ دیدیا ہے۔ یہ سب ایجاد بندہ ہے۔ پیغمبر اسلام کی ذات گرامی اس قسم کے معاملات سے کہیں بالاتر ہے کہ ان سے کوئی قابل اعتراض امر سرزد ہو جائے۔ بعض محدثین و مورخین کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی وفات کے بعد جو کچھ چھوڑا وہ ترکہ و میراث نہ تھی بلکہ صدقہ تھا۔ اور صدقہ آل رسول پر حرام ہے۔ اسلئے اس میں صرف امتِ رسول کا ہی حق تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ حکم وصیت پر قرآن کی آیات نص ہیں لہٰذا جسطرح ہر امتی کو حق ہے کہ وہ وصیت کرے لہٰذا پیغمبر اسلام کو بھی حق ہے کہ وہ اپنی اولاد کے حق میں وصیت کریں۔ یہ معاملہ فرقہائے اسلام میں معرکۃ الآرا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ ہمکو ایسے نزاعی معاملات سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ ہمکو تو اس کے علاوہ بات کہنی ہے۔ اور وہ بات ہمارے موضوع "عدالت" کیلئے ضروری ہے۔

تاریخی عبارات سے واضح ہوا اور مسلمانوں کی ہر کتاب اس امر پر گواہی دیگی کہ علاقہ فدک پیغمبر اسلام کا ترکہ نہ تھا۔ ورثہ و ترکہ تو وہ چیز ہوتی ہے جو انسان مرنے کے بعد چھوڑ جائے اور اس کے حق میں وصیت کرے یا نہ کرے۔ مگر معاملہ علاقہ فدک کا ترکہ و ورثہ سے کوئی تعلق دور کا بھی نہیں ہے۔ علاقہ فدک تو پیغمبر اسلام کا خالصہ قرار پایا۔ اس پر تاریخی و قرآنی شواہد پیش کئے گئے۔ پیغمبر اسلام نے اپنی حیات ہی میں ۷ھ میں ہی علاقہ فدک فاطمہ کو ہبہ کر دیا۔ کاغذ لکھوایا، قبضہ دیدیا۔ اب علاقہ فدک فاطمہ کی ملکیت ہوا نہ کہ پیغمبر اسلام کی ملکیت۔ اس صورت میں تنازع ترکہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔

مزید توضیح ۔ ناظرین کتاب کو یاد ہوگا کہ پیغمبر اسلام نے قبل بعثت جب فاطمہ کی ماں خدیجہ بنت خویلد سے عقد کیا ہے۔ اور جب کچھ مدت کے بعد حیات خدیجہ ہی میں مبعوث برسالت ہوئے ہیں تو آپ نے دولتِ کثیرِ خدیجہ کو غربا و امت پر خرچ کر ڈالا۔ جھولیاں بھر بھر کر روزانہ درہم و دینار باہر لیجاتے تھے اور بے دریغ غرباء پر لٹاتے تھے۔ کچھ ہی مدت گذری تھی کہ مسند نشین شہزادی عرب اور متمول ترین تاجرہ عرب و عجم کے گھر میں بجز بوریا کے بستر بھی نہ رہا۔ اہل انصاف خود غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام کا فرض اور اقتضائے عدالت کیا تھا۔ اور خدا تو عادل ترین ذات ہے اس کا کیا فرض تھا۔ آپ کو ماننا پڑے گا کہ خدا عادل ہے لہٰذا اس نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ علاقہ فدک جو بغیر فوج کشی کے تم کو ملا ہے تمہارا خالصہ ہے اس کے بلا شرکت غیرے تم مالک ہو۔ اور جبکہ تم اس کے مالک ہو تو ہم اپنا حصہ بھی فاطمہ کو دیتے ہیں۔ تم اپنا حصہ بھی فاطمہ کو دیدو تاکہ اس کا حق اسکو پہنچ جائے

اور اس کی ماں خدیجہ بروز حشر یہ نہ کہہ سکے یا اس کو یہ خیال نہ گذرے کہ اے خدا اور اے وارث میری بچی کو اتنا بھی نہ دیا کہ وہ فاقہ شکنی بھی کر لیتی۔

پیغمبر اسلام اگر فاطمہ کو علاقہ فدک نہ دیتے تو حقیقت میں خدیجہ کے اموال کا جو پیغمبر نے اصلاح امت کیلئے اور تبلیغ دین اسلام کیلئے خرچ کیا تھا کوئی بدل نہ ہوتا۔ اور یہ خلاف عدالت نبوی ہوتا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے علاقہ فدک فاطمہ کو دیکر جہاں عدالت کا مظاہرہ کیا وہاں حقوق اولاد خدیجہ کو بھی ادا کر دیا اور یہی شان عادل کامل کی ہونی چاہیئے۔

عدالت واقعہ ہشتاد ہشتم ام عمارہ دختر حمزہ

پیغمبر اسلام غزوہ عمرۃ القضا سے ۷ھ میں جب مکہ سے واپس ہوئے تو پیغمبر اسلام نے علی کو حکم دیا کہ ام عمارہ دختر حمزہ کو اپنے ہمراہ مدینہ لے چلیں۔ واقعہ تاریخی اس طرح ہے کہ علی مرتضیٰ نے خدمت پیغمبر اسلام میں بوقت روانگی مکہ عرض کیا کہ ام عمارہ دختر امیر حمزہ مکہ میں بحالت تنہائی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ہم کیوں نہ ان کو اپنے ہمراہ مدینہ لے چلیں۔ پیغمبر اسلام نے علی کی رائے کو پسند فرمایا۔ اور حکم دیدیا کہ ام عمارہ کو فاطمہ کے ہودج میں بٹھا کر مدینہ لے چلو۔ جب علی ام عمارہ کو مدینہ لے گئے تو جعفر اور زید بن حارثہ اور علی میں کفالت و ولایت ام عمارہ کے معاملہ میں نزاع واقع ہو گئی ان میں کا ہر شخص یہ دعوئی کرتا تھا کہ وہ ام عمارہ کی کفالت کا ذمہ دار ہونا چاہتا ہے۔ زید بن حارثہ کا دعوئی اور دلیل یہ تھی کہ چونکہ بذریعہ رشتہ عقد مواخات حمزہ میرے بھائی ہیں لہٰذا ام عمارہ کی کفالت میرے ذمہ ہونی چاہیئے۔ جعفر کا دعویٰ و دلیل یہ تھی کہ ام عمارہ میری قریبی رشتہ دار ہے اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ علی کا دعویٰ یہ تھا کہ ام عمارہ میری بھتیجی ہے اور فاطمہ بنت رسول میری زوجہ ہے۔ لہٰذا مجھ کو کفالت کرنی چاہیئے۔ علاوہ بریں مکہ کے کفار سے میں ان کو نکال کر ہمراہ لایا ہوں۔

بادی النظر میں بات معمولی تھی۔ مگر صاحبان احساسات اور صاحبان جذبہ کفالت و ہمدردی کیلئے معاملہ اہم اور اپنی اپنی ذمہ داری کا تھا۔ لہٰذا بات نے طول پکڑا۔ آوازیں بلند ہوگئیں پیغمبر اسلام کو معاملہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان ہر سہ دعویداروں کو طلب فرمایا۔ اور اس طرح فیصلہ فرمایا۔

فیصلہ پیغمبر اسلام بالفاظ صاحب تاریخ روضۃ الصفا صفحہ ۶۴ جلد اول:۔

حضرت فرمود کہ من در میان شما حکم کنم نخست	پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں تم سب کے بارہ
ہر یک را فراخور مرتبہ خود نواختہ در شان علی	میں حکم دیتا ہوں۔ آپ نے پہلے تو ان
فرمود کہ:۔	سب کے مراتب کے لحاظ سے نوازش و مہربانی

"انت منی و انا منک ۔"
وجعفر را فرمود :
"اشبہت خَلقی و خُلقی ۔"
و در بارہ زید فرمود :
"انت اخونا و مولانا ۔"
بعد ازاں با جعفر فرمود کہ تو سزاوار تری
بمحافظت ام عمارہ بنا بر آنکہ خالہ او
در خانہ تست و خالہ بمنزلہ مادر است
و فرمود لا تنکح المراۃ علی عمتہا و لا
خسالتہا ۔
جعفر ازیں فیصلہ مسرور گشت

فرمائی علی کے بارہ میں فرمایا اے علی تم مجھ
سے ہو میں تم سے ہوں ۔ اور جعفر سے کہا
تم صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہ ہو ۔
اور زید سے فرمایا ۔
تم میرے بھائی اور مولانا ہو ۔ پھر آپ نے
جعفر سے فرمایا کہ ام عمارہ کی حفاظت
کیلئے تم زیادہ حقدار ہو کیونکہ اس کی
خالہ تمہاری زوجہ ہے ۔ اور خالہ بمنزلہ
ماں کے ہوتی ہے اور فرمایا کہ مرد صالح
پھوپھی اور خالہ پہ نکاح نہیں کرسکتا ۔
جعفر اس فیصلہ سے مسرور ہوگئے ۔

واقعہ و فیصلہ مذکور کو جس طرح پیغمبر اسلام نے سلجھایا ہے ۔ اس کی کیا تعریف ہو سکتی ہے ۔ معاملہ اصحاب و عزیز ترین افراد میں تھا ۔ فیصلہ تو ہر طرح اور ہر عبارت میں ممکن تھا اور کسی کو بھی سرتابی کی مجال نہ تھی مگر عدالت کی خوبی یہ ہے کہ ہر فریق اپنی اپنی جگہ مسرور اور مطمئن ہو اور اس کا دل اس کی قوت فیصلہ خود اس فیصلہ کو بخوشی قبول کرے ۔ پیغمبر اسلام نے اس فیصلہ میں صرف اظہار عدالت ہی نہ فرمایا ۔ بلکہ حقوق مراتب اقربا کی تصریح بھی فرما دی ۔ قوانین نکاح کو بھی واضح کر دیا ۔ اور ہر فریق کو مطمئن بھی کر دیا اور دلیل و حجت بھی بیان فرما دی ۔ کہ جعفر کی زوجہ ام عمارہ کی خالہ ہے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے ۔ دوسرے شخص کو حق پرورش و کفالت نہیں پہنچتا ہے ۔

یہ ہیں وہ نمونے عدالت نبوی کہ جو نمونہ بنی نوع انسان بن کر ان کو مطمئن کر سکتے ہیں ۔ اور ان کی اصلاح معاشرہ کر سکتے ہیں ۔

عدالت و واقعہ ہشتاد و دوم قتل عامر بدست محکم خشامہ

۸ھ میں پیغمبر اسلام نے عبداللہ رواحہ کو کچھ فوج دیگر اضم کی جانب روانہ کیا ۔ ابو خشادہ و محکم خشامہ اس سریہ میں شریک تھے عامر بن الاحوات الاشجعی اثنائے راہ میں ان سے ملا ۔ عامر ایمان لا چکا تھا ۔ اور خدمت پیغمبر اسلام میں حاضری کیلئے آرہا تھا ۔ جب عامر اہل اسلام سے ملا ۔ تو اس نے اہل اسلام کو مبارکباد دی ۔ مگر مسلمانوں نے کوئی جواب

نہ دیا۔ اور محکم ختامہ نے آگے بڑھ کر عامر کو قتل کر دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر پیغمبر اسلام کو ملی اور محکم حاضر خدمت رسول ہوا۔ تو پیغمبر اسلام نے اس پر عتاب فرمایا اور دریافت کیا کہ اے محکم تو نے کیوں ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ محکم نے عرض کیا کہ عامر نے موت سے بچنے کیلئے اظہار اسلام کیا تھا۔ جواب میں پیغمبر نے فرمایا کہ تو نے اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا تھا۔ کہ اس کے ارادہ سے واقف ہو گیا تھا۔ یاد رکھو زبان ہی دل کی سفیر اور ترجمان ہے۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے محکم کے حق میں بددعا کی۔

محکم بعد از ساعتے جان شیریں بتقابض ارواح مسلم داشت و اورا چوں دفن کردند۔ زمینش بیروں انگند و دسہ نوبت مدفون گشتہ بیروں انداخت وعاقبت اورا درمیان سنگہا پنہاں کردند

روضۃ الصفاء ص ۱۳۷ جلد اول۔

کچھ دیر کے بعد محکم نے اپنی جان ملک الموت کے حوالہ کر دی اور جب اس کو دفن کیا گیا۔ تو زمین نے اسکو باہر پھینک دیا۔ اور تین مرتبہ دفن کیا ایسا ہی ہوا۔ آخر پتھروں کے درمیان اس کی لاش کو چھپا دیا۔۔۔

اس قضیہ میں خود صاحب الانصاف غور فرمائیں کہ کیا ہونا چاہیئے تھا۔ اگر پیغمبر اسلام عامر کے قتل کا کوئی لحاظ و پاس نہ رکھتے اور محکم سے کوئی باز پرس نہ کرتے تو یہ ظلم تھا کہ خون کا بدلہ خون نہ لیا گیا اور جبکہ عامر اظہار اسلام کر چکا تھا اور اگر محکم ختامہ کو عامر کے قتل کے بدلہ میں قتل کرا دیتے۔ تو بھی خلاف عدالت تھا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ محکم نے عامر کو بحالت کفر و عداوت اسلام قتل کیا ہو۔ اور یہ قتل صحیح ہو پھر غور فرمائیے کہ اصل فیصلہ مطابق عدالت کیا ہونا چاہیئے تھا۔ صرف وہی جو پیغمبر اسلام نے تجویز کیا۔

اول آپ نے محکم سے باز پرس و مواخذہ کیا۔ پھر اس کو ہدایت کی و نیز دیگر اہل اسلام کو ہدایت کی کہ کبھی کسی اظہار اسلام کرنے والے کو قتل نہ کیا جائے۔ چاہے وہ کافر و دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ دل کی بات کا جاننے والا صرف خدا ہے۔ انسان تو صرف زبان کی ترجمانی پر یقین کرنے ہی کو کافی سمجھے۔ چنانچہ معاملہ کفر و اسلام کا تھا۔ اور خدا عالم الغیب و واقفِ اسرار قلب ہے۔

لہٰذا پیغمبر اسلام نے محکم کیلئے یہ سزا تجویز کی کہ اس کے عمل پر اظہار ناراضگی کیا۔ اور خدا کا معاملہ خدا کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ اور خدا سے ہی کہہ دیا کہ تو محکم کو سزا دے۔ سزا ہمیشہ فعل بد پر ہوتی ہے اس صورت میں اگر عالم غیب کے نزدیک محکم قاتل عامر تھا تو خدا سزا بھی دیتا۔ اور اگر محکم نے عامر کو صحیح طور پر قتل کیا تھا۔ تو وہ معاف کر دیتا۔

بہر حال پیغمبر اسلام نے قطعی فیصلہ عدالتِ اعلیٰ خداوندی میں پیش کر دیا۔ اور یہی مطابق عدالت

ہوئی تھا۔ علاوہ بریں ایک اور قباحت بھی تھی۔ وہ یہ کہ اگر پیغمبرِ اسلام محکم کو قتل کرا دیتے اور عامر کا قصاص قتل لے لیتے تو اسلامِ عامر تو معلوم نہ تھا۔ لیکن محکم مسلمان تھا۔ اس صورت میں اہلِ اسلام میں ناراضگی و اشتعال کا فطری جذبہ پیدا ہو جاتا کہ پیغمبرِ اسلام اپنے جاں نثار مسلمانوں کو بے قصور قتل کرتے ہیں۔ چونکہ یہ اشتعالِ اہلِ اسلام دینِ اسلام کے انتشار کا سبب بن سکتا تھا۔ اور وجہ فساد ہو سکتا تھا۔ لہٰذا وہی صورت انسب تھی جو پیغمبرِ اسلام نے تجویز فرمائی۔ پیغمبرِ اسلام کی زبان سے الفاظِ بددعا نکلے تو معاملہ یہ تھا کہ عامر بدل مسلمان ہو چکا تھا اور محکم اس کا اقراری قاتل تھا۔ لہٰذا دربارِ خداوندی سے محکم کا حکم موت صادر ہو گیا۔

واقعہ ہشتاد و سوم الفاءِ عہد بخزاعہ و انتقام از قریش

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۴۰

یکے از شروطِ صلح حدیبیہ آں بود کہ مسلماناں تعرض جمعیکہ در عہد قریش باشد نمایند قریش نیز ہم بریں موجب عمل نمایند دراں حین خزاعہ کہ آباد اجداد عبدالمطلب بودند عہد نامہ اور امعروض حضرت گردانید ند آنحضرت از معاہدہ ایشاں با عبدالمطلب آگاہی داشت و بنا بہ التماس خزاعہ را رسول اللہ در امان خویش آوردہ بہ عہد یکہ در ایام جاہلیت استحکام پذیرفتہ باشد در زمان اسلام مستحکم تر گردد و زیادہ شدت می پذیرد

حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اس جماعت سے کوئی تعرض نہ کریں جو قریش سے ہم عہد ہو اور قریش بھی ایسا ہی کریں گے اسی زمانہ میں یعنی ۸ھ میں بنو خزاعہ جو عبدالمطلب کے آبا و اجداد میں تھے آئے اور اس عہد نامہ کو جو عبدالمطلب سے ہوا تھا پیشِ خدمت کیا۔ پیغمبرِ اسلام اس عہد نامہ سے واقف تھے۔ لہٰذا پیغمبرِ اسلام نے بنو خزاعہ کو اپنی امان میں لے لیا۔ اور جو عہد نامہ عہدِ جاہلیت میں ہوا تھا وہی عہدِ اسلام میں بھی باقی رہا۔ اور پہلے سے بھی زیادہ مستحکم و پائدار ہو گیا۔

یہ واقعہ ادھر ہوا اور ادھر ایسا ہوا کہ قریش میں سے ایک شخص نے پیغمبرِ اسلام کی شان میں کلمات ناسزا کہے ایک شخص خزاعی نے اس کو روکا مگر وہ کافر پھر بھی پیغمبرِ خدا کو برا کہتا رہا۔ اس پر اس غلام خزاعی کو غصہ آ گیا اور اس نے اس شخص کے چہرہ و سر کو زخمی کر دیا۔ یہ شخص زخمی بنی ذیل کا آدمی تھا۔ بنی ذیل بنی بکر و بنی قناسہ قبائل کے پاس گئے اور انہوں نے اپنی پرانی دشمنی کا بدلہ بنو خزاعہ سے لینے کی غرض سے ایک جماعت کثیر جمع کی اور بغرض انتقام کے اور اپنی طاقت کو زیادہ فراہم کرنے کی غرض

سے وہ قریش کے پاس آئے۔ قریش نے اسلحہ بھی فراہم کئے اور عہد شکنی کرتے ہوئے خود شریک بھی ہوئے چنانچہ ان میں کے معروف اشخاص کے چند نام یہ ہیں۔ سہیل بن عمرو حویطب بن عبد العزی و عکرمہ بن ابی جہل و صفوان بن امیہ و مکرز بن حفظ اپنے چہروں پر نقاب ڈال کر بھیس بدل کر جنگ میں شریک ہوئے۔ اور بنو خزاعہ پر رات کو حملہ کر دیا۔ خوب گھمسان کی لڑائی ہوئی بنو خزاعہ کم تعداد و کم اسلحہ تھے۔ لہٰذا ان کے بیس افراد قتل ہو گئے۔ آخر خزاعہ ایک مکان میں محصور ہو گئے اور اس طرح انہوں نے اپنی جان بچائی۔ خزاعہ عبد المطلب کے ہم عہد تھے۔ اور پیغمبر اسلام نے اس عہد نامہ کی بعہد اسلام تجدید فرمادی تھی۔ لہٰذا خزاعہ نے اس معاملہ کی اطلاع پیغمبر اسلام کو کرنا چاہی اور اس کا بندوبست کیا۔ اب قریش کے مغروروں کو احساس ہوا کہ انہوں نے صلح حدیبیہ کے عہد نامہ و شرائط کے خلاف عمل کیا ہے۔ اور یہ بات پیغمبر اسلام سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ اور چونکہ وہ عادل اعظم ہیں لہٰذا بنو خزاعہ کا انتقام ضرور لیں گے۔ اور اب ہماری خیر نہیں ہے۔

قریش کے عمائدین نے باہم مشورہ کیا۔ آخر یہ طے ہوا کہ ابو سفیان کو خدمت پیغمبر اسلام میں تجدید صلح کیلئے بھیجا جائے۔ اور ابو سفیان روانہ ہو گیا۔ اب آپ ادھر کا معاملہ سنئے کہ بنو خزاعہ نے اپنے منتخب چند افراد کو خدمت پیغمبر اسلام میں بھیجا یہ افراد تعداد میں چالیس تھے۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے۔ اس وقت پیغمبر اسلام مسجد میں جلوہ افروز تھے اور اصحاب جمع تھے۔ بنو خزاعہ کے فریادیوں نے دربار نبی میں ان الفاظ سے فریاد شروع کی :۔

لاھمّ انی شاھد محمداً حلف ابینا و ابیہ الاتلدا

کوئی غم نہیں ہم محمد کو وہ معاہدہ یاد دلائیں گے جو ہمارے ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے۔

(باقی شعر ترک کر دیئے گئے ہیں۔)

جب پیغمبر اسلام نے ان فریادیوں کی فریاد اور داستان مصیبت و قتل سنی۔ تو آپ جذبات ہمدردی سے بیچین ہو گئے۔ حالت یہ تھی کہ آپ ٹہل رہے تھے اور آپ کی عبا کا ایک گوشہ زمین پر خط دے رہا تھا۔ آپ نے اسی جوش عدالت میں فرمایا :۔

"حسبک یا عمر" (عمر خزاعہ کا فریادی)

اے عمر ابن سالم بس کافی ہے"۔

نصرت دادہ نشوم اگر نصرت ندھم خزاعہ بن بنی کعب را لعون اللہ تعالیٰ۔

اگر میں تمہاری مدد نہ کروں تو میری مدد بھی نہ کی جائے۔ خدا مدد گار ہے۔

اب آپ اس طرف کا واقعہ سنیئے کہ ابو سفیان قریش کا بھیجا ہوا خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا اصحاب کی خدمت میں گیا کہ وہ سفارش کر دیں۔ اپنی بیٹی ام حبیبہ زوجہ رسول کے پاس گیا کہ وہ سفارش کر دے۔ اس کے بعد علی کو حسین کا واسطہ دیا کہ وہ سفارش کر دیں۔ مگر سب نے صاف انکار کر دیا۔ آخر مایوس و مجبور مکہ واپس گیا۔ اور قریش کو کل واقعات سنا دیئے قریش اپنی عہد شکنی پر پشیمان تھے۔

مگر چہ کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔ پیغمبر اسلام نے اہل اسلام و لشکر اسلام کو مکہ کی فتح کرنے کیلئے روانگی و تیاری کا حکم دیدیا۔ واقعات فتح مکہ باب حکمت میں ملاحظہ کیجئے۔

استنباط نتائج

سطور بالا میں مختصراً واقعات تاریخی کو درج کیا گیا۔ سب سے پہلے آپ پیغمبر اسلام کے اس فیصلہ پر غور فرمائیے جو آپ نے خزاعہ کے معاہدہ قدیم کی تجدید پر دیئے آپ نے فرمایا ہم عہد جاہلیت (عہد قبل اسلام) کے معاہدہ پر بھی پہلے سے زیادہ استحکام کے ساتھ قائم ہیں۔ درحقیقت پیغمبر اسلام کا یہی حکم مطابق عدالت تھا۔ اس کے علاوہ جو بھی فیصلہ ہوتا۔ وہ خلاف قوانین عدالت ہوتا۔ دوسرے جب بنو خزاعہ پر وقت مصیبت پڑا اور وہ قتل بھی ہوئے اور لوٹے بھی گئے۔ اور انہوں نے دربار رسالت میں فریاد کی تو پیغمبر اسلام نے نہایت زوردار الفاظ میں ان کی نصرت و حمایت کا وعدہ کیا۔ اور اس وعدہ کو اس طرح فوراً پورا کیا کہ لشکر اسلام کو فتح مکہ کا حکم دیدیا۔ تاکہ قریش کو اتنی جرأت ہی نہ ہو سکے کہ وہ بار دیگر خزاعہ کو قتل و غارت کر سکیں۔ چنانچہ مکہ فتح ہو گیا۔ اور بنو خزاعہ ہمیشہ کیلئے پرامن زندگی گذارنے کے حقدار بن گئے۔

اس واقعہ میں عدالت نبوی کے دو اہم پہلو موجود ہیں۔ ایک تو معاہدہ قدیم پر برقرار رہنا۔ اور دوسرے خزاعہ جو مظلوم تھے ان کی حفاظت کرنا اور ان کے انتقام لینے کیلئے ان کے دشمنوں پر لشکر کشی کر دینا اہل انصاف خود غور فرمائیں کہ ان حالات میں کوئی دوسری صورت پیغمبر اسلام اختیار کرتے تو وہ مطابق قوانین عدالت نہ ہوتی ایک یہی صورت تھی جو اعلیٰ نمونہ عدالت پیش کرتی ہے۔

واقعہ ہشتاد و چہارم، عدالت فتح مکہ و عام معافی

حقوق طبقات انسانی کو برمحل ادا کر دینا بھی عدالت ہے۔ اگر کسی فرد یا جماعت یا قوم یا ہموطن وغیرہ کے حقوق کو ادا نہ کیا جائے۔ اور ان میں سے خطادار اور بے خطا کل افراد کو ایک حکم میں شامل کر لیا جائے اور اس سے اپنی تشنگی انتقام کو فرو کر لیا جائے تو یہ امر ظلم کہلائے گا۔ اس کلیہ و قاعدہ کی روشنی میں آپ واقعات فتح مکہ کو ملاحظہ کیجئے۔ پیغمبر اسلام بارہ ہزار کا لشکر جرار لیکر فتح مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ اور مورخین جانتے ہیں کہ اہل مکہ نے

ہر ممکن تکلیف و اذیت پیغمبر اسلام کو پہنچائی تھی۔ یہ تکالیف و اذیت بحالت قیام مکہ بھی دیکھیں اور بعد ہجرت مدینہ بھی اہل ہی اہل مکہ نے بار بار مدینہ پر لشکر کشی کر کے چاہا کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ مگر جب پیغمبر اسلام نے قریش مکہ کی بدعہدی و عہد شکنی بنو خزاعہ کے معاملہ میں دیکھی اور بنو خزاعہ اپنے حلیف و ہم عہد قبیلہ کا انتقام لینا چاہا اور آپ بارہ ہزار کی جمعیت لشکر ہمراہ لیکر مکہ پہنچے تو آپ نے بہ اقتضاء جذبہ انتقام اہل مکہ کے قتل عام کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ دعویداران تہذیب و تمدن موجودہ زمانہ میں ایسے مواقع پر عام رعایا کو قتل و غارت کرنے کو قانون موجودہ کے لحاظ سے برا نہیں سمجھتے ہیں اور عام طور پر ایسے مواقع پر رعایا ملک دشمن کو برباد و فنا کر دیتے ہیں۔ اور ایسا کرنے کو اپنی بہادری و جرأت مردانہ کارنامہ سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

مگر آج سے تیرہ سو سال قبل پیغمبر اسلام نے موقع فتح مکہ پر ظاہر کر دیا کہ بدترین دشمن قوم و ملک کی رعایا کے ساتھ انتقامی سلوک نہ کیا جائے۔ اور یہ انتقامی سلوک خلاف قانون عدالت ہے۔ اور عین ظلم ہے۔ فتح مکہ کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی طاقت لشکری اہل مکہ کے فنا و برباد کرنے کیلئے کافی تھی اور آپ ہر ممکن انتقام لے سکتے تھے۔ مگر جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اہل مکہ کیلئے عام حکم معافی و حکم امان دیدیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر پیغمبر اسلام اُن سے داخلہ مکہ کے موقع پر انتقام لیتے تو یقیناً بے گناہ بچے بوڑھے، عورتیں، مریض ضعیف قتل عام میں آ جاتے۔ اور ان کا قتل ہونا سراسر ظلم تھا۔ میدان جنگ میں تو وہی جماعت مقابلہ میں جاتی ہے جو مسلح ہوتی ہے۔ اور مقابلہ فوج کا دم خم رکھتی ہے۔ ان کا مارا جانا حق بجانب ہوتا ہے۔ مگر اندرون شہر تو پر امن رعایا بھی موجود ہوتی ہے۔ لہذا پیغمبر اسلام نے اپنے لشکر کو حکم عام دیدیا کہ اہل مکہ پر کوئی تلوار نہ اٹھائے۔ ملاحظہ ہو روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۳۸ :-

اکثر صنادید قریش و عظماء مکہ در حوالی کعبہ صف کشیدہ انتظار می بردند کہ در باب ایشاں چہ حکم واقعہ خواہد شد۔ آنسرور... باہل مکہ خطاب کرد کہ :-

ما تقولون و ما تظنون ؟

اہل مکہ جواب دادند :-

نقول خیراً و نظن خیراً اخ کریم

شرفاء و عظماء و عمائدین مکہ حوالی کعبہ میں صف بصف موجود تھے۔ اور انتظار کر رہے تھے کہ ان کے بارہ میں پیغمبر اسلام کا کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ پیغمبر نے اہل مکہ سے خطاب کیا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو اور کیا گمان کرتے ہو۔ اہل مکہ نے جواب دیا۔ کہ ہم خیر کی امید رکھتے ہیں اور خیر کا گمان کرتے ہیں آپ کریم

وابن اخ کریم قد قدرت علینا ۔۔۔۔۔۔۔ آنحضرت فرمود کہ :
بھائی سے جو ہمارے کریم بھائی کا فرزند ہے ۔ بیشک آپ نے ہم پہ قدرت پائی ہے

اذھبوا فانتم الطلقاء
ہم سب بے بس اور مجبور حاضر خدمت ہیں ۔

پیغمبر اسلام نے ان کا جواب سنکر ارشاد فرمایا ۔ "جاؤ تم کو میں نے آزاد کردیا ۔"

اس موقعہ اہم پر پیغمبر اسلام کا یہ کارنامہ عدالت جس کی مثال تاریخ عالم کبھی پیش نہیں کرسکے گی ایسا نمونہ عدالت کاملہ ہے ۔ جو ہمیشہ کیلئے اقوام عالم کے مدبرین و مصلحین کیلئے مشعل ہدایت رہے گا ۔ پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پر اہل مکہ کو آزاد کرکے ہزاروں بچوں بوڑھوں عورتوں و مردوں کی جانیں بچالیں ۔ کیونکہ لشکر اسلام کے سپاہی اہل مکہ سے بے دردی کے ساتھ انتقام ضرور لیتے اور قتل عام کا بازار کئی روز تک گرم رہتا ۔ حقوق انسانی کی حفاظت اور بے گناہوں کی جانوں کی حفاظت بھی عین عدالت ہے ۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے وہ طریقہ اختیار فرمایا جو مطابق عدالت تھا ۔ اس فتح مکہ کے موقع پر خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر اپنی جماعت کو حکم جنگ دیدیا تھا ۔ جس میں تقریباً تیس افراد دشمن قتل ہوگئے اور گیارہ مسلمان سپاہی بھی مارے گئے تھے ۔ جب اس واقعہ کی اطلاع پیغمبر اسلام کو ہوئی تو آپ نے فعل خالد بن ولید سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور خالد کو ان الفاظ میں ڈانٹا ۔ :-

روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۱۴۷ :-

حضرت مقدس نبوی با او خطاب فرمود کہ با وجود آنکہ پیغام داد ندکہ دست از قتل ایشاں باز دار چرا خلاف کردی

پیغمبر اسلام نے خالد سے خطاب کیا کہ باوجود اس کے کہ میں نے پیغام دلوایا تھا کہ ان کے قتل سے باز آ پھر تونے خلاف حکم کیوں کیا؟

مذکورہ تاریخی عبارت سے واضح ہوگیا کہ پیغمبر اسلام نے اہل مکہ سے جنگ اور ان پر حملے کرنے کو منع کردیا تھا ۔ اور جب خلاف حکم رسول حملہ کردیا تو آپ نے خالد بن ولید کو ڈانٹا اور منع کیا ۔ اور خالد نے معذرت چاہی ۔ علاوہ بریں اس واقعہ سے یہ ثبوت مل گیا کہ پیغمبر اسلام اہل مکہ اور عام رعایا مکہ کے حقوق انسانی کی حفاظت کررہے تھے اور لشکر اسلام کے دامن کو داغ ظلم سے بچانا چاہتے تھے ۔ اور ایک بہترین نمونہ عدالت اہل دنیا کیلئے قائم کرنا چاہتے تھے ۔

عدالت واقعہ ہشتاد و پنجم توطن مدینہ

پیغمبر اسلام نے جب اہل مکہ کو آزاد کردیا اور بہ آواز بلند اعلان کردیا کہ اے اہل مکہ اور اہل مدینہ تم سب مساوی حقوق انسانی رکھتے ہو ۔ کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے کو

دوسرے پر ترجیح دے کیونکہ تم سب آدم خاکی کی اولاد ہو۔ تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو صاحب تقویٰ ہو اور مطیع خدا و رسول و محافظ حقوق انسانیت ہو۔ جب انصار و اہل مدینہ نے پیغمبر خدا کے یہ الفاظ سنے تو باہم چہ میگوئیاں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اب تو محمدؐ نے اپنے وطن کو حاصل کر لیا۔ اور اپنے ہموطنوں اور ہم قبیلہ افراد پر اظہار شفقت کرنے لگے۔ ہم اہل مدینہ سے ان کو اب کیا سروکار رہے گا اور مدینہ سے کیا واسطہ ہو گا۔

جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ انصار ایسا کہہ رہے ہیں۔ اور ان کا ایسا خیال ہے کہ میں فتح مکہ کے بعد مدینہ کو ترک کر دوں گا اور اپنا وطن مکہ ہی کو بنا لوں گا۔ تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا اور بالفاظ تاریخ روضۃ الصفا ص۱۴۸ فرمایا:۔

آنحضرت فرمود کلا و حاشا کہ چناں و چنیں کنم من بندہ خدا و رسول او ئیم ہجرت بسوئے خدا و شما کردہ ام حیات من حیات شما است و ممات من ممات شما۔ انصار در گریہ افتادند

آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے کہ میں ایسا کروں کہ مدینہ کو ترک کر کے پھر مکہ کو وطن بنا لوں۔ میں خدا کا بندہ ہوں اور خدا کا رسول ہوں۔ میں نے خدا کی جانب اور تمہاری جانب ہجرت کی ہے۔ اب میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ ہے اور میری موت تمہاری موت کے ساتھ ہے۔ یہ سنکر انصار رونے لگے اور معذرت چاہی۔

انصار و اہل مدینہ کو خیال تھا کہ جب کبھی پیغمبر اسلام مکہ کو فتح کریں گے تو ان کو ان کی دشمنی کی سزا دیں گے۔ اور ان کا قتل عام جائز کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اب تک قوموں کو انہوں نے ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب انہوں نے یہ دیکھا کہ پیغمبر اسلام نے خلاف دستور زمانہ سب اہل مکہ کو آزاد کر دیا۔ تو انکو تعجب ہوا۔ اور یہ خیال ہوا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ہموطن ہونے کی حیثیت سے اہل مکہ کے ساتھ یہ مشفقانہ سلوک کیا ہے۔ اب ان کو بدگمانی پیدا ہوئی کہ شاید پیغمبر اسلام اہل مدینہ اور مدینہ کو چھوڑ کر مکہ ہی میں سکونت اختیار کریں گے۔ ان کا یہ خیال کسی حد تک صحیح ہو سکتا تھا۔ مگر اس حالت میں جبکہ پیغمبر اسلام کی جگہ ایسے موقعہ پر اگر کوئی دوسرا فاتح مکہ ہوتا۔ مگر حکیم عادل کامل سے خلاف عدالت و حکمت کوئی فعل سرزد نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے انصار کو طلب فرما کر ان کے شبہ کا ازالہ کر دیا۔ اور ان سخت و مستحکم الفاظ میں مدینہ ہی کو وطن بنانے کا اعلان کیا۔ جن سے بہتر الفاظ ممکن ہی نہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میری زندگی اور موت تمہاری زندگی اور موت سے وابستہ ہے۔

اگر فتح مکہ کے بعد پیغمبر اسلام مکہ کو اپنا وطن قرار دے لیتے۔ تو ظاہر ہے کہ مکہ پیغمبر اسلام کا وطن

قدیم تھا ہی۔ پھر اس میں پیدا ہو گیا تھا۔ مگر درحقیقت یہ امر خلاف عدالت تھا۔ کیونکہ ابتداء سے انتہا تک تو مصائب و تکالیف وافلاس میں اہل مدینہ نے ساتھ دیا تھا۔ اب اگر طاقت حاصل ہو جانے کے بعد مرکزیت یا دارالسلطنت پھر مکہ ہی کو حاصل ہو جاتی تو اہل مدینہ کے حقوق سب ختم ہو جاتے اور یہ کام خلاف قوانین عدالت ہوتا۔ اس لئے پیغمبر اسلام نے انصار کو ان الفاظ میں تسلی دی۔ اور ان کو یقین دلایا کہ میں نے مدینہ کو اپنا ایسا وطن بنایا ہے کہ بعد فتح مکہ بھی میں مکہ واپس نہ آؤں گا۔ اور تا قیامت ارض پاک مدینہ ہی میں رہوں گا۔ اور بروز قیامت بھی مدینہ ہی کی سرزمین سے اٹھوں گا۔ یہ تھی وہ عدالت پیغمبر اسلام جس کی نظیر کبھی تاریخ عالم پیش نہ کر سکے گی۔

عدالت واقعہ ہشتاد و ششم حکم قتل بعض اعدائے دین

مطابق عمل سزا دینا عین عدالت ہے

سطور مندرجہ ذیل میں کچھ ایسے واقعات بالترتیب درج کرتا ہوں۔ جن سے عدالت پیغمبر اسلام کا اظہار ہوگا جب مکہ فتح ہو گیا تو۔ پیغمبر اسلام نے گیارہ مرد اور چھ عورتوں کے بارہ میں یہ حکم دیا کہ وہ حرم یا بیرون حرم جہاں بھی پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں ان کی مختصر تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) عبد العزیٰ بن حنظل۔ عبد العزیٰ قبل فتح مکہ مدینہ میں آیا اور خدمت پیغمبر اسلام میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔ پیغمبر اسلام نے اس کا نام اسلامی عبد اللہ رکھا اور اس کو زکوۃ وصول کرنے کی خدمت پر مامور کر کے روانہ کر دیا۔ ایک شخص خزاعی کو اس کے ہمراہ اس کی مدد کیلئے کر دیا۔ عبد اللہ نے اس مرد خزاعی کو حکم دیا کہ جب وہ خواب راحت سے بیدار ہو تو اس کیلئے طعام تیار کر رکھے۔ اس مرد خزاعی نے سستی کی اور وقت پر طعام تیار نہ کر سکا جب عبد اللہ خواب سے بیدار ہوا تو اس نے غصہ میں اس مسلم خزاعی کو قتل کر دیا۔ اور پھر سوچا کہ اگر میں مدینہ جاؤں گا تو قصاص میں قتل کیا جاؤں گا۔ لہٰذا صدقہ کے مویشیوں کو ہمراہ لیئے ہوئے مکہ واپس ہو گیا۔ اور دین اسلام سے مرتد ہو گیا۔ یہ عبد العزیٰ مکہ ہی میں رہا یہاں تک کہ مکہ پر اہل اسلام کا قبضہ ہو گیا۔ اس وقت عبد العزیٰ نے اپنے کو پس پردہ خانہ کعبہ چھپا دیا۔ مگر پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ اس کو وہیں قتل کر دیا جائے۔ اور وہ قتل کر دیا گیا۔ قصاص مسلمان لیا گیا لہٰذا یہ فعل عدالت ہے۔

واقعہ ہشتاد و ہفتم عبد اللہ ابن سعد

(۲) عبد اللہ بن سعد برادر رضاعی عثمان بن عفان بن ابی سرح یہ شخص مدینہ میں تھا۔ اور پیغمبر اسلام کے حکم سے کتابت

وحی پر مامور تھا۔ مگر جب آیات قرآنی کو لکھتا تھا تو ان میں ترمیم و تبدیلی کرتا رہتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ محمد کو تو کچھ خبر نہیں ہے میں جو چاہتا ہوں لکھتا ہوں اور جو چاہتا ہوں محمد کو بتا دیتا ہوں۔ علاوہ بریں قرآن محمد پر بھی نازل ہوتا ہے اور مجھ پر بھی نازل ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام کو عبداللہ کی ان حرکات کی اطلاع ہوئی۔ اور اس کو اس بات کا پتہ لگ گیا تو وہ مکہ بھاگ گیا۔ پیغمبر اسلام نے اہل اسلام کو حکم دیدیا کہ اس کو جہاں پائیں قتل کر دیں۔

(۱) ایسا حکم کیوں دیا گیا اس کا تعلق قوانین عدالت سے کیا تھا۔ عبداللہ کے تین جرم تھے۔ پہلا جرم قرآن کی آیات میں تحریف۔

(۲) دوم خدا اور رسول پر افتراء و اتہام۔

(۳) سوم محبط وحی اپنی ذات کو ظاہر کر کے دعوئے رسالت و نبوت۔

ان ہر سہ جرائم کی سزا قتل تھی۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے اس قتل کا حکم عام دیدیا اور یہی حکم مطابق عدالت ہو سکتا ہے۔

جب مکہ فتح ہو گیا تو اس کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ دوڑا ہوا عثمان بن عفان صحابی پیغمبر اسلام کے پاس گیا اور اپنے حقوق بحیثیت برادر رضاعی جتا کر سفارش کی درخواست کی۔ عثمان عبداللہ کو ہمراہ لیکر خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے۔ اور نہایت ہی زور دار الفاظ میں مختلف حقوق یاد دلا کر سفارش کی مگر پیغمبر اسلام نے منہ پھیر لیا۔ عثمان نے پھر پیغمبر اسلام کا سر اپنی بغل میں لے لیا اور بہت تضرع وزاری سے عبداللہ کی سفارش کی۔ اور بار بار عرض کیا کہ آپ زبان مبارک سے کہدیجئے کہ میں نے معاف کیا۔ آخر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ معاف کیا۔

جب عثمان اور عبداللہ بن سعد پیغمبر اسلام کے سامنے سے چلے گئے تو پیغمبر اسلام نے حاضرین سے فرمایا:۔

"تم کو کیا ہو گیا تھا کہ اتنی تاخیر کرنے کے بعد بھی تم نے اس کتے کے سر کو قلم نہ کیا۔"

عباد بن بشیر نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ اشارہ چشم بھی کر دیتے تو ہم اس کی گردن اڑا دیتے

پیغمبر نے فرمایا کہ:۔

"کوئی پیغمبر آنکھوں کے اشارہ سے کلام نہیں کرتا ہے یہ شان پیغمبری کے خلاف ہے۔"

بہر حال عبداللہ نے پھر اسلام قبول کر لیا۔ روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۴۹۔

غور طلب امر یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے گیارہ افراد کے بارہ میں نام بنام اعلان کر دیا تھا۔ کہ ان کو

جہاں پایا جائے قتل کر دیا جائے ایسی حالت میں عثمان کا عبداللہ برادر رضاعی کی سفارش کرنا ہی خلاف حکم رسول تھا۔ پیغمبر اسلام نے پھر بھی عثمان کی دلشکنی بحیثیت ایک مسلم کے نہ کی۔ اور تادیر خاموشی اختیار فرمائی۔ اور یہ خیال فرماتے رہے اور اس بات کا موقعہ دیتے رہے کہ کوئی دوسرا مسلمان عبداللہ کی گردن مار دے۔ مگر کسی نے ہمت نہ کی اور ارادہ بھی نہ کیا تو پیغمبر اسلام پر ظاہر ہو گیا کہ عثمان کے ہم خیال سب حاضرین ہو گئے ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں اگر عبداللہ کی گردن ماری جاتی ہے تو اصحاب کی دلشکنی ہو گی اور ان نو مسلموں میں پھوٹ پیدا ہو کر حالت فساد فی الاسلام پیدا ہو جائے گی۔ لہٰذا آپ نے باقتضاء مصلحت و حکمت عملی عبداللہ کو معافی دیدی۔ عبداللہ پہلے مسلمان تھا۔ پھر اس نے جرم سنگین کیا۔ مجرم قوانین ہو گیا۔ پھر اپنے فعل بد سے توبہ کی اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ علاوہ بریں ایک مسلمان کی سفارش بھی لایا۔ اس سفارش پر حاضرین دربار رسالت نے سکوت رضامندی بھی ظاہر کیا ان حالات میں مطابق حکمت و عدالت یہی تھا کہ عبداللہ کی خطا کو معاف کر دیا جائے۔ اگر اس موقعہ پر ان حالات کی موجودگی میں پیغمبر اسلام عبداللہ کو قتل کرا دیتے تو گویا یہ ضد اور اصرار حکومت سمجھا جاتا۔ حکمت و عدالت کے مطابق یہ فعل نہ ہوتا۔

لہٰذا عبداللہ کی معافی مطابق قوانین عدالت تھی۔ اور اگر قتل معافی کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تو بھی مطابق قوانین عدالت تھا۔ کیونکہ اسکے جرائم ہی اسکو مستوجب قتل قرار دیتے تھے۔ علاوہ بریں ایک پہلو اس واقعہ میں یہ بھی تھا۔ کہ عبداللہ کے قتل کا حکم تو پہلے دیا جا چکا تھا۔ مگر جب معذرت خواہ ہوا اور اس نے اپنے فعل سے توبہ کی تو وہ پھر اپنے سابقہ حقوق انسانی و مسلمانی کا حقدار ہو گیا۔ اور حق یہی تھا کہ اس کو معاف کر دیا جائے اور یہی مطابق عدالت تھا۔ مزید یہ کہ جب عثمان بن عفان نے عبد اللہ کی سفارش اپنا برادر رضاعی ظاہر کرتے ہوئے کی تو گویا عثمان نے اپنے حقوق اسلامی و انسانی میں عبداللہ کو شریک کر لیا۔ اور ان حقوق کی ادائیگی پیغمبر اسلام پر مطابق عدالت واجب تھی لہٰذا عبداللہ قابل معافی قرار پایا بظاہر اس واقعہ میں دو متضاد احکام پائے جاتے ہیں۔ مگر ہر دو حکم مطابق محل و موقعہ عین عدالت ہیں۔

عدالت واقعہ ہشتاد و ہشتم

(۳) حویرث بن نقیر۔ یہ شخص پیغمبر اسلام کی ہجو گوئی کرتا تھا اور بہت برا کہتا تھا پیغمبر اسلام نے اس کا خون ہدر کر دیا تھا۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کی تلاش کی جا رہی ہے تو وہ روپوش ہو گیا۔ علی ابن ابی طالب اس کے مکان پر پہنچے مگر وہ مکان سے نکل کر مفرور ہو گیا۔ علی مرتضیٰ نے اس کا تعاقب کیا راہ میں ایک جگہ

وہ اس سے دوچار ہوئے اور اس کو قتل کر دیا۔ قوانین اسلام نے خدا اور رسول کی شان میں گستاخی کرنے والے کی سزا قتل رکھی ہے اور قوانین سلطنت بھی یہی ہیں کہ حکومت کے باغی کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ یہاں تو نہ حکومت کا معاملہ نہ تھا۔ بلکہ دین اسلام کا معاملہ تھا۔ دین اسلام عبادت خدا اور رسول کا حکم دیتا ہے۔ تو اس صورت میں حویرث خدا اور رسول کا بدگو اور باغی تھا۔ اس کی سزا قتل ہی ہو سکتی تھی۔ اور یہی حکم عدالت تھا۔

عدالت واقعہ ہشتاد و نہم

(۴) مقیس بن سبابہ۔ واقعہ یہ ہوا کہ مقیس کا بھائی ہشام مدینہ آکر مسلمان ہو گیا غزوہ مریسیع میں اسکو ایک انصاری نے کافر سمجھتے ہوئے قتل کر دیا مقیس مکہ سے مدینہ آیا اور اپنے بھائی کا خون بہا انصار سے طلب کیا پیغمبر اسلام نے بحکم عدالت انصار کو حکم دیا کہ وہ ہشام کا خون بہا ادا کر دیں۔ مقیس مسلمان ہو گیا اور اپنے بھائی ہشام کا خون بہا انصار سے وصول کر لیا اور جب اس کو موقعہ ملا تو اس نے اپنے بھائی کے انتقام میں اس کے قاتل کو قتل کر دیا۔ اور مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا۔

پیغمبر خدا نے اس کے خون کو ہدر کر دیا تھا۔ جس روز مکہ فتح ہوا اسی دن مقیس مشرکین مکہ کے جھرمٹ میں بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ ایک مسلمان نے اس کو وہیں قتل کر دیا۔

مقیس نے ہشام کا خون بہا طلب کیا پیغمبر اسلام نے انصار سے ہشام کا خون بہا مقیس کو دلوایا۔ یہ حکم عدالت تھا۔

جب مقیس خون بہا لے چکا تو مسلمان ہو گیا اور اس نے ہشام کے قاتل مسلمان انصاری کو قتل کر دیا اس کے بعد مرتد ہو کر مفرور ہو گیا۔ اس صورت میں مقیس پر دو قسم کا جرم عاید ہوا۔ ایک مرتد ہونا اور دوسرے مسلمان کا قتل کرنا۔ لہٰذا اقتضائے عدالت یہی تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ اور وہ قتل کیا گیا۔

عدالت واقعہ نودم

(۵) ہبار بن اسود یہ شخص پیغمبر اسلام کو اذیت دیتا تھا برا کہتا تھا۔ روز فتح مکہ یہ شخص بخوف جان روپوش ہو گیا۔

جب پیغمبر اسلام مدینہ واپس ہو گئے تو وہ خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا معافی مانگی زبان پہ کلمہ توحید جاری کیا اور مسلمان ہو گیا۔ پیغمبر اسلام نے اس کی خطا معاف کر دی۔

چونکہ ہبار کا جرم صرف ذات پیغمبر سے تعلق رکھتا تھا۔ اور وہ پیغمبر اسلام کا مخصوص مجرم تھا۔ اس نے جرم کا اقرار کیا، پھر معافی مانگی اسلام قبول کیا۔ اس صورت میں اگر پیغمبر اسلام اس کو قتل کروا دیتے تو یہ صریحاً ظلم ہوتا۔ پیغمبر اسلام کی ذات اس سے بالاتر تھی کہ ان سے کسی قسم کا ظلم سرزد ہو۔ لہٰذا آپ نے

اس کے جرم کو معاف فرما دیا اور یہی مقتضائے عدالت تھا۔

عدالت واقعہ نود و یکم

(۹۱) صفوان بن امیہ یہ شخص مذمت پیغمبر اسلام میں بہت مبالغہ و غلو کرتا تھا۔ اور سخت دشمن اسلام تھا۔

پیغمبر اسلام نے روز فتح مکہ حکم دیدیا تھا کہ وہ جہاں کہیں پایا جائے قتل کر دیا جائے۔ مگر یہ بعد فتح مکہ مفرور ہو گیا۔ یہ شخص کشتی کے ذریعہ دریا عبور کر رہا تھا کہ عمیر بن وہب نے خدمت پیغمبر میں واقعہ بیان کیا اور اس کی جان بخشی کی درخواست کی۔ پیغمبر اسلام نے معاف فرما دیا۔

عمیر نے جاکر صفوان کو اطلاع دی۔ اس کو سخت تعجب ہوا کہ پیغمبر اسلام کیونکر اس جیسے خبیث دشمن کو معاف کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اس نے قسم کھائی کہ وہ ہرگز واپس نہ ہوگا جب تک کہ محمد اپنی کوئی نشانی میرے پاس نہ بھیجیں گے۔

پیغمبر اسلام نے اپنا عمامہ مبارک عمیر کو دیدیا۔ عمیر عمامہ پیغمبر کو لیکر صفوان کے پاس پہنچے۔ صفوان مکہ واپس آگیا اور حاضر خدمت رسول ہوا اور عرض کی اے محمد عمیر کہتا ہے کہ تم نے دو ماہ کیلئے امان دی ہے کیا یہ مطابق واقعہ ہے یا نہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے صفوان میں نے تجھ کو چار مہینے کیلئے امان دی۔ صفوان باوجود مشرک ہونے کے غزوہ طائف اور حنین میں پیغمبر اسلام کا ہمرکاب رہا۔ جب مقام جعرانہ پر پہنچے تو صفوان نے ایک گھاٹی میں بہت سے مویشی دیکھے تا دیر ان کو دیکھتا رہا اور دل میں سوچتا رہا کہ وہ ان سب کو خرید سکتا تو کیا اچھا ہوتا...

پیغمبر اسلام نے صفوان کی للچائی ہوئی نظروں کو پہچانا اور فرمایا کہ اے صفوان میں نے یہ سارے مویشی تجھ کو بخشے۔ صفوان نے خوشی خوشی ان اونٹوں اور گوسفندوں کو اپنے قبضہ میں کیا۔ اور کہا "ماطابت نفس احد بمثل هذا الا نفس نبی" اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

"ایسا پاکیزہ نفس بجز نبی کے کسی دوسرے کا نہیں ہو سکتا ہے۔"

واقعہ صفوان اور اس کی جان بخشی و عطیہ پیغمبر اسلام وغیرہ واقعات ایسے ہیں جن سے عدالت پیغمبر اسلام حکمت، سخاوت مروت، رواداری وغیرہ اجناس فضائل کا اظہار ہوتا ہے۔ صفوان دشمن پیغمبر اسلام تھا۔ اور باوجود حاضری دربار رسالت مہینوں بحالت شرک و کفر پر رہا۔ مگر چونکہ عمیر نے اس کی سفارش کر دی تھی اور اس سفارش میں حقوق انسانی کی ادائیگی تھی لہٰذا پیغمبر اسلام نے سفارش عمیر منظور کر لی۔ پھر اتنا ہی نہ کیا۔ بلکہ اس کو ہمرکاب بھی رکھا۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر اس کو کثیر التعداد مال مویشی شتر و گوسفند وغیرہ بخش دیئے۔ ایسی مثال مروت و عدالت و کرم تاریخ

عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔

واقعہ نود و دوم

(۷) کعب بن زہیر۔ یہ شخص پیغمبر اسلام کی ہجو کیا کرتا تھا۔ اور ہجویہ قصائد کہتا تھا۔ روز فتح مکہ مفرور ہو گیا۔ بعد کو اس نے اپنے بھائی بجیر بن زہیر کو خدمت پیغمبر اسلام میں بھیجا تاکہ معلوم کرے کہ پیغمبر اسلام کا سلوک کیا رہتا ہے۔ بجیر خدمت پیغمبر میں گیا اور مسلمان ہو گیا۔ جب کعب کو معلوم ہوا کہ بجیر مسلمان ہو گیا اور بجیر نے آکر کعب کو واقعہ کی اطلاع دی تو کعب سال نہم میں مدینہ آکر مسلمان ہوا اور اس نے پیغمبر اسلام کی شان میں ایک بلند مضامین قصیدہ پیش کیا پیغمبر اسلام بہت مسرور ہوئے اور اس کو انعام کثیر دیا۔ اس موقعہ پر پیغمبر اسلام نے کعب کو صرف معاف ہی نہیں کیا۔ بلکہ اس کے قصیدہ مدحیہ کے صلہ میں انعام کثیر بھی دیا۔ یہ فعل پیغمبر بھی عدالت و شفقت پر مبنی تھا۔

عدالت واقعہ نود و سوم

(۸) عبداللہ بن الزبعری شاعر عرب جو پیغمبر اسلام کی ہجو میں قصائد لکھتا تھا اور قریش مکہ کو جنگ اہل اسلام کی ترغیب دیتا تھا۔ جب اس نے سنا کہ بعد فتح مکہ پیغمبر اسلام نے اس کے قتل کا حکم عام دیدیا ہے تو مکہ سے فرار کر کے نجران چلا گیا۔ آخر اس کے دل میں نور اسلام ضیا پاش ہوا۔ وہ نجران سے روانہ ہوا۔ پیغمبر اسلام نے جب دور سے آتے ہوئے اسے دیکھا تو کہا۔ یہ ابن زبعری ہے اس کے چہرہ سے نور اسلام جھلک رہا ہے۔ وہ حاضر خدمت ہوا اور آتے ہی کہا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ اور میں نے دشمنی اسلام میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ جو چاہیں آپ مجھے اس کی سزا دیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ قبول اسلام سابقہ خطاؤں کو محو کر دیتا ہے۔

پیغمبر اسلام نے ابن الزبعری کے بارہ میں قتل کا حکم عام دیا۔ تو یہ عدالت پیغمبر تھی۔ کیونکہ دشمن خدا و رسول کی یہی سزا ہے۔ اور جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو وہ حقوق اسلامی ذاتی دونوں کا حقدار ہو گیا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے اس کے حقوق ادا کر کے اظہار عدالت فرمایا۔

واقعہ نود و چہارم

(۹) حارث بن الطالعہ یہ شخص پیغمبر اسلام کو اذیت دیتا تھا۔ اور ہجو کہتا تھا پیغمبر اسلام نے اس کے قتل کا حکم دیدیا تھا۔ علی ابن ابی طالب نے بروز فتح مکہ اسکو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ دشمن خدا و رسول کی سزا قتل ہی ہو سکتی تھی۔ لہٰذا باقتضائے

عدالت وہ قتل کر دیا گیا۔

واقعہ نود و چہارم، عدالت (۱۰)

وحشی۔ اس شخص نے امیر حمزہ ابن عبدالمطلب کو قتل کیا تھا۔ اہل اسلام کو اس شخص کے قتل کرنے کا بہت شوق تھا۔ یہ شخص بروز فتح مکہ بھاگ کر طائف چلا گیا۔ اس نے جب دیکھا کہ کہیں مفر نہیں ہے تو مجبوراً ایک جماعت طائف کے ساتھ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوا۔ اور کہا اشهد ان لا الٰه الا الله وان محمدا رسول الله۔ پیغمبر اسلام نے وحشی سے دریافت فرمایا۔ کہ تو قاتل حمزہ ہے۔ وحشی نے عرض کیا ہاں میں ہی قاتل حمزہ ہوں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ بیٹھ جا اور میرے چچا حمزہ کے قتل کا حال بیان کر وحشی نے پورا واقعہ قتل حمزہ کا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے سے چلا جا اور اب کبھی میرے سامنے نہ آنا۔ وحشی اس کے بعد ملاقات پیغمبر سے گریزاں رہتا تھا۔ عہد خلافت ابوبکر میں بہ رفاقت خالد بن ولید مسیلمہ کذاب کی جنگ میں شریک ہوا۔

نتیجہ۔ حمزہ ابن عبدالمطلب بہادر ترین خاندان کے بہادر ترین فرد تھے۔ ان کے مسلمان ہونے کے بعد پیغمبر اسلام کی طاقت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بہادران عرب ان کے مقابلے سے گریزاں رہتے تھے۔ ان کا رعب قریش پر چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر اسلام کو ان کی شہادت پر بہت افسوس ہوا تھا۔

بایں ہمہ عدالت پیغمبر اسلام کا منظر دیدنی ہے کہ ایسے دشمن اور قاتل حمزہ کو بعد قبول اسلام معاف کر دیا۔ بادیٔ النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ غلط ہوا کیونکہ قتل کی سزا قتل ہے۔ مگر یہاں حالات مختلف ہیں۔ حمزہ کو جب وحشی نے قتل کیا تھا تو وحشی کافر تھا اور حمزہ مسلمان تھے۔ اسلئے وحشی کیلئے قتل عام کی اجازت عین عدالت تھی۔ مگر جب وحشی مسلمان ہو گیا تو مطابق وعدہ پیغمبر اسلام کے قبول اسلام انسان کے پہلے افعال بد کو محو کر دیتا ہے۔ بعد قبول اسلام وحشی اس فیصلہ و حکم کے تحت آگیا۔ اس حالت اسلام میں اگر وحشی کو پیغمبر اسلام قتل کروا دیتے تو یہ صریحاً ظلم ہوتا۔ اور وعدہ خلافی و خلاف قانون اسلام فعل ہوتا۔

لہٰذا ان حالات میں وحشی کے جرم کو معاف کر دینا ہی عدالت تھی۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے اس کو معاف کر دیا۔ مگر باقتضاء محبت رشتہ اسلام و بلحاظ احترام شہدائے راہ خدا پیغمبر اسلام نے قاتل مسلم کے لئے یہ حکم دیدیا کہ وہ آپ کے سامنے کبھی نہ آئے۔ پیغمبر اسلام کے اس فعل سے اہل اسلام پر یہ امر واضح رہا کہ وحشی نظر پیغمبر اسلام میں قابل ملامت ہے۔ اگرچہ قبول اسلام نے اس کی جاں بخشی کر دی ہے مگر پیغمبر اسلام کی ناراضگی اور نفرت اس کو فلاح عاقبت و آخرت سے محروم ہی رکھے گی۔ اور پیغمبر اسلام

کے ایسا کرنے سے دوسروں کیلئے عبرت اور نصیحت کا موقعہ بھی نکل آیا۔ پیغمبر اسلام نے اس موقع پر اظہار عدالت بھی فرمایا ہے اور حقوق اسلامی و حقوق انسانی کی حفاظت کر کے نمونہ ہدایت بھی ظاہر کیا ہے۔

عدالت واقعہ نود و ششم

(۱۱) عکرمہ بن ابی جہل۔ روضۃ الصفا جلد دوم ص۱۵۱:

"از انجملہ عکرمہ بن ابی جہل بود وسبب اہدار دم او آنکہ در ایام حیات پدر خود در ایذا آنحضرت باو شرکت ورزیدے و بعد از وفات او با ابو سفیان و دیگر مشرکان بقصد حضرت مقدس نبوی بر مسلمانان لشکر کشیدے۔"

ترجمہ:۔ منجملہ دیگر افراد کے ایک شخص عکرمہ ابن ابی جہل تھا۔ اس شخص کے قتل کا حکم اسلئے دیا گیا تھا کہ یہ شخص اپنے باپ ابو جہل کی زندگی میں پیغمبر اسلام کی اذیت رسانی میں باپ کا شریک کار تھا۔ اور ابو جہل کے مرنے کے بعد ابو سفیان اور دیگر مشرکین مکہ کے ہمراہ پیغمبر اسلام کے قتل کرنے کے ارادہ سے مسلمانوں پر بار بار لشکر کشی کرتا تھا۔

عکرمہ بہت چالاک تھا سال فتح میں جانب یمن بھاگا۔ عکرمہ کی زوجہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام تھی اور حارث ابو جہل کا بھائی تھا۔ اس زمانہ میں کہ زنان مکہ نے اسلام قبول کیا تو ام حکیم نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ میرے چچا کا بیٹا آپ کے خوف سے یمن بھاگ گیا ہے۔ مجھ کو آپ کے اخلاق کریمانہ سے امید ہے کہ آپ اس کو جان کی امان دیں گے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ اے ام حکیم میں نے تیری خاطر اس کو امان دی اور حکم دیا کہ کوئی مسلمان اس کو قتل نہ کرے۔

اس کے بعد ام حکیم ساحل پر گئی دیکھا کہ عکرمہ کشتی میں بیٹھ کر روانہ ہو چکا ہے۔ ام حکیم نے دور سے اشارہ کیا کہ وہ واپس آئے۔ عکرمہ ایک چھوٹی کشتی میں بیٹھ کر واپس آیا۔ ام حکیم نے کہا اے عکرمہ میں بہترین خلائق اور مجسم اخلاق کے پاس سے آرہی ہوں واپس آ تجھ کو پیغمبر اسلام نے امان دیدی ہے۔ عکرمہ کو بہت تعجب ہوا اور کہا کہ اے ام حکیم یہ کیا کہتی ہو۔ یہ کب ممکن ہے کہ باوجود اسقدر ایذا رسانی و لشکر کشی کرنے کے مجھ کو امان دیدی جائے۔

ام حکیم نے کہا کہ پیغمبر اسلام کا کرم و اخلاق اس سے کہیں زیادہ ہے جس کی تعریف ہو سکے۔ عکرمہ واپسی پر راضی ہو گیا۔ جب وہ قریب بارگاہ رسالت پہنچا تو پیغمبر اسلام کو معلوم ہو گیا آپ نے اصحاب سے فرمایا:۔

یاتیکم عکرمۃ بن ابی جہل مومناً مہاجراً فلا تسبوا اباہ فان سب المیت یوذی الحی ولا یبلغ المیت۔

اے اصحاب عکرمہ بن ابی جہل آرہا ہے وہ اسلام قبول کر چکا ہے۔ مہاجر ہے اس کے باپ

ابوجہل کو اس کے سامنے گالیاں نہ دینا۔ یقیناً میت کو گالی زندہ کو اذیت پہنچاتی ہے وہ گالی میت کو نہیں لگتی ہے۔

اتنے میں عکرمہ حاضر خدمت رسالت ہوا۔ عرض کیا کہ ام حکیم کہتی ہے کہ آپ نے مجھ کو امان دی ہے پیغمبر اسلام نے فرمایا بیشک میں نے تجھ کو امان دی ہے۔ عکرمہ نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ اور عرض کیا اے محمد میں نے آپ کی مروت و صداقت اور وفا کی بصدق دل تصدیق کی اور میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ایذا رسانی و بیخ کنی اسلام و آپ کی تکذیب میں میں نے جو کچھ کیا ہے اس کو آپ معاف فرمائیں گے۔ اور خدا سے میرے حق میں طلب مغفرت فرمائیں گے۔

پیغمبر اسلام نے عکرمہ کیلئے دست بدعا ہو کر طلب مغفرت فرمائی۔

نتیجہ :۔ واقعہ تاریخی سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عکرمہ کی معافی پیغمبر اسلام کا عفو عظیم تھا۔ بیشک پیغمبر اسلام نے اس موقعہ و دیگر مواقع پر ایسے ہی عفو عظیم کے نمونے پیش فرمائے ہیں۔ مگر میں نے اس واقعہ کو تحت عدالت رکھا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ وفا و صلہ رحم و شفقت وغیرہ باب عدالت کے تحت اجناس فضائل ہیں، دوسرے یہ واقعہ بھی مثل سابقہ واقعات کے عدالت پیغمبر اسلام پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ غور فرمائیے ام حکیم مسلمان ہو چکی تھی دوسری مسلمان عورتوں اور مردوں نے اپنے اعزا کی سفارش کی تھی۔ اور وہ معاف کر دیئے گئے تھے۔ اس صورت میں پیغمبر اسلام اگر ام حکیم کی عرضداشت کو رد کر دیتے تو گویا حقوق اسلامی و حقوق انسانی کو رد کر دیتے۔ اور یہ خلاف عدالت تھا۔ دوم یہ کہ پیغمبر اسلام کا وعدہ تھا۔ کہ قبول اسلام پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔ تو اگر اس موقعہ پر پیغمبر اسلام اپنے قول سے پھر جاتے اور عہد پر قائم نہ رہتے تو یہ بھی ظلم للنفس تھا۔

اب عکرمہ کے اعتذار و طلب معافی و قبول اسلام کے بعد بھی پیغمبر اس کی گردن زنی کا حکم دیتے تو یہ بھی ظلم تھا۔ ظلم کے متقابل عدالت ہے۔ پیغمبر اسلام نے وہ طریقہ اختیار فرمایا۔ جس سے بلحاظ انسان عکرمہ کے حقوق انسانی کی بھی حفاظت ہوئی۔ اور بلحاظ مسلمان حقوقِ اسلامی کی بھی حفاظت رہی اور بلحاظ حقوق اسلامی عکرمہ کی زوجہ ام حکیم کے حقوق بھی ادا ہو گئے۔ یہ عدالت کاملہ کا نمونہ تھا۔

واقعہ نود و ہفتم ۔ عدالت

(۱۲) ہند مادر معاویہ۔ ہند وہ عورت ہے جس نے روز جنگ احد حمزہ بن عبدالمطلب عم پیغمبر اسلام کی شہادت کے بعد ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ کر ہار بنا کر پہنا تھا۔ اور ان کا جگر سینہ سے نکال کر چبایا تھا۔ اور پیغمبر اسلام نے اس کے قتل کا حکم دیدیا تھا۔ جب بعد فتح مکہ عورتیں قبول اسلام کی غرض سے خدمتِ

پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئیں تو ہند بھی نقاب پوش عورتوں کے جھرمٹ میں ملکہ آئی اور اول اس لئے اظہار اسلام کیا۔ بعد کو نقاب چہرہ ہٹائی اور کہا کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ پیغمبر اسلام نے سنا اور فرمایا کہ اب تو مسلمان ہو گئی ہے خوش آمدید۔ !!!

ہند نے اظہار محبت و اخلاص و معذرت کیا۔ پیغمبر اسلام نے اس کے عذر کو قبول کر کے اس کے اسلام کو تسلیم کر لیا۔

ہند بنت عتبہ نے ہر جنگ میں عورتوں کی قیادت کی تھی سخت دشمن اسلام عورت تھی اور لاش امیر حمزہ کے ساتھ جو کچھ بے ادبی کی تھی وہ تو ان کے دل کو ہلا دیتی ہے۔ پیغمبر اسلام نے اس کے قتل کا حکم عام دیدیا تھا۔ اور یہ فیصلہ عین عدالت تھا۔ کیونکہ قاتل کی سزا قتل ہے اور جبکہ قاتل دشمن اسلام ہو اور مقتول مسلمان ہو تو یہ جواز قتل پہلے سے بھی زیادہ قرین عدالت ہو جاتا ہے۔ مگر ہند کے جرائم کا معاف کر دینا یہ معاملہ ذرا پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ مگر ہند خفیہ طور پہ بھیس بدل کر عورتوں کے مجمع میں چھپ کر خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئی اور جب تمام عورتیں قبول اسلام کرنے لگیں تو اسی ہجوم و ہنگامہ میں اس نے بھی اظہار قبول اسلام کر لیا۔ جب وہ اظہار اسلام کر چکی تو اس نے اپنے چہرہ سے نقاب ہٹا دی اور ظاہر کر دیا کہ میں ہند بنت عتبہ وہی عورت ہوں کہ آپ نے اس کے قتل عام کا حکم دیا ہے۔ لیکن جبکہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اور میرا اسلام قبول بھی کر لیا گیا ہے تو اب میری گردن سے یہ حد شرعی ہٹ چکی ہے پیغمبر اسلام نے صورت واقعہ پہ غور فرمایا اور اس کو معاف کر دیا۔

اس واقعہ میں دو صورتیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اول تو یہ کہ پیغمبر اسلام بعد اظہار اسلام ہند بھی اس کو قتل کرا دیتے اور اپنے پہلے حکم کو باقی رکھتے اور دوسری صورت یہ تھی جو آپ نے اختیار فرمائی۔ پہلی صورت میں اگر پیغمبر اسلام ہند کو قتل کرا دیتے تو یقیناً اپنے اقرار و عہد کے خلاف کرتے۔ کیونکہ آپ قبول اسلام کو وجہ معافی قرار دے چکے تھے۔ اس کے خلاف کرنا صریح ظلم ہوتا ظلم لغیرہ و ظلم لنفسہ۔ غیر کے ساتھ کر کے اس کو قتل کرا دیا اور اپنے عہد کو توڑ کر دوسرے کو قتل کر دیا۔ ان دونوں قسم کے ظلم کے اظہار کے بعد عدالت پیغمبر اسلام قابل اعتراض ہو جاتی۔ مگر ایسا ہونا ہی ممکن نہ تھا۔ کیونکہ پیکر عدل سے خلاف عدالت فعل سرزد ہونا ہی ناممکن تھا بلکہ محال تھا۔ لہذا آپ نے وہ حکم صادر فرمایا جو عین عدالت تھا۔

عدالت واقعہ نود و ہشتم

(۱۴۳) قرینہ کنیز ابن عنطل یہ عورت دف و سرود بجا کر ہجو پیغمبر اسلام کرتی تھی۔ پیغمبر اسلام نے اس کے قتل کا بھی حکم دیدیا تھا۔

اس کو قتل کر دیا گیا۔

(۱۴) قرنا کنیز ابن خنظل یہ عورت بھی مثل قرتینہ کے عمل کرتی تھی اس کو جب معلوم ہوا کہ بعد فتح مکہ پیغمبر اسلام نے اس کے خون کو ہدر کر دیا ہے تو یہ مفرور ہو گئی اور بہت دنوں کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کی جان بچ گئی۔

(۱۵) غلام ابن خنظل جو روز فتح بحکم پیغمبر اسلام قتل کر دیا گیا۔

(۱۶) سارہ غلام بنو مطلب جو بحکم پیغمبر بدست علی بروز فتح مکہ قتل کیا گیا۔

(۱۷) ام سعد اس کو بھی روز فتح قتل کیا گیا۔

یہ چند غلام اور کنیزیں ہجو پیغمبر اسلام دف بجا کر اور گیت گا کر کرتی تھیں۔ چونکہ دشمن خدا و رسول کی سزا ہی قتل ہے۔ لہٰذا ان کا قتل مطابق قوانین عدالت تھا۔

عدالت واقعہ نود و نہم حرم کعبہ کی حرمت و عظمت

فتح مکہ کے دوسرے دن کا واقعہ ہے کہ ایک شخص مسمی جندب بدیل سے مکہ میں آیا فراش بن امیہ کعبی نے اپنی تلوار اس کے پیٹ میں گھونپ دی کہ جندب کی آنتیں باہر نکل پڑیں اور وہ ہلاک ہو گیا۔ پیغمبر اسلام کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۵۱۔

خدا نے اہل مکہ کے خون کو حرام قرار دیا ہے۔ اس دن سے جس دن اس نے اپنی قدرت کاملہ سے ارض و سما شمس و قمر کو پیدا کیا ہے اور تا روز قیامت حرام ہے۔ کسی مومن کو جو خدا اور رسول پر ایمان لا چکا ہے یہ حق نہیں ہے کہ وہ مکہ میں کسی کا خون بہائے اور کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے کہ مکہ کے درختوں و گیاہ سبز کو توڑے یا مکہ کے حدود میں جانوران شکار کا شکار کھیلے۔ اور اگر کوئی شخص کہے کہ پیغمبر اسلام نے مکہ میں کچھ لوگوں کو قتل کیا ہے۔ تو اے لوگو تم اس سے کہدو کہ اس سے پہلے کبھی اور اس سے بعد مکہ میں خون بہانا جائز نہیں ہوگا۔ میرے لئے بھی صرف چند ساعت کیلئے یہ امر حلال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہی سابقہ حکم بحال ہو گیا اور اب مجھ کو بھی مکہ میں خون بہانے کا حکم نہیں ہے۔ اے بنو خزاعہ تم قتل کرنے سے ہاتھ روک لو اور اس مقتول کا خون بہا ادا کر دو۔ اور اگر اس حکم کے بعد کوئی شخص کسی کو قتل کرے گا تو اس کے وارثوں کو اختیار ہے کہ وہ خون بہا لیں یا اس کا قصاص لیں۔

نتیجہ پیغمبر اسلام نے واقعہ مذکورہ میں اعلیٰ نمونہ عدالت پیش کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ آپ نے مرکز اسلام دامن د

امان عالم مکہ کو قرار دیا۔ یہ مرکز امان عالم بنا دینا ہی حقوق انسانی کی حفاظت ہے اور یہ اعلیٰ عدالت ہے کہ ہر انسان کو حقوق حیات مساویانہ عطا کر دیئے جائیں۔

دوم یہ کہ مکہ کے ہر ذی روح و ہر نباتات کے حدود حفاظت کا اعلان فرما دیا۔ گویا عدالت پیغمبر اسلام کا دائرہ صرف انسانوں ہی تک محدود نہ تھا۔ بلکہ آپ کی عدالت کا اقتضا یہ تھا کہ آپ حیوانات و نباتات کی بھی حفاظت کا انتظام فرما دیں۔ جو حیات انسانی کے لیئے جزو اعظم ہیں۔

سوم یہ کہ بنو خزاعہ جن سے آپ نے مدینہ میں وعدہ کیا تھا کہ ان کی جان و مال کی حفاظت قریش و بنی بکر سے کی جائے گی لہذا آپ نے اس وعدہ کو پورا کر دیا اور فتح مکہ کے بعد بنو خزاعہ مغلوب و مقہور بنی بکر و قریش نہیں رہے۔ جب بنو خزاعہ کے ساتھ یہ عادلانہ سلوک ہو چکا تو آپ نے حکم دیدیا کہ اب کوئی کسی کو اگلے پچھلے قصاص میں قتل نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ بنی بکر کا جو شخص قتل ہوا ہے اس کا خوں بہا بنو خزاعہ ادا کر دیں۔

یہ حکم و فیصلہ پیغمبر اسلام کا اعلیٰ قوانین و عدالت پر مبنی ہے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ فتح مکہ کے دن مکہ میں جنگ ہوئی اور کچھ لوگ مارے گئے یہ واقعہ خالد بن ولید کا ہے خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر حملہ کیا تھا۔ مگر پیغمبر اسلام کو جیسے ہی معلوم ہوا آپ نے خالد کو منع کر دیا اور سخت باز پرس کی جس کی خالد نے معذرت چاہی۔ البتہ پیغمبر اسلام نے بنو خزاعہ کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ وہ اپنا قصاص قتل و غارت بنو بکر سے لے سکتے ہیں لہذا بقول صاحب روضۃ الصفا:۔

"حکم فرمود دیگر تیغہا در نیام کنند و دست از کشتن باز دارند۔ مگر خزاعہ کہ آں قبیلہ مختار ند کہ بہ ہر کسے از بنی بکر کہ دست یابند بہ قتل رسانند۔"

پیغمبر اسلام نے حکم دیا تھا کہ خالد بن ولید اور اس کے رفقا اپنی تلواروں کو نیام میں کر لیں اور کسی کو قتل نہ کریں۔ البتہ بنو خزاعہ کہ مظلوم ہیں اور بنی بکر کے ہاتھوں لٹتے جا چکے ہیں قتل کئے گئے ہیں ان کو حق ہے کہ بنی بکر کا جو آدمی پائیں قتل کر دیں۔

نتیجہ: غور فرمائیے کہ آپ نے خالد بن ولید کو خوں ریزی سے روکا۔ اور سخت باز پرس کی۔ حالانکہ خالد دشمنان اسلام سے جنگ کر رہا تھا۔ مگر پیغمبر اسلام کی عدالت نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ معافی مانگنے والوں پر تلوار اٹھائی جائے اور ان کے حقوق انسانی کا لحاظ نہ کیا جائے۔ علاوہ بریں آپ نے اعلیٰ قوانین عدالت کو اس موقعہ پر پیش کیا جبکہ اس موقعہ پر خزاعہ کو اختیار دیدیا کہ وہ اپنے ورثاء کے قاتلین کو قتل کر سکتے ہیں۔

اگر اس موقعہ پر آپ بنو خزاعہ کو بھی قصاص ورثا سے روک دیتے تو گویا بنی خزاعہ کے ساتھ عادلانہ سلوک نہ کرتے کیونکہ خزاعہ مدینہ جا کر فریادی ہوئے تھے۔ اور پیغمبر اسلام نے امداد و قصاص لینے کا وعدہ کیا تھا۔

لہٰذا پیغمبر اسلام نے اپنے وعدہ کو بھی وفا کیا اور خزاعہ کے مقتولین کا قصاص بھی بنی بکر سے دلوا کر کامل عدالت کا نمونہ پیش کیا۔

عدالت واقعہ صدام

اقتضائے عدالت یہ ہے کہ فیصلہ میں یگانہ و بیگانہ کا لحاظ نہ کیا جائے خالد بن ولید نے مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں پر تلوار اٹھائی اور ان مسلمانوں کو بحالت نماز جمعہ شہید کر دیا۔ خالد کو سپہ سالاری کا عہدہ حاصل تھا۔ اور ابھی اسلام کو ایسے جانباز اور بہادروں کی ضرورت تھی۔ مگر عدالت پیغمبر اسلام نے خالد کی غلطی کو بھی معاف نہ کیا اور خالد کے عمل بد و قتل و غارت سے درگاہ خدا میں بیزاری و برئیت بھی چاہی۔ اور مقتولین کے ورثاء کو خوں بہا بھی دلوایا۔ معاملہ چونکہ اہم ہے لہٰذا میں تاریخی عبارات پیش کرتا ہوں۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص۱۵۱ :-

پیغمبر اسلام نے خالد بن ولید کو یلملم کی جانب روانہ کیا اور حکم دیا کہ قبیلہ خزیمہ کے حالات معلوم کرے واقعہ یہ ہوا تھا کہ عہد جاہلیت میں قبیلہ خزیمہ کے لوگوں نے خالد بن ولید کے چچا فاک بن مغیرہ اور عوف پدر عبدالرحمٰن کو قتل کر دیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ لوگ تجارت یمن سے واپس ہو کر جب مقام یلملم پر پہنچے بنی خزیمہ نے طمع مال و زر میں ان دونوں کو قتل کر کے اسباب و مال پر قبضہ کر لیا تھا۔

جب خالد بن ولید ایک سو پچاس اسلامی سپاہیوں کو ہمراہ لیکر بنی خزیمہ پہنچے تو بنی خزیمہ کے کچھ افراد مسلح باہر نکلے خالد نے پوچھا تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے جواب دیا "ما جماعت مسلمانیم" ہم مسلمان ہیں اور شریعت محمدی کے ہم پابند ہیں۔ خالد بن ولید نے کہا کہ تم نے اسلحہ جنگ کیوں پہن رکھے ہیں بنی خزیمہ نے جواب دیا کہ دشمنوں کے حملہ کے خوف سے ہم ایسا کرتے ہیں۔ خالد نے حکم دیا کہ سب اپنے ہتھیار اتار دیں سب نے ہتھیار اتار دیئے اس وقت خالد نے ان پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر ڈالا۔ ملاحظہ ہو اصل عبارت تاریخ۔

روضۃ الصفا :-

بالجملہ چوں حضرت رسول معلوم فرمود کہ خالد بن ولید جمع را کہ در مساجد خویش باداے جمعہ و جماعت قیام می نمودند کشتہ است وروئے فرخندہ بقبلہ دعا آوردہ سہ نوبت گفت اللّٰھم انی ابرؤ مما صنع خالد آنگاہ مالے خطیر مصحوب امیرالمومنین علی

مختصر یہ کہ جب رسول خدا کو معلوم ہوا کہ خالد بن ولید نے ایک جماعت کو جو مساجد میں نماز جمعہ ادا کرنے میں مصروف تھی قتل کر دیا ہے۔ تو آپ نے اپنا چہرہ مبارک بجانب قبلہ کیا اور تین مرتبہ زبان پر جاری فرمایا۔ اے خدا میں بیزاری و برائت چاہتا ہوں۔

جہت دیت قتل و غارت اموال تلف شدہ
بنی خزیمہ فرستاد تا سہوے کہ از خالد
بن ولید صادر شدہ تدارک نماید و بر جراحت
بیچارگان مرہم نہد و علی مرتضیٰ بفرمودہ
عمل نمودہ بنی خزیمہ را خوشنود گردانید۔
رسول خدا بعد از مراجعت علی مرتضیٰ از یلملم
دست رضائے خاطر بنی خزیمہ لشفاعت یکے
از یاران از کردار خالد در گذشتہ بر سر
رضا آمدہ۔

اس کام سے جو کہ خالد نے کیا ہے۔ اس وقت مال کثیر
امیر المومنین علی کے ساتھ بنی خزیمہ کے پاس بھیجا
تاکہ وہ اس مال سے مقتول و سامان غارت کا بدلہ
و خون بہا ادا کریں۔ تاکہ خطائے خالد کا تدارک
ہو جائے اور مظلوم بنی خزیمہ کے زخموں پر مرہم کا
کام دے علی نے بموجب فرمان رسول بنی خزیمہ
کو خوشنود و راضی کر دیا۔ جب علی نے یلملم واپس
ہو کر رسول کو مطلع کیا کہ بنو خزیمہ راضی ہو گئے
تو اصحاب میں سے کسی صحابی کی سفارش سے پیغمبر اسلام
نے خالد سے رضامندی کا اظہار کیا۔

خالد بن ولید نے اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ اور عوف پدر عبدالرحمن کا بدلہ بنی خزیمہ سے لیا۔ یہ بدلہ عہد جاہلیت قبل اسلام کا لیا گیا۔ اور ان کافروں کے عوض میں مسلمانوں کی نمازی جماعت کو قتل کیا گیا۔ پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا تو آپ نے خالد سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور اس کے فعل سے درگاہ خدا میں برءیت چاہی۔ اس کے بعد اپنے معتمد علی مرتضیٰ کو بنی خزیمہ کے پاس بھیجا اور مال کثیر دیکر ان کا خون بہا ان کے ورثہ کو ادا کیا گیا۔ ان کے اموال کا بدلہ و معاوضہ ان کو دیا گیا حتیٰ کہ ان کو راضی کر لیا گیا۔

یہ پورا واقعہ اس امر پر شاہد ہے کہ پیغمبر اسلام نے اس تاریخی واقعہ میں اعلیٰ عدالت کا سلوک کیا ہے اول درگاہ خدا میں بحیثیت حاکم افواج اپنی معذرت و برءیت کا اظہار کیا یہ عدالت لنفسہ تھی تاکہ عنداللہ جوابدہ خون ناحق نہ ہوں۔

دوم خالد بن ولید سے اظہار نفرت اور اس کے فعل سے اظہار برءیت کر کے اظہار عدالت فرمایا۔

تیسرے بنی خزیمہ کو جان و مال کا معاوضہ دیکر قوانین عدالت کی پابندی کی مدبران و سیاستدان عالم پیغمبر اسلام کے نمونہ ہائے عدالت کو اگر اپنا منارہ راہ بنالیں تو عالم سے فتنہ و فساد فنا ہو جائے۔ اور کوئی شخص حاکم یا محکوم کسی انسان کے ساتھ کوئی ظلم نہ کر سکے اور حقیقی معنی میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہو جائے۔

عدالت

واقعہ صد و یکم صلہ رحم و شفقت

والدین و اقرباء کے ساتھ حسن سلوک صلہ رحم کہلاتا ہے اور شفقت و صلہ رحم کو تحت فضیلت عدالت ایک فضیلت سمجھا گیا ہے۔ واقعہ مندرجہ ذیل پیغمبر اسلام کی ان دو صفات کو ظاہر کرتا

صلہ رحم چونکہ خدمات واحسانات والدین و اقربار کا حق معاوضہ ہے اور محسن کے احسان کا بدلہ عدالت متصور ہوتا ہے لہٰذا اس فضیلت صلہ رحم کو تحت عدالت شمار کیا گیا ہے ۔ اور شفقت کی تعریف یہ ہے کہ اگر کسی پر کوئی مصیبت پڑے تو اس کو دیکھ کر خود المناک ہو اور اس کے دفع و ازالہ کی صورت کرے چونکہ حقوق انسانی کی ادائیگی بھی عین عدالت ہے لہٰذا صفت شفقت کو بھی تحت عدالت متصور کیا گیا ہے کیونکہ انسان کی حالت مجبوری و مصیبت میں اس کی شرکت کرنا گویا اس کے حقوق انسانی کی حفاظت و ادائیگی ہے ۔ اور ادائیگی حقوق کا ہی دوسرا نام عدالت ہے ۔ اس مختصر تمہید کے بعد واقعہ تاریخی بیان کیا جاتا ہے

(۱) فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین واقع ہوا کفار کی تعداد فوج تقریباً تیس ہزار تھی ۔ اور تعداد لشکر اسلام تقریباً سولہ ہزار تھی ۔ ابتدائے جنگ میں اہل اسلام کو شکست فاش ہوئی اور میدان جنگ میں بجز پیغمبر اسلام کے اور چند رفقاء کے کوئی باقی نہ رہا سب اصحاب مفرور ہو گئے ۔ مگر پیغمبر اسلام و بعض رفقائے اسلام کی وجہ سے میدان جنگ پھر ہاتھ آیا ۔ اور لشکر اسلام واپس آیا ۔ اور فتح اہل اسلام کو حاصل ہوئی ۔ مال غنیمت کی مقدار و تعداد یہ تھی ۔ روضۃ الصفا ہ

شش ہزار بردہ و بست و چہار ہزار شتر — ترجمہ چھ ہزار غلام و چوبیس ہزار اونٹ

و چہل ہزار اوقیہ نقرہ زیادہ از چہل ہزار — اور چالیس ہزار اوقیہ چاندی اور چالیس

گوسفند بدست ارباب توحید و عرفان افتاد — ہزار سے زیادہ گوسفند مسلمانوں کو حاصل ہوئے

پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ اس مال غنیمت کو مقام جعرانہ میں جمع کیا جائے ۔ تاکہ وقت فرصت تقسیم کیا جائے تمام اموال واسیران کو عباد بن لشبہ کی نگرانی میں رکھا گیا ۔ ان میں ایک عورت مسماۃ اسماء بنت حارث بن عبدالعزیٰ بھی تھی ۔ بزمانہ گرفتاری اس پر کچھ سختی کی جاتی تھی ۔ وہ کہتی تھی کہ میں پیغمبر اسلام کی خواہر رضاعی ہوں ۔ مگر کسی نے اس کے قول کا اعتبار نہیں کیا ۔ بالآخر اس کو خدمت پیغمبر اسلام میں پہنچایا ۔ اسماء نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں ۔

پیغمبر اسلام نے دریافت فرمایا کہ اس کی کوئی علامت ہے ۔ اسماء نے اپنے جسم کے بعض نشانات دکھائے اور پیغمبر کو یاد دلایا ۔ پیغمبر اسلام نے اس کو پہچانا اور فوراً آپ اس کی تعظیم کی خاطر اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے ۔ اور اپنی چادر و عبائے پاک کو بچھا کر اس پر اس کو بٹھایا اور اپنی چشمہائے مبارک سے رخسارہائے پاک پر آنسو بہاتے ہوئے حلیمہ کا ذکر کیا اور اس کا اور اس کے خاندان کا حال دریافت کیا ۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام نے اسماء سے کہا کہ اگر تمہاری خوشی ہو میرے پاس بآرام تمام رہو اور چاہو تو اپنے وطن و قوم میں واپس چلی جاؤ اسماء نے اپنے وطن کی واپسی کو ترجیح دی ۔ پیغمبر اسلام نے اسماء کو ایک کنیز اور تین غلام ۔ چند شتر و گوسفند

عطا فرمائے۔ اسماء قبول اسلام کے بعد وطن واپس چلی گئی۔ جب اس کے اہل وطن کو پیغمبر اسلام کے اخلاق کریمانہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے اسماءؓ سے کہا کہ تونے بجاد کی رہائی کی درخواست کیوں نہ کی بجاد قبیلہ حلیمہ کا ایک شخص تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے ایک مسلمان کو پکڑ کر قتل کر دیا۔ اور اس کو پارہ پارہ کر کے جلا دیا تھا پیغمبر اسلام نے اصحاب کو حکم دیدیا تھا کہ وہ جہاں کہیں بجاد کو پائیں گرفتار کر کے لائیں چنانچہ مجاہدین اسلام جب مفرورین حنین کے تعاقب میں گئے تھے تو یہ شخص بجاد گرفتار ہو گیا تھا۔ اور اس کو پیغمبر اسلام نے قید کر دیا تھا اور جب اسماء کو رہائی ملی ہے تو بجاد قید ہی میں تھا۔

اسماء پیغمبر اسلام کی خدمت میں واپس آ کر حاضر ہوئی اور بجاد کی جان بخشی کی درخواست کی پیغمبر اسلام نے بجاد کو اسماء کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام نے دریافت فرمایا کہ تمہارے دیگر اقربا ء کہاں ہیں؟ اسماء نے عرض کیا کہ میرا بھائی میری بہن اور میرا چچا زندہ ہیں اور قید میں ہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ تم اپنے قبیلہ کے ہمراہ واپس جاؤ اور مقام جعرانہ میں ٹھہرو۔ جب میں وہاں پہنچوں گا تو رہا کر دوں گا۔

چنانچہ پیغمبر اسلام جعرانہ میں پہنچے تو آپ نے اسماء کے ان اقرباء کو بھی آزاد کر دیا۔ اور اسماء اور اس کے افراد خاندان کو بہت سے مویشی اور کثیر مال عطا فرما کر رخصت فرمایا۔

نتیجہ:- پیغمبر اسلام نے اسماء کو جو کچھ معاوضہ عطا فرمایا وہ حلیمہ کی خدمات کا صلہ تھا۔ حلیمہ نے تقریباً پانچ سال پیغمبر اسلام کو اپنی نگرانی میں رکھا شبانہ روز خدمت کی اپنے بچوں سے زیادہ چاہا اور دو سال تک اپنا دودھ پلایا۔ اگر آج فاتح مکہ و حنین ہونے کے بعد پیغمبر اسلام اسماء کی درخواستِ عفو کو مسترد کر دیتے۔ تو یقیناً یہ صریحی ظلم ہوتا اور خلاف قوانین عدالت ہوتا۔ اسماء نے بھی پیغمبر اسلام کو گودوں میں کھلایا تھا۔ اور خدمات انجام دی تھیں۔ ان خدمات کا صلہ ملنا تو عدالت تھا۔ اور درخواست رحم کو ٹھکرا دینا ظلم تھا۔ چنانچہ مجسمۂ عدالت پیغمبر اسلام نے اسماء کی ذاتی رہائی کو بھی منظور کیا۔ بجاد کی جان بخشی بھی فرما دی و نیز اقربائے اسماء و حلیمہ کو بھی آزاد کر دیا۔ اور ان کو کثیر مال مویشی اور غلام بھی عطا فرمائے۔ چونکہ یہ سب کچھ پیغمبر اسلام نے بمعاوضہ خدمات حلیمہ و اسماء کیا تھا۔ لہٰذا یہ تمام عطیات مطابق قوانین عدالت عین عدالت تھے۔ ان افعال پیغمبر اسلام نے اظہار عدالت بھی کیا اور شفقت و صلہ رحم کو بھی باحسن وجوہ ادا کیا

عدالت یکصد و دوم

غزوہ طائف کے حاضرین میں سے ایک نے بیان کیا کہ جب میں غزوہ طائف سے واپس ہو رہا تھا۔ تو میرے پیر میں نہایت سخت جوتا تھا۔ اتفاقاً میرا اونٹ پیغمبر اسلام کے اونٹ سے رگڑ کھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اور میرے اس سخت درشت جوتے سے پیغمبر اسلام کی پنڈلی رگڑ کر زخمی ہو گئی۔ آپ نے میرے پاؤں پر ایک تازیانہ مار کر فرمایا کہ دور چل

کہ میری پنڈلی میں درد ہو گیا۔ اور جب میں گھر پہنچ گیا تو دوسرے دن پیغمبر اسلام نے مجھ کو طلب فرمایا۔ میں نے سوچا کہ کل میری وجہ سے پیغمبر خدا کے پیر میں تکلیف پہنچی ہے۔ اس کی تنبیہ کیلئے طلب فرمایا ہو گا۔ جب میں خدمت پیغمبر میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کل میں نے ایک تازیانہ تیرے پیر پر مارا تھا۔ آج میں نے اسلئے بلایا ہے کہ اس کا بدلہ و صلہ تجھ کو ادا کر دوں اور آپ نے یہ فرما کر اسّی گوسفند عطا فرمائے۔

(۲) ایک دوسرے صحابی نے بیان کیا ہے کہ جب پیغمبر اسلام منزل قرن پر پہنچے اس وقت آپ ناقہ قصویٰ پر سوار تھے۔ میں اپنے ناقہ پر برابر ہی چل رہا تھا۔ کہ پیغمبر اسلام نے اپنے ناقہ پر تازیانہ مارنا چاہا۔ مگر وہ تازیانہ میرے لگ گیا۔ پیغمبر اسلام میرے قریب تر ہوئے اور پوچھا کہ یہ تازیانہ کیا تمہارے لگ گیا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں۔ جی ہاں۔ تو جب پیغمبر اسلام مقام جعرانہ پر پہنچے تو آپ نے ایک سو بیس گوسفند مجھ کو عطا فرمائیں اور میں ان گوسفندوں کی بدولت مالدار ہو گیا۔

پیغمبر اسلام کے ان افعال سے مکافات شفقت و حسن قضاء کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ ہر دو واقعات عدالت پیغمبر اسلام پر دلالت کرتے ہیں۔

عدالت واقعہ صد و سوم تقسیم اموال حنین

پیغمبر اسلام نے اموال غنیمت حنین کو جب تقسیم کیا تو مہاجرین و انصار کو حصہ کم دیا۔ اور مولفۃ القلوب نومسلموں کو زیادہ حصہ دیا۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب معاویہ بن ابوسفیان و یزید بن معاویہ وغیرہ جو پہلے بدترین دشمن اسلام تھے۔ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ فی کس دیئے۔ اگرچہ انصار مومن کامل تھے۔ مگر انسان بعض اوقات فطری تقاضوں سے متاثر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس موقع پر انصار کو ملال پیدا ہوا اور انہوں نے کہا کہ پیغمبر اسلام بعد مکہ فتح و حنین اپنے ہموطنوں اور ہم قبیلہ افراد کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور ہماری طرف سے توجہ کم کر لی ہے۔ پیغمبر اسلام کو اس امر کی اطلاع ہو گئی۔۔ آپ نے ایک خیمہ نصب کرایا۔ اور صرف انصار کو اس میں جمع کیا اور فرمایا

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۵۲ :۔

"اے انصار تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ تم کو یاد ہے کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم کوچہ آتش میں محبوس تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ تم کو اس سے نجات دی۔ انصار نے اقرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم گمراہ نہ تھے کہ خدا نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت کی۔ کیا تم باہم ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ تم میں الفت پیدا کی۔ تم کمزور اور کم تعداد تھے۔ خدا نے تم کو طاقتور اور کثیر تعداد کیا۔ تم درویش و فقیر تھے خدا نے

میری وجہ سے تم کو متمول بنا دیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم کیوں میری بات کا جواب نہیں دیتے۔ انصار نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ بیشک ہم تصدیق کرتے ہیں۔ اور آپ ہمارے سید و سردار ہیں۔ پھر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تم کیوں نہیں کہتے اگر چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ اور تم ایسا کہنے میں حق بجانب اور راست گو ہوگے

آپ ہماری جانب آئے جبکہ آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی تھی اور ہم نے آپ کو صادق و راست گو تسلیم کیا۔ کسی نے آپ کی مدد نہ کی اور ہم نے آپ کی مدد و نصرت کی۔ آپ کو وطن سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ ہم نے تم کو پناہ دی۔ تم بحالت مفلسی و غربت ہمارے پاس آئے تھے۔ ہم نے مالی امداد کی۔ آپ بحالت خوف ہمارے پاس آئے تھے ہم نے آپ کو پناہ دی جب انصار یہ سب کچھ کہہ چکے۔ تو بالفاظ روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ پیغمبر اسلام نے فرمایا :-

فرمود کہ اینہا می گوئید ہمہ صدق است حضرت چوں ایں سخن باینجا رسانید انصار در گریہ شدند و پیران ایشاں بہ خواستہ بہ تقبیل دست و زانوے پیغمبر سرفراز شدند و گفتند یا رسول اللہ از خدا و رسول او خوشنود گشتیم و اموال خاصہ ما را اگر خواہد قسمت فرماید کہ ما را نظر بہ متاع دنیا نیست۔ ما را اندیشہ و بیم از مفارقت تو بود نہ از قلت مال۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا اے انصار جو کچھ تم کہو وہ سب سچ ہے۔ جیسے پیغمبر اسلام نے یہ کہا۔ تو انصار رونے لگے اور ان کے بزرگوں نے اٹھ کر آپ کے زانو اور ہاتھوں کے بوسے لئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم خدا اور اس کے رسول سے راضی و خوش ہیں۔ آپ چاہیں تو ہمارا ذاتی مال بھی تقسیم فرما دیں۔ کیوں کہ ہم مال دنیا کو نہیں چاہتے۔ ہمکو تو یہ اندیشہ تھا کہ آپ ہم سے جدا ہو کر مکہ واپس آ جائیں گے۔ ہماری نظر قلت مال پہ نہ تھی۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں نے جو مال غنیمت کو تقسیم کیا ہے۔ تو وہ مال مکہ کے مؤلفۃ القلوب کو دیا ہے۔ و شمارا با یمان شما بازمی گذارم۔ اور تمہارے لئے تمہارے ایمان ہی کو کافی سمجھتا ہوں۔ دوسرے اونٹ اور بکریاں لیکر گھر جائیں گے اور تم رسول خدا کو ہمراہ لیکر اپنے گھر کو واپس ہوگے۔ خدا کی قسم کہ جو چیز تم ساتھ لیکر واپس ہو رہے ہو وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو وہ لوگ ساتھ لیکر واپس ہو رہے ہیں۔ در می خواہم کہ وثیقہ نویسم

کہ بعد از من بحرین خاصہ از آں شما باشد کہ بہترین موضع است۔ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک وثیقہ تمہارے لئے لکھ دوں کہ بحرین تمہاری ملکیت رہے جو بہترین موضع ہے اور فرمایا:۔
"انکم ستلقون بعدی اثرہ فاصبروا حتی تلقونی علی حوض"۔

ترجمہ:۔ عنقریب میرے بعد تم کو مصائب سے دو چار ہونا پڑے گا۔ اس وقت تم صبر کرنا حتیٰ کہ تم مجھ کو حوض کوثر پر ملو۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام نے انصار و اولاد انصار کیلئے دعائے خیر کی۔

نتائجِ واقعہ:۔ مذکورہ تاریخی واقعہ عدالت کاملہ پیغمبر اسلام کو ظاہر کرتا ہے۔ تشریح و تصریح ملاحظہ ہو۔

(۱) اموال غنیمت حنین کو پیغمبر اسلام نے تقسیم کیا۔ اور اس تقسیم میں دو طرح کا لحاظ رکھا گیا۔ ایک تو مومنین کا حصہ، دوسرے مؤلفۃ القلوب کا حصہ، پیغمبر اسلام نے مؤلفۃ القلوب کو جتنا دیا وہ ان کی امیدوں سے کہیں زیادہ تھا۔ لہٰذا ان کو تو مزید طلب مال کی خواہش نہیں ہوئی۔ اب رہے مومنین موقنین پیغمبر اسلام نے ان کو بھی حصہ مساوی دیا۔ مگر چونکہ وہ بمقابلہ مولفۃ القلوب کے حصہ کے بہت کم تھا لہٰذا انصار کو شکوہ پیدا ہوا۔ اور انہوں نے عدالت پیغمبر اسلام پر اعتراض کر دیا۔ اس صورت میں اعتراض کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ ان کو بھی وہی حصہ دیا جاتا۔ جو مؤلفۃ القلوب کو دیا گیا اور اس طرح ان کو خوشنود کر دیا جاتا۔ مگر پیغمبر اسلام نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ انکو سمجھا دیا اور بتا دیا کہ مؤلفۃ القلوب اپنے دلوں میں کفر و شرک رکھتے ہیں۔ یہ نعمات خداوندی جنت و نجات اُخروی کے حقدار نہیں ہیں۔ تم مومنین صادق ہو اور مومن کی سب سے بڑی نعمت ذات رسول و ذات خدا ہے۔ میں نے تم کو یہ اختصاص اخروی عطا کیا ہے۔ اور ان کو صرف مال دنیا کیونکہ وہ اسی کے خواہشمند اور مستحق تھے۔ اور تم بوجہ ایمان کامل محبت خدا و رسول کے مستحق تھے اور نعمات اخروی کے حقدار تھے۔ اگر پیغمبر اسلام مومنینِ انصار و مہاجرین کو بھی اتنا ہی دیدیتے جتنا کہ آپ نے مولفۃ القلوب کو دیا۔ تو مساوات و عدالت نہ ہوتی۔ کیونکہ انصار کو اس صورت میں دنیا کا مالِ کثیر بھی ملجاتا اور نعماتِ اخروی بھی۔ اور ایک جماعت کو صرف مال دُنیا اور آخرت میں کچھ بھی نہیں۔ آخرت کے حصول کیلئے عقیدہ و ایمان ضروری تھا۔ اور اس کیلئے انسان خود مختار ہے کہ وہ ایمان قبول کرے یا کفر۔ انصار نے چونکہ ایمان کامل حاصل کیا تھا۔ لہٰذا وہ دولت ایمان سے مالا مال تھے۔ ان کو مالِ دنیا اتنا ہی ضروری تھا۔ جو ان کی ضروریاتِ زندگی کیلئے کافی ہو اور بس۔ پیغمبر اسلام نے ہر موقعہ پر لشکرِ اسلام کو مساویانہ حصے تقسیم کئے ہیں۔ مگر مؤلفۃ القلوب کو ہمیشہ زیادہ دیا ہے۔ جس کی تصریح سطور بالا میں کی گئی ہے۔ اگر اس کے خلاف پیغمبر اسلام اپنے بلند

والوں، اپنے پیروؤں اور اپنے مذہب والوں کو زیادہ حصہ دیتے اور نومسلموں مولفۃ القلوب کو کم دیتے تو بادی النظر میں یہ بات مناسب معلوم ہوتی اور تمام رفقاء پیغمبر راضی بھی رہتے اور عام دنیا والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر یہ صورت خلاف عدالت ہوتی۔ کیونکہ صرف اپنے ہی اپنوں کو زیادہ دیدینا اور رشتہ کا اغیار کو کم سے کم دینا یہ تو سب ہی کرتے ہیں۔ مگر عدالت پیغمبر کا اقتضاء طریقہ عام سے بالا تر تھا۔ آپ نے اپنوں کو دولت ایمان و خلوص بخدا اور رسول کی دولت عطا فرمائی اور اہل دنیا کو مال دنیا دیا۔ اور یہ عدالت کا ملہ محمدی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔

(۲) جب انصار نے شکوہ کمی مال کیا۔ تو پیغمبر اسلام نے ان کی دولتِ ایمان کی قدریں اور مقداریں ان کو دکھاویں اور وہ مطمئن ہو گئے۔ مگر پھر بھی پیغمبر اسلام نے اہل مدینہ کی ہمت افزائی مزید کی اور وہ اس طرح کہ آپ کے احسانات جو ان پر تھے وہ ایک ایک کر کے گنوائے اور جب انصار نے ان احسانات کے سامنے اپنی گردن جھکا دی اور تصدیق کلام پیغمبر کردی تو پیغمبر اسلام نے انصار سے کہا کہ تم بھی اپنے احسانات بتاؤ۔ چنانچہ انصار نے بھی جتنے احسانات کئے تھے وہ سب اپنے بتادیئے۔ پیغمبر اسلام نے بصدق دل ان کے قول کی تصدیق کی۔ پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پر عدالت کاملہ کا وہ نمونہ دکھایا جس کی مثال تاریخ عالم اور تاریخ حاکم و محکوم میں نہیں ملے گی۔ پیغمبر اسلام نے انصار کو بوجہ ایمان کامل اپنا عدیل قرار دیکر اعلیٰ نمونہ عدالت قائم کر دیا۔

(۳) علاقہ بحرین پیغمبر اسلام نے جماعت انصار کیلئے مستقل و پائیدار انتظام کیا اور وہ یہ کہ فرمایا کہ میں علاقہ بحرین کو تمہاری ملکیت میں دیدوں گا کہ تم اور تمہاری اولاد کبھی تنگدستی میں مبتلا نہ ہو۔ پیغمبر اسلام نے انصار کو ان کی تصدیق نبوت و رسالت اور نصرت کا صلہ مال دنیا میں سے بھی دیا اور نعمات اُخروی بھی عطا فرمائیں۔ مال غنیمتِ حنین اور نیز علاقہ بحرین یہ سب کچھ انصار کو ان کی خدمات دینی کا صلہ دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ اس سے بہتر نمونہ عدالت اور کیا ہوسکتا ہے۔

عدالت واقعہ یکصد و چہارم

پیغمبر اسلام جب جعرانہ میں تقسیم اموال میں مصروف تھے۔ اس وقت ایک جماعت قبیلہ ہوازن کی حاضر خدمت ہوئی۔ ان کا خطیب زہیر بن صرد سعدی اور پیغمبر اسلام کا رضاعی چچا سامنے آئے اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسول آپ کے مال غنیمت میں آپ کی رضاعی خالہ اور پھوپھیاں بھی ہیں آپ رشتہ رضاعت کو ملحوظ رکھ کر ہم پر نظر کرم فرمائیں۔ پیغمبر اسلام نے ان کے جواب میں فرمایا اہ

"کہ من تاخیر غنائم بسبب شما کردم و انتظار می بردم کہ بیائید و شما بدیر آمدید" (روضۃ الصفاء)

"میں تقسیم مالِ غنیمت میں تمہاری وجہ سے تاخیر کر رہا تھا۔ اور میں نے تمہارا انتظار کیا کہ تم آؤ مگر اب تم دیر سے آئے۔ بہر حال اب اسیروں اور مال میں سے کسی چیز کو طلب کر لو اور نماز کے وقت تک ٹھہرو میں مسلمانوں سے تمہاری سفارش کروں گا۔

چنانچہ جب نماز سے فراغت ہو چکی تو پیغمبر اسلام نے بعد حمد خدا کے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ :-
"میں نے اپنا اور بنی ہاشم کا حصہ خمس مال غنیمت بنی ہوازن کو بخش دیا۔ اور تم لوگ بھی ان کے قیدیوں کو ان کو بخش دو میں نے ان سے تمہاری جانب سے وعدہ کر لیا ہے۔"

مسلمانوں نے حکم رسول پر اظہار رضامندی کیا۔ مگر اقرع بن حابس پیشوائے قبیلہ سلیم و عتبہ بن حصین فرازی پیشوائے بنی فرازہ مال غنیمت کی واپسی پر راضی نہ ہوئے اور سامنے آکر عباس بن مرداس نے عرض کیا کہ ہم اس حکم پر راضی نہیں ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا :-

"فرمود کہ ہر کہ راضی نیست باز اے ہر اسیرے شش شتر بدہم از اول غنیمتے کہ خدا تعالیٰ کرامت فرماید۔"

"پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جو قیدیوں کے آزاد کرنے پر راضی نہیں ہے۔ میں ہر قیدی کے عوض چھ اونٹ اس مال غنیمت سے دوں گا جو خدا کرامت کرے گا۔"

بہر حال بنی ہوازن کو ان کے قیدی واپس کر دیئے گئے۔

نتائج واقعہ - (۱) پیغمبر اسلام نے بنی ہوازن سے فرمایا کہ مجھ کو تمہارے آنے کا انتظار تھا اور میں اسلئے تقسیم غنائم میں تاخیر کر رہا تھا۔ پیغمبر اسلام کا یہ فرمان یا قتضائے عدالت تھا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ جس شخص کا احسان نبی خدا پر ہو اس کو ادا کر دیا جائے۔ اور حقوق کی ادائیگی کا نام عدالت ہے۔

(۲) بنی ہوازن بدیر پہنچے تو پیغمبر اسلام نے ایسا نہ کیا کہ ان کے قیدیوں کو ذاتی حکم سے آزاد کر دیا ہو کیونکہ وہ قیدی تقسیم ہو چکے تھے اب وہ اہل اسلام کا حصہ تھا۔ لہٰذا آپ نے مجمع عام میں ان کی سفارش کی اور اپنا اور بنی ہاشم کا حصہ پہلے بخش دیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ فعل عین عدالت تھا۔

(۳) جب بنی سلیم و بنی فرازہ قیدیوں کی واپسی پر راضی نہ ہوئے اور انہوں نے صاف الفاظ میں انکار کر دیا تو پیغمبر اسلام نے حاکمانہ حکم صادر نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ میں ہر قیدی کے عوض چھ اونٹ ادا کر دوں گا یہ تھی عدالت کاملہ پیغمبر اسلام جو ہر موقعہ پر ظاہر ہوئی۔

عدالت واقعہ یکصد و پنجم سبیعہ عامریہ

سنہ ۔۔ کا واقعہ ہے کہ ایک عورت مسماۃ سبیعہ عامریہ نے پیغمبر اسلام کے سامنے آکر اقرار زنا کیا اور درخواست کی کہ مجھ پر حد شرعی جاری کی جائے تاکہ میں گناہ زنا سے عند اللہ بری و پاک ہو جاؤں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تو واپس جا اور خدا سے مغفرت طلب کر اور درگاہ خدا میں توبہ و استغفار کر۔ سبیعہ نے عرض کیا کہ میں حاملہ زنا ہوں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ صبر کر تاکہ وضع حمل سے فراغت حاصل کرے۔ آپ نے یہ فرمایا کہ ایک انصاری کو حکم دیا کہ سبیعہ کی وہ کفالت کرے جب تک کہ اس کے بطن سے بچہ پیدا ہو۔ جب سبیعہ کے بطن سے بچہ ہو چکا تو پیغمبر اسلام کو مطلع کیا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اس حالت میں بھی اس کو سنگسار نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ اس کا بچہ کمسن ہے۔ اور کوئی ایسی عورت نہیں ہے جو اس کو اپنا دودھ دیکر پرورش کر سکے۔ اس کے بعد سبیعہ اس بچہ کی پرورش کرتی رہی۔ اور جب وہ روٹی کھانے لگا اس وقت وہ اس بچہ کو لیکر پیغمبر اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے بچہ کو ایک مسلمان کے سپرد کر دیا اور سبیعہ کو سنگسار کا حکم دیا۔ سب سے پہلے خالد بن ولید نے سبیعہ کے پتھر مارا سبیعہ کے خون سر کا ایک قطرہ خالد پر پڑا خالد نے سبیعہ کو گالیاں دیں۔ خالد کو پیغمبر اسلام نے گالی دینے سے منع فرمایا اور کہا کہ قسم بخدا سبیعہ کی توبہ قبول ہو چکی ہے۔ اور اب وہ مغفور ہے۔ جب سبیعہ کی روح قفس عنصری سے نکل چکی تو پیغمبر اسلام کے حکم سے نماز جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا۔

نتیجہ:۔ واقعہ مذکور سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے:۔

(۱) اول تو یہ کہ پیغمبر اسلام نے مطابق قانون شریعت اسلامی سبیعہ کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دی گئی۔ پیغمبر اسلام کا یہ حکم عین عدالت تھا۔

(۲) چونکہ سبیعہ حاملہ تھی اسلئے پیغمبر اسلام نے اس کو مہلت دی اور تین سال کی طویل مدت تک اس کو مہلت دیگئی تاکہ بے گناہ پر ظلم نہ ہو جائے۔ اور وہ ظلم یہ ہو سکتا تھا کہ بحالت حمل اس کو سنگسار کر دیا جاتا۔ اور جنین بھی قتل ہو جاتا۔ حالانکہ جنین بے خطا تھا۔ حالانکہ سبیعہ اس لئے پیغمبر اسلام کے پاس آئی تھی کہ اس کے حاملہ ہونے کا معاملہ چھپ جائے گا۔

مگر پیغمبر اسلام حکیم تھے۔ آپ نے سمجھ لیا کہ وہ حاملہ ہے اور جب اس نے خود اقرار حمل کر لیا تو بھی پیغمبر اسلام نے اس کے سنگساری کے معاملہ کو روک لیا حتیٰ کہ اس کے بطن سے بچہ پیدا ہو گیا۔ پیغمبر اسلام کا یہ فعل بھی عین عدالت تھا۔

(۳) سبیعہ کے بچہ کی ولادت کے بعد بھی پیغمبر اسلام نے دو سال تک سبیعہ کو سنگساری سے بچایا تاکہ اس کے

بے خطا بچہ پر ماں کے نہونے کی وجہ سے ظلم عاید نہ ہو جائے اور جب بچہ غذا معمولی کھانے لگا تو پیغمبر اسلام نے سبیعہ کی سنگساری کا حکم دیا۔ یہ حکم بھی عین عدالت تھا۔

(۴) خالد بن ولید نے جب سبیعہ کے پیٹ پتھر مارا ہے اور سر سبیعہ سے خون اچھل کر چہرۂ خالد پر پڑا ہے تو خالد نے سبیعہ کو گالیاں دیں۔ روضۃ الصفا کے یہ الفاظ ہیں ص ۱۶۰ ہ

وقطرہ چند خون از زخم سبیعہ بر روئے خالد آمدہ سبیعہ را دشنامے داد۔ حضرت خالد را تسکین دادہ۔

پیغمبر اسلام نے خالد کو گالیاں دینے سے منع فرمایا کہ سبیعہ کی توبہ قبول ہو گئی اور پھر سبیعہ کی نماز جنازہ کے بعد حکم دیکر دفن بھی کروا دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جرم سبیعہ کی سزا سنگساری مل چکی لہٰذا وہ مغفور ہو گئی۔ اس حالت میں اسکو گالی دینا یا دفن نہ کرنا نماز جنازہ نہ پڑھوانا یہ سب ظلم کے تحت میں آتا تھا۔ پیغمبر اسلام نے منع فرمایا کہ یہ ظلم اس پر جائز نہ رکھے جائیں۔ بلکہ آپ نے مطابق عدالت اس کے بارہ میں احکام نافذ فرمائے اور یہ سب عدالت کاملہ کا نمونہ ہیں۔

عدالت واقعہ یکصد و ششم

صداقت کو فضائل اجناس تحت عدالت میں شمار کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی اپنے قول کے مطابق عمل کرے تو عادل ہے۔ اور اگر اپنے قول کے خلاف عمل کرے تو ظالم ہے۔ صداقت، قول، عہد، قرار وغیرہ وغیرہ سب ہی خصائل سے تخصیص رکھتے ہیں۔

میں ناظرین کی خدمت میں تمہیداً چند واقعات تاریخی پیش کرتا ہوں۔ ان واقعات پر غور کرنے کے بعد ان کے نتیجہ پر بھی غور فرمائیے گا۔ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ پیغمبر اسلام کا ہر فعل کسقدر مطابق قوانینِ عدالت ہے۔

دعوت ذوالعشیرہ و علی

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال جلد ۶ ص ۳۹۷ و تاریخ طبری مطبوعہ مصر ہ

عن علی قال لما نزلت ھذہ الایۃ وانذر عشیرتک الاقربین علی رسول اللہ صلعم فقال یا علی ان اللہ امرنی ان انذر عشیرتی الاقربین فضقت بذلک ذرعا وعرفت انی متی اباديھم

علی سے مروی ہے کہ جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اقربا کو عذاب خدا سے ڈراؤں لیکن میں نے اس کام میں چندے

بعذ الامرار منہ ما اکرہ فصمت
علیھا حتی جاءنی جبرئیل فقال یا محمد
ان لم تفعل ما تومر بہ یعذبک ربک
فاصنع لی صاعاً من طعام . . .

. . . .

ثم تکلم رسول اللہ صلعم فقال یا بنی
عبد المطلب انی واللہ لا اعلم شاباً
فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد
جئتکم بہ انی قد جئتکم بخیر الدنیا
والآخرہ وقد امرنی اللہ تعالیٰ ان
ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا
الامر علی ان یکون اخی ووصی وخلیفتی
فیکم فاحجم القوم عنھا جمیعاً وقلت و
ھذا لاحدثھم سنا وارمصھم عیناً
واعظمھم بطناً واحمشھم ساقاً
انا یا نبی اللہ صلعم اکون وزیرک علیہ
فاخذ برقبتی فقال ان ھذا اخی و
وصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و
اطیعوا فقام القوم یضحکون ویقولون
لابی طالب قد امرک ان تسمع و
تطیع لعلی ۔

توقف کیا اس وجہ سے کہ مجھ کو گمان ہوا کہ
وہ میری ہدایت سے اکراہ کریں گے اور میری
بات کو نہ مانیں گے۔ اس بنا پر خاموش
رہا۔ تاآنکہ پھر جبرئیل نازل ہوئے اور کہنے
لگے کہ خدا فرماتا ہے کہ اے محمد اگر تم نے
ایسا نہ کیا جیسا کہ ہم نے تم کو حکم دیا ہے
تو تم پہ عذاب کیا جائے گا۔ پس تم اے
علی بقدر ایک صاع طعام تیار کرو ایک بکری
کا گوشت پکالو اور ایک کاسہ شیر مہیا کر لو
اور تمام بنی عبد المطلب کو دعوت میں بلالو
تاکہ میں اسی مجلس دعوت میں ان سے کلام
کروں اور جو کچھ کہ حکم خدا ہوا ہے اس کو
بجا لاؤں۔ علی کہتے ہیں کہ میں نے حسب
ارشاد پیغمبر تعمیل کی سب ہی عبد المطلب
کو بلایا وہ تعداد میں چالیس افراد تھے اور
ان میں آنحضرت کے چچا ابو طالب حمزہ،
عباس ابولہب سب موجود تھے یہ لوگ جمع
ہوگئے اور طعام کھا کر سیر ہوگئے . . . .
اس کے بعد رسول خدا نے کلام کا قصد کیا
اس اثناء میں ابولہب نے اٹھ کر آپ کا
کلام قطع کیا اور کہا کہ اے لوگو محمد نے تم
پر جادو کیا ہے۔ لوگ یہ سنکر متفرق ہوگئے۔ دوسرے دن پھر آپ نے مجھے حکم دیا کہ پھر تم
وہی انتظام کرو۔ میں نے پھر انتظام کیا۔ وہ لوگ آئے انہوں نے طعام کھایا۔ پھر رسول خدا
نے فرمایا:۔

اے اولاد عبد المطلب خدا کی قسم میں جوانان عرب میں کسی شخص کو ایسا نہیں جانتا جو میری

طرح تمہارے لئے دین و دنیا کی بہتر لایا ہو۔ خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی طرف بلاؤں پس تم لوگوں میں اس امر خاص میں میری وزارت کون شخص کرتا ہے۔؟
علی کا بیان ہے کہ میں اس مجمع میں کھڑا ہو گیا۔ اور میں نے کہا یا رسول اللہ گو میں ان لوگوں میں سب سے کمسن ہوں میری آنکھیں پر آشوب ہیں۔ گو میرا پیٹ بڑا ہے۔ میری پنڈلیاں پتلی و کمزور ہیں۔ مگر میں آپ کا وزیر بننے کو مستعد ہوں۔
یہ سنکر رسول خدا نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ "اے لوگو! دیکھو! یہ میرا بھائی ہے۔ یہ میرا وصی ہے۔ اور یہ میرا خلیفہ ہے۔ اس کی باتوں کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ یہ سنکر سب لوگ ہنستے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ابو طالب سے بطور تمسخر کہنے لگے۔ کہ آج سے تم اپنے بیٹے کے مطیع بنا دیئے گئے۔

(۳) سیرۃ النبی شبلی نعمانی جلد ا صفحہ ۱۵۴:-
چند روز کے بعد آپ نے حضرت علی سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو یہ در حقیقت اسلام کی تبلیغ کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندان عبد المطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہ، ابو طالب اور عباس سب شریک تھے۔ آنحضرت صلعم نے کھانے کے بعد فرمایا:-
"میں وہ چیز لیکر آیا ہوں۔ جو تمہارے دین و دنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیگا۔"
تمام مجلس میں سناٹا تھا کہ دفعتاً علی نے اٹھ کر کہا۔ گو مجھ کو آشوب چشم ہے۔ گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ قریش کیلئے ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ جوان ہے۔ دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بیساختہ ہنسی آگئی۔ لیکن آگے چلکر زمانہ نے بتلا دیا کہ یہ سراپا سچ ہے۔

(۴) روضۃ الصفا جلد دوم صفحہ ۳۷ (مفہوم مثل عبارات سابقہ):-
از علی مرتضیٰ نقل کردہ اند کہ فرمود کہ چوں آیۂ کریمہ و انذر عشیرتک الاقربین نازل گشت حضرت رسول مرا امر کرد کہ طعامے ترتیب کنم ....
علی گوید گفتم یا رسول اللہ منکہ از ایشاں بسال خورد ترم ترا التصدیق نمودم و بتو گرویدم و بجان در خدمت تو کشیدم خاک قدم ترا کحل الجواہر مفرد شم۔ رسول مرا نوازش فرمودہ

فرمود کہ ایں برادرے منست و وصی من سخن او را بشنوید و از فرمان او تجاوز ندارید...

چند تاریخی عبارات پیش کی گئیں ان کا خلاصہ صرف مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) پیغمبر اسلام نے دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر اولاد عبدالمطلب کو بحکم خدا دعوت اسلام و دعوت اعانت اسلام دی۔

(۲) حاضرین دعوت ذوالعشیرہ نے ہدایت و پیغام پیغمبر اسلام کو ہنسی میں اڑا دیا۔

(۳) علی نے بعمر ۱۳ سال تصدیق رسالت کی اور اعانت پیغمبر اسلام کا وعدہ کیا۔

(۴) پیغمبر اسلام نے تصدیق و وعدہ نصرت کے بعد علی کو اپنا وصی، خلیفہ اور بھائی ہونے کا اعلان عام کیا

استنباط نتائج ۔ مورخین عالم عموماً اور مورخین اسلام خصوصاً اس امر کے معترف ہیں کہ پیغمبر اسلام نے جب دعوت ذوالعشیرہ میں قریش کو دعوت اسلام دی۔ اور انہوں نے پیغام پیغمبر اسلام کو مذاق میں اڑا دیا تو علی نے پیغمبر خدا کی صداقت و رسالت کی تصدیق کی اور اس موقعہ پر پیغمبر اسلام کا اقتضائے عدالت کیا ہونا چاہیئے تھا۔ کیا صرف شاباس بچے شاباش کے الفاظ علی کی تصدیق رسالت کا بدل بن جاتے۔ نہیں بلکہ یہ الفاظ تمسخر و تضحیک بن جاتے۔

پھر اس موقعہ اہم پر پیغمبر اسلام کا اقتضائے عدالت کیا ہونا چاہیئے تھا۔ جبکہ شرفاء و روسائے عرب پیغام کلمہ توحید کو ہنسی میں اڑا رہے تھے۔ تو تقاضائے عدالت کیا تھا یہی کہ ان کی مذاق کی بات کو حقانیت اور اصلیت کا جامہ پہنا دیں۔ یہ کام اسی طرح ممکن تھا کہ تصدیق نبوت کرنے والی کمزور آواز کو طاقت ابدی بخش دیں۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے اعلان کر دیا کہ علی آج سے تاقیامت میرا بھائی، میرا خلیفہ میرا وصی ہے۔

یہ جو کچھ ہوا اپنے موقعہ کے لحاظ سے بے مثل کام ہوا۔ مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کے ان الفاظ نے عملی صورت بھی اختیار کی یا نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کی خدمات کے معاوضہ میں کوئی صلہ دینے کا وعدہ کرے اور بعد کو جب وقت صلہ آئے تو اس شخص کو محروم کر دے تو اس فعل کو عدالت کہیں گے یا ظلم! اول تو وعدہ خلافی خود ظلم ہے۔ دوسرے خلاف کام کرنا بھی ظلم ہے۔ تیسرے کسی کی خدمت کا صلہ نہ دینا بھی ظلم ہے۔

علی نے بلا خوف جان مجمع اعدائے اسلام میں نصرت پیغمبر اسلام کا اعلان کر دیا۔ یہ تو خدمات علی تھیں۔ اب ان کا صلہ و معاوضہ بھی پیغمبر اسلام نے فوراً دیا۔ کہ یہ اعلان کر دیا کہ علی میرے بعد میرا

میرا خلیفہ اور وصی ہوگا۔ الفاظ کا بدلہ الفاظ کی صورت میں مل گیا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام کا ایسا فرمادینا مطابق قوانین عدالت ہوا۔ اب رہا معاملہ عملی معاوضہ کا۔ تو جب علی بار رسالت کے اٹھانے میں پیغمبر اسلام کی مدد کریں گے تو پیغمبر اسلام بھی عملی صورت میں علی کو اپنا وصی و خلیفہ بھی بنا کر ثبوت عدالت دیں گے

سطور مندرجہ ذیل میں تاریخی عبارات لکھی جاتی ہیں۔ تاکہ نفس مضمون واضح ہو سکے۔

خدمات علی با اختصار و باجمال از ابتدا و تا انتہا، تصدیق رسالت

مذکورہ تاریخی عبارت نے ظاہر کیا کہ بعمر

(۱) ۱۳ سال علی نے پیغمبر اسلام کی مدد و نصرت و تصدیق کا وعدہ مجمع اشراف مکہ کے سامنے کیا۔

(۲) بعد بعثت رسول علی نے سب سے پہلے تصدیق رسالت و توحید کی۔

تاریخ طبری ؎ عن زید بن ارقم قال اول من اسلم مع رسول اللّٰہ صلعم علی ابن ابی طالب

جو شخص پیغمبر اسلام پر سب سے پہلے ایمان لایا وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

(۳) علامہ ابو جعفر اسکافی جو علامہ ابن الحدید شارح نہج البلاغۃ کے اوستاد اور شیخ تھے لکھتے ہیں۔ ز اسوۃ الرسول ص ۲۵۲ جلد دوم) ؎۔

ایام مقاطعہ میں مدد رسول

تلاش آذوقہ کی خدمت ان ایام (تین سال شعب ابی طالب میں پیغمبر اسلام اور بنی ہاشم کا مقید رہنا) میں

(۱) خاص کر علی کے سپرد تھی یہ علی الصبح شعب سے نکل کر حوالی مکہ کی آبادیوں میں دور دور تک نکل جاتے تھے۔ اور وہاں سے جو، گیہوں، کھجوریں جو کچھ میسر آتا تھا اپنی پشت پر رکھ کر لاتے تھے۔ وہ بھی کبھی یہ چیزیں ملتی تھیں اور کبھی نہیں۔ کیونکہ ظالمان قریش مکہ بیرونی آبادیوں میں جا کر منع کر آتے تھے۔ بیشتر اکثر فاقے گذرتے تھے اور شدت گرسنگی و تشنگی سے گرفتاران معیبت کی غریب جانیں ہونٹوں تک آپہنچتی تھیں۔۔

(ب) سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۷۹ علامہ شبلی نعمانی ؎۔

"تین برس تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح (درخت کا نام ہے) کے پتے کھا کر بسر کرتے تھے۔"

(۴) مددِ رسول شب ہجرت

روضۃ الصفاء جلد ۲ ص ۵۵ ؎

حضرت رسول بر کیفیت قضیہ اطلاع یافتہ پیغمبر اسلام کو جب کفار مکہ کا قصد قتل معلوم ہوا

علی ابن ابی طالب را فرمود کہ مشرکاں قصد قتل من دارند تو بردو بُرد مرا بپوش و در خوابگاہ من تکیہ کن و دل قوی دار کہ ہیچ مکروہے بہ تو نہ خواہد رسید۔ علی مرتضیٰ بموجب فرمودہ عمل نمودہ بردے کہ پیغمبر در خواب پوشیدے بردوش خود کشیدہ در فراش خاص آنحضرت بفراغبال تکیہ فرمود۔ و من الناس لیرجع نفس نفیس خود را فدائے ذات مقدس آنحضرت و آیہ کریمہ من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ و اللہ رؤف بالعباد۔ دراں واقعہ نازل باشد۔

تو آپ نے علی ابن ابی طالب سے فرمایا کہ مشرکوں نے میرے قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تم جا کر میری خاص چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو جاؤ اور اطمینان رکھو کہ تم کو کوئی جانی نقصان نہ پہنچے گا۔ علی مرتضیٰ نے مطابق حکم رسول عمل کیا اور چادر رسول اوڑھ کر خوابگاہ رسول میں باطمینان تمام سو گئے اور انہوں نے اسطرح اپنے کو فدیہ ذات اقدس پیغمبر اسلام کر دیا اور آیت کریمہ من یشری - لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو رضائے خدا کے حصول کے لئے اپنے نفس کو بدست خدا فروخت کر دیتے ہیں۔ اور خدا اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے - نازل ہوئی۔

۵ مددِ رسول بہ سفرِ ہجرت

تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴ علامہ امام جلال الدین سیوطی۔

فمکث ہو و ابو بکر فی الغار ثلاثہ ایام لیختلف الیہم باطعام عامر بن فہیرہ و علی یجہزہم فاشترو ثلاثہ ابا عیر من اھل البحرین و استاجولھم دلیلا فلما کان بعض اللیل من اللیل الثلاثۃ اتاھم علی بالابل و الدلیل ورکب رسول اللہ ورکب ابوبکر اخری فتوجھوا نحو المدینہ

پیغمبر اسلام اور ابو بکر غار میں تین دن تک ٹھہرے رہے اور عامر بن فہیرہ ان کیلئے طعام لاتا تھا۔ اور علی اس کھانے کا انتظام کرتے تھے۔ پھر علی نے تین اونٹ بحرین کے باشندوں سے خریدے اور ایک رہبر کو کرایہ پر حاصل کیا جب تیسری رات کا کچھ حصہ گذرا تو علی اونٹوں اور رہبر کو ساتھ لیکر آئے ایک اونٹ پر رسول سوار ہوئے اور ایک پر ابو بکر اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۶) تاریخ طبری جلد دوم صفحہ ۱۲۴ مصری۔ مد و ارسل الی الطعام و استاجر لی دلیلا یدلنی لطریق المدینہ

پیغمبر اسلام نے بوقت روانگی ہجرت علی کو حکم دیا کہ ہمارے لئے طعام بھیجنا ہمارے لئے

واشترطا راحلة ثم مضی رسول اللہ صلعم۔

لئے رہبر اجیر کرلینا جو ہمکو مدینہ کا راستہ بتائے اور ہمارے لئے سواری خرید کر لینا اس کے بعد پیغمبر اسلام روانہ ہو گئے۔

امانات قریش کی ادائیگی

معالم التنزیل ص ۳۸۱

(۷) وخلف سابمکۃ حتی یودی عنہ الودائع التی قبلھا .... وارسلوا فی طلبہ۔

ترجمہ۔ علی کو رسول نے مکہ میں اپنا قائمقام کیا۔ تاکہ جو امانتیں لوگوں کی پیغمبر اسلام کے پاس موجود تھیں ان کو ادا کردیں۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کی صداقت و امانت داری پر اعتبار کر کے لوگ اپنی امانات آپ کے پاس رکھوا دیا کرتے تھے۔

مشرکین قریش رسول پر (رسول کی چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے) علی کی نگرانی کر رہے تھے۔ اور یہ سمجھ رہے تھے کہ یہی رسول خدا ہیں۔ (یحسبون انہ نبی) جب صبح ہوئی تو سب کفار ادھر متوجہ ہوئے۔ چادر اٹھائی تو دیکھا علی ابن ابی طالب ہیں۔ پوچھا کہ تمہارے آقا کہاں گئے؟ فرمایا مجھ کو نہیں معلوم پس وہ سب مشرکین پیغمبر اسلام کے نقش قدم پر روانہ ہوئے تاکہ ان کی جستجو کر سکیں۔

(۸) علی نے پیغمبر اسلام کیلئے غار میں تین دن طعام کا انتظام کیا۔ پیغمبر اسلام کیلئے دو اونٹ بھی خرید کر حاضر کئے ایک رہبر کو بھی ساتھ کیا۔ اور ایک صحابی کو بھی ہمراہ کیا۔ اور اہل مکہ کی امانات اہل مکہ کو واپس کر کے مطابق حکم پیغمبر اسلام خود ہجرت مدینہ اختیار کی۔ اور ایک طولانی سفر پا پیادہ طے کر کے پیغمبر اسلام کی خدمت میں مقام قبا میں حاضر ہوئے۔ تاکہ وطن سے دور بھی دوران سفر ہجرت پیغمبر اسلام کی ہر موقع نصرت و اعانت کرتے رہیں۔ اور پیغمبر اسلام نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ جب تک علی ہجرت کر کے قبا تک نہ پہنچ جائیں آپ مدینہ میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ بغیر ناصر و یاور کے غیر جگہ قیام خطرناک تھا۔ ملاحظہ ہو۔

شرح مواہب الدنیہ علامہ عبدالباقی الزرقانی۔ ص ۳۲۴۔

وکان علی یسیر باللیل ویختفی بالنہار و قد تقبت قدماہ فمسحھما النبی صلعم و دعا لہ بالشفاء فبرئت

علی رات کو سفر کرتے تھے اور دن میں مخفی رہتے تھے۔ پتھریلی زمین پر چلنے سے علی کے دونوں پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ پس پیغمبر اسلام نے

فی الحال وما اشتکا هما بعد الیوم قط ۔

علی کے پیروں کو مسح کیا دعا کی اسی وقت شفا پائی پھر کبھی تکلیف نہ ہوئی ۔

پیغمبر اسلام نے مقام قبا میں باختلاف روایات ۱۵ یا ۱۸ دن تک قیام کیا۔ اسی اثناء میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مدینہ میں داخل ہوں کہ اہل مدینہ آپ کی آمد کے بدل مشتاق ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تک علی مجھ سے نہ ملجائیں گے اور ہجرت کر کے مجھ تک نہ پہنچ جائیں گے۔ میں مدینہ میں داخل ہونگا اور پیغمبر اسلام کیلئے یہی مناسب بھی تھا۔ کیونکہ غیر شہر میں داخل ہونا جبکہ اہل وطن، اقرباء اور تمام عرب آپ کی جان کا دشمن تھا۔ ایسی حالت میں اس شخص کا موجود ہونا ضروری تھا جو نصرت و مدد کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے چکا تھا۔

جب علی قبا میں پہنچ گئے تو علی کو ہمراہ لیکر پیغمبر اسلام مدینہ میں داخل ہوئے۔ عوام کا خیال ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر پیغمبر اسلام بے خوف جان بحالت امن و امان قیام پذیر ہو گئے۔ یہ خیال غلط ہے۔ مدینہ میں پہنچ کر پیغمبر اسلام کو مکہ سے بھی زیادہ خطرۂ جان تھا۔ ہمقتول رات دن جاگنا پڑا ہے۔ اور رسولِ خدا کی حفاظت کرنی پڑی ہے۔ ملاحظہ ہو :-

(۱) صحیح نسائی :-

کان رسول اللہ صلعم اول ما قدم المدینه لیسهر من اللیل ۔

رسول خدا جب مدینہ میں داخل ہوئے تو راتوں کو جاگ کر صبح کرتے تھے ۔

(۲) مستدرک امام حاکم :-

عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللہ صلعم واصحابه بالمدینة واوٰهم الانصار رمتهم العرب عن قوس واحدة وکانوا یبتقون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیه ۔

پیغمبر اسلام جب مدینہ میں داخل ہوئے اور انصار نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب لڑنے کو تیار ہو گیا۔ اور متحد ہو گیا۔ اہل اسلام شب و روز مسلح رہتے تھے اور مسلح ہی شب کو سوتے تھے ۔

داخلہ مدینہ سے تاقیام مدینہ علی پیغمبر کے ساتھ رہے اور ہر موقع پر نصرت کرتے رہے۔

غزوہ بدر

غزوہ بدر ۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ سنہ ۲ھ عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی اور بیٹے کو ہمراہ لیکر میدان میں آیا اور مبارز طلب ہوا۔ لشکر اسلام سے تین جوانانِ انصار۔ عوذ و معوذ بن حارث اور عبد اللہ ابن رواحہ مقابلہ کو نکلے۔ مگر عتبہ نے کہا

کہ تم ہمارے مقابلہ کے اہل نہیں ہو ہم تو اپنا کفو بنی ہاشم سے چاہتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے با لفاظ تاریخ طبری و ابن ہشام یہ الفاظ فرمائے۔

(۱) طبری ص ۱۳۱۷ :-

قم یا حمزہ بن عبد المطلب قم یا عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب قم یا علی ابن ابی طالب فلما قاموا دنو منہم قالوا من انتم قال عبیدہ، عبیدہ قال حمزہ - حمزہ قال علی - علی قالوا نعم اکفاء کرام -

پیغمبر اسلام نے حکم دیا اٹھو! حمزہ بن عبد المطلب اٹھو! عبیدہ بن حارث بن عبد المطلب۔ اٹھو! علی ابن ابی طالب۔ یہ جب سب اٹھ کر مقابل حریف ہوئے تو عتبہ نے پوچھا آپ کون لوگ ہیں۔ حمزہ نے کہا میں حمزہ ہوں۔ عبیدہ نے کہا کہ میں عبیدہ ہوں۔ علی نے کہا کہ میں علی ہوں

عتبہ نے کہا کہ بیشک آپ معززین عرب ہو اور ہمارے مقابل ہو۔

(۲) اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۲۰۶ :-

مبارزان اسلام نے اس آخری حملہ میں تقریباً ستر کفار کو قتل کیا اور ان میں سے قریب نصف تعداد کو اکیلے علی مرتضیٰ نے تہ تیغ کیا۔

(۳) سیرۃ النبوۃ حوالہ ارجح المطالب، مولفہ خواجہ عبید اللہ امرتسری :-

اسی طرح حضرت علی ایک کے بعد ایک کو قتل کرتے تھے یہاں تک کہ آپ نے نصف کو قتل کیا اور کل مقتول ۷۰ ستر تھے اور نصف اور مسلمانوں نے قتل کئے۔ یہی تعداد علامہ کمال الدین طلحہ الشافعی نے اپنی کتاب مطالب السئول میں اور علامہ محمد بن یوسف الگنجی نے کفایۃ الطالب میں بھی بتائی ہے۔

(۴) سیرۃ النبی شبلی جلد اول ص ۲۵۷ غزوہ بدر کے ہیرو (اسد اللہ الغالب) علی ابن ابی طالب ہیں۔

(۵) ارجح المطالب مطبوعہ لاہور ص ۵۵۲ منقول از امام دولابی :-

لا ینصرف حتی یفتح علیہ -

"علی کسی غزوہ سے اس وقت تک واپس نہیں آتے تھے جب تک اس کو فتح نہ کر لیں۔"

(۶) روضۃ الصفاء جلد دوم ص ۷۷ غزوہ بدر :-

الا الجملہ بقول ای سی و شش کس را مرتضیٰ علی کشت واز مخالفان هفتاد نفر کشتہ شدند۔

لشکر دشمن سے روز بدر ستر شخص قتل ہوئے تھے اور ان میں سے ۳۶ بہادران عرب کو علی مرتضیٰ نے قتل کیا تھا......

غزوہ بدر پہلا غزوہ تھا۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ عام افلاس تھا۔ اسلحہ اور سواری بھی بہت کم تھے دشمن مسلح تھے۔ حملہ آور تھے۔ تعداد بھی کئی گنا زیادہ تھی۔ ان حالات میں علی مرتضیٰ نے پیغمبر اسلام اور اسلام کی جو مدد کی اور جس طرح اپنی تیرہ سالہ عمر کا وعدہ وفا کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

(۱۰) غزوہ سویق ۲ھ میں ابوسفیان بن حرب جنگ بدر سے پسپا ہو کر بھاگا۔ اور اس نے مکہ میں عام اعلان کرادیا کہ کوئی بہادر عرب اپنے سر میں تیل نہ ڈالے، اپنی عورت سے مباشرت نہ کرے جب تک مقتولین بدر کا انتقام اہل اسلام سے نہ لے لے۔ ابوسفیان بن حرب دو سو سواروں کو ہمراہ لیکر مکہ سے نکلا۔ پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا تو آپ نے بھی دو سو مسلمانوں کو ہمراہ لیکر ان کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ جب ابوسفیان کو حملہ اسلام اور مقابلہ کی خبر پہنچی تو وہ مع اپنے رفقاء کے بھاگ گیا اور سامان رسد میں وہ سویق (ستو) ہمراہ لایا تھا تجیبں فرار کی وجہ سے وہ بوریاں چھوڑ کر بھاگا۔ اسی سویق کی بوریوں کی وجہ سے اس غزوہ کا نام غزوہ سویق ہوا ہے۔ علی مرتضیٰ بھی اس غزوہ میں موجود تھے......

(۱۱) غزوہ بنی قینقاع۔ یہودان مدینہ نے پیغمبر اسلام کے ساتھ بدعہدی کی اور اہل اسلام پر حملہ کی تیاریاں
(الف) شروع کر دیں۔ پیغمبر اسلام کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو آپ نے ابولبابہ صحابی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا اور خود لشکر اسلام کو ہمراہ لیکر روانہ ہوئے۔ اس غزوہ کی علمداری علی مرتضیٰ کو سپرد کی گئی گیارہ روز بنی قینقاع کا محاصرہ کیا گیا آخر انہوں نے دروازہ قلعہ کھولا۔ عبداللہ ابن ابی سلول کی سفارش سے ان کی جان بخشی کی گئی۔ اور ان کو جلاوطن کیا گیا۔ اور ان کے خطرہ سے مرکز اسلام مدینہ کو پاک کیا گیا۔

(ب) روضۃ الصفا صفحہ ۸۴ جلد دوم :-

گروہے گفتہ اند کہ علم را بعلی ابن ابی طالب تفویض فرمودہ۔ از مدینہ بیروں رفتہ۔

مورخین کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ غزوہ بنی قینقاع میں پیغمبر اسلام نے علی مرتضیٰ کو علم اسلام سپرد کیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

(۱۲) غزوہ احد ۳ھ :-

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۸۹ :-

ولواء مہاجر را کہ باںحضرت اختصاص داشت بعلی ابن ابی طالب تفویض فرمود۔

مہاجرین کا علم فوج جو پیغمبر اسلام کیلئے مخصوص تھا۔ وہ علی مرتضیٰ کو پیغمبر اسلام نے سپرد کیا۔

(ب) بالجملہ دراں روز زناں مشرکاں بہ پیش صفہا آمدہ دف می زدند و طبلہا فرو کوفتند و مذکار کشتگان بدر کردہ مردم خودرا بر محاربہ تحریص می کردند آنگاہ در عقب صف رفتہ بایستادند و لشکر اسلام را تیر باراں کردند و سواراں کہ برابر تیراندازاں بودند ہمہ پشت دادند طلحہ ابن طلحہ کہ علمدار کفار بود مبارز خواست شیر بیشہ علی مرتضیٰ .... روئے بدو نہادہ بیک ضرب کہ بر سرش زد طلحہ از پائے درآمد .... بعد ازاں البطاث بن شرجیل باین خدمت قیام نمود علی مرتضیٰ اورا بیاراں ملحق گردانید .... آنگاہ شریح بن قاصد متصدی این گشتہ .... زمرہ گویند کہ علی مرتضیٰ نیز اورا بقتل رسانید

مختصر یہ کہ بروز جنگ احد مشرکوں کی عورتیں صفوف لشکر کے سامنے آکر دف بجاتی تھیں اور نقارے بجاتی تھیں اور بدر کے مقتولین کا ذکر کرکے فوج کو ترغیب جنگ دلاتی تھیں جبکہ وہ صفوف کے پیچھے چلی گئیں۔ اس وقت مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ جو سوار تیراندازوں کے مقابل تھے۔ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ طلحہ ابن طلحہ کہ علمدار فوج کفار تھا۔ وہ بڑھا اور اس نے مبارز طلب کیا۔ شیر میدان جنگ علی مرتضیٰ نے اس کی جانب رخ کیا اور ایک وار شمشیر کا ایسا کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ بعد ازاں البطاث مقابلہ میں آیا علی نے اس کو بھی ٹھکانے لگایا اس کے بعد شریح آیا۔ وہ بھی بخیالِ ایک گروہ علی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

(ج) بروز جنگ احد جب لشکر اسلام کو ہزیمت و شکست فاش ہوئی اور مسلمان بھاگ گئے اور لشکر کفار نے باآواز بلند اعلان کر دیا کہ محمد قتل ہو گئے تو اس وقت علی مرتضیٰ نے حملوں پر حملے کرنے شروع کئے اور پیغمبر اسلام کو تلاش کرنا شروع کیا۔ آخر پیغمبر اسلام کو ایک گڑھے میں گرا ہوا پایا۔ علی نے جلد پیغمبر اسلام کو اس گڑھے سے باہر نکالا۔ آپ کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے علی سے ذکر کیا۔ :-

روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۹۱ :- (سوالِ رسول و جوابِ علی)

دراں حال نظر کردے علی مرتضیٰ را در پہلوے خویش ایستادہ دید۔ فرمود کہ۔ اے علی چونست کہ بدیگراں نہ پیوستی۔ قدوۃ

پیغمبر اسلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو علی کو اپنے برابر کھڑا پایا۔ فرمایا کہ اے علی کیوں تم دوسرے مفرورین کے ساتھ فرار نہ کر گئے

اولیہ جواب داد کہ۔ ان لی بک اسوۃ .... علی گفت کہ اکفر بعد الایمان

دریں اثنا طائفہ از مشرکاں متوجہ حضرت رسول شدند فرمود کہ یا علی مرا نگاہ دار حیدر کرار بضرب ذو الفقار فوج کفار را متفرق گردانید باز گروہے دیگر آہنگ مصطفی کردہ جناب ولایت مآب باز آنسرور ایشاں را مندفع ساخت .... قائلے می گفت۔ لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار۔

سید الاولیا نے جواب دیا۔ اے رسول خدا میرے لئے تو آپ کا نمونہ کافی ہے۔ اور علی نے کہا کیا میں ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیتا۔ اس کے بعد مشرکین نے رسول پر حملہ کیا۔ رسول نے فرمایا کہ اے علی مجھ کو ان کے حملہ سے بچاؤ حیدر کرار نے بمدد ذو الفقار فوج کفار کو متفرق کر دیا پھر دوسرا گروہ حملہ آور ہوا۔ علی نے ان کو بھی مار بھگایا کسی نے کہا۔ لا فتی الا علی لا سیف الا ذو الفقار۔

(س)، دراں روز ہولناک خالد بن ولید از کمین گاہ بیروں آمد و نزدیک بلشکر اسلام بانگ بر مشرکاں زد کہ بگیرید ایں شخص را کہ طالب اوئید کفار با تیر و نیزہ و شمشیر آہنگ جنگ کردند اصحاب روئے بہزیمت نہادند و در خدمت آنسرور بغیر از امیر المومنین علی و ابو دجانہ و سہیل بن حنیف و دیگرے نماند و حالت غشی بر آں حضرت طاری شدہ ....

(س)، احد کے خوفناک دن خالد بن ولید نے گھاٹی سے نکل کر حملہ کیا۔ اور مشرکین سے کہا کہ اس شخص کو پکڑ لو جس کی تم کو تلاش ہے۔ مشرکین نے تیر و نیزہ و تلوار سے شدید حملہ کیا اصحاب رسول سب بھاگ گئے خود پیغمبر اسلام میں بجز علی اور ابو دجانہ اور سہیل بن حنیف کے کوئی باقی نہ رہا اور پیغمبر اسلام پر غشی طاری ہو گئی۔ ....

دراں زماں حضرت امیر با کفار مبارزت می نمود و ابو دجانہ و سہیل بالائے سر آنسرور ایستادہ بودند و آنحضرت را محافظت می نمودند۔

اسوقت حضرت امیر (علی) کفار سے جنگ کر رہے تھے۔ ابو دجانہ و سہیل پیغمبر اسلام کے سرہانے کھڑے حفاظت کر رہے تھے۔

....

(ص)، محمد ابن اسحاق گوید کہ چند کس از مشرکاں در روز احد بدست علی بقتل آمدند یکے

(ص)، محمد ابن اسحاق کہتا ہے کہ روز احد علی کے ہاتھ سے مندرجہ ذیل افراد

طلحہ ابن ابی طلحہ و دیگرے پسرش عبداللہ
بن ابی جہل و ابن ابو الحکم و ولید بن ابی
حذیفہ و برادرش جمیل بن جمیل و ہشام بن
امیہ و عمرو بن عبداللہ جمحی و مالک بن بشیر
و صواب مولائے بنی عبدالدار حافظ ابرو
. . . . از مرفوع
بن قیس بن سعد او از پدر خویش روایت
کردہ کہ از امیر المومنین علی شنیدم کہ در
روز احد شانزدہ ضربت بمن رسید چنانچہ
از اثر آں ضربتہا بر زمیں افتادم۔

(ط) چوں معظم سپاہ اسلام روئے بانہزام
آوردند افواج لشکر کفر مانند موج دریا
متوجہ رسول خدا شدند از انجملہ قریب
پنجاہ سوار از بنی عبد مناف نزدیک بہ
حضرت رسیدہ پسرانِ صفوان عوف و
خالد و ابو العباد ابو الحمرا و شش
کس دیگر از اولاد ابو سفیان علی مرتضیٰ
این جملہ را بزخم تیغ آبدار بدار البوار
فرستاد۔

(ع) ص ۹۶ روضۃ الصفاء۔
در جنگ جنگ احد ہفتاد تن از مسلماناں
بقتل آمدند چہار تن از مہاجران و شصت
و شش تن از انصار۔

(ف) تاریخ طبری ص ۱۴۰ ،ر
وقاتل ابو دجانہ حتی امعن فی الناس وحمزۃ بن عبد المطلب وعلی ابن ابی طالب۔۔

مشرکین قتل ہوئے ۱ طلحہ بن ابی طلحہ ۲
عبداللہ بن ابی جہل ۳ ابن ابو الحکم ۴
ولید بن ابی حذیفہ ۵ اور اس کا بھائی جمیل
بن جمیل ۶ ہشام بن امیہ ۷ عمرو بن عبد اللہ
جمحی ۸ مالک بن بشیر ۹ صواب غلام عبد
الدار۔۔۔۔ مرفوع بن قیس بن سعد نے
اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ میں نے علی کی
زبانی سنا کہ فرمایا کہ روز احد سولہ تلواریں
میرے جسم پر لگیں کہ ان کے اثر سے میں زمین پر
گر پڑا

(ط) جب لشکر اسلام فرار ہو گیا اور کفر کی افواج
مثل امواج دریا کے رسول خدا کی جانب بڑھیں
ان میں سے قریب پچاس سوار جو بنی عبد مناف
سے تھے پیغمبر اسلام کے قریب پہنچ گئے صفوان
کے بیٹے عوف اور خالد و ابو العباد ابو الحمرا
اور چھ دوسرے افراد اولاد ابو سفیان سے
ان سب کو علی مرتضیٰ نے واصل جہنم کیا۔

(ع) ص ۹۶ روضۃ الصفاء۔
جنگ احد میں ۷۰ ستر افراد مسلمان مارے گئے
چار مہاجر اور ۶۶ چھیاسٹھ انصار۔

.... لمثلث فيها۔

ترجمہ:۔ ابو دجانہ نے جنگ کی حتیٰ کہ وہ فوج میں گھس گئے اور ایسے ہی حمزہ ابن عبد المطلب اور علی ابن ابی طالب مع مسلمانوں کے غنیم کی صفوں پر ٹوٹ پڑے اور خدا نے ان کی نصرت کی اور فتح کی شکل نمودار کر دی۔ ان لوگوں نے غنیم کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالا ان کی صفیں توڑ کر میدان صاف کر دیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی کفار کی شکست تھی۔

(ق)۔ سیرۃ النبی صـ ۲۷۶ :۔

علمداروں کے قتل اور حضرت علی اور حضرت ابو دجانہ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے بہادر نازنین جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔

(ک)، ابن ہشام جلد دوم صـ ۸۴ مطبوعہ مصر۔

ان عتبہ بن ابی وقاص رمی رسول اللہ .... ورفعہ

ترجمہ۔ عتبہ ابن ابی وقاص نے پیغمبر اسلام کو روز احد زخمی کیا۔ آپ کے سیدھے طرف والی دو داڑھیں ٹوٹ گئیں اور نیچے کے منہ میں زخم آیا اور عبد اللہ بن شہاب الزہری نے چہرہ نبی کو زخمی کیا اور ابن قمیہ نے آپ کے مغفر پر ضرب شمشیر لگائی کہ مغفر آہنی کے دو حلقے آپ کے چہرہ میں پیوست ہو گئے اور پیغمبر اسلام اس صدمے سے ایک گڑھے میں گر پڑے جن کو ابو عامر نے مسلمانوں کے گرانے کیلئے کھود رکھا تھا۔ فاخذ علی ابن ابی طالب بید رسول اللہ صلعم ورفعہ۔ گڑھے میں گرتے ہی پیغمبر اسلام کا دست مبارک علی مرتضیٰ نے پکڑ لیا اور ان کو اوپر اٹھایا۔ اور طلحہ بن عبد اللہ نے سہارا دیا۔ حتیٰ کہ پیغمبر اسلام سیدھے کھڑے ہو گئے۔

(ل)، سیرۃ ابن ہشام :۔

علی مرتضیٰ نے ذوالفقار جناب سیدہ کو دی کہ اس کو کفار احد کے خون سے صاف کر دیں اور فرمایا:۔

اغسلی عن هذا دمه فواللہ لقد صدقتی الیوم۔

ترجمہ:۔ اے فاطمہ ذوالفقار سے خون کفار کو دھو ڈالو۔ خدا کی قسم میں نے آج اپنے وعدہ نصرت کی تصدیق کامل کر دی۔ پیغمبر اسلام نے علی کا یہ قول سنا اور فوراً اس کی تصدیق فرمائی:۔

یا علی لئن کنت صدقت القتال لقد صدق معك سهل بن حنیف الانصاری وابو دجانہ۔

ترجمہ اے علی تم نے بیشک تصدیق قول کی جنگ کر کے مگر یقیناً تمہارے ساتھ سہل بن حنیف

اور ابودوجانہ نے بھی اپنے اقرار نصرت کی تصدیق کر دکھائی۔

نتیجہ: علی نے دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر آواز پیغمبر پر لبیک کہی تھی اور وعدہ نصرت کیا تھا۔ اس وقت علی کی عمر ۱۳ سال کی تھی۔ آج جنگ احد میں وعدہ نصرت رسول پورا کر دکھایا۔ اور پیغمبر اسلام نے اقرار فرمایا۔ کہ بیشک علی نے وعدہ نصرت کی تصدیق کر دی ہے۔

(۱۲) غزوہ حمراءالاسد۔

لشکر ابوسفیان جب مکہ واپس ہوگیا۔ تو انہوں نے کہا کہ احد میں تو ہمکو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن اب ہم کو انتقام لئے بغیر بیٹھنا باعث ننگ ہے۔ اور جب تک کہ ہم پیغمبر اسلام اور اسلام کی جڑیں نہ کاٹ ڈالیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ عکرمہ ابن ابی جہل نے اس معاملہ میں بہت کوشش شروع کی ادھر پیغمبر اسلام کی حکمت لشکری کا اقتضاء یہ ہوا کہ رعب لشکر اسلام قلوب کفار پر طاری کر دیا جائے آپ نے جنگ احد سے واپسی کے دوسرے ہی دن بلال کو حکم دیدیا کہ ندا دیدے کہ مسلمان کمر باندھ لیں اور خود لباس فوجی زیب تن کر کے باہر تشریف لے آئے۔ اور علی مرتضیٰ کو علمدار فوج بنادیا اور مقام حمراءالاسد تک کوچ کیا۔ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابوجہل اور اس کے رفقاء پر رعب اسلام چھا گیا اور وہ بغیر مقابلہ کے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ فوج دشمن کے دس افراد گرفتار ہوئے۔ شاعر ابو عزہ بھی انہیں میں تھا۔ ان کو بحکم پیغمبر اسلام قتل کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ لوگ فدیہ دیکر جنگ بدر میں رہا کئے گئے تھے۔ اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ دوبارہ مسلمانوں سے جنگ نہ کریں گے۔ چونکہ انہوں نے خلاف عہد کیا اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ لہٰذا واجب القتل قرار پائے۔

نتیجہ ۔ تاریخی عبارات ماسبق سے واضح ہوگیا کہ علی مرتضیٰ کو جنگ احد میں سولہ تلواریں لگی تھیں۔ تمام جسم زخمی تھا۔ زخموں میں ٹانکے لگے ہوئے تھے اور آپ نے لشکر اسلام کے فرار کے بعد پیغمبر اسلام کی جان بھی بچائی تھی۔ حفاظت بھی کی تھی اور تنہا شکست احد کو فتح احد بنادیا تھا۔ ان حالات میں واپسی کے دوسرے ہی دن پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ پھر غزوہ حمراءالاسد پر روانہ ہوں ۔ اور علمدار فوج بنادیا اور علی نے یہ سب کام بطیب خاطر اور بخوشی دل انجام دیئے۔ یہی وہ وعدۂ طفلی کا ایفا تھا۔ جو دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر علی نے پیغمبر اسلام سے کیا تھا۔

۱۳ فوج اسلام نے سنہ ھ میں قلعہ بنی نضیر کا محاصرہ کر لیا۔ حالت محاصرہ میں بوقت شب ایک شخص موسوم بہ عزوہ بن انیس یا غرور خیمہ رسول کے قریب آیا اور اس نے ایک تیر خیمہ رسول پر لگایا۔ خیمہ شگافتہ ہوگیا۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ اس خیمہ کو دوسری جگہ نصب کر دیں۔ اسی اثناء میں اسی شب

پیغمبر اسلام کو اطلاع دیگئی کہ لشکر میں علی ابن ابی طالب موجود نہیں ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ علی ضرور کسی خاص مقصد کیلئے کہیں گئے ہوں گے۔ رات زیادہ گذر گئی علی واپس نہیں آئے۔ آخر شب میں علی مرتضیٰ حاضر خدمتِ پیغمبر ہوئے اور اس یہودی موسوم غزور کا سر قدم رسول پر ڈال دیا۔ پیغمبر اسلام نے دریافت کیا کہ اے علی یہ کیا واقعہ ہوا ہے۔ آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب مغرور نے آپ کے خیمہ کے سامنے گستاخی کی تو میں اس کی تلاش میں رہا۔ شب کو وہ پھر نو (۹) افراد کو ہمراہ لیکر نکلا تاکہ اہل اسلام میں سے جس کسی کو غافل پائے قتل کردے۔ میں نے قلعہ کے قریب اس کا انتظار کیا۔ جب وہ اپنے (۹) نو رفقا کو ہمراہ لیکر نکلا میں نے حملہ کیا اور غزور کا سر قلم کر کے حاضر خدمت کیا اگر حکم ہو تو باقی اس کے رفقاء کے سروں کو بھی پیش کر دیا جائے۔ پیغمبر اسلام یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور آپ نے علی کے ہمراہ دس افراد کر دیئے۔ علی نے رفقاء غزور کا تعاقب کیا در قلعہ پر پایا سب کا سر قلم کر کے در قلعہ پر لٹکا دیا۔ (روضۃ الصفا و مدارج النبو

(۱۴۴) سنہ ۴ھ غزوہ بدر صغریٰ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۱۱ :-

ابوسفیان بن حرب جنگ احد سے واپس گیا۔ مگر اپنی خجالت مٹانے کیلئے اپنے ہموطنوں سے کہا میں نے محمد سے کہدیا کہ سال آئندہ استیصال مدینہ و اسلام کرنے کیلئے پھر آؤنگا۔ جب وقت مقررہ آیا تو ابوسفیان کی ہمت نہ ہوئی۔ کہ وہ مقابلہ اسلام کیلئے مدینہ پر چڑھائی کرے۔ لہٰذا اس نے نعیم بن مسعود اشجعی جو بارادہ عمرہ مکہ آیا ہوا تھا سے ملاقات کی اور کہا کہ میں اعلیٰ قسم کے بیس اونٹ جن کی عمر تین سال کی ہو گی تم کو دوں گا۔ تم مدینہ جاکر یہ کہدو کہ لشکر قریش بڑی تعداد میں مدینہ پر حملہ کرنے والا ہے۔ اور لشکر اسلام پر ہمارا رعب طاری کر دو۔ اس سال بوجہ قحط سالی کے ہم لوگ حملہ نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر تمہارے ایسا کہنے سے ہمارا رعب قائم رہے گا۔ اور لشکر اسلام مدینہ سے باہر نہ آئے گا نعیم حسب وعدہ مدینہ پہنچا اور اس نے لشکر اسلام کو مرعوب اور خوفزدہ کر دیا۔ بالفاظ صاحب روضۃ الصفا:-

"چنانچہ حضرت گماں شد کہ ہیچکس انتیاد آں غزوہ نخواہد نمود۔ پیغمبر اسلام کو گمان ہو گیا کہ کوئی مسلمان بھی اس غزوہ میں شرکت نہ کرے گا۔ عجیب حالت یاس لشکر اسلام پر چھا گئی۔ مجبور ہو کر پیغمبر اسلام نے فرمایا۔

فرمود بآنخدائی کہ نفس من در قبضہ قدرت اوست بیرون روم اگرچہ احدے بامن موافقت ننماید

فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں مقابلہ لشکر قریش کیلئے باہر نکلوں گا

اگرچہ میرے ساتھ کوئی ایک شخص بھی نہ جائے۔

اس کے بعد لشکر اسلام کی ڈھارس بندھی۔ خاص اصحاب نصرت و رفاقت کیلئے تیار ہو گئے۔ پیغمبر اسلام نے اپنا نشان و علم فوج علی مرتضیٰ کے سپرد کیا۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے:۔

"حضرت مقدس نبوی رایت نصرت خود بہ علی مرتضیٰ دادہ با ہزار و پانصد کس از شجاعان از مدینہ بیروں آمدند"

"پیغمبر اسلام نے اپنے علم کو علی کے سپرد کیا اور پندرہ سو بہادران اسلام روانہ ہوئے۔"

ابو سفیان دو ہزار کا لشکر مسلح لیکر مکہ سے نکلا اور وادی الظہران تک آیا۔ اور اپنے رفقاء سے کہا کہ چونکہ اس سال قحط سخت ہے۔ لہٰذا یہیں سے واپس چلو۔ اہل اسلام سے ان کا مقابلہ نہ ہو سکا اور وہ سب مکہ واپس چلے گئے۔

(۱۵) ۵ھ غزوہ بنی مصطلق۔ حارث بن ضرار سردار بنی مصطلق نے۔ لشکر جرار اسلحہ بیشمار جمع کیا اور مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ پیغمبر اسلام کو جب معلوم ہوا تو آپ نے لشکر اسلام کو ترتیب دیا اور علم لشکر مہاجرین علی ابن ابی طالب کو دیا اور علم انصار سعد بن عبادہ کے سپرد کیا جنگ ہوئی اور فتح اسلام کی ہوئی۔ اس غزوہ میں بھی علی کے ذمہ اہم ترین خدمت جنگ تھی۔ اور وہ علمداری فوج اسلام تھی

(۱۶) دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست — در پریشاں حالی و درماندگی !!! (سعدیؒ)

دوستانِ ہم نوالہ تو بہت ملجاتے ہیں۔ مگر دوستانِ صادق کا وجود بہت کم ہے۔ علی پیغمبر اسلام کی نصرت و مدد کا وعدہ بعمر ۱۳ سال بموقع دعوت ذوالعشیرہ کر چکے تھے۔ یہ مدد اگر میدانِ رزم ہی میں ہوتی تو ناقص رہتی۔ مدد و نصرت کامل تو وہ ہے جو رزم و بزم دونوں مواقع پر کی جائے مندرجہ ذیل واقع کوئی واقعہ رزم نہیں ہے۔ مگر معاملہ اہم ہے۔ ناموس پیغمبر کا معاملہ ہے لہٰذا علی نے اس موقع پر بھی بطور خاص پیغمبر اسلام کی مدد کی ہے۔

نصرت رسول (واقعہ افک)

۵ھ کا واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام جب غزوہ بنی مصطلق سے واپس ہو رہے تھے۔ کہ اثنائے راہ میں زوجہ رسول عائشہ عقب لشکر میں رہ گئیں اور تا صبح تنہا اس صحرا لق و دق میں سوتی رہیں۔ صبح کو صفوان بن معطل سلمی وہاں پہنچا۔ اس نے عائشہ کو وہاں تنہا دیکھا۔ تو کلمہ انا للہ و انا الیہ راجعون زبان پر جاری کیا۔ صفوان کی آواز سے عائشہ کی آنکھ کھل گئی۔ صفوان نے زوجہ نبی کو اپنے ناقہ پر بٹھایا اور لشکر اسلام تک جو قریب مدینہ پہنچ چکا تھا۔ پہنچا دیا۔

عبداللہ ابن ابی سلول سرگروہ منافقین اور حسان بن ثابت و مسطح بن اثاثہ وغیرہ نے شکوک افک ظاہر کیئے اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں زوجہ نبی کے متعلق مشہور ہوگیئں۔ مدینہ پہنچ کر پیغمبر اسلام نے گوشہ عزلت اختیار فرمایا۔ اور سخت ملول و رنجیدہ رہنے لگے۔ اور منافقین اور بعض مسلمین نے اس واقعہ افک کو داستانِ رنگین بنا دیا۔

پیغمبر اسلام کی ناموس کا معاملہ تھا۔ اور رسوائی و بدنامی عام ہو چکی تھی مشکل کشائے دو جہان علی مرتضیٰ خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر اسلام سے وجہ ملال دریافت فرمائی پیغمبر اسلام نے وجہ غم و اندوہ کو بیان فرمایا۔ علی نے پیغمبر اسلام کی مدد اور نصرت اس موقع پر اس طرح کی کہ پیغمبر اسلام کو اطمینان خاطر حاصل ہوگیا۔

ملاحظہ فرمائیے روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۰۵ پر

(۱) علی ابن ابی طالب در آمد حضرت مقدس نبوی کلام سابق را اعادہ فرمود علی مرتضیٰ گفت کہ ایں حدیث افتراء و بہتان و از جملہ اکاذیب منافقاں است۔	علی ابن ابی طالب داخل بارگاہ نبوت ہوئے تو پیغمبر اسلام نے واقعہ سابق کو بیان فرمایا علی نے عرض کیا اے خدا کے رسول یہ ذکر و بیان صرف منافقین کا جھوٹ اور بہتان ہے

اس کے بعد علی نے عرض کیا کہ میرے اس قول کی تصدیق اور تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ میں ایک دن آپ کے ساتھ باجماعت نماز میں مشغول تھا کہ آپ نے دوران نماز اپنی نعلین کو اپنے پاؤں سے اتار دیا۔ اور ہم نے بھی اپنا جوتا اتار دیا۔ جب آپ نے نماز سے فراغت پائی تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ تم نے اپنے پیروں سے جوتا کیوں اتار دیا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ کی پیروی و تاسی میں ایسا کیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ "حالت نماز میں جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ اے رسول اللہ آپ کی نعلین بیرون نمازہیں۔"

لہٰذا جب خدائے قدیر و توانا آپ کو پیروں کے جوتے کے بارے میں خبردار و آگاہ کرتا ہے تو پھر وہ آپ کی زوجہ کے اس معاملہ اہم کے بارہ میں کیونکر خبردار نہ کرے گا۔ آپ کامل اطمینان رکھیں خداوند عالم ضرور پاکدامنی عائشہ کو ظاہر فرمادے گا۔"

پیغمبر اسلام علی کے اس قول سے مطمئن ہوئے اور مسرور ہوئے اور آپ مکان عائشہ کی طرف تشریف لے گئے حالانکہ آپ نے ایک ماہ سے خانہ عائشہ میں جانا اور بات کرنا بند کر دیا تھا۔

اس کے بعد پاکدامنی عائشہ کی تصدیق آیت قرآنی نے کی۔

(۱۷) نصرت رسول بواقعہ جنگ خندق

غزوہ خندق یا احزاب تاریخ اسلام کا مشہور ترین واقعہ ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔ مختصراً اتنا لکھا جاتا ہے کہ اس واقعہ تاریخ کے ہیرو اور اس جنگ کے فاتح اعظم علی ابن ابی طالب تھے۔ اور آپ نے حسب وعدہ طفلی اس موقع پر بھی پیغمبر اسلام کی نصرت و دین اسلام کی حمایت اعلیٰ انداز میں ادا کی مختصراً چند حوالہ جات تاریخی ملاحظہ ہوں۔

(۱) لشکر کفارِ عرب نے جب مدینہ کو گھیر لیا اور مجبور ہو کر قوت مقابلہ نہ دیکھتے ہوئے پیغمبر اسلام نے گرد مدینہ خندق عمیق کھودی اور کھدوائی تو علی نے اس خندق کے کھودنے میں سب سے زیادہ کارنمایاں کیا....

(۲) جب عمرو ابن عبدود جو عرب کا مشہور بہادر ترین جنگجو تھا معہ چند دیگر بہادران عرب کے خندق کے پار آگیا اور اس نے خیمہ رسول پر نیزہ مار کر کہا کہ کیا اسلام میں کوئی مرد نہیں ہے جو میرے مقابلہ کو آئے تو اس کے ایسے طنزیہ کلام کو بھی لشکر اسلام ہضم کر گیا۔ تو ایسے اہم نازک ترین موقع پر علی نے پیغمبر اسلام سے اجازت جنگ لی اور شدید جنگ کے بعد عمرو ابن عبدود کا سر کاٹ کر پلٹے اقدس نبوی پر ڈال دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل سطور مندرجہ میں ملاحظہ کیجئے۔

(۱) روضۃ الصفا صفحہ ۱۱۰ جلد دوم واقعہ غزوہ خندق :-

چوں امیرالمومنین علی بخدمت رسول آمد ابوبکر و عمر برخواستند و سر اورا بوسہ دادند۔

جب علی خدمت پیغمبر میں حاضر ہوئے تو ابوبکر و عمر نے اٹھ کر پیشانی علی کا بوسہ لیا۔ اور پیغمبر اسلام نے علی کی شان میں حدیث فرمائی۔

رسول اللہ صلعم در شان اسد اللہ فرمود مبارزۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامہ

علی کی جنگ بروز جنگ خندق میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے۔

(۲) جنگ خندق میں حملہ آور فوج کی تعداد (۲۴) چوبیس ہزار تھی۔ اور اس نے مدینہ کو گھیر لیا تھا اور مدینہ اور اہل اسلام کے فنا کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر علی ابن ابی طالب کی تنہا جوانمردی و شجاعت و نصرت سے فتح اسلام کو حاصل ہوئی۔

(۱۸) نصرتِ رسول بہ غزوہ بنی قریظہ

۲۳ ذیقعدہ ۵ھ کو جنگ خندق فتح ہوئی

۲۳ ذیقعدہ کو پیغمبر اسلام مدینہ پہنچے۔ اس کے بعد فوراً ہی پیغمبر اسلام سلاح جنگ سے آراستہ ہو کر باہر تشریف لائے اور فوج کو حکم دیدیا۔

(۱) ارکبوا یا خیل اللہ۔ اے گروہ خدا سوار ہو جاؤ۔ حکم کی دیر تھی مجاہدین اسلام پھر کمریں کس کر تیار ہو گئے پیغمبر اسلام نے علی ابن ابی طالب کو علمدار و سردار لشکرِ اسلام بنا کر فوجِ اسلامی کے ساتھ آگے بھیجدیا اور بقیہ فوج اسلامی کو ہمراہ لیکر آپ بعد کو روانہ ہوئے۔ علی جب بنی قریظہ کے قلعوں کے پاس پہنچے تو آپ نے علم اسلام کو نصب کر دیا۔ ایک مہینہ تک قلعہ بنی قریظہ کا محاصرہ رہا۔ (طبری)

آخر بنی قریظہ کو ان کی شرارتوں کا بدلہ دیا گیا اور ان کو مطابق حکم سعد بن معاذ قتل کر دیا گیا۔

(۲) روضۃ الصفا جلد دوم واقعہ بنی قریظہ:-

و علی ابن ابی طالب را طلبیدہ لوا را بدست او داد با طائفہ از مہاجران در مقدمہ فرستاد و صحابہ عظام را فوج از عقب او روانہ ساخت۔

پیغمبر اسلام نے علی کو بلا کر علم اسلامی انکو عطا فرمایا اور ایک لشکر مہاجرین کو ساتھ کر دیا۔ اور پہلے روانہ کر دیا۔ بعد کو اصحاب عظام کو گروہ در گروہ علی کے عقب میں روانہ کیا۔

(۳) چو علی مرتضیٰ بپائے قلعہ بنی قریظہ رسید علم را بر زمین نصب کرد۔

جب علی مرتضیٰ قلعہ بنی قریظہ کے سامنے پہنچے تو آپنے علم اسلام کو زمین پر نصب کر دیا۔

(۴) رسول خدا فرمود تا در موضع مناسب خندقے کنند و فوج از خانہ اسامہ بیروں آوردہ علی مرتضیٰ و زبیر بفرمودہ حضرت رسول بضرب اعناق ایشاں می پرداختند۔

رسول خدا نے فرمایا کہ ایک مناسب جگہ خندق کھود دیں اور بنی قریظہ کے افراد کو گروہ گروہ اسامہ کے گھر سے لاتے تھے اور علی مرتضیٰ اور زبیر مطابق حکم رسول انکی گردن مارتے تھے۔

(۱۹) نصرت رسول بموقعہ مہم بنی سعد

سنہ ۶ھ میں پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ قبیلہ بنی سعد دیگر قبائل کو جمع کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اہل خیبر کی مدد کریں اور متفق ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہوں۔ پیغمبر اسلام نے علی ابن ابی طالب کو علم اسلام دیکر روانہ فرمایا۔ اور سو افراد لشکر اسلامی کے ہمراہ کئے۔ علی ابن ابی طالب نے یکایک بنو سعد پر حملہ کیا۔ وہ بھاگ گئے اور کثیر مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ علی نے خمس نکال کر باقی اموال کو مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔

صاحب روضۃ الصفا نے مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:-

(۱) علی ابن ابی طالب را باصد کس بقبیلہ بنی سعد کہ بجانب فدک بودند فرستاد ....
پیغمبر اسلام نے علی ابن ابی طالب کو ایک سو سپاہی دیکر قبیلہ بنی سعد جو جانب فدک رہتے تھے کی طرف بھیج دیا ...

(۲۰) نصرتِ اسلام بہ موقع صلح حدیبیہ تحریر عہد نامہ

دعوت ذو العشیرہ میں علی نے نصرت و حمایتِ پیغمبر اسلام کا اعلان کر دیا تھا اور تصدیق توحید و رسالت کی تھی عہد و پیمان پر باقی رہنا اصل مردانگی ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ایسا وقت آگیا کہ اس عہد و پیمان میں نقص واقع ہونے کا امکان پیدا ہو گیا اگر اس موقع پر علی کے علاوہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو ضرور اس سے نقص عہد عمل میں آجاتا۔ موقع کی نزاکت اور اہمیت ملاحظہ ہو

(ا) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۲۲ ۔
پیغمبر اسلام عمرہ خانہ کعبہ کیلئے تشریف لے گئے۔ مشرکین مکہ مانع ہوئے آخر نوبت صلح نامہ تک پہنچی پیغمبر اسلام کی جانب سے عہد نامہ لکھا گیا۔ اس عہد نامہ میں لکھا گیا۔
روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۲۳ ۔

(ا) رسول اللہ فرمود کہ اے علی بنویس کہ بسمک اللھم ھذا ما قضی علیہ محمد رسول اللہ وعلی آنرا نوشت

پیغمبر اسلام نے فرمایا اے علی لکھو شروع کرتا ہوں اے خدا تیرے نام سے۔ یہ معاہدہ کیا گیا من جانب محمد رسول اللہ کے۔ علی نے اس عبارت کو لکھدیا۔

(ب) سہیل گفت ما اعتراف بہ رسالت تو نداریم۔

(ب) سہیل بن عمرو نے اعتراض کیا کہ اے محمد ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔

(ج) رسول فرمود اے علی رسول را حک ساز و بجائے وے بنویس کہ ابن عبد اللہ۔ چوں حضرت رسول مرتضی علی را بحک لفظ رسول اللہ امر فرمود علی گفت لا واللہ من لفظ رسالت ترا محو نگرد انم۔

(ج) پیغمبر اسلام نے فرمایا اے علی لفظ رسول کو مٹا دو اور اسکی جگہ ابن عبد اللہ لکھدو۔ جب پیغمبر اسلام نے علی مرتضی کو لفظ رسول کے مٹا دینے کا حکم دیا تو علی نے عرض کیا خدا کی قسم میں لفظ رسالت کو نہیں مٹاؤں گا۔

(د) سہیل بن عمرو گفت اے علی رسول اللہ را محو کن والا من ازیں مصالحت

(د) سہیل بن عمرو نے کہا اے علی لفظ

بیزارم وامیر المومنین صلحنامہ از دست انداختہ میل کرد کہ شمشیر از غلاف بیرون آورد حضرت رسول فرمود بگذار اے علی (س) امیر المومنین علی گفت یا رسول اللہ مراعات وتعظیم تو مانع آید کہ ایں کلمہ محو کنم بالجملہ حضرت مصطفیٰ صحیفہ را گرفت ولفظ رسول را محو فرمود۔

رسول اللہ کو مٹا دو ورنہ میں اس صلحنامہ پر راضی نہیں ہوں۔ اور اس سے بیزار ہوں۔ علی نے کاغذ صلحنامہ کو اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور ارادہ کیا کہ اپنی تلوار نیام سے باہر کھینچ لیں پیغمبر اسلام نے فرمایا اے علی سہیل کو چھوڑ دو (س) امیر المومنین علی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی تعظیم اور آپ کا احترام مجھ کو مانع ہے کہ میں لفظِ رسول کو مٹا دوں۔ آخر کار پیغمبر اسلام نے صحیفہ اپنے ہاتھ میں لیا اور لفظ رسول کو مٹا دیا۔

بادی النظر میں معاملہ معمولی ہے کہ پیغمبر اسلام نے علی کو حکم دیا کہ محمد کے نام سے رسول اللہ کا لفظ محو کر دیا جائے بات کچھ دشوار نہ تھی۔ اگر بجائے علی کے کسی دوسرے صحابی کو ایسا حکم دیا جاتا تو بیشک وہ یہ عمل کرتا کہ لفظ رسول کو محمد کے ساتھ سے مٹا دیتا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کہ ہر حالت میں پیغمبر اسلام کا حکم قابلِ عمل ہی تھا۔ مگر علی کیلئے یہ کام ناممکن تھا۔ کیونکہ تعلیم رسول اور تعلیم قرآن یہ تھی کہ خلاف معاہدہ نہ کیا جائے۔ علی پیغمبر اسلام سے موقعہ دعوت ذوالعشیرہ پر عہد و پیمان کر چکے تھے۔ کہ وہ رسول خدا کی تا دم آخر نصرت و حمایت کریں گے۔ اگر آج لفظ رسول اللہ کو محمد کے نام سے محو کر دیتے تو پھر عہد نصرت ہی ختم ہو جاتا۔ بلکہ یہ فعل علی بجائے نصرت کے منافی نصرت ہو جاتا علی نے مودبانہ خدمت پیغمبر اسلام میں عرض کیا۔ کہ اگر آپ کا پاس و احترام نہ ہوتا۔ تو تعمیل ارشاد کر دیتا بات صحیح تھی اور معقول تھی۔ پیغمبر اسلام کو بھی غالباً یاد آگیا ہو گا کہ علی تو بعمر ۱۳ تیرہ سال بموقع دعوتِ ذوالعشیرہ ہم عہد و پیماں کر چکے ہیں۔ کہ وہ رسولِ خدا کی تادم آخر نصرت کریں گے۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اپنے ہی زبان وقلم سے اپنے عہد کو توڑ دیں۔ لہٰذا موقعہ کی نزاکت و اہمیت کو خیال میں لاتے ہوئے اور عذر علی کو قابل قبول سمجھتے ہوئے پیغمبر اسلام نے اپنے دست مبارک سے ہی لفظ رسول اللہ کو محمد کے ساتھ سے مٹا دیا۔ اور اس طرح سہیل بن عمرو نمائندہ صلح حدیبیہ کی شرط کو پورا کر دیا۔

نصرتِ اسلام جنگ خیبر ۷ھ

غزوہ خیبر پیغمبر اسلام کے تمام غزوات میں سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ آپ کو مندرجہ ذیل تاریخی عبارات سے ہو گا۔

(۱) روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ ۔

(و) لیکن ہر روز . . . . رایت نصرت آیت بدست یکے از اصحاب دادہ بجنگ می فرستاد و چوں آں قلعہ بود در غایت حصانت و نہایت رصانت زیادہ کارے از پیش نمی رفت واز مویدات زیں منقال آنکہ روزے فاروق اعظم متصدی امر مجاز گشت و علم برداشتہ با طائفہ از حامیان بیضہ اسلام بپائے قلعہ اہل شرک و ظلام رفت وہر چند دست و پائے زد چہرہ فتح در آئینہ مراد روئے ننمود ۔ در روز دیگر صدیق اکبر رایت بہ گرفتہ با جمع از شجاعان ہمنانلہ اہل ضلال شتافت و محاربات عظیم درمیان فریقین واقع شدہ بحصول مقصو باز گشت و نوبت سیوم عمر ابن الخطاب با زمرہ از اصحاب روئے بہ جنگ محصوران قلعہ قموص آوردہ کوشش بسیار نمود بدستور سابق مراجعت فرمود ۔

(ب) چوں حضرت مصطفی از خیمہ مقدس بیروں آمد ۔ فرمود علی ابن ابی طالب در کجاست مردم از ہر طرف آواز بر آوردند کہ چشم او چناں درد میکند کہ پشت پائے خود نمی بیند فرمان داد کہ او را بیاورید دست علی را گرفتہ حاضر ساختند حضرت سر او را بر ران مبارک خویش نہادہ آب دہانِ مبارک در چشمانش افگند . . . . بعد ازاں علی از زحمت

لیکن ہر روزانہ پیغمبر اسلام علم اسلام کو کسی ایک صحابی کو دیکر جنگ کیلئے روانہ فرماتے تھے ۔ مگر چونکہ وہ قلعہ نہایت مستحکم اور مسلح تھا ۔ مگر کسی صحابی کو اس پر فتح حاصل نہ ہوتی تھی اس قول کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ ایک دن فاروق اعظم عمر ابن خطاب جنگ کیلئے نکلے علم اٹھایا اور فوج اسلامی کو ساتھ لیا ۔ اور قلعہ مشرکین پر حملہ کیا ہر چند کوشش کی ۔ مگر فتح نصیب نہ ہوئی ۔ دوسرے دن صدیق اکبر ابو بکر بن قحافہ علم اسلام کو ہاتھ میں لیکر اور لشکر اسلام کو ہمراہ لیکر حملہ آور ہوئے سخت جنگ فریقین میں ہوتی رہی ۔ مگر مقصد حاصل نہ ہوا ۔ اور پھر واپس آگئے تیسرے دن عمر ابن خطاب بار دیگر لشکر اسلام کو ہمراہ لیکر محصورین قلعہ پر حملہ آور ہوئے ۔ ایک مرتبہ بہت کوشش کی مگر مثل سابق بے نیلِ مرام واپس آگئے ۔۔

ب ۔ جب پیغمبر اسلام اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے تو فرمایا ۔ علی ابن ابی طالب کہاں ہیں ۔ اصحاب نے ہر طرف سے شور مچایا کہ علی کی آنکھوں میں اتنا درد ہے کہ وہ اپنی پشت پا کو بھی دیکھنے سے معذور ہیں ۔ پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لایا جائے ۔ لوگ علی کا ہاتھ پکڑ کر خدمت پیغمبر

در درد چشم امین شد، چون علی مرتضی علی از بلیه
رمد خلاصی یافت رایت باد داد و فرمود
التفات مکن تا آن زمان که خدائے عزوعلا
خیبر را بہ دست تو مفتوح گردانند.......

(ج) علی مرتضی قدم در راهِ نهاد و نزدیک حصن
قموص رسیده در توده از سنگ نیزه فرد برد
نخستین کسیکه از حصن حصین با فوج خویش
بجنگ بیرون آمد - حارث یهودی برادر مرحب
بود در حرب آغاز کرده مسلمانان را شهید
گردانید امیرالمومنین علی متوجه حارث شده
بیک ضرب تیغ او را بدوزخ رسانید - مرحب
چون به کشته شدن برادر خویش واقف
شد با طائفه از اہل شجاعت سلاح پوشیده
بکین برادر پائے از دروازه حصار بیرون
نهاد و مرحب مبارزے بود بالا بلند و
تنومند که سنان نیزه او سه من وزن داشت
و در شجاعت و مبارزت در مردم خیبر نظیر
نداشت ....

(د) مرحب خواست که تیغ با امیرالمومنین علی زند
امیر پیشدستی نموده ذوالفقار بر سر آن
ملعون نابکار فرود آورد چنانچه از سر و خود
و دستارش گذشته بدندانہائے او رسید

(ه) امیرالمومنین ازین صورت بغایت خشمناک
شد خود را بدر حصار قموص رسانید و در
آهنین حصار را بر کند سپر خویش ساخت -

میں لائے۔ آپ نے علی کے سر کو اپنے زانوئے مبارک
پر رکھا اور اپنا لعاب دہن علی کی آنکھوں میں
ڈالا - اس کے بعد علی کو آشوب چشم سے نجات
مل گئی جب علی صحتیاب ہو گئے تو پیغمبر اسلام
نے نشانِ لشکرِ اسلام علی کو عطا فرمایا اور
حکم دیا کہ اے علی اس وقت تک واپس نہ آنا
جب تک کہ قلعہ قموص وغیرہ فتح نہ ہو جائیں

(ج) علی آگے بڑھے کچھ راستہ چلے قلعہ
قموص کے سامنے پہنچ کر سنگریزوں کے
ایک ٹیلہ پر علم اسلامی کو نصب کر دیا۔
قلعہ قموص سے سب سے پہلے جو شخص نکلا وہ
حارث برادر مرحب تھا۔ اس نے بہت مسلمانوں کو
شہید کیا اور جنگ شروع کر دی امیرالمومنین
علی نے حارث کی جانب توجہ کی اور ایک وار
شمشیر میں اس کو جہنم واصل کر دیا -
مرحب نے جب اپنے بھائی کے قتل کی خبر
سنی تو اس نے سلاحِ جنگ پہنے اور شجاعانِ
عرب کو ہمراہ لیکر اپنے بھائی کا انتقام لینے
کی غرض سے قلعہ کے دروازہ سے باہر آیا
مرحب ایک جنگجو بلند قد اور تنومند تھا اس
کے نیزہ کی سنان تین من وزنی تھی اور وہ
جنگ و شجاعت میں اہل خیبر میں لاثانی تھا۔

(د) مرحب نے چاہا کہ علی پہ تلوار مارے۔
مگر علی نے پیشدستی کر کے ذوالفقار کا وار
اس ملعون کے سر پہ کیا۔ ذوالفقار اس کے

بالجملہ چوں اہل قموص مردم سائر قلاع خیبر چناں امر غریب از امیرالمومنین حیدر مشاہدہ کردند فریاد الامان برآوردند علی ابن ابی طالب البعد از رخصت حضرت رسالت ایشاں را امان داد۔

سر اور خود اور پگڑی سے گذر کر اس کے دانتوں تک پہنچ گئی۔ ایک شخص نے گھات سے نکل کر علی پر حملہ کیا کہ سپر ہاتھ سے گر گئی علی اس صورت سے غضبناک ہوئے اور آپ در قلعہ پر پہنچے اور قلعہ کے آہنی دروازہ کو اکھاڑ کر اپنی سپر بنالیا۔ اہل خیبر و قموص نے جب علی کی یہ طاقت دیکھی۔ فریاد الامان کرنے لگے علی ابن ابی طالب نے پیغمبر اسلام سے اجازت لیکر ان کو امان دیدی۔

(س) چوں خبر فتح خیبر بسمع ہمایوں حضرت رسول رسید بغایت مسرور گشت و در حین توجہ علی بملازمت از خیمہ باستقبال او قدم مبارک بیروں نہاد و وے را در کنار گرفتہ ہر دو چشمش ببوسید و فرمود۔

قد بلغنی نبأ المشکور و صنیعت المذکور قد رضی اللہ عنک و رضیت انا عنک۔

(س) پیغمبر اسلام نے جب فتح خیبر سے اطلاع پائی تو بہت مسرور ہوئے۔ اور جب علی خدمت رسول میں حاضر ہوئے تو پیغمبر در خیمہ تک استقبال کیلئے آئے۔ علی کو گلے لگایا دونوں آنکھوں کا بوسہ لیا اور فرمایا۔ اے علی مجھ کو قابل شکر گذاری خبر اور تمہاری قابل تذکرہ سعی کی اطلاع پہنچی ہے۔ یقیناً اللہ تم سے راضی ہوا اور میں بھی تم سے راضی ہوا۔

جو تاریخی واقعات سطور بالا میں لکھے گئے ہیں۔ وہ اتنے مشہور اور متواتر ہیں کہ کتب احادیث اور کتب تاریخ میں بلا اختلاف درج ہیں۔ اسلئے مزید حوالہ جات پیش ناظرین نہیں کئے گئے۔ بہرحال غزوہ خیبر کے ہیرو صرف علی ابن ابی طالب قرار پاتے ہیں۔ اور پیغمبر اسلام نے علی کے بارہ میں جو حدیث بیان فرمائی ہے وہ اس کی مؤید ہے۔

(۲۲) نصرت اسلام واقعہ فدک

در مقصد اقصیٰ بایں عبارت مذکور است بعضے گویند کہ حضرت رسول خدا صلعم بسوئے خیبر امیرالمومنین علی را فرستاد و مصالحہ بردست امیر واقع شد بہ آں نہج کہ حضرت

معارج النبوۃ۔ ملا معین ہروی وقائع شدہ (ترجمہ) و روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۳۵ :۔ مقصد اقصیٰ میں یہ عبارت موجود ہے کہ بعض کا قول ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے سوائی خیبر میں علی کو بھیجا اور مصالحہ (فدک) علی کے ہاتھ پہ واقع ہوا۔

امیر قصد ایشاں نکند و حوائط او بخواهی از آں رسول باشد ۔

اس طور پہ کہ علی ان کو قتل نہ کریں اور علاقہ فدک خاص پیغمبر اسلام کا حق و ملکیت ہو۔

علاقہ فدک جو خاص خاصہ پیغمبر اسلام قرار پایا اس کے حصول کی تمام کوشش حضرت علی ابن ابی طالب نے کی ہے۔ لہٰذا یہ واقعہ بھی نصرت رسول کے تحت درج ہو تا ضروری تھا۔

۲۳۲۔ نصرتِ اسلام واقعہ غزوہ وادی القریٰ ۷ھ

سیرت النبی علامہ شبلی جلد اول ص ۳۶۸ :-

(۱) خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رخ کیا۔ لیکن لڑنا مقصود نہ تھا۔ مگر یہود پہلے سے تیار تھے۔ انہوں نے فوراً تیر اندازی شروع کر دی۔ آنحضرت صلعم کا ممحسن آپ کا غلام بوجھ اتار رہا تھا کہ ایک تیر آیا اور وہ جاں بحق ہوئے۔ مورخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے۔

وقد استقبلتنا یهود بالرمی ولم نکن علی تعبیة ۔

یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلانے لگے اور ہم تیار نہ تھے۔ بہر حال جنگ شروع ہوئی۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد یہود نے سپر ڈال دی اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہو گئی۔

(۲) روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۳۵ :-

شخصے از مشرکاں از صف بیروں آمدہ مبارز طلبید زبیر بہ تیغ تیز پیکر او را ریزہ ریزہ کرد . . . .

دیگرے جرأت نمودہ در میدان آمد علی در برابر او رفتہ مہم او را بتفصیل رسانید و دو کس دیگر را ابو دجانہ بقتل آورد دراں روز یازدہ نفر از مخالفان بقتل آمدند . . . .

. . . . اہل شقاق و نفاق راہ یافتہ روئے بگریز نہادند و غنیمت متکاثر بدست اہل اسلام افتاد ۔

مشرکین میں سے ایک شخص صفوف جنگ سے باہر آیا اور اس نے اپنا مقابل طلب کیا۔ زبیر نے تیغ تیز سے اس کو پارہ پارہ کر دیا۔ دوسرے نے جرأت کی اور میدان میں آیا علی اس کے مقابل گئے اور اسے داخل جہنم کیا۔ اور ابو دجانہ نے دو شخصوں کو قتل کیا وادی القریٰ کی جنگ میں مخالفین کے گیارہ افراد قتل ہوئے دوسرے دن جب سورج طلوع ہوا تو وہ شقی منافق یہودی موقعہ پاکر بھاگ نکلے اور مال کثیر اہل اسلام کے ہاتھ لگا۔

ہر دو مورخین اسلام کی عبارات سے واضح ہوا کہ غزوہ وادی القریٰ میں صفوفِ جنگ ہر دو جانب

آراستہ ہوئیں باقاعدہ جنگ شروع ہوئی اور اس جنگ میں علی ابن ابی طالب موجود تھے۔ اس غزوہ میں کل ۱۱ گیارہ افراد مخالفوں میں سے قتل ہوئے۔ دو کو زبیر نے قتل کیا دو کو ابو دجانہ نے قتل کیا باقی سات افراد کو سیاق وسباق قرینہ عبارت بتاتا ہے کہ علی نے قتل کیا۔ کیونکہ بعد کو علی مرتضیٰ میدان جنگ میں برسر پیکار تھے۔ اگر بفرض محال ایسا نہیں بھی ہے۔ تو بھی بقول صاحب روضۃ الصفا علی اس غزوہ میں شریک بھی تھے اور آپ نے ایک دشمن اسلام کو قتل بھی کیا۔ اور یہی مقصد ہے کہ حسب وعدہ دعوت ذوالعشیرہ علی نے ہر موقعہ پر نصرتِ اسلام کی ہے۔

۴۴ نصرتِ اسلام بموقعہ ذات السلاسل ۸ھ

اس سریہ کے تفصیلی حالات بسلسلہ غزوات سطور بالا میں مطالعہ کیجیئے۔

اس موقعہ پر صرف اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ یہ سریہ خاص اہمیت رکھتا تھا۔ اور بحکم پیغمبر اسلام اس سریہ میں دفع دشمنان اسلام کیلئے علی مامور کئے گئے اور علی کامیاب واپس آئے۔ اور پیغمبر اسلام نے خود اقرار فرمایا کہ خدا نے علی کے ذریعہ میری نصرت فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخی عبارات۔

(۱) حیات القلوب جلد دوم صفحہ ۸۰۹:-

پس آں شیر بیشہ شجاعت بر آں گمرہان وادی ضلالت حملہ کرد و دلیران ایشاں را بر خاک ہلاک انداخت و فرزندانِ ایشاں را اسیر کرد و اموال ایشاں را متصرف شد و بجانب مدینہ روانہ شد و چوں بشارت فتح بحضرت رسالت رسید با وجوہ صحابہ متوجہ استقبال آنحضرت شدند دو رِ یک فرسنگ مدینہ مقارن آں خورشید اوجِ رسالت و ماہ فلک امامت و ولایت واقع شد حضرت رسول بردائے مبارک غبار از چہرہ سعادت تمند زوج بتول پاک کرد و میان دو دیدہ آں نور دیدہ خود را بوسید و گریست و فرمود کہ یا علی خدا را شکر می کنم کہ بازوئے

پس شیر بیشہ شجاعت علی مرتضیٰ نے ان دشمنان اسلام و گمراہان پر حملہ کیا۔ ان کے بہادروں کو قتل کیا اور ان کے فرزندوں کو قید کر لیا ان کے اموال کو قبضہ میں کر لیا۔ اور مدینہ روانہ ہوئے۔ جب خبر بشارت فتح ذات السلاسل پیغمبر اسلام کو پہنچی تو آپ صحابہ کو ہمراہ لیکر علی کے استقبال کیلئے روانہ ہوئے اور ایک فرسخ پر جا کر شمس رسالت و قمر امامت کا قران السعدین ہوا۔ پیغمبر اسلام نے علی کے چہرے سے گرد راہ کو خود صاف کیا۔ اور علی کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں بوسہ دیا۔ اور اس کے بعد پیغمبر اسلام فرط محبت سے رونے لگے۔ اور فرمایا۔

مرا بتو محکم گردانید و پشت مرا بتو قوی گردانید۔ — اے علی میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے میرے بازوؤں کو تمہارے ذریعہ سے مضبوط کیا ہے۔ اور میری پشت کو تمہاری ذات سے قوی کیا ہے۔

(۲) منقول است کہ حضرت امیر صد و بست نفر ایشاں را بدست حق پرست خو بقتل رسانید۔ — (۲) تاریخوں میں نقل کیا گیا ہے کہ اس جنگ سلاسل میں علی نے اپنے ہاتھ سے ۱۲۰ ایکسو بیس کافروں کو داخل جہنم کیا۔

ناظرین کو معلوم ہوا کہ ۸ھ کا یہ واقعہ اور یہ جنگ بھی علی کے ہاتھوں پر فتح ہوئی ہے۔ اور پیغمبر اسلام نے اس جنگ علی کو اتنی اہمیت دی ہے کہ بعد خبر فتح آپ خود ایک فرسخ تک مدینہ سے باہر استقبال علی کیلئے گئے ہیں۔ اور علی کو اپنا قوت بازو اور علی کو اپنے لئے نصرت خدا کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ علی نے ہر موقعہ مشکل میں نصرت پیغمبر اسلام کی ہے۔ اور اپنے وعدہ نصرت بموقعہ دعوت ذوالعشیرہ کو باحسن وجوہ پورا کیا ہے۔ اس واقعہ کی شہادت خدا نے بھی سورہ والعادیات میں دی ہے۔

۲۵ نصرت اسلام فتح مکہ ۸ھ

روضۃ الصفا جلد ص ۱۴۲۔

(۱) و سہ رایت بیاراست علمے اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب داشت و رایتے زبیر بن عوام و دیگرے لسعد بن وقاص اختصاص یافتہ بود — پیغمبر اسلام جب فتح مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ تو آپ نے تین علم سجائے ایک علم علی مرتضیٰ کے ہاتھ میں دیا دوسرا زبیر کو اور تیسرا علم سعد بن وقاص کو عطا فرمایا

(۲) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۴۶

عثمان بن عفان و عبد الرحمٰن عوف گفتند کہ یا رسول اللہ از سعد ایمن نیستیم مبادا کہ بقریش آسیبے رساند۔ رسول اللہ فرمود کہ قیس بن سعد لوا را از پدر خود بستاند در بعضے روایات آمدہ کہ آنحضرت فرمود کہ علی مرتضیٰ لوا را از سعد بن عبادہ بگیرفت۔ — بوقت داخلہ مکہ عثمان بن عثمان اور عبد الرحمٰن عوف نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ اے خدا کے رسول ہم سعد کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔ شاید کہ وہ قریش سے لڑ جائے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ قیس بن سعد اپنے باپ سے علم کو لے لے۔

بعض روایات میں ہے کہ علی مرتضیٰ نے سعد سے علم کو لے لیا تھا۔

(۳) مشکلا :- تو لے آنکہ حضرت رسالت امیرالمومنین علی را فرمود تا ہبل را بنید اخت و اساف و نائلہ بشکست۔

(۴) بصحت رسیدہ کہ بتے چند بزرگ در موضع چند بلند بنفشادہ بودند کہ دست بآنہا نمی رسید۔ حضرت رسول و علی مرتضیٰ چوں بخانہ کعبہ آمدہ آں بتاں را دیدند علی بعرض رسانید کہ یا رسول اللہ پائے مبارک بر کتف من نہ و ایں بتاں را فرود آور حضرت مقدس نبوی فرمود کہ یا علی تو را طاقت ثقل نبوت نیست تو پائے بر کتف من نہ و باین امر اشتغال نما علی مرتضیٰ بموجب فرمودہ عمل نمودہ و در آنحین کہ پائے علی بر کتف رسول اللہ بود آنحضرت از وے سوال فرمود کہ اے علی خود را چگونہ میبابی گفت یا رسول اللہ چناں می بینم کہ حجب مرتفع شدہ و سر من بساق عرش رسیدہ و بہر چہ دست دراز می کنم در پنجہ تصرف من می آید آں سرور فرمود کہ اے علی رسیدی بآنچہ مطلوب تو بود۔ علی گفت آں خدا کہ تو را بحق بخلق فرستادہ کہ چناں می بینم خود را کہ اگر خواہم دست بآسماں توانم رسانید گویند چوں علی بتاں را بزمیں انداخت خود را از دوش آنحضرت بر زمیں افگندہ تبسمے

ایک قول یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے علی مرتضیٰ کو حکم دیا تو علی مرتضیٰ نے ہبل (بت) اور اساف اور نائلہ کو توڑ دیا۔

(۴) صحیح واقعہ تاریخی ہے کہ چند بت کعبہ میں بلند جگہ نصب تھے۔ ان بتوں تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ رسول خدا اور علی مرتضیٰ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو ان بتوں کو دیکھا علی نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ میری پشت پر سوار ہو جائیں۔ اور ان بتوں کو توڑ دیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے علی تم بار نبوت کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے ہو۔ بلکہ تم میری پشت پہ سوار ہو کر۔ بتوں کو توڑ دو۔ علی نے مطابق حکم عمل کیا۔ جب علی پیغمبر اسلام کے شانوں پر سوار تھے۔ تو پیغمبر اسلام نے علی سے سوال کیا کہ اے علی اپنے کو کیسا پاتے ہو؟ علی نے جواب دیا کہ میں اس وقت پردہ ہائے غیب کو اٹھا ہوا دیکھتا ہوں۔ اور میں ساق عرش تک پہنچ چکا ہوں۔ اور اس وقت ہر شے میرے قبضہ قدرت میں ہے پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے علی اب تمہارا مطلوب تم کو حاصل ہو گیا۔ علی نے عرض کیا اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ کو مخلوق کا نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اگر میں چاہوں تو اپنے

فرمود آنحضرت آں موجب خندہ پرسید جواب داد کہ جہتہ آنکہ خویش را از جائے بلند انداختم و المے بمن نہ رسید حضرت نبوی فرمود کہ اے علی چگونہ الم بتو رسد کہ محمد ترا برداشتہ بود و جبرئیل فرود آورد۔

ہاتھوں کو آسمانوں تک پہنچا دوں۔ مورخین کہتے ہیں کہ علی نے جب بتوں کو توڑ کر فراغت حاصل کر لی تو آپ نے اپنے کو پشت رسول سے نیچے گرا دیا اور آپ ہنسنے لگے۔ پیغمبر اسلام نے وجہ تبسم پوچھی تو علی نے کہا کہ میں اسلئے ہنسا کہ میں نے اپنے کو اتنی بڑی بلند جگہ سے زمین پر گرا دیا۔ مگر میرے جسم کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اے علی تم کو کیونکر تکلیف پہنچ سکتی تھی کہ تم کو بلند کرنے والا محمد تھا اور تم کو اتارنے والا جبرئیل تھا....

(مواہب لدنیہ امام قسطلانی ۲ زرقانی ۳ مسند و مناقب امام احمد بن حنبل ۴ خصائص امام نسائی ۵ جمال الدین محدث شیرازی)

(د) ابن ہشام ص ۲۱ طبری ص ۱۶۳ روضۃ الاحباب ص ۴۳۶ اسوۃ الرسول ص ۱۶۴ جلد دوم۔

فقال رسول صلعم بعلی ابن ابی طالب ادرکہ فخذ الرایۃ منہ فکن انت الذی تدخل بھا۔

داخلہ مکہ کے وقت پیغمبر اسلام نے علی سے فرمایا اے علی سعد سے علم اسلام لے لو اور اس علم کو لیکر شہر مکہ میں داخل ہو۔

خلاصہ عبارات تاریخی :۔

(۱) فتح مکہ میں علمدار لشکر اسلام پیغمبر اسلام نے علی کو بنایا۔

(۲) خانہ کعبہ کے بتوں کو علی نے توڑا اور دوش پیغمبر پر بحکم پیغمبر سوار ہو کر بت شکنی فرمائی۔

(۳) پیغمبر اسلام نے بت شکنی کے بعد علی سے فرمایا کہ اے علی اب تمہارا مطلوب حاصل ہو گیا۔ یعنی ولایت حقہ کے منجانب خدا تم مالک ہو گئے۔

غزوہ حنین ۸ھ

اس غزوہ کے تاریخی حالات ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس کی اہمیت کا اندازہ کیجئے اور پھر نصرت اسلام اور وعدہ علی ابن ابی طالب کا ایفا ملاحظہ کیجئے۔

(۱) روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۵۲ :۔

بالجملہ سی ہزار مرد بر محاربہ حضرت مقدس

مختصر یہ کہ تیس ہزار دشمنان اسلام پیغمبر

(۲) نبوی اتفاق نمودند- چوں حضرت مقدس نبوی از توجہ مخالفاں آگاہی یافت . . . بہ روایتے با شانزدہ ہزار رو بحنین نہاد . . .

(۳) گویند صدیق اکبر بعد از ملاحظہ کثرت لشکر اسلام امروز گفت ما از قلت سپاہ مغلوب نخواہیم شد- بالجملہ ایں حدیث را حضرت مقدس نبوی شنیدہ مکروہ داشت و خدا عزوعلا بواسطہ ایں سخن در مبداء حال لشکر اسلام را منہزم گردانید-

(۴) پیغمبر تعبیہ سپاہ اسلام پرداختہ . . . . . لوائے دیگر بعلی مرتضیٰ سپرد-

(۵) انہزام سپاہ (اسلام) بمرتبہ رسید کہ بیش از معدودے چند پیش حضرت رسول نماندند از جملہ دلاوراں کہ ثبات قدم نمودند علی بود و عباس و عبداللہ مسعود ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب و اولاد جعفر و ربیعہ و پسران عباس قثم و فضل و اسامہ بن زید و برادرش و برادر مادر او ام ایمن-

(۶) امیرالمومنین علی بموجب فرمان یک کف خاک برگرفتہ بسرور عالمیاں داد . . . . و آیہ کریمہ و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ولیبلی المومنین منہ بلاء حسنا ط ناظر بایں قصہ است-

اسلام سے جنگ پر آمادہ ہو گئے- (۲) جب پیغمبر اسلام کو ارادہ فوج دشمن کی خبر ہوئی تو آپ ۱۶ سولہ ہزار لشکر اسلام لیکر حنین کی طرف بڑھے-

(۳) صدیق اکبر ابوبکر بن قحافہ نے جب یہ کثرت لشکر اسلام دیکھی تو کہا کہ اب ہم کمی فوج کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے جب پیغمبر اسلام نے یہ الفاظ سنے تو آپ کو ناگوار خاطر ہوا- اور خداوند تعالیٰ نے ان الفاظ کی وجہ سے ابتدا میں لشکر اسلام کو شکست دلوادی-

(۴) پیغمبر اسلام نے لشکر اسلام کی ترتیب کے بعد علم تقسیم کئے اور دوسرا علم علی مرتضیٰ کو دیا-

(۵) لشکر اسلام ایسا بھاگا کہ پیغمبر اسلام کے پاس چند حضرات کے علاوہ کوئی نہ رہا جو بہادر کہ خدمت پیغمبر میں تھے ان میں علی دوم عباس سوم عبداللہ ابن مسعود چہارم ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب پنجم اولاد جعفر- ربیعہ پسران عباس قثم و فضل و اسامہ اس کے بھائی اس کی ماں کا بھائی-

(۶) جب لشکر دشمن کی طرف کنکریاں پھینکی جائیں تو علی نے ایک مٹھی مٹی پیغمبر اسلام کو اٹھا کر دی اور آیہ کریمہ و ما رمیت اذ

(۷) در وادی حنین شخصے از مشرکان ابو جرول نام بر اشترے سوار روئے بر مسلمانان نہاد ....

ہیچ کس از مبارزان عرب پائے در معرکہ او نہ نہادے - ایں ابو جرول از تہور و غرور رجزے می خواند و مبارزے می طلبید۔ اصحاب نصرت انتساب در محاربہ او توقف می نمودند کہ ناگاہ شیر بیشہ ہیجا و ابن عم مصطفیٰ متوجہ ابو جرول شد و بزخم تیغ آبدار دمار از روزگار مدبر خاکسار بر آورد ....

و ہفتاد کس از مخالفان بدوزخ رفتند و ہوازان و ثقیف با قبح وجہے روئے از معرکہ بر تافتند - دراں روز شش ہزار بردہ و بیست و چہار ہزار شتر و چہل ہزار اوقیہ نقرہ و زیادہ از چہل ہزار گوسفند بدست ارباب توحید و عرفان افتاد -

رمیت الخ اسی واقعہ کی تصدیق کرتی ہے

(۷) جنگ حنین کے دن میدان جنگ میں ایک شخص ابو جہرول نامی مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ وہ شخص اتنا بہادر تھا کہ عرب کا کوئی بہادر اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ ابو جہرول نے باندازِ غرور و تہور رجز پڑھنا شروع کیا اور اپنا مقابل لشکر اسلام سے طلب کیا۔ اصحاب پیغمبر اسلام اس کے مقابلہ سے جی چرا رہے تھے کہ یکایک شیر بیشہ جنگ برادر محمد مصطفیٰ علی مرتضیٰ ابو جہرول کی طرف جھپٹے اور شمشیر آبدار کے پہلے ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ جنگ حنین میں ۷۰ ستر افراد مشرکین کے مارے گئے باقی میدان سے بھاگ نکلے اس روز چھ ہزار غلام، چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار اوقیہ چاندی، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اہل اسلام کو بطور مالِ غنیمت کے حاصل ہوئیں۔

(۸) علامہ شبلی سیرۃ النبی جلد اول ص۳۶۲:۔
فتح کے بجائے دہلہ اول میں مطلع صاف تھا رسول اللہ صلعم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے کوئی بھی پہلو میں نہیں تھا۔ حضرت ابو قتادہ جو شریک جنگ تھے کا بیان ہے کہ اس اثناء میں میں نے حضرت عمر کو دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔ ....

صحیح بخاری میں ہے فادبروا حتی بقی وحدہ سب لوگ نکل گئے (بھاگ گئے) اور آنحضرت صلعم اکیلے رہ گئے۔ تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ اور بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئیں جتیں مگر ایک

پیکر مقدس پا بر جا تھا۔

(۹) کنزل العمال :-

اخرج ابن عساکر عن حسین ابن علی قال کان فمن ثبت مع رسول اللہ صلعم یوم حنین العباس و علی ابن ابی طالب و ابو سفیان بن حارث و عقیل ابن ابی طالب و عبد اللہ بن زبیر و زبیر ابن العوام و اسامہ بن زید بن حارثہ۔

ابن عساکر نے حسین ابن علی سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا بروز جنگ حنین جو لوگ پیغمبر اسلام کے ساتھ ثابت قدم رہے ان میں عباس و علی ابن ابی طالب ابو سفیان بن حارث اور عقیل ابن ابی طالب، عبد اللہ ابن زبیر ابن العوام اور اسامہ بن زید بن حارثہ تھے۔

(۱۰) طبری و ابن ہشام ص ۱۶۶۴ :-

عن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال بینا ذلک الرجل من ھوازن صاحب الرایۃ علی جملہ یصنع ما یصنع اذ ھوی لہ علی ابن ابی طالب رضوان اللہ علیہ و رجل من الانصار یریدانہ قال فیاتیہ علی ابن ابی طالب من خلفہ فضرب عرقوبی الجمل موقع علی عجزہ و وثب الانصاری علی الرجل فضربہ ضربۃ اطن قدمہ بنصف ساقہ فانجعف عن رجلہ واجتلد الناس فواللہ ما رجعت راجعۃ الناس من ھزیمتھم حتی وجد

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ ہم پر اس وقت قوم ہوازن کا علمدار سخت حملے کر رہا تھا اور جو جو نقصان وہ کر رہا تھا۔ وہ ہمکو معلوم تھا۔ کہ اتنے میں علی مرتضیٰ اس پر جھپٹے اور ایک انصاری بھی چلا۔ علی مرتضیٰ نے اس کے اونٹ کی پچھلی ٹانگیں کاٹ دیں وہ آگے جھکا مرد انصاری نے ایک وار شمشیر کیا جس کو نصف ٹانگیں کٹ گئیں وہ گر پڑا پھر تو اہل اسلام میں بہادری پیدا ہو گئی اور فوج مخالف میں بھگدڑ پڑ گئی۔ پھر یہ دیکھا گیا کہ پیغمبر اسلام کے سامنے سب دشمن مقید رسن بستہ کھڑے ہوئے ہیں

الاسارى متكفين عند رسول الله

صلعم۔

مندرجہ بالا تاریخی عبارات سے واضح ہو گیا کہ جنگ حنین بلحاظ تعداد لشکر دشمن و بلحاظ واقعہ بہت اہم جنگ تھی۔ بارہ ہزار یا سولہ ہزار مسلمان مقابلہ نہ لا کر مشرکین سے بھاگ گئے تھے۔ صرف چند افراد حفاظت پیغمبر اسلام کر رہے تھے اور پیغمبر اسلام خود تن تنہا حملہ پہ حملہ کر رہے تھے۔ علی مرتضیٰ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں۔ پیغمبر اسلام نے اس جنگ میں علی مرتضیٰ کو علمدار فوج بنایا پھر علی نے ہی علمدار فوج دشمن ابو جیرول کو قتل کیا اور علی کے اس بہادرانہ کارنامہ کا یہ اثر ہوا کہ فوج دشمن بھاگ گئی بعدہٗ فوج اسلام واپس آ گئی تو ان مفرورین مشرکین کو گرفتار کیا گیا۔ اور اہل اسلام کو مال کثیر غنیمت حنین سے حاصل ہوا۔

اس جنگ میں بھی نمایاں خدمات علی ابن ابی طالب ہی کی نظر آتی ہیں۔ علی نے دعوت ذوالعشیرہ میں پیغمبر اسلام سے جو وعدہ نصرت کیا تھا۔ اس کو اعلیٰ طریقہ پر پورا کیا ہے۔

(۲۷) واقعہ طائف ۸ھ

واقعات غزوہ طائف سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ علی ابن ابی طالب نے اس غزوہ میں کتنی اہم خدمات اسلام انجام دی ہیں اور کتنے مکمل طریقہ سے اپنے وعدہ دعوت ذوالعشیرہ کو وفا کیا ہے۔ تاریخی واقعات و عبارات ملاحظہ ہوں۔

(۱) پرتو این خبر بر پیشگاہ ضمیر انور تافتہ خاطر خطیر حضرت کہ مظہر آیات رحمت بود مائل بر آں شد کہ بہ آں نواحی عبور فرمودہ آں قلعہ را فتح نماید چوں ایں عزیمت تصمیم یافت رایت فتح آیت بعلی ابن ابی طالب ارزانی داشتہ ابو عبیدہ جراح با خالد بن ولید با ہزار مرد رزم مقدمہ لشکر ساخت۔

(روضۃ الصفا حصہ دوم صفحہ ۱۵۵)

جب پیغمبر اسلام کو معلوم ہو گیا کہ اہل طائف جنگ کیلئے تیاری کر چکے ہیں۔ تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ اس قلعہ کو فتح کر لیا جائے جب یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو پیغمبر اسلام نے فوج اسلام کا علم علی ابن ابی طالب کو عطا فرمایا۔ اور ابو عبیدہ جراح کو معہ خالد بن ولید کے ایک ہزار آدمی دیکر بطور ہراول کے آگے بھیج دیا۔

(۲) و در مدت محاصرہ کہ بقولے ہیجدہ روز

محاصرہ طائف بقولے ۱۸، اٹھارہ دن اور

و بروایتے چہل روز جنگہائے عظیم
اتفاق افتاد و بسیارے از اصحاب
مجروح شدند و دوازدہ نفر از الجماعت
شربت شہادت چشیدند۔

(۳) در ایام محاصرہ طائف حضرت مقدس
نبوی مرتضیٰ علی را با جمع از اصحاب نامزد
فرمود کہ در اطراف آن دیار سیر
فرمائید و ہر بتے را کہ یابند بشکنند حضرت
علی بموجب فرمودہ از لشکرگاہ بیرون
رفتہ در راہ طائفہ از دلاوران قبیلہ
خثعم باو رسیدند و شخصے از مخالفان
کہ بر قوت خویش اعتماد داشت از میان
قوم بیرون آمد مبارز طلبید و ہیچ کس از
اہل اسلام یارائے آن نبود کہ با آں
مشرک در مقام مقابلہ آید عاقبت
علی ابن ابی طالب آہنگ محاربہ او
کرد و ہرچند ابوالعاص بن ربیع کہ داماد
رسول اللہ بود گفت کہ سزاوار نیست
کہ امیر لشکر باوجود دیگراں ابتداء بجنگ
کند امیر المومنین از منع او متمنع نشد
فرمود کہ دیگرے نمی رود و اگر کشتہ شوم
باید کہ تو بریں لشکر امیر باشی آنگاہ امیر المومنین
علی قدم در میدان نہاد و در برابر آں
غدار آمد و بہ زخم شمشیر آبدار او را
بدار البوار فرستاد و بتان ہوازن

بقولے چالیس دن جاری رہا اور اس
اثناء میں سخت لڑائیاں ہوتی رہیں۔
بہت سے اصحاب زخمی بھی ہوئے اور
بارہ اصحاب شہید بھی ہو گئے۔

جب طائف کا محاصرہ جاری تھا تو پیغمبر
اسلام نے علی مرتضیٰ کو نامزد کیا کہ وہ
اطراف و نواحی طائف میں جائیں اور اپنے
ہمراہ اصحاب کی ایک جماعت بھی لیتے
جائیں اور جہاں کہیں بتوں کو دیکھیں توڑ
ڈالیں۔ علی مطابق حکم رسول لشکرگاہ
سے باہر چلے گئے اثنائے راہ میں قبیلہ
خثعم کے بہادروں سے مقابلہ ہو گیا۔
اور دشمنیں کا ایک بہادر جس کو اپنی طاقت
پہ ناز تھا باہر آیا اور اس نے اپنا مقابل
لشکر اسلام سے طلب کیا۔ لشکر اسلام میں
سے کسی کو اس کے مقابل جانے کی جرأت
نہ ہوئی۔ آخر کار علی مرتضیٰ نے اس کے
مقابلہ کا ارادہ کیا۔ اگرچہ ابوالعاص
بن ربیع (داماد رسول) نے منع کیا
اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ لشکر کی
موجودگی میں خود سردار لشکر ابتداء
میں مقابلہ کو چلا جائے۔ مگر علی اس کے
روکنے سے نہ رکے۔ بلکہ فرمایا کہ اے
ابوالعاص اگر میں قتل ہو جاؤں تو فوج
اسلام کا سردار میں نے تجھ کو بنایا ہے

و ثقیف کہ دراں نواحی یافت ہمہ را
بشکست و رسول بر در حصین طائف
انتظار قدوم او را می کشید چوں سرور
اولیاء ازاں کار فراغت یافت بمعسکر
ہمایوں رسید چشم مبارک خاتم الانبیاءؐ
کہ بروے افتاد تکبیر گفت و با وے بخلوتے
رفتہ راز گفتن آغاز نہاد جابر گوید کہ
در ایام خلوت نبی و ولی عمر آمدہ گفت
یا رسول اللہ با علی راز می گوئی ۔
آنحضرت گفت ما انتجیتہ و لکن
اللہ انتجٰی یعنی من بخود با و راز نگفتم
خدا تعالیٰ با و راز گفت ۔ فاروق از
گفتار خویش پشیماں شدہ بازگشت

پھر علی نے میدان جنگ کا رُخ کیا اور اس
بہادر کے مقابلہ میں جا کر اس کا کام تمام
کر دیا اور ہوازن و ثقیف کے ان تمام
بتوں کو جو اطراف طائف میں تھے توڑ
ڈالا ۔ پیغمبر اسلام قلعہ طائف پر آمد علی
کا انتظار فرما رہے تھے ۔ جب سردار
الاولیا علی نے اس کام سے فراغت حاصل
کر لی اور لشکر اسلام میں واپس آئے
اور پیغمبر اسلام کی نظر چہرۂ علی پر پڑی
تو آپ نے تکبیر کہی اور پھر علی کو خلوت
میں لیجا کر راز کہنا شروع کر دیئے ۔
جابر کہتے ہیں کہ عمر آئے اور کہا یا رسول خدا راز
کہتے ہو ۔ فرمایا میں نہیں بلکہ خدا راز علی سے کہہ رہا ہے

(۴) ینابیع المودۃ بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ بمبئی ص ۴۸ :-

ولا طال نجواہ ستی کرہ قوم من
اصحابہ ذلک فقال قائل منہم
لقد طال نجوی معہ ابن عمہ ۔

جب خلوت نبی و علی کو زیادہ طول ہو گیا تو صحابہ
کے ایک گروہ کو یہ فعل رسول ناپسند ہوا ان میں
سے ایک نے کہا کہ آج تو رسول خدا نے اپنے
ابن عم کے ساتھ بہت دیر تک راز کی باتیں کی ہیں ۔

(۵) معارج النبوۃ ملا معین لاہوری :-

در ہنگام خلوت و مشاورت نبی با علی
امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ با
حضرت رسول گفت یا رسول اللہ با علی
راز می گوئی و با وے خلوت می کنی ۔
آنحضرت صلعم ارشاد فرمود ۔ ما
انتجیتہ و لکن اللہ انتجٰہ ۔

جب نبی و علی باہم سرگوشی کر رہے تھے
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول خدا
سے کہا یا رسول اللہ آپ علی سے راز
کہہ رہے ہیں اور ان کے ساتھ تخلیہ میں
ہیں ۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے عمر سے
کہا ۔ میں علی سے راز نہیں کہہ رہا ہوں

یعنی من باد راز نمی گویم بلکہ خدا تعالیٰ باد راز می گوید ۔ — بلکہ خدا تعالیٰ علی سے راز کہہ رہا ہے ۔

استنباط نتائج :-

(۱) غزوہ طائف میں علمدار لشکر اسلام علی تھے ۔

(۲) محاصرہ طائف تقریباً چالیس روز رہا اور مسلسل جنگ ہوتی رہی ۔ مگر بے سود اور اس غزوہ میں بہت سے اصحاب رسول زخمی ہوئے اور بارہ افراد شہید ہوئے ۔

(۳) اثنائے محاصرہ طائف میں پیغمبر اسلام نے علی کو مامور کیا کہ اطراف طائف کے بتخانوں اور بتوں کو مسمار کر دیں ۔ چنانچہ علی نے بتوں کو توڑ ڈالا ۔ قبیلہ بنی خثعم سے جنگ کی اور سردار قبیلہ کو قتل کر دیا ۔

(۴) نواحی طائف کے بتخانوں کو مسمار کر کے جب علی واپس آئے تو پیغمبر اسلام ان کے منتظر تھے دیکھتے ہی پیغمبر اسلام نے تکبیر کہی اور تخلیہ میں طولانی گفتگو کی اور تادیر راز کی باتیں فرماتے رہے ۔

(۵) جب عمر فاروق نے پیغمبر اسلام کو اتنی طولانی راز گوئی سے ٹوکا تو آپ نے فرمایا کہ میں علی سے راز نہیں کہہ رہا ہوں ۔ بلکہ خدا خود علی سے راز کہہ رہا ہے ۔

واقعات غزوہ طائف جو ۸ھ میں وقوع پذیر ہوئے ہیں ۔ تاریخ اسلام میں خاص اہمیت کے حامل ہیں ۔ پیغمبر اسلام کی بعثت کے بعد سے پہلی سی تبلیغ اسلام دعوت ذوالعشیرہ تھی ۔ اور سب سے آخری غزوہ بلحاظ حقیقی معنویت کے غزوہ طائف قرار پاتا ہے ۔ کیونکہ ۹ھ میں پیغمبر اسلام غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے ہیں ۔۔

پیغمبر اسلام مدبر عالم اور بہترین سیاست داں تھے ۔ لہٰذا آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ تبوک میں جنگ کی نوبت نہ آئے گی ۔ اور بغیر جنگ واپسی ہوگی ۔ لہٰذا آپ مجاہد اعظم علی مرتضیٰ کو اپنے ہمراہ نہ لے گئے ۔ اور یہی واقعہ بھی ہوا کہ تبوک میں جنگ نہیں ہوئی ۔ گویا اس لحاظ سے حیات نبوی کا آخری جہاد غزوہ طائف قرار پاتا ہے ۔ ابتداء حیات نبوت دعوت ذوالعشیرہ اور اختتام حیات نبوت غزوہ طائف تھا محاصرہ طائف کے دوران پیغمبر اسلام نے علی کو نواحی طائف کے بتخانوں کے مسمار کرنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ علی نے بتخانوں کو توڑ ڈالا ۔ جب علی مرتضیٰ بت شکنی کے بعد واپس آئے تو پیغمبر اسلام نے علی کو دیکھ کر تکبیر کہی اور پھر تادیر خلوت میں راز کہنا شروع کر دئے ۔

آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پیغمبر اسلام نے وہ کیا کیا راز کی باتیں کی تھیں جو اتنی طویل تھیں کہ اصحاب محمد کو اعتراض کا موقعہ ملا ۔ اور ان سے صبر نہ ہو سکا ۔

میں نے خدمات علی اور واقعات نصرت اسلام کو باب عدالت پیغمبر اسلام میں درج کیا ہے۔ لہٰذا میں آج ان رازہائے سربستہ کو بیان کئے دیتا ہوں۔ اور قرینہ کلام اور سیاق عبارات تاریخی میرے قول کی تائید کرے گا۔

پیغمبر اسلام عادل کامل تھے۔ عادل ہمیشہ خدمات کا کامل صلہ دیتا ہے۔ اور ایفاء وعدہ لوازم قوانین عدالت ہے۔ پیغمبر اسلام نے دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر اعلان کیا تھا کہ جو آج میری نصرت کا وعدہ کرے گا وہ میرا وزیر، میرا خلیفہ، میرا جانشین ہوگا۔ جب شرفائے عرب نے پیغمبر اسلام کی اس تقریر کو سنا تھا تو ان لوگوں نے ابوطالب پر طنز کیا تھا۔ کہ اے ابوطالب اب تم اپنے بیٹے کی اطاعت کیا کرو۔ یہ طنز کرتے ہوئے زعمائے عرب منتشر ہوگئے تھے۔ اس بھرے مجمع میں جس شخص نے وعدہ نصرت اسلام و وعدہ نصرت رسول کیا تھا وہ علی مرتضیٰ تھے۔ وہ وعدہ ۳ھ بعثت کا تھا۔ اور آج اس وعدہ کو ۱۸ اٹھارہ سال کی مدت ہوچکی تھی۔ وہ ابتدائے اسلام کا دور تھا۔ اور آج تکمیل اسلام کا دور ہے وہ صرف وعدہ وزارت کا وقت تھا۔ اور آج ایفائے عہد کا وقت ہے۔ اس وقت صرف الفاظ کا محدود دائرہ اس وعدہ کا حامل تھا۔ اور آج کائنات کارنامہ ہائے علی سے گونج رہی ہے۔ اس وقت پیغمبر اسلام کا بحیثیت عادل کامل کیا فریضہ تھا۔ صرف یہی نا؟ جو پیغمبر اسلام نے کرکے دکھایا۔

پیغمبر اسلام نے علی سے تادیر راز کی باتیں کیں۔ اصحاب کو ناگوار ہوا۔ آخر عمر فاروق نے پوچھ ہی لیا کہ یارسول اللہ اتنی دیر تخلیہ اور اپنے ابن عم سے راز کی باتیں ؟؟؟

پیغمبر اسلام نے جواب دیا کہ یہ راز میں علی سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ خدا علی سے راز کی باتیں کر رہا ہے۔ پیغمبر اسلام کے اتنے زوردار اور پرمعنی الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ پیغمبر اسلام آج تخلیہ میں اپنے وعدہ سابقہ کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اور علی کو تخلیہ میں انعامات خداوندی اسرار الٰہی احکامات ربانی علوم سبحانی اور کل وہ علوم و اسرار جو لوازم نبوت ہیں علی کو سپرد کر رہے ہیں۔ اور حقیقی معنی میں علی کو اپنا جانشین بنا رہے ہیں۔

اگر خلافت الٰہیہ صرف دنیوی شہنشاہی ہوتی تو یقیناً پیغمبر اسلام دربار عام کرکے خلافت علی کا اعلان فرما دیتے۔ مگر خلافت الٰہیہ مخصوص علوم الٰہیہ اور امانات خداوندی کی وراثت کا کام ہے۔ لہٰذا آج پیغمبر اسلام نے علی کو بعد ختم وعدہ نصرت و بعد تکمیل حدود نصرت اپنا قائمقام حقیقی بنا دیا۔ اور پیغمبر اسلام کیلئے یہ ضروری تھا۔ ورنہ عدالت و ایفائے وعدہ پیغمبر اسلام کی تکمیل ہرگز نہ ہوتی۔ علی نے بعمر ۱۳ سال جو وعدہ نصرت کیا اس کو اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر پورا کرکے دکھایا۔ اور ۲۳ سال مسلسل ہر وقت پیغمبر اسلام کی

جان کی سپر بنے رہے۔ دینِ پیغمبر کی حفاظت فرماتے رہے۔ اور آخر خاتم النبیین کے دین کی تکمیل کی سند لسانِ قدرت سے حاصل کرلی۔ اور اس سندِ تکمیلِ اسلام (اکملت لکم دینکم الخ آیۃ) کے حصول کے بعد بھی اگر پیغمبر اسلام اپنے حسب وعدہ علی کو اپنی وزارت و خلافت و جانشینی عطانہ فرماتے تو ہرگز آپ کا دامنِ نبوت گلہائے زنگکار رنگ عدالت سے مزین نہ رہتا۔ اور آپ کی عدالت میں نقص عہد شکنی آشکارہ ہو جاتا۔ جو منافی قوانین عدالت ہے۔

مورخین و محدثین اور واضعین احادیث نے بحث خلافت علی کو مختلف رنگ دیئے ہیں اور اس طرح ملت اسلامیہ کے ٹکڑے کردیئے ہیں۔ حالانکہ اہل اسلام و امت اسلامیہ دامن عدالتِ پیغمبر اسلام کو بے داغ دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کو اقرار کرنا پڑے گا کہ دعوت ذو العشیرہ کا وعدۂ نصرت اور وعدۂ وزارت پورا ہونا ہی عدالت پیغمبر اسلام کو ثابت کرسکتا ہے۔ اور کردار نبوت کو بے عیب قرار دے سکتا ہے اور اس وعدہ کی خلاف ورزی دامن انسانیت و نبوت و عدالت پیغمبر اسلام کو داغدار کرتی ہے۔

پیغمبر اسلام نے تو بحیثیت انسان کامل اپنے لمحات حیات کی ہر جنبش سے ثابت کر دکھایا ہے کہ وہ انسانِ کامل اور نمونہ کامل ہیں۔ اب رہی ان کی امت وہ جس رنگ میں چاہے ان کے کردار کو پیش کرے۔ میں نے اس موقع پر صرف وہ پہلو عدالت پیغمبر اسلام کا پیش کیا ہے۔ جو علوم باطنی و ربانی کی وراثت سے متعلق ہے آئندہ واقعات لکھ کر ظاہری طور پر بھی ایفائے عہد پیغمبر اسلام کو واضح کردوں گا۔ اور یہ بتاؤں گا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے وعدہ کو ظاہری و باطنی دونوں صورتوں میں واضح کردیا ہے۔

نصرت علی، غزوہ تبوک ۹ھ

ابن ہشام ص ۳۶ جلد ۳ مصری۔

ان رسول اللہ صلعم امر اصحابہ

(۱) بالتھیو الغزو الروم . . . . واخبرھم انہ یرید الروم۔

پیغمبر اسلام صلعم نے اصحاب کو رومیوں سے جہاد کی تیاری کا حکم دیا۔ اور یہ حکم لوگوں کو عین شدت کی تنگدستی گرمی و قحط و بلا کے زمانہ میں دیا گیا و نیز ایسی فصل و وقت میں کہ ان کے خرمے پک رہے تھے۔ اور تمام لوگ اپنے پھلوں اور ان کے سایوں میں آرام و مقام کرنا پسند کرتے تھے۔ اور ایسی حالت خاص میں گھر سے باہر نکلنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور پیغمبر اسلام کا ہمیشہ سے یہ دستور تھا کہ حکم غزوہ کے اظہار کے وقت اصل مقام کے خلاف دوسرے مقام کی طرف جانے کی لوگوں کو اطلاع دیتے تھے۔ اس لئے کہ دشمن کو آپ کے نقل و حرکت کی اطلاع نہ ہو۔ بخلاف اس دستور کے غزوہ تبوک میں آپ نے ابتدا ہی سے صاف صاف بتادیا کہ روم سے مقابلہ کا قصد ہے۔ اسلئے کہ سفر کی دوری گرمی کی تیزی

اور بے سرو سامانی اور تنگ حالی کی کیفیت ان پر پوشیدہ نہ رہے۔

(۲) امام نسائی بحوالہ تاریخ احمدی ص۷۹ ۲ مستدرک امام حاکم منقول از ارجح المطالب ص۵۱۵۔

عن سعد قال خرج رسول اللہ صلعم فی غزوۃ تبوک وخلف علیا ....

لا نبی بعدی ۔

سعد (ابن ابی وقاص) سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم غزوہ تبوک کے قصد سے روانہ ہوئے تو آپ نے علی کو مدینہ میں چھوڑا علی کہنے لگے یا رسول اللہ کیا آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو۔ ان تکون منی بمنزلت ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ کہ تم میرے لئے اس منزلت پر ہو۔ جس منزلت پر موسیٰ کیلئے ہارون تھے سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہ ہو گا۔

(۳) روضۃ الاحباب محدث شیرازی ص۴۸۷ :۔

بصحت رسیدہ کہ چوں پیغمبر صلعم عزم بیروں رفتن کرد علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ را در اہل خود خلیفہ گردانید .... بجا آورید ۔

صحیح روایات سے واضح ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے (غزوہ تبوک میں) باہر جانے کا قصد کیا تو علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنے اہل و عیال پر خلیفہ مقرر کیا۔ علی نے عرض کیا کہ میں آجتک کسی غزوہ سے غیر حاضر نہیں رہا ہوں۔ پھر مجھ کو کیوں چھوڑا جاتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ اما ترضی ان تکون منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی ۔ اے علی کیا تم راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے نزدیک ایسی ہے جیسے ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔

یہ فرما کر آپ نے اپنے ازواج مطہرات سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے ابن ابی طالب کو تم سب پر اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ تم سب اس کی ہدایت کو سنا کرو۔ (فرمانبرداری او بجا آوریدؔ) اور اس کی فرمانبرداری کیا کرو۔

(۴) ترجمہ فارسی تاریخ طبری جلد چہارم (غزائے تبوک)

چوں حضرت رسول صلعم متوجہ تبوک شد	جب پیغمبر اسلام تبوک کی طرف روانہ ہوئے
.... وعلی بن ابی طالب رضی	تو آپ نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ
اللہ عنہ را فرمود کہ تو بمدینہ ہمی باش و خانہ مرا	سے فرمایا کہ تم مدینہ میں رہو اور میرے گھر میں

حاضر باش و چوں پیغامبر خدا صلعم یک منزل
پیشتر برفت منافقاں گفتند پیغمبر صلعم علی
رضی اللہ عنہ را در مدینہ از بہر آں باز داشت
کہ بر دل گراں گرفتش امیر المومنین روز دیگر
سلاح برگرفت و از عقب برفت و گفت
یا رسول اللہ منافقاں چنیں می گویند فرمود
کہ دروغ می گویند ترا بجائے خویش داشتم
و بجانمان خویش بنشاندم و ایں ہا ہمہ تو
سپردم و تو بمن ہمچنانی کہ ہارون موسیٰ
علیہ السلام را بود۔ چوں ازاں منزل دیگر
رفتند امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ باز
مدینہ فرستاد۔

رہو۔ جب پیغمبر اسلام ایک منزل سفر کر چکے
تو منافقین نے کہنا شروع کیا کہ پیغمبر صلعم نے
علی کو مدینہ میں اسلئے چھوڑا ہے کہ آپ علی سے
کبیدہ خاطر ہیں۔ اور امیر المومنین علی نے
دوسرے دن سلاح جنگ زیب تن کئے
اور عقب میں روانہ ہوئے اور خدمت پیغمبر
اسلام میں پہنچ کر عرض کیا کہ منافقین ایسا کہتے
ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ وہ جھوٹ کہتے
ہیں۔ میں نے تم کو بجائے اپنے رکھا ہے اور
اپنے اہل و عیال کا نگران بنایا ہے۔ اور
ان سب کو تمہارے سپرد کیا ہے اور تم میرے
لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ کیلئے ہارون تھے
جب دوسری منزل پر پہنچے تو پیغمبر اسلام نے علی کو علی کو مدینہ واپس کر دیا۔

استنباط نتائج غزوہ تبوک

پیغمبر اسلام کا غزوہ تبوک کیلئے جانا اور سخت گرمی اور شدید ترین حالات میں تیس ہزار لشکر کو صعوبات سفر پر آمادہ کر کے ہمراہ لے جانا اس میں صدہا مصالح ملکی قومی و سیاسی و مذہبی مضمر تھے جنکا بیان سبب طوالت ہے۔ مگر ابتداء سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو معلوم تھا کہ تبوک میں جنگ کی نوبت نہ آئے گی۔ جب علی نے عرض کیا کہ میں ہر غزوہ میں ہمرکاب رسالت رہا ہوں۔ تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تم میرے عیال پر میرے قائمقام ہو۔ یہ کلام ظاہر کرتا ہے کہ رسول کو معلوم تھا کہ غزوہ تبوک میں اس مجاہد اعظم کی ضرورت پیش نہ آئے گی اور علی کا ایک منزل دور پہنچ کر پیغمبر اسلام سے ملنا اور ہمراہی کا ارادہ ظاہر کرنا بتاتا ہے کہ علی اپنے وعدہ نصرت بموقعہ دعوت ذوالعشیرہ کی تکمیل چاہتے تھے۔ اور اپنے قول و فعل سے ثابت فرما رہے تھے کہ میں حسب وعدہ ہر موقع سفر و حضر رزم و بزم میں نصرت خدا و رسول کے کیلئے حاضر ہوں۔ مگر پیغمبر اسلام نے علی کو واپس کر دیا

واقعہ مذکور سے صرف اتنا ہی واضح نہیں ہوا۔ بلکہ لشکر جرار اسلام و نیز کل مسلمین مدینہ و مکہ و نواحی عرب کو معلوم ہو گیا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے اہل و عیال پر اپنا خلیفہ علی کو مقرر کیا ہے۔

حتیٰ کہ اپنی ازواج کو حکم دیدیا ہے کہ وہ حکم علی کی اطاعت کریں۔ گویا پیغمبر اسلام اس مخصوص واہم موقعہ پر امت کو بتا رہے تھے کہ میرا قائمقام بلحاظ دین و دنیا کے کون ہے۔ جب علی منافقین کے طعنہ سے مسلح ہو کر خدمت پیغمبر اسلام میں پہنچے اور اپنا ارادہ لنعرف ظاہر فرمایا۔ تو پیغمبر اسلام نے تیس ہزار لشکر اسلام کی موجودگی میں فرمایا کہ اے علی تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو موسیٰ سے ہارون کو تھی۔ ہارون نبی ہوئے مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا ...

پیغمبر اسلام نے اعلان خلافت علی و وزارت علی کو ایسے اہم موقعہ پر ظاہر کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ غزوہ محاصرہ طائف کے بعد سے سلسلہ غزوات تو ختم ہو چکا تھا۔ اور علی مسلسل اٹھارہ سال تک نصرت اسلام کرتے رہے تھے۔ اب تکمیل وعدہ نصرت کے بعد پیغمبر اسلام پر لازم تھا کہ وہ اپنے وعدہ وزارت وخلافت کی تکمیل کرتے اور اس کے منوانے کیلئے بہترین تدابیر اختیار فرماتے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے پہلی مرتبہ تو بموقع محاصرہ طائف تادیر راز کہکر کی اور مخصوص اصحاب کے اعتراض کا جواب معقول بھی دیدیا۔ اور دوسرا موقعہ بہترین انداز میں پیغمبر اسلام نے جنگ تبوک میں اختیار فرمایا۔ اور آخر تیس ہزار اور بقولے ۴ تین ہزار (روضۃ الصفا صفحہ ۱۶۱) لشکر کے سامنے اعلان کردیا کہ مجھ سے علی کی وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ پیغمبر اسلام نے ایسا کیوں کیا؟ صرف اسی لئے کہ الفائے وعدہ عین عدالت ہے اور عادل کامل کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو باحسن وجوہ پورا کرے۔ پیغمبر اسلام کے اس فعل میں حکمت نظری وحکمت عملی و نیز عدالت کاملہ کا نمونہ ملتا ہے۔

(۲۸) نصرت اسلام سورہ برأت

صحیح ترمذی امام نسائیؒ :-

(۱) عن انس بن مالک قال بعث النبی صلعم ببرأۃ مع ابوبکر ثم دعاہ فقال لا ینبغی لاحد ان یبلغ ھذا الا رجل من اھلی فدعا علیاً واعطاہ ایاھا۔

مالک بن انس سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام نے سورۂ برأت دیکر ابوبکر کو بھیجا پھر ان کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ اس کو سوائے میرے اہل بیت کے کوئی اور آدمی نہیں پہنچا سکتا پھر علی کو بلایا اور سورہ برأت انکو عطا کردی

(۲) ازالۃ الخفاشاہ ولی اللہ صاحب :-

اصل قصہ آنست کہ ابوبکر بلانزاع امیر حج بود و سورہ برأت اول بدست حضرت صدیق

اصل قصہ یہ ہے کہ ابوبکر بلانزاع اس سال امیر حج تھے اور سورہ برأت پیغمبر اسلام نے

دادہ بودند لبعدازاں جبرئیل فرود آمد کہ آنرابدست مرتضیٰ باید فرستاد واخرج الترمذی عن انس بن مالک قال بعث النبی صلعم ببراۃ مع ابوبکر ثم دعاہ فقال لا ینبغی لاحد ان یبلغ ھذہ الا رجل من اھلی فدعاہ علیا ۔ فاعطاہ ایاھا ۔

اول ابوبکر کے ہاتھ میں دی تھی ۔ اس کے بعد جبرئیل آئے اور حکم خدا لائے کہ سورہ برأت بدست علی بھیجی جائے ۔ ترمذی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلام نے ابوبکر کو سورہ برأت دیکر مکہ کی طرف روانہ کیا ۔ پھر ان کو بلالیا اور فرمایا کہ کسی غیر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ سورہ برأت کی تبلیغ کرے بجز اس شخص کے جو میری اہلبیت سے ہو ۔ پھر علی کو بلایا اور سورہ برأت ان کو دیدی ۔

(۳) مدارج النبوۃ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی :۔

چوں ابوبکر صدیق از مسجد ذوالحلیفہ احرام بستہ رواں شد . . . . روز حج بر مردم بخواند ۔

جب ابوبکر صدیق مسجد ذوالحلیفہ سے احرام باندھکر روانہ ہوئے تو اس اثناء میں جبرئیل آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ادائے رسالت یا پیغام یا آپ کر سکتے ہیں یا علی اور ایک روایت میں ہے کہ یا وہ شخص جو آپ سے ہو ۔ کیونکہ عہد کرنا یا توڑنا اس شخص کا کام ہے جو صاحب معاملہ ہو یا وہ شخص جو اس کا خویش یا قریب ہو یہ سنکر رسول خدا صلعم نے علی کو حکم دیا کہ وہ ابوبکر کے عقب میں روانہ ہوں ان سے وہ سورہ لے لیں اور حج کے دن لوگوں کو سنادیں ۔

(۴) سیرۃ النبی شبلی :۔

حضرت علی کھڑے ہوئے سورہ برأت کی چالیس آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کردیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوسکے گا ۔ نہ کوئی برہنہ اب حج کرسکے گا ۔ اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینہ کے بعد ٹوٹ جائیں گے ۔

(۵) قرآن ۔ سورۃ برأت :۔

براءۃ من اللہ ورسولہ الی الذین عاھدتم من المشرکین ؁

اے مسلمانو ! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا (بوجہ عہد شکنی) خدا ورسول پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے یعنی وہ معاہدہ خدا و رسول توڑتے ہیں ۔

(۶) روضۃ الصفا جلد دوم صـ۱۶۶ واقعات سورہ برأت ۹ ھ :۔

(۱) صدیق اکبر با مارت سیصد نفر از اصحاب موسوم ساختہ فرمان داد کہ بمکہ رود و خلائق را مناسک حج بیاموزد و از اوائل سورہ برأت تا چہل آیہ بر مردم خواند و ابوبکر از موضع ذوالحلیفہ احرام بستہ بموجب فرمودہ روان شد مقارن ایں حال جبرئیل فرود آمدہ پیغام حضرت عزت بآنسرور رسانید کہ باید ہیچکس تبلیغ رسالت نکند الّا توٗ یا علی و بر ولیئے تو یا مردے کہ از تو باشد و چوں امیرالمومنین علی از میان قوم و عشیرت بزیادتی قربت و قرابت برسول اللہ اختصاص داشت آنسرور جناب ولایت مآب را از کیفیت واقعہ آگاہ ساختند۔ فرمود کہ از عقب ابوبکر برو و اوائل سورہ برأت را از دے بستان و در موسم حج بر مردم بخوان و ایں چہلہ حکم بخلق رسان۔

یکے آنکہ در بہشت نیاید مگر نفسے کہ بحلیہ ایمان متحلی بود۔

دوم آنکہ ہیچ برہنہ طواف کعبہ نکند۔

سوم آنکہ بعد از امسال ہیچکس از ارباب شرک و ضلال حج نگذارد۔

چہارم آنکہ کفار و مشرکاں ہر کہ عہد موافقت بخدا و رسول داشتہ باشد تا انقضاء آں وقت بر عہد خود ثابت باشد و اگر عہد

ابوبکر صدیق تین سو افراد پر امیر بنائے گئے اور بحکم رسول مکہ روانہ ہوئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ وہ مکہ جا کر آداب حج سے لوگوں کو آگاہ کریں اور سورہ برأت کی ابتدائی چالیس آیات لوگوں کو سنائیں۔ ابوبکر مقام ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر مطابق حکم رسول روانہ ہوئے۔ فوراً ہی اس کے بعد جبرئیل امیں نازل ہوئے اور پیغام خدا رسول خدا کو پہنچایا۔ کہ کوئی شخص تبلیغ رسالت نہیں کر سکتا ہے۔ تم یا علی کر سکتے ہو یا پھر ایسے وہ شخص کر سکتا ہے جو تم سے ہو۔ چونکہ علی بلحاظ خاندان و عظمت رسول اللہ کے بہت قریب تھے رسول خدا نے ولایت مآب علی کو واقعہ سے آگاہ فرمایا اور حکم دیا کہ ابوبکر کے پیچھے جائیں اور سورہ برأت کی ابتدائی آیات ابوبکر سے لے لیں اور ایام حج میں لوگوں کے سامنے بیان کر دیں اور یہ چار حکم بھی لوگوں کو پہنچا دیئے جائیں۔

یکم۔ یہ کہ جنت میں بجز مومن کے دوسرا داخل نہیں ہو سکتا۔

دوم یہ کہ کوئی برہنہ طواف کعبہ نہیں کر سکتا ہے۔

سوم یہ کہ اس سال کے بعد کوئی کافر یا مشرک حج ادا نہیں کر سکتا ہے۔

چہارم۔ یہ کہ جس نے خدا و رسول سے کوئی معاہدہ موافقت کیا ہے وہ اس مدت

او موجل نبود تا چہار ماہ در امان باشد
بعد انقضائے ایں مدت اگر مسلمان نشود
خون و مال او ہدر گردد۔

(۲) ص ۱۶۶ ۔۔

علی بر ناقہ آنحضرت سوارہ بر سید ابوبکر
از وے پرسید کہ امیر آمدہ یا مامور جواب
داد کہ مامورم لیکن ادائے سورہ برات را
بمن دادہ کہ فرمان واجب الاذعان پیغمبر
صادر شدہ کہ آں آیات را من بہ خلائق
خوانم و ایں کلمات اربعہ را بسمع مردم رسانم
صدیق آیات بینات تسلیم مرتضیٰ نمودہ

(۳) چوں امیر المومنین علی بمکہ رسید شمشیر
برکشید و گفت بخدا سوگند کہ ہیچ برہنہ
طواف نکند مگر آنکہ او را بتیغ تادیب کنم

(۴) چوں بمدینہ مراجعت نمودند ابوبکر از آں
سرور پرسید کہ یا رسول اللہ از من
چہ صادر شد کہ مرا از قرائت سورہ
برأت منع کردی۔ حضرت فرمود کہ اے
ابوبکر ہیچ امرے از تو بوجود نیامدہ ...
.... اما جبرئیل آمدہ و
گفت کہ باداۓ ایں کار قیام نماید الا
تو یا کسے کہ از تو باشد۔

(۵) ابوبکر از راہ برگشتہ بنزد رسول آمدہ
بعرض رسانید کہ
انك املتنی لا مرطالت الاعناق

کے ختم ہونے تک وہ اس معاہدہ پر قائم رہ
سکتا ہے۔ اگر اس کا معاہدہ معینہ وقت
کیلئے نہیں ہے تو چار ماہ تک وہ امان میں
رہے گا بعد از کافر و مسلمان نہ ہوا تو اس کا خون
و مال مسلمانوں کیلئے معاف ہے۔

(۲) علی ناقہ رسول پر سوار ہو کر پہنچے ابوبکر
نے علی سے پوچھا کہ امیر بنکر آئے ہو یا مامور
علی نے کہا کہ مامور ہوں۔ لیکن سورہ برات
کی ابتدائی آیات مجھ کو دیدی۔ حکم رسول الہٰی
ہی صادر ہوا ہے کہ میں ان آیات کو لوگوں
کو سناؤں اور ان چار کلمات کا اعلان کروں
صدیق نے ان کلمات کو علی کے سپرد کر دیا

(۳) جب علی مکہ پہنچے تو آپ نے تلوار کھینچ لی
اور کہا کہ خدا کی قسم کہ جو برہنہ طواف کریگا
اسکا سر قلم کر دوں گا۔

(۴) جب ابوبکر و علی مدینہ واپس آگئے تو
ابوبکر نے رسول خدا سے پوچھا۔ یا رسول اللہ
مجھ سے کیا فعل صادر ہو گیا کہ مجھ کو سورہ
برأت کی تلاوت و قرأت سے رد کر دیا گیا۔
رسول خدا نے فرمایا کہ اے ابوبکر تم سے کوئی
خطا سرزد نہیں ہوئی ....
لیکن جبرئیل آگئے اور کہا کہ یہ کار رسالت
دوسرا نہیں کر سکتا ہے تم خود کرو یا وہ
کرے جو تم سے ہو۔

(۵) دوسری روایت ہے کہ ابوبکر راستہ

فیہ الیّ فنمّا توجّھت تردّ دینی عند مالی انزل فی قرآن فقال النبی لا ولاکن الامین ھبط الیّ عن اللہ عزوجل لا انہ لا تودی الا انت او رجل منک و علیؐ منی وھو اخی ووصی ووارثی وخلیفتی فی اھلی وامتی من بعدی تقیضی دینی و ینجز وعدی لا یودّی الا علیؑ۔

سے ہی پلٹ آئے اور رسول سے عرض کیا آپ نے مجھ کو آرزو میں رکھا۔ اس کام کیلئے جس کے باعث لوگ مجھ کو بہ نظر رشک دیکھتے جب میں نے ارادہ کیا کہ تکمیل کردوں تو آپ نے اس کام سے مجھ کو واپس بلا لیا۔ میرے بارہ میں قرآن میں کیا نازل ہوا جو ایسا کیا گیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ مگر یہ کہ جبرئیل میرے پاس نازل ہوئے اور کہا حکم خدا ہے کہ وہ امانت تم خود پہنچاؤ۔ یا وہ جو تم سے ہو۔ اور مجھ سے میرے بھائی علی ہیں اور وارث میرے اہل وامت میں میرے بعد ہونگے۔ اور میرے قرضوں کو ادا کریں گے اور میرے وعدوں کو پورا کریں گے۔ کوئی ان کارہائے مفوضہ کو بجز علی کے ادا نہیں کر سکتا ہے۔

استنباط نتائج و خلاصہ :۔ پیغمبر اسلامؐ نے ۹ھ میں ابوبکر کو امیر حجاج بنا کر بھیجا اور سورۂ

(۱) برأت کی تبلیغ کا بھی حکم دیا

(۲) پیغمبر اسلام پر وحی آئی اور جبرئیل نے آکر حکم خدا سنایا کہ تبلیغ رسالت تم کر سکتے ہو یا وہ شخص جو تم سے ہو۔

(۳) پیغمبر اسلام نے حکم خدا کے بموجب علی کو ابوبکر کے پیچھے روانہ کیا اور علی نے ابوبکر سے سورہ برأت لے لی۔۔۔

(۴) مکہ پہنچ کر علی نے حاضرین واجتماع مکہ پر سورہ برأت کی تبلیغ کی اور تلوار نیام سے کھینچ کر کھڑے ہوگئے کہ کوئی شخص حکم خدا و رسول کی نافرمانی نہ کر سکے

(۵) پیغمبر اسلام نے چار احکام کے سنانے کا بھی علی کو حکم دیا تھا۔ وہ احکام اہل مکہ واجتماع خانہ کعبہ کیلئے سخت ترین احکامات تھے۔ کیونکہ وہ ان کو ان کے رسوم مذہبی سے روکتے تھے۔

(۶) پیغمبر اسلام نے بجواب ابوبکر علی کی خلافت و رسالت کا اعلان کر دیا۔ بغور دیکھا جائے تو ہر صاحب فہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ایام حج کے لاتعداد مجمع کفار و مشرکین میں جاکر سابقہ معاہدوں کو یکدم منسوخ کر دینا و نیز مشرکین عرب کو ان کے مراسم مذہبی سے روک دینا معمولی کام نہ تھا۔ اگر ان احکام

کا پہنچانے والا ایسا آدمی ہوتا جس کی شجاعت کا سکہ اہل عرب پر نہ بیٹھا ہوتا۔ یا اس کی خدا پرستی یا استعداد علمی کو کل اہل عرب تسلیم نہ کر چکے ہوتے تو چشم زدن میں ایسے سخت احکام دینے والے کی بوٹی بوٹی قبائل عرب میں تقسیم ہو جاتی ایسے عظیم الشان کثیر التعداد مذہبی اجتماعوں میں حکومتیں جب کہ احکام صادر کرتی ہیں اور آجتک ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اس عہد جاہلیت و سفاکی و خون ریزی میں شخص واحد کا ایسے سخت احکام نافذ کرنا اور مجمع عام میں تلوار بلند کر کے کہدینا کہ جو ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا۔ اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔۔

آج کل تو مشین گن اور اعلیٰ آلات حرب کا زمانہ ہے۔ پھر حکومتیں ایسے سخت اقدام سے ہچکچاتی ہیں۔ مگر چونکہ شجاعت علی نے بہادران عرب کی گردنوں کو سرنگوں کر دیا تھا۔ لہٰذا کسی کو جواب دینے کا یارا نہ ہو سکا اور احکام اسلام کی تبلیغ کما حقہٗ ہو گئی۔ جو آج تک اسی شان و شوکت سے باقی ہے۔

درحقیقت یہ خدمت علی کے ذمہ بہت اہم کی گئی تھی۔ اور بلحاظ خطرہ جان سابقہ کل واقعہ جاں سپاری سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ مگر چونکہ علی دعوت ذوالعشیرہ میں نصرت اسلام کا وعدہ کر چکے تھے لہٰذا علی نے اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا۔

جب ابوبکر و علی خدمت پیغمبر اسلام میں واپس آگئے اور ابوبکر نے پیغمبر اسلام سے اپنی حق تلفی کا اظہار کیا تو پیغمبر اسلام نے ان کو وہ جواب دیا جو پیغمبر اسلام کی عدالت و نبوت اور انسانیت و ایفائے عہد کا نتیجہ تھا۔ پیغمبر اسلام نے ۹ھ تک کے واقعات کو نظر میں رکھتے ہوئے اور خدمات علی کو ہم رکھتے ہوئے اور اسلام کی آخری خدمت کو بھی بذریعہ علی مکمل دیکھتے ہوئے فرمایا۔ کہ اے ابوبکر یاد رکھو علی مجھ سے ہے اور یہ میرا بھائی ہے۔ وہ میرا وصی ہے۔ وہ میرا وارث ہے، وہ میرا خلیفہ ہے۔ میری امت کیلئے۔ میرے بعد میرے قرضوں کو بیباق کرے گا۔ میرے وعدوں کو پورا کرے گا۔

اس موقع خاص پر پیغمبر اسلام نے جو کچھ علی کیلئے فرمایا وہ درحقیقت عدالت و ایفائے عہد نبوی کا مقتضا تھا۔ زبان زد خلائق ہے کہ "وعدہ آسان ہے وعدہ کی وفا مشکل ہے۔" ابتدائے اسلام میں پیغمبر اسلام نے علی سے وعدہ کیا تھا۔ اگر تکمیل دین اسلام کے وقت پیغمبر اسلام علی کی خدمات کا صلہ و معاوضہ نہ دیتے تو مصرعہ مذکور کا مفہوم پیغمبر اسلام پر بھی عاید ہو جاتا۔ مگر جس نے مکارم اخلاق اور ایفائے عہد کے بہترین نمونے قائم کئے ہوں اور جس کی سیرت ہی آئینہ مکارم اخلاق ہو۔ وہ بھلا کیونکر ایفائے عہد نہ کرتا۔ بہر حال یہ منازل تاریخی بھی نگاہ ناظرین سے گذر گئے۔ اب آئندہ کے تاریخی حالات پیش کر کے عدالت پیغمبر اسلام پر سیر حاصل بحث کی جائے گی۔

(٣٠) نصرتِ اسلام تبلیغ اسلام یمن

تاریخی حالات ملاحظہ کیجئے :-

(۱) شبلی نعمانی سیرت النبی میں لکھتے ہیں :-

(۱) یمن میں ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا۔ آنحضرت صلعم نے سنہ ۸ھ میں ان کو دعوت اسلام دینے کیلئے خالد بن ولید کو بھیجا۔ خالد ٦ چھ مہینے تک ان کو دعوت دیتے رہے لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ بالآخر آنحضرت صلعم نے خالد کو بلا بھیجا۔ حضرت علی نے ان لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ صلعم کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا۔ اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان ہوگیا حضرت علی نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت میں پہنچادی۔ تو آنحضرت صلعم نے سجدہ کیا اور سر اٹھا کر دو دفعہ فرمایا "السلام علی الہمدان"۔

(۲) روضۃ الصفا جلد دوم :-

دریں سال حضرت مصطفٰے علی مرتضٰی را مقرر کرد کہ بجانب یمن رود و فرمان داد کہ درمقام قبا لشکر گاہ سازد .... واز اہل شجاعت سی صد نفر ملازم او گردانیدہ، فرمود اے علی تو را فرستادم و بر مفارقت دریغ می خورم .... در آوان وداع باعلی فرمود۔ واللہ لان یہدی اللہ علی یدیک رجل واحد اخیر لک مما طلعت علیہ الشمس وغربت۔

سنہ ۹ھ میں پیغمبرِ اسلام نے علی مرتضٰی کو مقرر کیا کہ وہ جانب یمن جائیں اور حکم دیا کہ مقام قبا میں لشکر گاہ بنائیں ..... اور تین سو بہادران عرب کو ہمراہ کر دیا اور فرمایا۔ میں تم کو یمن بھیج رہا ہوں۔ مگر تمہاری جدائی کا مجھ کو غم ہے۔ علی کو رخصت کرتے وقت فرمایا اے علی۔ اگر خدا تمہارے ذریعہ سے ایک شخص کو بھی ہدایت اسلام دیگا۔ تو تمہارے لئے وہ بہتر ہے۔ ہر اس چیز سے جس پر سورج طلوع و غروب کرتا ہے۔

(۳) ب۔ بعد ازاں امیر المومنین علی قدم درمیدان نہاد .... مسلمان گشتہ۔

ب علی نے اہل یمن کو وعظ و نصیحت کی جب وہ نہ مانے اور جنگ پر آمادہ ہو کر تیر باراں کرنے لگے تو علی نے میدان جنگ میں قدم رکھا۔ اور علی نے بیس دشمنان اسلام کو قتل کر دیا تو باقی جماعت بھاگ نکلی۔ علی نے آگے بڑھ کر پھر وعظ و نصیحت کی اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

ج ۔ بریدہ بن الحصیب گوید کہ چوں بخدمت سید کائنات .... دوست تر داشتم۔

ج ۔ علی نے مال خمس میں سے ایک کنیز لی تھی اس پر بریدہ نے اعتراض کیا جب بریدہ خدمت

پیغمبر میں حاضر ہوا تو اسنے واقعہ جاریہ پیغمبر اسلام کو بیان اسلام نے پوچھا بریدہ! کیا علی کو دشمن رکھتے ہو بریدہ نے
۶ کہا جی ہاں۔ رسول نے فرمایا علی کو دشمن نہ رکھو اور اگر ان سے محبت ہے تو اس محبت میں اضافہ کرو کہ علی حق مال خمس میں اس کنیز سے زیادہ ہے .... پیغمبر اسلام کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ علی کے بارہ میں گمان بد نہ کرو میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہے جس کا ولی میں ہوں اس شخص کا ولی علی ہے۔ بریدہ کہتا ہے کہ اس کے بعد میں علی کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔

خلاصہ استنباط نتائج - فتح یمن کیلئے پیغمبر اسلام نے پہلے خالد بن ولید کو مامور کیا مگر باوجود چھ ماہ قیام یمن
۱- دستی دکوشش کے خالد اہل یمن کو مطیع نہ کر سکے۔ پیغمبر اسلام نے علی مرتضیٰ کو یمن روانہ کیا۔ بوقت روانگی مفارقت علی پر
۲- اظہار افسوس کیا دعائیں دیں اور فرمایا کہ اہل یمن کا ایک شخص بھی علی کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائیگا تو علی کیلئے دنیا و ما فیہا کی کل اشیاء
۳- سے بہتر ہوگا۔ یمن پہنچ کر اول علی نے وعظ و پند سے کام لیا مگر جب پہلوانان یمن مقابلہ پر آگئے تو علی نے ان پر حملہ کیے
۴ ان کے بیس افراد کو قتل کر دیا۔ اور باقی مسلمان ہو گئے۔ بریدہ بن الحصیب علی کو دشمن رکھتا تھا اسے علی کی شکایت پیغمبر اسلام سے کی پیغمبر اسلام شکایت کو سنتے ہی برافروختہ ہو گئے اور عام اعلان کر دیا کہ علی مجھ کو ہے میں علی کا ہوں گا۔
۵ "علی میرے بعد امت کا حاکم ہے"۔ بریدہ نے اپنے گناہ (نفرت و دشمنی علی سے) توبہ کی۔
ان واقعات تاریخی سے بھی ثابت ہوا کہ علی نے نصرت اسلام حسب وعدہ دعوت ذوالعشیرہ میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور پیغمبر اسلام نے حسب وعدہ ولایت و خلافت و امارت علی کا اعلان کر کے اپنی عدالت کاملہ کا نمونہ پیش فرمایا۔

واقعہ نصرت اسلام واقعہ بنی زبید

واقعہ تبوک کے بعد عمرو بن معدی کرب الزبیدی مدینہ آیا پیغمبر اسلام کی خدمت میں باریاب ہوا پیغمبر اسلام نے روز قیامت کے حالات بیان فرمائے عمرو مسلمان ہو گیا اور اسکے کچھ ہم قوم بھی مسلمان ہو گئے۔ اسی اثناء میں عمرو نے اپنے باپ کے قاتل ابی اشعث الخثعمی کو دیکھا اور اسکے دل میں آتش انتقام بھڑک اٹھی اس نے قاتل ابی اشعث کا گریبان پکڑ لیا اور خدمت پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ عہد جاہلیت کے قصاص کو اسلام نے ختم کر دیا ہے۔ لہٰذا تم باپ کا انتقام اس سے نہیں لے سکتے ہو عمرو کو یہ سنکر طیش آیا اور وہ مرتد ہو گیا اور اپنے شہر کو واپس چلا گیا۔ اثنائے راہ میں عمرو نے جماعت بنی حارث بن کعب کو لوٹا اور اپنی قوم سے جا ملا۔

پیغمبر اسلام کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ نے علی ابن ابی طالب کو گروہ مہاجرین پر سردار مقرر کر کے بنی زبید کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا بنی زبید عمرو کے ہم قبیلہ تھے اور اسی وقت خالد بن ولید کو بھی ایک جماعت اعراب کی تہدید کیلئے بھیجا اور حکم نبوی صادر ہوا کہ جب یہ ہر دو لشکر باہم ملیں تو ہر دو لشکروں کا سردار علی ابن ابی طالب کو سمجھا جائے۔ علی نے اپنے لشکر کا مقدمۃ الجیش خالد بن سعید کو قرار دیا۔ اور خالد بن ولید نے ابو موسیٰ اشعری کو مقدمہ لشکر بنایا۔ یہ ہر دو لشکر اپنے مقاصد کیلئے روانہ ہو گئے آگے بڑھ کر خالد بن ولید نے اپنے لشکر کے دو حصے کئے۔ ایک گروہ کو یمن روانہ کیا اور دوسرے کو بنو زبید قبیلہ عمرو کی جانب روانہ کیا جب علی مرتضیٰ کو واقعہ مذکور کی اطلاع ملی تو آپ نے ایک قاصد کے ذریعہ خالد بن ولید کو حکم بھیجا کہ جس جگہ تم کو میرا حکم

ملے اسی جگہ ٹھہر جاؤ۔ قاصد نے خالد کو مطلع کیا۔ مگر خالد بن ولید نے حکم علی کی مطلق پرواہ نہ کی تو علی مرتضیٰ نے خالد بن سعید کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ خالد بن ولید کے عقب میں جائے اور بہلا خالد بن ولید کو پائے وہیں روک لے حتیٰ کہ میں وہاں پہنچ جاؤں۔ خالد بن سعید نے حسب حکم علی تعمیل کی۔ جب علی وہاں پہنچے تو آپ نے خالد بن ولید کو ڈانٹا۔ اور سخت دست کہا کہ کیوں میرے حکم کی خلاف ورزی کی گئی۔

اس کے بعد علی مرتضیٰ نے قبیلہ عمرو بن معدی کرب کا رخ کیا۔ عمرو کے اہل قبیلہ نے کہا کہ اے عمرو! اب جوان قریشی سر پر آپہنچا ہے اور وہ تم سے خراج لینا چاہتا ہے۔ عمرو نے مغرورانہ انداز میں کہا کہ اس کو آنے دو جب وہ مجھ کو دیکھے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ مقابلہ کس سے ہے۔ فریقین کی افواج صف بستہ ہوگئیں عمرو خود میدان جنگ میں آگیا اور مبارزہ طلب کیا۔ علی مرتضیٰ نے اس کے مقابلہ کا ارادہ کیا تو خالد بن سعید نے دست بستہ عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ مجھ کو اجازت جنگ مرحمت فرمائیں تاکہ میں اس کی گستاخی کا مزا اس کو چکھاؤں علی نے کہا اے خالد بن سعید اگر تم میری اطاعت و پیروی کو اپنے اوپر واجب جانتے ہو تو تم خود اپنی جگہ پر رہو۔ تاکہ میں عمرو کا مقابلہ کروں۔

خالد خاموش ہوگیا اور علی میدان جنگ میں عمرو کے مقابلہ میں آگئے اور آپ نے آتے ہی ایک نعرہ شیرانہ کیا۔ عمرو نے جیسے ہی نعرۂ علی کو سنا سنتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے بھاگا۔

روضۃ الصفا جلد دوم ص ۱۶۹ کی عبارت یہ ہے:۔

"امیر در برابر عمرو آمدہ بانگے بروے زد عمرو بمجرد استماع آواز جناب ولایت مآب روئے بہزیمت آورد وسپاہ نصرت انتساب تیغ در مخالفاں بنہادہ برادر و برادر زادہ عمرو را کشتند۔"

عمرو کے بھاگتے ہی سپاہ اسلامی نے فوج مخالف کا صفایا شروع کر دیا۔ علی مرتضیٰ نے حکم دیا کہ مفرورین میں سے جو پلٹ کر آئے اور مسلمان ہو جائے اس کو امان دی جائے۔ علی مرتضیٰ واپس تشریف لے آئے اور خالد بن سعید کو اسی مقام پر چھوڑ آئے۔ عمرو خدمت خالد بن سعید میں آیا۔ اور مسلمان ہوگیا۔ اور اس نے درخواست کی کہ اس کے زن و فرزند کو غلامی سے آزاد کیا جائے۔ خالد بن سعید نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا۔

(۳۲) نصرت اسلام سریہ وادی الرمل

تبوک کی واپسی کے بعد پیغمبر اسلام کو معلوم ہوا کہ وادی الرمل میں لشکر مشرکین جمع ہو رہا ہے کہ وہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کریں۔ پیغمبر اسلام نے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کون ہے جو ان اشرار کو

دفع کرے۔ اصحاب صفہ میں سے ایک گروہ نے اس خدمت کو اپنے ذمہ لیا۔ اس وقت پیغمبر اسلام نے ابوبکر بن ابوقحافہ کو طلب کیا اور اس لشکر پر امیر بنایا۔ لشکر اپنی مہم پر روانہ ہوا۔ جب لشکر اسلام وادی رمل کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس وادی میں تناور درخت اور اونچے ٹیلے اور پتھروں کی چٹانیں بکثرت ہیں۔ اور راستہ سخت دشوار ہے۔ لشکر کو گذرنا دشوار تھا۔ کہ اتنے میں لشکر دشمن نے گھات سے نکل کر پتھروں اور درختوں کی آڑ لیکر مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیا بہت سے مسلمان شہید ہو گئے باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔

لشکر اسلام نے خدمت پیغمبر اسلام میں پورا واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے اکی مرتبہ عمر ابن الخطاب کی سرکردگی میں لشکر اسلام کو روانہ کیا۔ مگر وہاں پہنچ کر ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور کچھ مسلمان قتل ہوئے۔ اور باقی بھاگ کر واپس آگئے۔ اسی اثناء میں عمرو ابن العاص حاضر خدمت ہوا۔ اور اس نے درخواست کی مجھ کو اجازت جہاد دی جائے۔ میں دشمن کے مکر و حیلہ کا جواب دے سکوں گا۔ پیغمبر اسلام نے عمرو بن العاص کی درخواست کو منظور کر لیا اور لشکر کثیر دیکر روانہ کیا۔ لشکر جب وہاں پہنچا مگر دشمنوں نے اس مرتبہ بھی مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور باقی بھاگ کر واپس آگئے۔ پیغمبر اسلام کو بہت افسوس ہوا۔ اور اکی آپ نے علی ابن ابوطالب کو طلب فرمایا۔ اور ہر سہ سابقہ افسران فوج کو حکم دیا کہ وہ بھی علی کی ماتحتی میں جائیں۔ اور کامیابی لشکر اسلام کو دیکھیں۔

علی ابن ابی طالب لشکر اسلام کو ہمراہ لیکر اس انداز سے روانہ ہوئے کہ آپ نے وادی الرمل کا مشہور و معروف راستہ ترک کر دیا اور عراق و عرب کا راستہ اختیار کیا۔ آپ تمام رات سفر کرتے تھے اور دن کو راستہ سے ہٹ کر کہیں آرام کرتے تھے۔ جب لشکر اسلام قریب وادی الرمل پہنچا تو آپ نے حکم دیا کہ سب اہل لشکر خاموش رہیں شور و ہنگامہ نہ کریں۔ جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپ نے لشکر کو حکم حملہ دیدیا اور خود بھی حملہ کر دیا اور دشمنوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اور چشم زدن میں فوج دشمن کا صفایا کر دیا۔ خدا وند عالم نے اپنے حبیب کو بزبان جبرئیل بذریعہ سورہ والعادیات خوشخبری سنائی

نصرت پیغمبر اسلام تدفین و تجہیز رسول

ناظرین کتاب اول واقعات تاریخی مطالعہ فرمائیں تاکہ استنباط نتائج میں صحیح نتیجہ برآمد ہو سکے۔

(۱) ارجح المطالب ص۳۳ جلد ۲ بحوالہ امام فخر الدین رازی و امام دار قطنی۔ ھ

عن ام المومنین عائشہ قالت لما	ام المومنین عائشہ سے روایت ہے کہ جب
حضرت رسول اللہ الموت قال	رسول خدا کی وفات کا وقت قریب آیا تو۔
ادعوالی حبیبی فدعوت له ابابکر	فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ۔ میں نے ابوبکر کو

فنظر الیہ ثم وضع راسہ فقال ادعوالی حبیبی فدعوت لہ عمر فنظر الیہ ثم وضع راسہ ۔ فقال ادعوالی حبیبی فقلت ویلکم ادعوالہ علی ابن ابی طالب فواللہ ما یرید غیرہ فلما راٰہ اخرج الثوب الذی کان علیہ ثم ادخلہ فیہ فلم یزل یحتضنہ حتی قبض ویدہ علیہ ۔

بلا لیا ۔ آپ نے ابوبکر کو دیکھا ۔ اور پھر سر تکیہ پر رکھ لیا ۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو بلاؤ ۔ پھر میں نے عمر فاروق کو بلا لیا ۔ پھر آپ نے عمر کو دیکھا پھر اپنا سر تکیہ پر رکھ لیا پھر فرمایا کہ میرے حبیب کو بلاؤ ۔ اب کی میں نے کہا کہ تمہارا برا ہو تم علی کو کیوں نہیں بلاتے ہو ۔ خدا کی قسم بجز علی کے رسول کسی دوسرے کو نہیں بلا رہے ہیں جب علی کو دیکھا تو آپ نے اس چادر کو جو آپ اوڑھے ہوئے تھے اٹھایا اور علی کو اس کے اندر لے لیا ۔ آپ علی کو سینے سے چمٹائے رہے ۔ حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی اور آپ کا ہاتھ علی پر رکھا رہا ۔

(۲) طبقات ابن سعد :-

(ا) عن علی ابن الحسین قال قبض رسول اللہ صلعم وراسہ فی حجر علی ۔

علی ابن الحسین سے منقول ہے کہ جس وقت پیغمبر اسلام نے وفات پائی تو آپ کا سر علی کی گود میں تھا ۔

(ب) عن ابی غطفان قال سئلت ابن عباس ارایت رسول اللہ توفی وراسہ فی حجر احد قال توفی رسول اللہ صلعم وھو المستند الی صدر علی قلت فان عروۃ حدثنی عن عائشہ انھا توفی رسول اللہ صلعم بین سحری ونحری فقال ابن عباس اتعقل واللہ لتوفی رسول اللہ وھو مستند الی صدر علی وھو الذی غسلہ

ب ۔ اسی کتاب میں ابو غطفان سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ آیا آپ نے دیکھا تھا ۔ کہ وقت وفات رسول خدا کا سر کس کی گود میں تھا ۔ ابن عباس نے کہا کہ جب رسول خدا نے وفات پائی تو آپ علی کے سینہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے ۔ اور علی ہی نے ان کو غسل دیا ۔

(۳) خصائص میں امام نسائی لکھتے ہیں :-

عن ام سلمه قالت والذی تحلفت به ام سلمی ان اقرب الناس عهداً برسول الله علی قالت لما کان غداۃ قبض رسول الله فارسل الیه رسول الله صلعم قالت واظنه قال بعثه فی حاجة فجعل یقول جاء علی. (ثلاث مرات) فجاء قبل طلوع الشمس فلما جاء عرفنا انه الیه حاجة فخرجنا من البیت وکنا عند رسول الله صلعم یومئذ فی بیت عائشه وکنت فی آخر من خرج من البیت ثم جلست من وراء الباب فکنت ادناهم الی الباب فاکب علیه علی فکان آخر الناس به عهداً فجعل یساره ویناجیه، واللفظ حدیث المستدرک فجعل یساره ویناجیه ثم قبض صلعم.

۳۰۰ ام المومنین ام سلمہ سے مروی ہے اور وہ بحلف کہتی ہیں بوقت رسول قریب ترین مردم علی ابن ابی طالب تھے۔ جس دن رسول کا انتقال ہوا اس کی صبح کو آپ نے فرمایا کہ علی کو بلاؤ جنکو شاید کسی کام کیلئے باہر بھیجا تھا۔ اور جب تک وہ نہ آئے کئی بار پوچھا کہ علی آئے؟ اتنے میں علی آگئے۔ ہم نے خیال کیا کہ غالباً رسول خدا کو علی سے کوئی خاص حاجت ہے خانہ عائشہ سے باہر نکل آئے اور میں سب کے بعد نکل کر دوسری عورتوں کی نسبت دروازے سے بالکل قریب بیٹھی میں نے دیکھا کہ علی نے اپنا سر رسول خدا کی جانب جھکا دیا۔ اور پیغمبر اسلام علی سے بطور سرگوشی راز کی باتیں کرتے رہے۔ پس علی ہی وہ شخص ہیں جو رسول کے پاس آخر وقت تک موجود رہے۔ نیز مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ وقت وفات علی سے راز کی باتیں کہتے رہے۔

(۴) سیرۃ النبی شبلی نعمانی :-

تجہیز و تکفین کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی فضل ابن عباس اور اسامہ نے پردہ کیا اور حضرت علی نے غسل دیا .... چونکہ اس شرف میں ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا اس لئے حضرت علی نے اندر سے کواڑ بند کر لئے تھے .... حضرت علی نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا۔

(۵) طبقات ابن سعد :-

عن علی قال اوصانی النبی صلعم ان لا یغسله احد غیری فانه لا یری عورتی احد الا طمست عیناه

علی سے روایت ہے کہ فرمایا کہ مجھ کو رسول اللہ نے وصیت کی ہے کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص آپ کو غسل نہ دے کیونکہ جو آپ کو برہنہ دیکھے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔

(۶) تاریخ ابن ہشام جلد سوم :- (ص ۴۰۳)

فاسنده علی ابن ابی طالب علی صدره وکان العباس والفضل وقثم یقلبونه معه وکان اسامه بن زید وشقران مولاه هما اللذان یصبان الماء علیه وعلی یغسله۔

میت پیغمبر اسلام کو علی اپنے سینہ سے لگائے ہوئے تھے۔ اور عباس وفضل وقثم کروٹ دلاتے تھے۔ اور اسامہ بن زید اور شقران پیغمبر اسلام کے غلام میت پر پانی ڈالتے تھے اور علی ابن ابی طالب میت رسول کو غسل دیتے تھے

(۷) روضۃ الاحباب ص ۵۶۵ :-

علی مرتضی کرم اللہ وجہہ بر طرف سر جنازہ ایستاد وگفت اے پیغمبر گرامی ودین پرور نامی سلام ورحمت وبرکات حق تعالی بہ تو باد بار خدایا ما گواہی میدہیم کہ وے رسانید آنچہ بوے نازل شدہ وشرط نصیحت وموعظت بجا آوردہ ودر راہ خدا جہاد کردہ تا عزیز گردانید حق تعالی دین خود را بار خدایا مارا از آں جملہ گردان کہ پیروان باشیم کہ بوے نازل شدہ ومیان ما واو در روز قیامت جمع کن مردم آمین گفتند۔

علی مرتضی کرم اللہ وجہہ سر مبارک رسول کی جانب کھڑے ہوئے اور کہا۔ اے پیغمبر گرامی اور دین پرور نامی سلام ورحمت وبرکات حق تعالی آپ پر ہوں۔ اے خدائے بزرگ ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد نے ہم تک وہ سب پہنچا دیا جو ان پر تیری طرف سے نازل کیا گیا تھا۔ اور امت کو کامل وعظ ونصیحت پہنچائی۔ خداوند ہم کو ان کی پیروی کی توفیق دے اور روز قیامت ہم کو محمد کے ساتھ ہمقام محشور فرما۔ لوگوں نے آمین کہی۔

(۸) سیرۃ النبی میں شبلی نعمانی لکھتے ہیں :-

جسم مبارک رسول کو حضرت علی، فضل بن عباس، اسامہ بن زید اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے قبر میں اتارا۔

تاریخ ابن ہشام میں دفن رسول کے بارہ میں یہ عبارت ہے۔ :-

(۹) قال ابن اسحاق وکان الذین نزلوا فی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم علی ابن ابی طالب والفضل بن عباس وقثم بن عباس وشقران مولی رسول اللہ صلعم۔

ابن اسحاق کہتے ہیں وہ لوگ جو پیغمبر اسلام صلعم کی قبر میں اترے وہ علی بن ابی طالب فضل بن عباس، قثم ابن عباس وشقران آنحضرت کے غلام تھے۔

(۱۰) علامہ دیلمی لکھتے ہیں :-

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلعم یا علی انت تغسل جثتی وتؤدی دینی وتوارینی فی حفرتی وتفی بذمتی وانت صاحب لوائی فی الدنیا والآخرۃ ۔

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ اے علیؑ تم مجھ کو غسل دو گے میرے قرض کو ادا کرو گے اور جو کچھ میرے ذمہ ہے اسے ادا کرو گے۔ مجھے میری قبر میں اتارو گے اور دنیا و آخرت میں میرے علمبردار ہو گے۔

(۱۱) روضۃ الصفا جلد دوم ص۱۸۰ :-

در ایام خلافت عمر کعب الاخبار از وے استفسار نمود کہ یا عمر رسول در آخر حیات بکدام کلمہ متکلم شد عمر جواب داد کہ از علی ابن ابی طالب سوال کن۔ کعب از علی پرسید او گفت در زمانیکہ آنحضرت بر سینہ من تکیہ کردہ بود وسر بر دوش بنہادہ فرمود الصلوٰۃ الصلوٰۃ کعب گفت کہ آخرین عہد وصیت انبیاء این باشد وبایں مامور اند بعثت ایشاں بریں باشد علی گوید کہ رسول اللہ این سخن می فرمود و آب دہان مبارکش بمن می رسید کہ ناگاہ حال او متغیر یافتہ تحمل آں نداشتم کہ اورا بداں حال بہ بینم لاجرم عباس را گفتم مرا دریاب عباس

عمر کے عہد خلافت میں کعب الاخبار نے عمر سے سوال کیا کہ اے عمر پیغمبر اسلام نے آخری وقت کیا کلمہ زبان پر جاری کیا تھا؟ عمر نے جواب دیا کہ علی ابن ابی طالب سے پوچھو کعب نے علی سے پوچھا۔ علی نے کہا۔ وقت آخر رسول میرے سینہ پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ اور اپنا سر میرے شانہ پر لگائے ہوئے تھے۔ تو فرمایا الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔ کعب نے کہا کہ وقت آخر انبیاء کی وصیت یہی ہوتی ہے۔ اور وہ اسی پر مامور ہوتے ہیں علی کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام یہ الفاظ فرما رہے تھے اور ان کے دہن سے لعاب اڑ کر مجھ پر گر رہا تھا۔ کہ یکایک ان کا حال متغیر ہو گیا

نزدیک آمدہ باتفاق یکدگر آنسرور را بر بستر بخوابانیدیم۔

مجھ کو ان کا یہ حال دیکھنے کی تاب نہ ہو سکی میں نے مجبوراً عباس سے کہا کہ میرے پاس آؤ عباس نزدیک آئے اور ہم دونوں نے ملکہ پیغمبر اسلام کو بستر پر لٹا دیا۔

(۲) روضۃ الصفا[191] مطبوعہ بمبئی :-

(۱) آنگاہ ابوبکر بمراسم تعزیت و تسلیہ اہل بیت پرداختہ گفت امر غسل و تکفین و تجہیز و تدفین آنحضرت متعلق باشماست و خود با عمر و ابوعبیدہ جراح بجانب سقیفہ بنی ساعدہ شتافت دراں حین شنید کہ اعیان انصار در سقیفہ مجتمع شدہ اند و میخواہند کہ امر خلافت را قرار دہند۔

اس وقت ابوبکر نے الفاظ تعزیت و تسلی اہل بیت رسول سے کہے اور کہا کہ پیغمبر اسلام کے غسل میت و کفن و دفن کا انتظام آپ لوگوں سے متعلق ہے۔ اور ابوبکر خود عمر اور ابو عبیدہ جراح کو ہمراہ لیکر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے سنا کہ امراء انصار سقیفہ میں جمع ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ معاملہ خلافت کو طے کریں۔

(ب) ذکر کیفیت غسل تکفین آنحضرت :-
علماء سیر رحمہ اللہ آوردہ اند کہ چوں ابوبکر بسقیفہ بنی ساعدہ رفت ....
اہل خانہ آں علی و عباس و فضل و قثم اولاد عباس و اسامہ بن زید و صالح آزاد کردہ حضرت رسالت کہ شقران لقب داشت دراں خانہ از مردان غیر ایشاں دیگرے نبود۔

ب۔ علماء سیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب ابوبکر سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے ....
اس کے بعد علی و عباس و فضل و قثم اولاد عباس اور اسامہ بن زید اور صالح ملقب بہ شقران آزاد کردہ غلام رسول۔ اس گھر میں ان کے علاوہ مردوں میں دوسرا شخص نہ تھا

(ج) روایت آنکہ علی در چشم مبارک رسول خدا خاشاکے دید آنرا بزبان بیروں آورد۔

ج۔ روایت ہے کہ علی نے میت علیہ السلام کی آنکھ میں تنکا دیکھا تو آپ نے اس تنکے کو اپنی زبان کی نوک سے نکالا۔

(د) آنحضرت را بعد از غسل و تکفین بر سریر نہادہ در خانہ مدتے تنہا گذاشتند تا ملائکہ برو نماز گذارند و ایں صلوٰۃ بنا بر وصیت آنسرور بود ....
امیرالمومنین علی باصحاب خطاب فرمود کہ در

د۔ پیغمبر اسلام کو بعد غسل و تکفین کے تابوت میں رکھ کر کافی دیر تک ایک تنہا گھر میں رکھا تاکہ ملائکہ نماز جنازہ پڑھ لیں۔ یہ کام بوجہ وصیت پیغمبر کیا گیا۔ امیرالمومنین علی نے اصحاب

نماز جنازہ رسول اللہ ہیچکس امامت نکند چہ آنحضرت در زمان حیات و زمان ممات امام شما است ....

در بعضے از روایات وارد شدہ است کہ نخست امیر المومنین علی و عباس و طائفہ از خواص برآں حضرت نماز گذارند ....

آخر کسے کہ از قبر رسول اللہ بیروں آمد امیر المومنین علی بود ۔

اصحاب سے فرمایا کہ رسول خدا کی نماز جنازہ میں کوئی شخص امامت نہ کرے کیونکہ پیغمبر اسلام اپنی حیات میں اور بعد وفات بھی امت کے امام ہیں .... بعض روایات میں آیا ہے کہ سب سے پہلے علی نے پیغمبر اسلام کے جنازہ پر نماز جنازہ پڑھی عباس کے ساتھ عباس اور چند مخصوص افراد بھی شریک نماز تھے ۔ بعد دفن رسول کے سب سے آخر میں قبر نبی سے جو شخص نکلا وہ علی مرتضیٰ تھے ۔

(۱۳) تاریخ طبری جلد چہارم ترجمہ فارسی مطبوعہ نولکشور ص ۴۳۵ ۔

مردے بمسجد درآمد گفت مردم از انصار بمسجد جمع شدہ اند کہ با سعد بن عبادہ بیعت کنند و او را بخلافت بنشانند ابوبکر رضی اللہ عنہ دست عمر رضی اللہ عنہ را بگرفت و بیروں آمد و علی رضی اللہ عنہ با دیگراں ہمانجا بنشست و تدبیر شستن و کفن و قبر حضرت رب لت پناہ صلعم می کردند ۔ و بہ تہیہ اسباب آں مشغول بودند پس ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بقبیلہ بنی ساعدہ رفتند کہ مجموع انصار آنجا بودند ۔

ایک شخص مسجد میں آیا اور کہا کہ انصار مسجد میں جمع ہو گئے ہیں کہ سعد بن عبادہ پر بیعت کر لیں اور اس کو خلیفہ رسول بنا دیں ابوبکر نے عمر کا ہاتھ پکڑا اور مسجد سے باہر آ گئے ۔ اور علی معہ چند افراد کے وہیں رہ گئے اور رسول خدا کے غسل و کفن و دفن کا بندوبست کرنے لگے ۔ پس ابوبکرؓ و عمرؓ و عبیدہؓ قبیلہ بنی ساعدہ کی طرف گئے جہاں تمام انصار پہلے سے جمع ہو چکے تھے ۔

(۱۴) تاریخ طبری ترجمہ فارسی ص ۴۳۶ ۔

پس عباس و علی و فضل و قثم و شقران و اسامہ بن زید بغسل آنحضرت صلعم مشغول شدند

(۱۵) امیر المومنین علی و فضل و قثم و شقران ہر چہار بگور فرو شدند و علیؑ بعد از ہمہ از گور

عباس و علی و فضل و قثم و شقران اور اسامہ بن زید پیغمبر اسلام کے غسل میت میں مشغول ہو گئے ۔

۱۵ ۔ امیر المومنین علی و فضل و قثم و شقران چاروں اشخاص گور میں اترے اور علی سب کے

بالا آمد و خاک را بپراگندند ۔ | بعد قبر سے باہر آئے ۔ اور قبر کو مٹی دی گئی

(۱۶) ص ۴۳۶ :-

پیغمبر صلعم سہ روز ماندہ بود در روز | پیغمبر اسلام کی میت تین دن پڑی رہی اور
چہار شنبہ آنحضرت را بخاک دفن کردند | بدھ کے دن پیغمبر کو دفن کیا گیا۔

خلاصہ عبارات تاریخی :- (۱) وقت آخر پیغمبر اسلام نے علی کو بار بار بلایا اور جب علی آئے

(۱) تو اپنی چادر میں لیکر تا دیر سر گوشی و راز کی باتیں کیں۔

(۲) وقت وفات پیغمبر اسلام کا سر علی کی گود میں بھی تھا اور رسول علی کے سینہ سے تکیہ لگائے ہوئے بھی تھے ...

(۳) بعد وفات علی نے میت پیغمبر اسلام کو سینہ سے لگالیا تھا اور آپ تنہا غسل میت دے رہے تھے۔ اور صرف عباس اور فضل و قثم و شقران کروٹ دلانے اور پانی لانے کی خدمات پر مامور تھے۔

(۴) بعد وفات تکفین آنحضرت علی نے کی اور سب سے پہلے علی نے نماز جنازہ پڑھی۔

(۵) بوقت نماز جنازہ علی نے تصدیق رسالت باحسن اللہ ادا کی ۔

(۶) پیغمبر اسلام کو قبر میں علی نے اتارا اور قبر رسول سے سب سے آخر میں نکلے ۔

(۷) انصار و اصحاب کبار برائے مشورت و تعین خلیفہ سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے تھے اور ۲۴ یا ۴۸ گھنٹے کے بعد واپس آئے ۔

سطور بالا میں میں نے ۲۴ تاریخی مواقع پیش کئے جو اپنی نوعیت اور تاریخ اسلام کے اعتبار سے اہم ترین واقعات ہیں۔ یوں تو علی کی کل زندگی اور مہد تا لحد خدمت و نصرت رسول میں صرف ہوئی ہے۔ اور کسی مورخ کی طاقت نہیں ہے کہ وہ خدمات علی کو شمار کر کے محدود کر سکے ۔ مگر تاریخ اسلام جن کارنامے جواب میں دین اسلام قائم کرتے ہیں۔ وہ نمونۃً پیش کئے گئے ۔ اور اہل اسلام کی مستند و قدیم کتب تاریخ و حدیث کو بحیثیت شاہد و گواہ پیش کیا گیا ہے ۔

آمدم بر سر مطلب بسلسلہ حجۃ الوداع ۱۰ھ

مذکورہ تفصیلی بیان تحت عنوان عدالت پیغمبر اسلام بموقعہ حجۃ الوداع کیا گیا دعوت ذو العشیرہ بحکم خالق یکتا کی گئی تھی۔ حکم خدا پیغمبر اسلام کیلئے ہوا تھا۔ آیہ انذر عشیرتک الاقربین۔ اے رسول اپنے قرابت رکھنے والوں کو ڈراؤ اور ہدایت کرو۔ پیغمبر اسلام تعمیل حکم خدا کیلئے تیار ہو گئے اور آپ نے باحسن وجوہ دعوت اقرباء کا انتظام کیا ۔ تین دن مسلسل اعیان مکہ آئے ۔ مگر پیغمبر اسلام کی تصدیق نہ کی بلکہ تضحیک

کرتے ہوئے واپس ہو گئے۔ آخر علی نے تصدیق توحید خدا و رسالت ختم الرسل کی۔ اور پیغمبر اسلام کی خدمت میں عرض کیا۔ :-

انی احدثھم سنا وارمصھم عینا | میں حاضرین جلسہ میں سب سے زیادہ کم سن
واعظمھم بطنا واحمشھم ساقا | ہوں۔ میری آنکھیں آشوب زدہ ہیں۔ میرا
انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ۔ | پیٹ بڑا ہے۔ میری پنڈلیاں کمزور ہیں۔

مگر اے خدا کے نبی میں آپ کی نصرت کیلئے تیار ہوں۔ اور آپ کا وزیر امر تبلیغ رسالت کیلئے میں بننا چاہتا ہوں۔۔

علی کا سن بوقت وعدہ نصرت صرف ۱۳ سال کا تھا اور جسم کے لحاظ سے بھی آپ کمزور تھے۔ مگر جب علی نے خاتم النبیین کی تکذیب کرتے ہوئے اعیان قریش کو دیکھا تو بہ جوش ایمانی و روحانی کے آپ مجمع میں کھڑے ہو گئے۔ اور وعدہ نصرت بھی کیا اور کھلے ہوئے الفاظ میں اللہ یہ خاتم النبیین بننے کا اعلان بھی کر دیا۔ یہاں ان عرب وا اعیان قریش کا مجمع تھا۔ اور وہ سب ہنسنے لگے اور طنز کرتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ پیغمبر اسلام نے اعلان رسالت کر دیا۔ اور شجاعانہ انداز میں اعلان کلمہ توحید خدا کرنا شروع کیا۔ اعزاء اور اقربا نے ساتھ چھوڑ دیا۔ یگانے بیگانے بن گئے۔ ہم قوم و ہم قبیلہ جان کے دشمن ہو گئے۔ ہم وطن خون کے پیاسے ہو گئے۔ قتل کی تدبیریں ہونے لگیں۔ راستوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ سر پر کوڑے پھینکے گئے بہر حال ابنائے وطن نے وہ سب کچھ کیا جو پیغمبر اسلام کی تباہی اور جان لینے کیلئے وہ کر سکتے تھے مگر ہر موقعہ پر علی سایہ کی طرح پیغمبر اسلام کے ساتھ رہے۔ اور علی کے باپ اور پیغمبر اسلام کے چچا سردار قریش ابو طالب ہر موقعہ پر سینہ سپر رہے۔

سطور مندرجہ و عبارات تاریخی مذکورہ کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ تبلیغ دین اسلام کی خاطر پیغمبر اسلام نے کیا کیا مصائب جھیلے۔ اور کیسی کیسی ناقابل برداشت سختیاں برداشت کیں۔ اور ہر موقعہ پر علی ابن ابی طالب نے حق نصرت پیغمبر اسلام کس خوبی اور کس جان سپاری سے ادا کیا۔ سخت سے سخت موقعہ اور اہم سے اہم تر غزوات میں علی ہمیشہ آگے رہے۔ اور اپنی جان کو پیغمبر اسلام پر قربان کر دینا ہی اپنا مقصد حیات بنا لیا۔ اور اس پہ طرہ یہ کہ اصحاب پیغمبر اسلام و اہل لشکر اسلام ہمیشہ پیغمبر اسلام سے صلہ خدمات کے طالب رہے۔

پیغمبر اسلام افراد لشکر اسلام کو وہ سب کچھ تقسیم کر دیتے تھے۔ جو بطور مال غنیمت غزوات سے ملتا تھا۔ مگر اپنا اور علی کا حصہ مولفۃ القلوب یا دیگر مسلمانوں پہ تقسیم کر دیتے تھے۔ کبھی اور کسی موقعہ

پر علی نے مال دنیا و جاہ دنیا کی طلب نہیں کی۔ اور کبھی اپنی ان جاں نثاریوں کا صلہ و معاوضہ پیغمبر اسلام سے نہ چاہا۔ اور کبھی کسی موقعہ پر عذر فاقہ و بے سرو سامانی نہیں کیا۔ گویا علی فنا فی المحمد و فنا فی الرضائے محمد ہو گئے تھے۔ مقصد عینی پیغمبر اسلام کا تبلیغ توحید تھا۔ اور پیغمبر اسلام کے اس مقصد عینی کے برابر کے شریک علی تھے۔

کوئی مورخ نہیں بتا سکتا کہ علی نے کسی موقعہ پر بھی خود کسی عہدہ یا مال کی خواہش کی ہو۔ علی نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علی مراتب و فضائل نبوی کو جانتے تھے۔ علی عدالت و ایفائے عہد پیغمبر اسلام سے واقف تھے۔ علی دعوت ذوالعشیرہ میں بعمر ۱۳ سال پیغمبر اسلام سے وعدہ نصرت اسلام کر چکے تھے۔ لہٰذا اب تو علی کا یہی کام تھا۔ کہ وہ حق نصرت ادا کریں۔ اسی کو اپنا صلہ و معاوضہ سمجھتے ہیں

اب رہا ایفائے عہد پیغمبر اسلام اور اقتضائے عدالت نبوی۔ تو یہ خود پیغمبر اسلام کا فریضۂ اخلاقی تھا وہ جب چاہیں اپنے وعدہ کا اعلان فرمائیں۔ علی کو رائے پیغمبر اسلام میں دخل دینے کا کوئی حق نہ تھا۔ کیونکہ جہاں رائے ذاتی علی کی ہوتی وہیں سلسلۂ نصرت میں رخنہ و شگاف پڑ جاتا۔ اور یہ رخنہ پڑ جانا ہی خلاف معاہدہ ہو جاتا۔ علی کا سراپا اطاعت رہنا علی کے عہد و اقرار نصرت کا آئینہ دار تھا۔

علی بحسبہ اطاعت بنکر رضائے نبوی کو حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ منشائے ربانی و تبلیغ احکام قرآنی کی تکمیل ہو گئی۔ اور سلسلۂ غزوات ختم ہو گیا۔ رعب اسلام و حقانیت اسلام کا چرچا دور دور ہو گیا۔ اور امور دین اسلام کی اشاعت کا سقفہ ہو چکی۔ زبان قدرت نے بھی کہدیا۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی اب دین میں کوئی امر موجب کراہت نہیں ہے۔ کیونکہ ہدایت گمراہی و ضلالت سے علیحدہ ہو چکی ہے باطل باطل ہو گیا اور حق حق بنکر ظاہر ہو چکا۔ پیغمبر اسلام کو اب حکم خدا ہوا کہ،

"اے محبوب و حبیب تیرا فراق ملائکین ملاء اعلیٰ پر شاق ہے۔ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف پلٹ آ ایسی حالت میں کہ تو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے"

پیغمبر اسلام کو سند کامیابی حاصل ہو گئی۔ اور دعوت نامہ برائے حضوری رب الارباب مل گیا۔ لہٰذا آپ کو اپنا وعدہ یاد آیا کہ۔ دعوت ذوالعشیرہ کے موقع پر میں نے اپنی وزارت و خلافت اور وراثت کسی کو دینے کا اعلان کیا تھا۔ اور اس کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے اقرار نصرت پر اعلان وزارت کیا تھا۔ پیغمبر اسلام کے الفاظ یہ تھے۔:

فقال ان ھذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ یقیناً یہ علی میرا بھائی، میرا وصی، میرا خلیفہ تم پر ہے اس کی بات سنو اور اس کی

اطاعت کرو۔

جس وقت پیغمبر اسلام نے علی سے وعدہ خلافت و وصایت و اخوت کیا ہے۔ اس وقت پیغمبر اسلام کی شخصیت انفرادی تھی۔ آپ کے پاس نہ فوج تھی نہ لشکر تھا۔ نہ اصحاب تھے نہ دولت تھی نہ حکومت تھی یہ کچھ بھی نہ تھا۔ مگر پیغمبر اسلام دین الہٰی کی ترقی۔ دین اسلام کی منازل ارتقا کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا آپ نے علی سے یہ نہیں فرمایا کہ میں تم کو آئندہ وزیر اور وصی و خلیفہ بنا دوں گا بلکہ جیسے ہی علی نے وعدہ نصرت کیا اسی وقت پیغمبر اسلام نے خلافت و وزارت علی کا اعلان کر دیا۔ اور اس اعلان کے ساتھ حکم عام دیدیا کہ علی کا حکم سنو اور علی کا حکم مانو۔ کیونکہ میں نے آج ہی سے تم پر اس کو حاکم بنا دیا۔ یہ تو پیغمبر اسلام نے علی کو وہ صلہ دیا جو اس وقت کے لحاظ سے مطابق قانون عدالت تھا۔ مگر عملی طریقہ پر علی کو اس وقت کامل معاوضہ و صلہ ملنا چاہئے جب علی اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جائیں۔

سنہ ۱۰ھ میں پیغمبر اسلام اپنے مقصد بعثت کو کامل کر چکے۔ اب آخری فریضہ خداوندی یعنی حج بیت اللہ باقی رہ گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۰ھ میں آپ نے حج خانہ خدا سے بھی فراغت پائی۔ اور آپ بڑے جاہ و حشم و شان و شوکت سے مکہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اب دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ اول تو یہ کہ پیغمبر اسلام مدینہ جا کر مطابق اپنے وعدہ کے علی کی وزارت و خلافت کا اعلان کر دیتے۔ تو اس صورت میں صرف اہل مدینہ ہی کو معلوم ہوتا۔ اور ممکن ہے کہ اہل مدینہ یہ کہتے کہ صرف مدینہ والوں ہی کیلئے پیغمبر اسلام نے علی کو اپنا قائم مقام بنایا ہے۔ علی کی وزارت و خلافت کا دنیائے اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ تھی کہ آپ مکہ میں بعد ختم حج اعلان خلافت علی کر دیتے تو بھی اسلئے نامناسب تھا کہ ارکان و مناسک حج میں اعلان خلافت و وزارت شامل ہو جاتا۔ جو آئندہ صدیوں میں مشتبہ ہو کر نہ معلوم رکن حج بن جاتا یا نامعلوم کیا کچھ ہو جاتا۔ لہٰذا عبادت خداوندی اور مناسک حج سے اس کو الگ ہی رکھنا تھا۔ علاوہ بریں یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ یہ سمجھتے کہ پیغمبر اسلام نے صرف امسال حج کیلئے ہی اور صرف حاجیوں کے اوپر ہی علی کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور دنیائے اسلام سے خلافت علی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام اکثر و بیشتر اپنی غیبت میں اہل مدینہ پر اپنا خلیفہ بنا دیا کرتے تھے۔ وہی صورت اس موقع پر پیدا ہو جاتی۔ اور علی پیغمبر اسلام کے خلیفہ و وزیر تمام اہل اسلام کیلئے قرار نہ پاتے۔

اور اگر پیغمبر اسلام علی کی خلافت کو مقامی کر دیتے تو تو عدالت کاملہ پیغمبر اسلام کے خلاف تھا۔ کیونکہ علی نے وعدہ نصرت اس وقت کیا تھا جبکہ اسلام صرف سینہ رسول میں تھا۔ اور اہل دنیا پر اس کا کوئی

اثر نہ تھا۔ لہذا پیغمبر اسلام کی عدالت کا اقتضا صحیح یہی ہونا چاہیئے تھا کہ وہ علی کو اپنا خلیفہ و وزیر اس وقت تک کیلئے بنائیں جب تک آپ خاتم النبیین اور رسول رب العالمین ہیں۔

حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ پیغمبر اسلام نے اعلان وزارت و خلافت علی کا وہ موقع محل پسند کیا۔ جس سے بہتر نا ممکن تھا۔ وہ وقت واپسی حجۃ الوداع کا وقت تھا۔ چونکہ مسئلہ اہم ہے اور اختلافی ہے۔ لہذا آپ تاریخی شواہد اور تاریخی حالات ملاحظہ فرمائیں۔ اور خود فیصلہ کریں کہ پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع کے موقعہ پہ اعلان خلافت علی کر کے۔ قوانین عدالت کاملہ کی تکمیل کی ہے۔ اور حاکم عادل، نبی عادل کی عدالت کا یہی اقتضا تھا۔

۶۳۳ء فروری ۱۰ھ ذی الحجہ مطابق تاریخی حالات
حجۃ الوداع و اعلان ولایت علی باقتضاء عدالت نبوی

(۱) تاریخ طبری جلد چہارم مترجمہ فارسی ص ۱۲۳۱۔

(۱) چوں رسول خدا صلعم بحجۃ الوداع شد و اشراف مہاجر و انصار بلاد ہمراہ بودند و بجہت ہدی اشتران بسیار با خود ببردند و امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ را بہ نجران فرستادہ و او از نجران احرام گرفتہ بمکہ آمد و مجموع اعراب آگاہ شدند کہ پیغمبر صلعم بحج آمدہ است و مجموع اعراب از اطراف و جوانب جمع شدند و خلق بسیار گرد آمدند کہ ہرگز مثل آں ہیچکس ندیدہ بود۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ خدائے عزوجل آیت فرستاد۔ قولہ عزوجل۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا

ایں سال دہم ہجرت بود و آخرین غزوہ تا غزوہ تبوک بود

ترجمہ

پیغمبر اسلام جب حجۃ الوداع کو تشریف لیگئے تو تمام شہروں کے اشراف و مہاجرین و انصار آپ کے ہمراہ تھے۔ قربانی کیلئے بکثرت شتر آپ کے ساتھ تھے۔ پیغمبر اسلام نے علی کو نجران بھیج دیا تھا علی نجران سے احرام باندھ کر مکہ آئے تمام اہل عرب واقف ہو گئے کہ پیغمبر اسلام حج کیلئے آئے ہیں۔ تمام اہل عرب اطراف و جوانب سے جمع ہو گئے اور بکثرت لوگ جمع ہو گئے کہ اس کے مثل کبھی اتنا اجتماع نہیں دیکھا گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ خدا نے یہ آیت نازل کی کہ آج تمہارا دین کامل ہو گیا۔ میں نے اپنی نعمات تم پر پوری کر دیں۔ اور میں تمہارے دین اسلام سے راضی و خوشنود ہوا یہ سال دہم ہجری تھا اور پیغمبر اسلام کا آخری غزوہ

تبوک تھا۔

(۲) سیرۃ النبی علامہ شبلی :۔

اس سورہ اذا جاء نصر اللہ الخ کے نازل ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آ گیا۔ اس لئے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول سیاسی کا مجمع عام میں اعلان کر دیا جائے۔ آنحضرت صلعم نے ہجرت کے زمانہ سے اب تک فریضہ حج ادا نہیں فرمایا تھا.......... بہر حال ذیقعدہ میں اعلان ہوا کہ آنحضرت صلعم بارادہ حج مکہ تشریف لے جا رہے ہیں۔

(۳) تاریخ ابن ہشام" :۔

ان رسول اللہ صلعم کان بعث	پیغمبر اسلام نے علی کو نجران [illegible] کی طرف
علیا الی نجران..........	بھیجا تھا جب وہ وہاں سے لوٹ کر آئے تو
ونحر رسول اللہ صلعم عنہ۔	احرام باندھے ہوئے پیغمبر اسلام سے مکہ
	میں ملاقات کی..................

پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ جاؤ علی طواف کر کے اپنے دوستوں کی طرح تم بھی احرام کھول ڈالو۔ جناب امیر نے گذارش کی ہم نے احرام باندھتے وقت دعا کی تھی کہ اے خدا جس طرح تیرا نبی، تیرا بندہ تیرا رسول احرام کھولے گا اسی طرح میں اپنا احرام کھولوں گا۔

پیغمبر اسلام نے علی سے پوچھا کہ تمہارے پاس قربانی ہے۔ علی نے عرض کیا نہیں ہے۔ پس پیغمبر اسلام نے علی کو اپنی قربانی میں شریک کر لیا۔ اور علی بدستور سابق پیغمبر اسلام کے ساتھ احرام باندھے رہے حتیٰ کہ پیغمبر اسلام نے حج سے فارغ ہو کر علی کی جانب سے بھی قربانی دی۔

(۴) صحیح مسلم کی عبارت کا ترجمہ :۔

عن جابر قال نحر رسول اللہ.......... فاکلا من لحمہا و شربا من مرقہا

جابر سے روایت ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنے دست مبارک سے ترسٹھ اونٹ قربانی کئے ان کے علاوہ جسقدر کہ قربانی کیلئے اونٹ باقی رہ گئے تھے۔ ان کی قربانی کیلئے علی کو حکم دیا اور برچھا دیا اور ان کو اپنی قربانی میں شریک کیا۔ پھر ہر ایک اونٹ میں سے تھوڑا سا گوشت کاٹنے کا حکم دیا۔ پس وہ ایک ہانڈی میں پکوا کر دونوں صاحبوں نبی و علی نے کھایا۔ اور اس کا شوربا پیا۔۔۔

(۵) محمد ابن شہاب زہری جنہوں نے سب سے اول بحکم عمر ابن عبدالعزیز اس حدیث کو مدون کیا ہے۔ لکھتے ہیں (بحوالہ ارجح المطالب، ص ۵۱۳)

انما خص علی بذلک دون اقاربه واهله لقربة فکانه صلی الله علیه واله وسلم فعل بنفسه۔

پیغمبر اسلام نے اپنے تمام اقربا اور ازواج کے سوا علی کو اس قربانی کیلئے بوجہ ان کی قرابت قریبہ کے مخصوص فرمایا ہے اسلئے کہ علی کا قربانی کرنا خود پیغمبر اسلام کا قربانی کرنا تھا۔

(۶) سیرۃ النبی جلد اول:

راہ میں ایک مقام خم پڑا جو جحفہ سے تین میل پر ہے یہاں ایک تالاب ہے۔ عربی میں تالاب کو غدیر کہتے ہیں آپ نے یہاں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا ...

امابعد الا ایها الناس فانما انا بشر یشک ان یاتی رسول ربی فاجیب وانا تارک فیکم الثقلین اولهما کتاب الله فیه الهدی والنور فخذوا کتاب الله و استمسکوا به واهل بیتی اذکرکم الله فی اهل بیتی۔

حمد و ثنا کے بعد اے لوگو میں بھی بشر ہوں ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ جلد آجائے اور مجھے قبول کرنا پڑے (موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں۔ ان میں پہلے خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارہ میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں ...

آخری جملہ آپ نے تین بار مکرر فرمایا (مسلم) یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے۔ نسائی مسند امام حنبل، ترمذی، طبرانی، طبری، اور حاکم وغیرہ میں کچھ اور فقرے بھی ہیں۔ جن میں حضرت علی کی منقبت ظاہر کی گئی ہے۔ ان روایتوں میں ایک فقرہ اکثر مشترک ہے:

من کنت مولاه فعلی مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه

جن کا میں مولا ہوں پس ان کا علی بھی مولا ہے۔ اے خدا تو دلی بن اس کا جو علی کو مولا سمجھے اور اے خدا تو دشمن رکھ اسکو جو علی کو دشمن رکھے۔

(۷) امام نسائی، احمد بن حنبل و ترمذی و صحیح مسلم کی مشترک عبارات:-

عن زید بن ارقم قال لما حج رسول الله .... خلفتمونی فی کتاب الله

واحاجنتی۔

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ جب پیغمبر اسلام حجۃ الوداع سے بقصد مدینہ منورہ واپس ہوئے تو غدیر خم پر مقام کیا جو مکہ و مدینہ کے درمیان ہے۔ اس روز ماہ ذی الحجہ کی تیرھویں تاریخ تھی۔ لوگوں سے حضرت نے فرمایا اے لوگو! مجھ سے پوچھا جائے گا کہ آیا میں نے تم کو خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ تمام لوگوں نے عرض کیا ہم لوگ گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اور نصیحت کرنے کا حق ادا فرما دیا ہے۔ اور ہم لوگ گواہی دیتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں ہے۔ اور آپ خدا کے رسول برحق ہیں۔

پیغمبر اسلام نے فرمایا میں تمہاری گواہی پر گواہی دیتا ہوں۔ پھر فرمایا اے لوگو! میں تم میں اپنے پیچھے دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اگر تم نے ان دونوں سے تمسک کیا تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت ہیں۔ خدائے مہربان خبر دینے والے نے مجھے خبر دی ہے کہ جب تک وہ دونوں حوض (کوثر) پر وارد نہ ہوں گے ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے میرے حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی بصرے سے صنعا (یمن) اس کے پیالے ستاروں کی گنتی کے برابر ہیں۔ بتحقیق کہ خدا تم سے پوچھنے والا ہے کہ تم نے میرے بعد خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

(۸) مسند امام احمد بن حنبل میں درج ہے

عن البراء بن عازب قال کنا مع رسول اللہ فی سفر فنزلنا بغدیر خم فنودی منادا الصلوٰۃ جامعۃ وکسح الرسول اللہ صلعم تحت شجرتین فصلّی الظہر واخذ بید علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال الستم تعلمون انی اولیٰ بالمومنین عن انفسہم قالوا بلی قال الستم تعلمون انی اولیٰ لکل مومن من نفسہ قالوا بلیٰ فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ

براء ابن عازب سے مروی ہے کہ ہم لوگ پیغمبر اسلام کے ساتھ سفر میں تھے۔ جب غدیر خم میں وارد ہوئے تو منادی نے صلوٰۃ جامعہ کی ندا دی اور پیغمبر اسلام کیلئے درختوں کے نیچے کی زمین صاف کی گئی۔ پیغمبر اسلام نے نماز ظہر با جماعت پڑھی۔ اس کے بعد علی کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے کہا اے لوگو! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنین کیلئے ان کے نفوس سے اولیٰ ہوں۔ سب نے کہا کہ بیشک پھر آپ نے فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ میں ہر

اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ فلقیہ عمر ابن خطاب بعد ذلک فقال لہ ھنیأ لک یا ابن ابی طالب اصبحت وامسیت مولاہ کل مومن ومومنۃ۔

مومن کیلئے اس کے نفس و جان سے اولی ہوں۔ سب نے عرض کیا۔ بیشک آپ سب کے نفسوں سے زیادہ ان کی جانوں کے مالک ہیں۔ تب پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ جس کا میں مولاہ ہوں اس کا علی مولاہ ہے۔ الٰہی دوست رکھ اس کو جس کا مولاہ علی ہے۔ اور دشمن رکھ اس کا جو علی کو دشمن رکھے اس کے بعد عمر علی سے ملے اور کہا اے علی مبارک ہو تم کو کہ آج تم ہر مومن و مومنہ کے مولاہ ہو گئے۔

(۹) سیرۃ الامین والمامون علامہ علی بن برہان الدین شافعی منقول از ارجح المطالب لاہور)

وکان الرسول اللہ صلعم عمامۃ تسمی السحاب کسا ھا علی ابن ابی طالب بغدیر خم۔

پیغمبر اسلام کا ایک عمامہ تھا جس کا نام سحاب تھا۔ پیغمبر اسلام نے وہ عمامہ بروز غدیر خم علی کے سر پر باندھا۔

(۱۰) مشترک مضمون بالفاظ مختلف۔ مستدرک حاکم۔ خصائص نسائی۔ صواعق محرقہ۔ روضۃ الصفا جلد دوم ابن حجر مکی ص ۱۷۱۔ روضۃ الاحباب۔

یہ روایتے دراں راہ (در سفر حج الوداع) صد و بیست و چہار ہزار کس ملازم رکاب فلک فرسا بودند۔

ایک روایت میں ہے کہ سفر حج الوداع میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ ایک لاکھ چودہ ہزار اصحاب تھے۔

(۱۱) ص ۱۷۲۔ بعد از قطع منازل بغدیر خم کہ از نواحی جحفہ است رسیدہ دراں مرحلہ نزول فرمود ودراں موضع نماز پیشین گذاردہ روئے باصحاب آورد فرمود الست اولی بالمومنین من انفسہم آیا نیستم من اولی بمومنان از نفس ہائے ایشاں وبقولے فرمود کہ گویا مرا العالم بقا استدعا نمودند ومن اجابت کردم

پیغمبر اسلام مکہ سے واپسی پر بعد قطع منازل مقام غدیر خم پر پہنچے یہ غدیر خم جحفہ کے قریب ہے۔ آپ اس منزل پہ ٹھہر گئے۔ یہیں آپ نے نماز ظہر ادا کی اس کے بعد آپ نے اصحاب کو مخاطب فرمایا۔ اور فرمایا کہ کیا میں مومنین کی جانوں سے زیادہ ان کا مالک نہیں ہوں اور بقولے آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدائے

معلوم شما باد کہ من درمیان شما دو امر عظیم
می گذارم کہ یکے از دیگرے اعظم است قرآن
و اہل بیت من ببینید کہ بعد از من چگونہ و
بچہ کیفیت با آں دو امر سلوک خواہید کرد و
رعایت آں دو امر بچہ نوع بجا خواہید
آورد و آں دو امر از ہم متفرق نخواہند گشت
تا در کنار حوض کوثر کہ بمن رسند بعد از آں
بزبان معجز بیان گذرانید کہ بدرستیکہ خدائے
تعالیٰ مولائے منست و من مولائے
مومناں آنگاہ دست علی را گرفتہ فرمود
من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ اللہم و ال
من والاہ و عاد من عاداہ و اخذل من
خذلہ وانصر من نصرہ و دار الحق معہ
حیث کان . . . .
و در خیمہ خاص بر نشست و فرمود کہ امیر المومنین
علی در خیمہ دیگر بنشیند بعد از آں طبقات
خلائق را امر کرد کہ بخیمہ علی رفتند و زبان بہ
تہنیت آنحضرت کشادند و چوں مردم
از ایں امر فارغ شدند امہات بفرمودہ خواجہ
کائنات نزد علی رفتہ او را تہنیت گفتند
از جملہ اصحاب عمرؓ ابن الخطاب گفت خوشا
حال تو اے علی کہ صباح کردی مولائے من
و مولائے جمیع مومنین ۔

قدیر کی جانب سے دعوت نامہ آچکا ہے۔
اور میں نے قبول کر لیا ہے۔ تم کو معلوم ہونا
چاہیئے کہ میں تمہارے درمیان دو امر عظیم
چھوڑے جاتا ہوں ایک دوسرے سے زیادہ
عظیم ہے۔ ایک قرآن ہے دوسرا میرے
اہل بیت۔ دیکھو تم لوگ میرے بعد کس طرح
ان دونوں چیزوں کے ساتھ سلوک کرتے
ہو اور وہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے
جدا نہ ہونگی حتی کہ میرے پاس حوض کوثر
پر پہنچ جائیں گی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خدا
میرا مولاہ ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں
اس کے بعد علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ من
کنت مولاہ۔ میں جس کا مولا ہوں پس اس
کا علی مولا ہے۔ اے خدا جو علی کو اپنا مولا
سمجھے تو بھی اس کا ولی بن اور جو علی کو دشمن
رکھے اس کو تو بھی دشمن رکھ۔ اے خدا جو
علی کو چھوڑ دے اس کو تو بھی چھوڑ دے۔
اور جو علی کی نصرت کرے اس کی تو بھی نصرت
کر اور حق کو اس طرف موڑ دے جدھر علی
مڑے . . . . اس کے بعد
پیغمبر اسلام ایک خیمہ میں تشریف فرما ہوئے
اور دوسرے خیمہ میں علی کو بٹھایا۔ اس کے
بعد تمام اصحاب کو حکم دیا کہ خیمہ علی میں جاکر
علی کو مبارکباد ولایت دیں اور جب مرد مبارکباد دے چکے تو آپ نے خود ازواج نبی کو (خود پیغمبر
اسلام نے) حکم دیا کہ وہ علی کو مبارکباد دیں۔ امہات المومنین نے بھی علی کو مبارکباد پیش کی

منجملہ اصحاب کے عمر ابن خطاب بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی ان الفاظ میں مبارکباد دی۔ اے علی خوش حال آپ کا کہ آپ میرے اور تمام مومنین کے مولا ہو گئے۔

ناسخ التواریخ جلد اول کتاب دوم ص۹۷

چوں رسول خدا خطبہ غدیریہ را بپائے بردد خلافت و امامت علیؑ را منصوص داشت و فرمان کرد کہ حاضر بغایب برساند چندآنکہ ایں ابلاغ تا قیامت برود و مرداں بدانند کہ ہر کس خلافت علیؑ را بواسطہ تقریر ندہد از آتش دوزخ نہ رہد دریں ہنگام آں جماعت کہ یکصد و بیست ہزار تن بشمار می رفت بہ یکبارگی بانگ برداشتند یارسول اللہ۔ سمعنا و اطعنا علی امر اللہ و امر رسولہ بقلوبنا والسنتنا و ایدینا۔

جب پیغمبر اسلام نے خطبہ غدیریہ کو ختم کیا اور خلافت و امامت علی پر نص فرما دی تو آپ نے حکم دیا کہ حاضر ہر غائب کو سنا دے تاکہ یہ پیغام رسالت تا قیامت باقی رہے اور لوگ جان لیں کہ جو کہ خلافت علی بے واسطہ نہ تسلیم کرے گا آتش جہنم سے نجات نہ پائے گا اس وقت میدان غدیر خم میں ایک لاکھ بیس ہزار افراد موجود تھے۔ یک بارگی بیک آواز سب نے عرض کیا۔

یا رسول اللہ ہم نے سنا۔ ہم نے تسلیم کر لیا اور اطاعت کی حکم خدا و رسول کی بدل و بزبان و باعضا۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور یہ آیت لائے۔ آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے۔ پس تم ان سے نہ ڈرو اور روز قیامت سے ڈرو آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ میں نے اپنی نعمات تم پر تمام کر دیں اور تمہارے لئے میں نے دین اسلام کو پسند کیا۔ پس شاعر دربار رسالت حسان ثابت ایک جائے بلند پر گئے اور مسلمانوں نے اشتیاق کلام کیلئے گردنیں بلند کیں

و جبرئیل فرود شد و ایں آیت مبارک بیاورد الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

پس حسان ثابت شاعر دربار رسول، بفراز زمینے افراختہ صعود داد و مسلماناں اصغائے کلمات اورا گردن کشیدند و او ایں شعر را نشاد کرد۔

ینادیھم یوم الغدیر نبیھم
بخم واسمع بالرسول منادیا

ان کے نبی نے یوم غدیر ندا دی اور رسول کی آواز کو سننے والے سنیں۔

وقال فمن مولاکم و ولیکم
(۲) فقالوا ولم یبدوا هناك التعادیا
الٰهك مولانا وانت ولیّنا
(۳) ولن تجدن منالك الیوم عاصیا
فقال له قم یا علی فاننی
(۴) رضیتك من بعدی اماما وهادیا
فخص بها دون البریة کلّها
(۵) علیّا وسماه الوزیر المواخیا
فمن کنت مولاه فهذا ولیه
(۶) فکونوا له اتباع صدق موالیا
هناك دعا اللّٰهم وال ولیه
(۷) وکن للذی عادی علیا معادیا

چوں حسان این شعر قرأت کرد رسول خدا فرمود۔
لا تزال یا حسان مؤیدا بروح القدس ما نصرتنا بلسانك۔

اور فرمایا کون تمہارا مولا اور ولی ہے۔ ان لوگوں نے جو اس موقع پر دشمنی نہیں کرتے تھے۔ کہا — (۳) تمہارا خدا مولا ہے اور تم ہمارے ولی ہو اور ہرگز ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس بارہ میں سرکشی کرے (۴) پھر فرمایا کہ اے علی کھڑے ہو جاؤ پس یقیناً میں نے تم کو اپنے بعد کیلئے ہادی اور امام نصب کیا۔ پس مخصوص کیا سارے عالم میں علی کو اور موسوم کیا وزیر واخی نام سے۔ روز غدیر رسول نے کہا جسکا میں مولا ہوں پس اسکا علی مولا ہے۔ پس تمسک اس کے سچے دوست دیرینہ۔ اس کے بعد رسول نے دعا کی اے خدا دوست رکھ اسکو جو علی کا دوست ہے اور جو علی کا دشمن ہو اسکو دشمن رکھ۔

جب حسان ثابت نے دربار رسول میں شان علی میں یہ قصیدہ پڑھا۔ تو پیغمبر اسلام نے خوش ہو کر فرمایا۔ اے حسان روح القدس تمہاری تائید کرے کہ تم نے اپنی زبان سے ہماری تائید کی ہے۔

(۱۳) وقال ابن واضح فی تاریخه وقد قیل انه آخر ما نزل علیه الیوم اکملت لکم دینکم الآیة وهی الروایة الصحیحة الثابتة الصریحة وکان نزولها بغدیر خم۔

علامہ ابن واضح نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ بروایت صحیحہ ثابتہ وصریحہ آیت اکملت لکم دینکم قرآن کی آخری آیت ہے۔ اور اس کا نزول غدیر خم میں ہوا ہے

(۱۴) - واخرج ابن مردویه وابونعیم عن ابی سعید الخدری قال لما نزلت

حافظ ابن مردویہ و حافظ ابونعیم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب

هذه الآیة یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ اخذ النبی صلعم بید علی فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللهم وال من والاہ وعاد من عاداہ فنزلت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

آیت یا ایہا الرسول الخ۔ (اے رسول پہنچا دو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے) نازل ہوئی تو جناب رسالت مآب نے علی کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ (جس کا میں مولا یا حاکم ہوں اس کا حاکم یا مولا علی ہے۔) اے خدا دوست رکھ اسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسکو جو علی کو دشمن رکھے۔

پس اس ارشاد نبوی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ الیوم اکملت لکم الخ (آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کیا تم پر اپنی نعمات کو تمام کیا۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔

خلاصہ و استنباط نتائج ۔ مندرجہ بالا تاریخی عبارات کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) سنہ ۱۰ھ میں پیغمبر اسلام نے قصد حجۃ الوداع فرمایا اور آپ تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار افراد کو ہمراہ لیکر شریک حج ہوئے۔

بموقع حج پیغمبر اسلام نے علی کو ضرورتاً کسی کام کیلئے مدینہ سے باہر بھیجا تھا۔ جب علی مکہ آکر شریک حج ہوئے تو پیغمبر اسلام نے اپنی نیت احرام پر علی کو باقی رکھا اور علی کی جانب سے خود اپنے مال سے قربانی دی اور پھر خود علی نے اپنی اپنی قربانی کا گوشت ہانڈی میں پکا کر خود ہی دونوں حضرات نے ساتھ کھایا

(۳) حج سے واپسی پر پیغمبر اسلام نے مقام غدیر خم میں قیام کیا اور نماز ظہر کے بعد ایک لاکھ بیس ہزار مجمع اصحاب کے سامنے خطبہ دیا۔ اور اس میں کتاب خدا اور اپنے اہل بیت کے تمسک کا حکم دیا۔

(۴) پیغمبر اسلام نے بروز غدیر خم اپنا عمامہ موسوم بہ "سحاب" علی کے سر پر باندھا۔

(۵) پیغمبر اسلام نے غدیر خم میں علی کو علی الاعلان اپنا خلیفہ وصی اور مومنین کا حاکم مثل اپنے بنایا۔

(۶) پیغمبر اسلام نے علی کو اپنا حاکم ماننے والوں کیلئے دعائے بہتری اور علی کے دشمنوں کیلئے بددعا دی۔

(۷) پیغمبر اسلام نے مقام غدیر خم میں قیام کیا اور ایک خیمہ میں تشریف فرما ہوئے۔ اور دوسرے خیمہ میں علی کو ولایت خلافت پر متمکن کر کے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ علی کو خلافت کی مبارکباد دیں۔

(۸) پیغمبر اسلام نے دیکھا کہ تمام اصحاب علی کو مبارکباد دے چکے۔ تو آپ نے اپنی ازواج کو حکم دیا کہ وہ بھی علی کو مبارکبادہ پیش کریں۔

(۹) پیغمبر اسلام جب علی کو اپنا خلیفہ و وصی مقرر کر چکے تو خدا نے تکمیل دین اسلام کی سند پیغمبر اسلام کو عطا فرمادی اور جبرئیل آیت الیوم اکملت لکم دینکم لیکر نازل ہوئے۔

(۱۰) ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو پیغمبر اسلام نے غدیر خم میں علی کو اپنا خلیفہ و وصی بنایا اور مدینہ واپس ہو کر کچھ دن کے بعد آپ علیل ہو گئے۔ اور بقولے ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یا بقولے ۲۸ صفر ۱۱ھ وفات پائی۔ اس صورت میں پیغمبر اسلام بعد واپسی حج صرف ۷۲ یا ۷۳ دن زندہ رہے۔ اور اس مدت میں بھی تقریباً ۱۲ دن بیمار رہے ان حالات کو نظر میں رکھتے ہوئے ناظرین غور فرمائیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے وعدہ بموقع دعوت ذوالعشیرہ جو بعثت کے تیسرے سال ہوا تھا کا ایفا اس وقت کیا جبکہ تبلیغ دین اسلام کی تکمیل ہو چکی اور قرآن پاک کامل نازل ہو چکا۔ احکام ربانی و قرآنی انسانوں کو باحسن وجوہ پہنچ چکے۔ قاعدہ تو یہی ہے کہ مراجعت کلید مفوضہ کے اہتمام کے بعد دیجاتی ہے اور شرائط وعدہ کے پورا ہونے کے بعد ہی معاوضہ و صلہ دیا جاتا ہے۔ یا ایفائے عہد کیا جاتا ہے۔ اہل انصاف اور اہل نظر اس موقعہ اور ان حالات کو پیش نظر رکھ کر خود فیصلہ فرمائیں کہ جب علی نے اپنا وعدۂ نصرت پورا کر دیا جس کی مثال تاریخ عالم نہ پیش کر سکتی ہے اور نہ کبھی آئندہ قیامت تک پیش کر سکے گی۔ تو پیغمبر اسلام کا بلحاظ عادل کامل ہونے کے کیا فریضہ تھا۔ یہی کہ علی کو وعدہ حور و قصور پہ ساکت کر دیا جاتا۔۔۔۔؟

خیر علی تو اپنے صلہ و معاوضہ کو طلب نہ کرتے۔ وہ تو ہمہ تن رضائے رسول تھے مگر قوانین عدالت کے جاننے والے اور حالات پیغمبر اسلام میں خلاف عدالت ایک فعل دیکھنے والے اور مورخین و عقلاء و حکماء زمانہ افعال پیغمبر اسلام و اخلاق پیغمبر اسلام کو کس نظر سے دیکھتے۔ اگر پیغمبر اسلام بعد ختم کار نبوت و رسالت اور بعد تکمیل دین اسلام علی کی خدمات کا حسب وعدہ صلہ نہ دیتے اور ایفاء عہد نہ کرتے تو یہ دامن خاتم النبیین و دامن عدالت سید المرسلین پہ ایک بدنما داغ رہ جاتا۔ الکریم اذا وعد وفا۔ کریم اور صاحب بزرگی تو وہی ہے کہ جب وعدہ کرے تو وفا کرے۔

مذکورہ چند جملے تو صرف بعض نافہم مورخین و محدثین اسلام کیلئے جواباً لکھ دیئے گئے کہ شاید ان کے دماغ میں کسی قسم کا اعتراض خطور کرے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کامل انسان تھے۔ ان میں تمام صفات کمالیہ بدرجہ اتم موجود تھے۔ وہ مجسمہ اخلاق تھے۔ ان کی تمام حرکات سکنات نمونہ اخلاق تھیں۔ ان کا ہر قول اور ہر فعل میزان حکمت و قوانین عدالت پہ موزوں تھا۔

چنانچہ آپ نے غزوہ تبوک کے بعد ہی سمجھ لیا تھا کہ علی نے اپنے وعدۂ نصرت اسلام کو باحسن وجوہ

پورا کر دیا ہے۔ اور غزوہ تبوک کے بعد اب علی کی اہم خدمات کی چنداں ضرورت پیش نہ آئے گی۔ لہذا آپ نے حسب موقعہ اور حسب ضرورت خلافت و وصایت و امامت علی کا اعلان شروع کر دیا۔

(۱) سورہ برأت ابوبکر بن قحافہ کو دیکر بھیجا۔ مگر راستہ سے ان کو واپس بلا کر سورہ برأت علی کو دیدی اور استفسار ابوبکر پہ صاف صاف کہدیا کہ یہ کار تبلیغ رسالت میں کر سکتا ہوں یا جو مجھ سے ہو۔ اور علی مجھ سے ہے۔ لہذا علی میرے کار تبلیغ و رسالت میں میرا شریک ہے۔

(۲) حجۃ الوداع میں علی کو اپنی نیت احرام میں شامل کیا۔ اپنی قربانی میں شریک کیا۔ اور اپنے معینہ قربانی کے اونٹوں کو بدست علی نحر کرایا۔ اور پھر گوشت قربانی کو ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ اور اصحاب و حجاج کو دکھا دیا کہ نبی و علی سب پر فضیلت رکھتے ہیں۔

(۳) پیغمبر اسلام نے بوقت وفات تین مرتبہ اپنے حبیب کو بلایا۔ مگر دو بار دوسرے اشخاص کو پیغمبر اسلام کے پاس بھیج دیا گیا۔ مگر پیغمبر اسلام نے سکوت اختیار کیا۔ آخر میں جب علی آئے تو پیغمبر اسلام نے علی کو اپنی چادر میں لے لیا اور تا دیر راز کی باتیں کیں اور آغوش علی ہی میں تھے کہ درجہ وصال حق پہ فائز ہوئے۔

(۴) پیغمبر اسلام نے حجۃ الوداع سے واپسی پر مقام غدیر خم میں تو علی کو اپنی مسند خلافت و امامت و مطلوبیت ہی پہ بٹھا دیا اور باقاعدہ اصحاب و ازواج سے مبارکباد دلوائی۔

(۵) **عدالت رسول** ۔ پیغمبر اسلام نے جب دیکھا کہ بعض دنیا پرست و طالب جاہ افراد خلافت علی کو پسند نہیں کر رہے ہیں تو آپ نے آخری وقت قلم دوات و کاغذ طلب کیا تاکہ بطور وصیت کے خلافت علی پہ دستاویزی شہادت قائم کر دیں۔

پیغمبر اسلام کا یہ فعل بھی عدالت کاملہ نبوی پہ دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام نے علی کی خدمات اور نصرتوں کی قیمت جو کچھ مقرر کی تھی وہ اپنی نیابت و خلافت و وزارت تھی۔ اگر اس موقعہ پہ پیغمبر اسلام صرف زبانی اعلان فرما دیتے اور جماعت کی زبان بندی نہ کرتے اور معاملہ کو مستحکم نہ کرتے تو تکمیل قوانین عدالت و ایفاء عہد میں نقص واقع ہو جاتا۔ لہذا آپ نے اپنے بعد کیلئے تحریر کو ضروری سمجھا ملاحظہ ہو۔

(۱) تاریخ احمدی ص ۹۷ عبارتہ طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ (معجم کبیر)

روی الطبرانی عن عمر قال لما مرض النبی صلعم قال ادعوا لی بصحیفۃ و دواۃ

طبرانی نے عمرؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے بحالت مرض فرمایا کہ کاغذ اور دوات وغیرہ

اکتب کتاباً لا تضلوا بعدہٗ ابداً فقال النسوۃ من وراء الستر الا تسمعون مایقول رسول اللہ صلعم فقلت انکن صواحبات یوسف اذا مرض رسول اللہ عصرتن اعینکن واذا صح رکبتن عنقہ فقال رسول اللہ دعوھن فانھن خیرا منکم ۔

میرے پاس سے آؤ تاکہ میں ایک ایسا کتاب لکھ دوں جس کی وجہ سے تم لوگ میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو (مگر کسی نے اس حکم کی تعمیل نہ کی) کچھ عورتوں نے پردہ کے اندر سے اصحاب سے کہا کہ کیا تم لوگ رسول خدا کا ارشاد نہیں سنتے ہو عمر نے ان عورتوں کو جواب دیا کہ تمہاری مثال صواحبات یوسف کی ہے کہ پیغمبر کی بیماری میں روتی ہو اور بوقت صحت ان کی گردن پر سوار ہوتی ہو ۔ یہ سنکر پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ ان عورتوں سے تم متعرض نہو یہ تم سے پھر بھی بہتر ہیں ۔

(۲) صحیح مسلم (تاریخ احمدی ص ۹۷) ۔

واخرج مسلم عن عبید اللہ عن ابن عباس قال لما حضر رسول اللہ صلعم وفی بیت رجال فیھم عمر ابن خطاب قال النبی صلعم ھلم اکتب لکم کتابا لاتضلون بعدہٗ فقال عمر ان رسول اللہ قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب اللہ فاختلف اھل البیت فاختصموا منھم من یقول قربوا یکتب لکم رسول اللہ کتابا لم تضلوا بعدہ ومنھم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغط والاختلاف عند رسول اللہ صلعم قال رسول اللہ قوموا عنی قال عبید اللہ فکان ابن عباس یقول ان الرزیۃ کل الرزیہ ما حال بین رسول اللہ صلعم وبین ان یکتب لھم ذلک

صحیح مسلم میں ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول خدا کا وقت احتضار ہوا تو دولت کدہ نبوت میں عمر ابن خطاب و دیگر اصحاب جمع تھے ۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ آؤ میں تمہارے لئے کچھ بطور وصیت لکھدوں تاکہ بعد از آں تم گمراہ نہ ہو ۔ عمر بولے کہ پیغمبر غلبہ مرض اور شدت درد کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں ۔ تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے ۔ اس بات پر حاضرین میں جھگڑا ہوگیا ۔ بعض کہتے تھے کہ پیغمبر اسلام کے حکم کی تعمیل ضروری ہے ۔ تاکہ پیغمبر اسلام جو چاہیں تمہارے لئے تحریر فرمادیں ۔ اور بعض لوگ عمر کے ہمزبان تھے ۔ جب بہت شور اور اختلاف ہونے لگا تو پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میرے پاس سے دور ہو ۔

الکتاب من اختلافهم وتعظم۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ بہت بڑی مصیبت ہو گئی یہ واقعہ کہ پیغمبر اسلام کے لکھنے میں حائل ہوا کہ آپ امت کیلئے کچھ نہ لکھ سکے۔

(۳) صحیح بخاری :-

داخرج البخاری عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انہ قال یوم الخمیس وما یوم الخمیس ثم بکی حتی خضب دمعہ الحصباء فقال اشتد برسول اللہ صلعم وجعہ یوم الخمیس فقال ایتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ھجر رسول اللہ صلعم قال دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ۔

صحیح بخاری میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ کہا عبد اللہ ابن عباس نے آہ پنجشنبہ کا دن کیسا دن تھا۔ اور یہ کہکر اتنا روئے کہ جو سنگریزے اسجگہ پڑے تھے۔ ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ بعد ازاں کہنے لگے کہ بروز پنجشنبہ پیغمبر اسلام کے درد و مرض میں شدت ہوئی۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے کتابت کا سامان دو۔ تاکہ میں تمہارے لئے کچھ بطور وصیت لکھ دوں جس سے تم لوگ میرے بعد کبھی گمراہ نہو۔ اس بات پر لوگوں نے نزاع اور اختلاف کیا۔ (حالانکہ نبی کے پاس جھگڑا نہ کرنا چاہیئے) لوگوں نے کہا رسول اللہ ہذیان بک رہے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میرے پاس سے دور ہو جاؤ۔ میں جس حالت میں ہوں وہ تمہاری حالت سے بہتر ہے۔

(۴) واخرج احمد بن حنبل فی المسند و مسلم فی صحیحہ من سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ قال یوم الخمیس ثم جعل تسیل دموعہ حتی رأیت علی خدیہ کانھا نظام اللؤلؤ قال قال رسول اللہ صلعم فقال ھجر الرجل اذا ھذی (فتح الباری شرح صحیح بخاری) باختلاف الفاظ و بہ مطلب واحد کتاب ملل و نحل شہرستانی (روضۃ الاحباب)

مسند احمد بن حنبل اور صحیح مسلم میں بروایت سعید بن جبیر مروی ہے کہ عبد اللہ ابن عباس یہ کہہ کر کہ روز پنجشنبہ کیسا دن تھا اتنا روئے کہ موتیوں کی لڑی کی طرح ان کے رخساروں پر آنسو جاری ہو گئے۔ بعد ازاں کہا کہ پنجشنبہ وہ دن تھا جب رسول خدا نے فرمایا کہ مجھے سامان کتابت دو تاکہ میں وصیت لکھ دوں جس سے تم میرے بعد گمراہ نہو۔ مگر بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ پیغمبر ہذیان بک رہے ہیں۔

تاریخ اسلام واحادیث محدثین معتبر کو آپ نے مطالعہ فرمایا پیغمبر اسلام نے صرف زبانی اعلان خلافت و وصایت و امامت علی نہیں فرمایا بلکہ عملی طور پر دیگر تحریری طریقہ پر اسے ظاہر فرمادیا کہ دعوت ذوالعشیرہ کے موقعہ پر میں نے جو وعدہ بعوض نصرت علی و خدمات علی کیا تھا۔ اس کو پورا کر دیا۔ اور کوئی پہلو ایسا نہ چھوڑا جو اس معاملہ کی تکمیل میں نقص و تقصیر کو ظاہر کرتا۔

بعض اصحاب نے علی سے کہا کہ پیغمبر اسلام کا آخری وقت ہے۔ تم کیوں اپنے لئے کوئی وصیت نہیں لکھواتے۔ علی نے فرمایا کہ میں ہرگز مال دنیا کی طلب پیغمبر اسلام سے نہیں کروں گا۔ علی کا مطلب یہ تھا کہ میں نے بعہد طفلی پیغمبر اسلام سے وعدہ نصرت اسلام کیا تھا۔ اور جس کی تکمیل باحسن وجوہ میں نے اپنے عمل سے کی ہے۔ اس سے خدا اور اس کا عادل نبی واقف ہے لہٰذا وہ حسب وعدہ میری خدمات کا صلہ مجھکو دیگا۔ علی کے الفاظ یہ تھے کہ میں پیغمبر اسلام سے مال دنیا کی طلب ہرگز نہ کروں گا۔ آپ نے ایسا اسلئے فرمایا کہ دولت باقی وایمانی و روحانی یعنی خلافت ووصایت باطنی تو علی کو پیغمبر اسلام سپرد کر ہی چکے تھے اور ولایت و وصایت علوم کا وارث حقیقی تو علی کو بنا ہی چکے تھے۔ پھر اگر وہ علی کو خلافت ظاہری یعنی حکومت و بادشاہی دنیوی نہ بھی دیتے تو بھی پیغمبر اسلام کا ایفاء عہد کامل ہو جاتا۔ لیکن چونکہ پیغمبر اسلام نے علی سے خلافت ووزارت کا وعدہ کیا تھا۔ تو خلافت تو باطنی اور روحانی بصورت ولایت مطلقہ ہو سکتی تھی۔ مگر وزارت کا اطلاق معاملات امت کی کارکردگی پر ہو سکتا ہے۔

لہٰذا آپ نے علی کو ظاہری و باطنی ہر دو صورتوں میں اپنا خلیفہ، وصی، وزیر مقرر فرمایا۔ بعض افراد نے علی سے کہا کہ پیغمبر اسلام سے اپنے بارہ میں کوئی وصیت لکھوا لو۔ اس کا جواب تاریخی عبارت میں ملاحظہ فرمائیے۔

روضۃ الصفاء جلد دوم ص ۱۶۸ :-

(۱) در ایام مرض موت رسول اللہ روزے علی از پیش آنحضور بیروں آمد اصحاب باو گفتند کہ یا ابوالحسن حال رسول اللہ امروز برچہ وجہ است۔ جواب داد کہ شکر خدا کہ بروجہ احسن است۔ عباس دست علی را گرفتہ آہستہ باو گفت کہ بعد از سہ روز پیغمبر بجوار رحمت رب العالمین

پیغمبر اسلام کے مرض الموت کے زمانہ میں ایک دن علی پیغمبر اسلام کے پاس سے باہر آئے اصحاب نے علی سے کہا کہ اے ابوالحسن پیغمبر اسلام کا حال آج کس طرح ہے۔ علی نے جواب دیا کہ خدا کا شکر ہے۔ کہ ہر طرح بہتر ہے۔ عباس نے علی کا ہاتھ پکڑا اور آہستہ سے کہا کہ بعد تین دن کے رسول کی وفات ہو جائیگی کیونکہ میں

واصل می شود چه من علامت مرگ او مشاهده
می کنم اکنون مصلحت آنکه نزد وے رفته بپرسیم
که امر خلافت بعد از آں سرور بکه مفوض
خواهد بود اگر از ما باشد فبها والا اگر از
دیگرے باشد مارا باو سفارش نماید۔ علی
ازیں معنی سر باز زده جواب داد که اگر حالا
مارا دریں خلافت دخل نه دهند دیگر هرگز
بما نرسد بخدا سوگند که من از آں حضرت ایں
سوال نکنم و دنیا طلب ننمایم ۔

علامات موت دیکھ رہا ہوں۔ اب مصلحت
یہ ہے کہ ان کے پاس جاکر ہم دریافت
کریں کہ امر خلافت ان کے بعد کس کو سپرد
ہوگا۔ اگر ہم کو سپرد کیا گیا تو فبہا ورنہ اگر
کسی دوسرے کو خلافت دی گئی تو پیغمبر ہماری
سفارش اس شخص سے کردیں۔ علی نے اس
بات کو سنکر منہ پھیر لیا۔ اور جواب دیا کہ
اگر اس وقت امر خلافت میں ہم کو دخل نہ
دیا تو پھر ہم کو کبھی خلافت نہ ملے گی۔ خدا
کی قسم کہ میں پیغمبر اسلام سے یہ سوال نہ کروں گا اور طلب دنیا نہ کروں گا۔

اس عبارت تاریخی سے کئی امور واضح ہوئے۔ ایک تو یہ کہ یہ روایت ہی موضوع ہے۔ کیونکہ عباس اور علی دونوں جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام نے باقاعدہ غدیر خم میں علی کو اپنا خلیفہ و وصی بنایا ہے اب امر خلافت کے بارہ میں پیغمبر اسلام سے وقت نزع سوال کرنا ہی فعل عبث تھا۔ دوسرے علی کا یہ کہنا کہ اگر میں اس وقت سوال خلافت کروں گا اور اگر اس وقت پیغمبر اسلام نے ہمکو خلافت سے محروم کردیا تو پھر ہمیشہ کیلئے ہم محروم ہو جائیں گے بھی بے معنی و لایعنی کلام ہے کیونکہ آخری کلام میں علی خود کہہ رہے ہیں کہ میں پیغمبر اسلام سے مال دنیا کی طلب ہرگز نہ کروں گا۔ ادھر تو یہ کہا جارہا ہے کہ میں مال دنیا کی طلب نہ کرونگا اور ادھر یہ خیال و حرص ہے کہ کہیں ہمیشہ کیلئے ہم حق خلافت سے محروم نہ ہو جائیں۔

دو اضداد ایک ہی قول میں واضع حدیث و روایت نے جمع کردیئے ہیں۔ مگر مجھ کو تو صرف اتنا بتانا ہے کہ علی پیغمبر اسلام کو عادل کامل سمجھتے تھے۔ اور وہ مطمئن تھے کہ دربار خاتم النبیین سے جو صلہ خدمات بھی ملے گا۔ وہی علی کیلئے کافی ہے۔ لہٰذا آپ نے اصحاب سے صاف الفاظ میں منع کردیا کہ وہ طلب دنیا پیغمبر اسلام سے نہ کریں گے۔

بہرحال پیغمبر اسلام نے اپنے وعدہ خلافت و وزارت کو تا دم آخر پورا کردیا۔ اور اس طرح قوانین وفا اور عدالت کے اعلیٰ نمونے اہل عالم کے سامنے پیش کردیئے۔ یہی وہ کردار پیغمبر اسلام ہے۔ جو آپ کو انسان کامل اور عادل کامل قرار دیتا ہے۔ اور ذات پیغمبر اسلام کو اہل عالم کیلئے تا قیامت نمونہ عمل بنا دیتا ہے۔

عدالت واقعہ صدو ششم
عمار یاسر کا فیصلہ

ورود مدینہ کے بعد جب مسجد نبوی کی تعمیر کی بنیاد پڑی تو تمام اصحاب اور خود پیغمبر اسلام تعمیر مسجد میں مصروف ہو گئے۔ ملا عمار یاسر بیک وقت دو دو اینٹیں سر پر اٹھاتے تھے اور ایک اپنی جانب سے اور دوسری پیغمبر اسلام کی جانب سے اسی اثناء میں دیکھا گیا کہ ایک صحابی عثمان بن مظعون جو نفاست پسند بزرگ تھے۔ اتفاق سے کسی مٹی اٹھانے والے سے کچھ گارا گر کر ان کے لباس میں بھر گیا۔ انہوں نے اپنے لباس کی طرف نظر کی کہ لباس گارے سے خراب ہو گیا یا نہیں علی مرتضیٰؑ نے دیکھ لیا اور آپ نے یہ شعر پڑھا۔

لا یستوی من یعمر المساجد۔ ید اءب فیھا قائما و قاعدا
ومن یری عن التراب حائذا

اس کا کوئی ہمسر نہیں جو مسجد بناتا ہے۔ اس ارادے سے کہ اس میں کھڑے بیٹھے عمل خیر بجالائے اور جو خاک کی طرف اپنا میلان خاطر رکھے۔

عمار یاسر نے یہ شعر یاد کر لیا اور پڑھنے لگے عثمان بن مظعون کو برا لگا۔ اور عمار یاسر سے کہنے لگے کہ میں تمہاری تعریض کو خوب سمجھتا ہوں ان کے ہاتھ میں اس وقت لوہے کا ایک ڈنڈا تھا عمار یاسر کو دکھا کر کہنے لگے کہ اگر تم اپنی تعریض کو نہ چھوڑ دو گے تو میں اسے تمہارے منہ پر مار دوں گا۔ پیغمبر اسلام نے عثمان کا یہ کہنا سن لیا سخت برہم ہوئے۔ یہ دیکھ کر لوگ عمار یاسر سے کہنے لگے کہ دیکھو پیغمبر اسلام تم سے خفا ہو گئے قریب ہے کہ تمہاری شان میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہو جائے۔ عمار نے جواب دیا کہ کوئی مضائقہ نہیں میں آپ کے غصہ پر بھی راضی ہوں۔ پھر عمار یاسر نے پیغمبر اسلام سے فریاد کی یارسول اللہ آپ کے اصحاب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔!

پیغمبر اسلام نے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے۔ عمار نے عرض کیا کہ وہ تلے ہوئے ہیں کہ مجھے مار ڈالیں آپ تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ پر دو دو اینٹیں لاد دیتے ہیں۔ یہ سنکر پیغمبر اسلام نے عمار کا ہاتھ تھام لیا۔ بنیاد مسجد کا طواف کروایا۔ اور اپنے ہاتھوں سے ان کی گردن جھاڑی اور ارشاد فرمایا:۔

یا ابن سمیہ یہ لوگ تمہیں قتل نہ کریں گے تم کو تو ایک فرقہ باغیہ قتل کرے گا۔ (زرقانی ابن ہشام) محدث شیرازی۔ بحوالہ اسو جلد ۲ صفحہ ۳۲۸۔

پیغمبر اسلام نے اس موقعہ پر اپنے ایک صحابی کی حمایت کی۔ دلجوئی کی۔ دیگر اصحاب کی بھی دلشکنی ہونے دی۔ کیونکہ فرقہ باغیہ سے علیحدہ کر کے جنتی قرار دے دیا۔ عمار یاسر کے ساتھ مساوات و عدالت

کا سلوک کیا کہ عمار کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر انتہائی دوستانہ انداز میں طواف بنیاد مسجد کروایا تاکہ تمام اصحاب جو بنیاد مسجد میں کھودنے میں مصروف ہیں مرتبہ و وقار و شان عمار یاسر سے واقف ہو جائیں اور پیغمبر اسلام کی نگاہ منزلتِ عمار کو اندازہ کریں اس کے بعد عمار کو یہ بھی بتا دیا کہ تم حق پر رہو گے اور تمہارا قاتل خدا و رسول کا باغی و جہنمی ہوگا۔

پیغمبر اسلام کا یہ سلوکِ عادلانہ انسانی حفظ مراتب، خود داری و مرتبہ شناسی کے اعلیٰ نمونے پیش کرتا ہے۔

عدالت واقعہ صدو ہفتم واقعہ قتلِ خضرمی

سیرۃ النبی علامہ شبلی منقول اسوۃ الرسول جلد دوم ص ۳۶۵۔

آنحضرت صلعم نے رجب ۲ ہجری میں (یعنی اس وقت جب غارت کارواں کی خبر مشہور تھی) عبداللہ بن جحش صحابی کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے درمیان ایک شبانہ روز کی مسافت پر واقع ہے۔ آپ نے عبداللہ کو ایک خط دیکر روانہ کیا اور فرما دیا کہ دو دن کے بعد اسکو کھولنا۔ عبداللہ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ میں قیام کرو۔ اور صرف قریش کے حال کا پتہ لگاؤ اور مجھ کو اطلاع دو۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی شام سے تجارت کا مال لیکر آتے تھے۔ سامنے سے نکلے عبداللہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ ان میں سے ایک شخص عمر بن عبداللہ الخضرمی مارا گیا۔ دو شخص گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔

عبداللہ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزیں بھی پیش کیں۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔ غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار کیا۔ صحابہ نے عبداللہ سے ناراض ہو کر کہا:۔

صنعتم مالم تومروا بہ وقاتلتم فی شھر الحرام ولم تومروا بالقتال ۔ طبری صفحہ ۱۲۷۵

عبداللہ تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اور تم ماہ حرام میں لڑے۔ حالانکہ اس مہینہ رجب میں تم کو لڑنے کا حکم نہیں تھا۔

عمر ابن الخضرمی جو مقتول ہوا وہ عبداللہ خضرمی کا بیٹا تھا۔ عرب کا رئیس اعظم تھا۔ عبدالمطلب کے بعد ریاست اسی کو حاصل ہوئی تھی۔

واقعہ مذکور سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اسلام نے عبداللہ بن جحش کو بارہ افراد دیکر اسلئے بھیجا تھا کہ وہ دشمن کے ارادوں سے واقف رہیں۔ یہ فعل پیغمبر اسلام کا احتیاطی تدابیر اور حکمت عملی پر دلالت کرتا ہے

مگر عبداللہ نے عمرابن الحضرمی کو قتل کر دیا اور اس کا سامان لوٹ لیا۔ اگرچہ عمرو دشمن اسلام تھا۔ مگر پیغمبر اسلام نے اس کے قتل پر اظہار ناراضگی کیا اور مال غنیمت کو قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ اور عبداللہ کو پیغمبر اسلام اور اصحاب پیغمبر اسلام نے زجر و توبیخ کی۔ یہ سب افعال پیغمبر اسلام کی عدالت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

عدالت واقعہ صد و ہشتم اعلان قصاص از ذات خود

ناسخ التواریخ جلد اول ص ۵۳۱ :۔
پیغمبر اسلام کی علالت شدیدہ کو تقریباً آٹھ روز گذر چکے تھے۔ آپ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ نقل و حرکت دشوار تھی۔ پیغمبر اسلام نے ایک ہاتھ علی کے کاندھے پر رکھا اور دوسرا ہاتھ فضل کے شانہ پر رکھ کر مسجد میں جانے کا ارادہ کیا۔ حالت یہ تھی کہ آپ کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے پاؤں اٹھانا دشوار تھا۔ عباس سامنے چل رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ مسجد میں تشریف لے آئے اور ممبر مسجد کے پہلے زینہ پر ہی بیٹھ گئے آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی مسلمان جوق در جوق آگئے اور عورتیں جوان بوڑھی اور بچیاں جمع ہو گئیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک بلیغ و فصیح اور طولانی خطبہ بیان کیا۔ اسی خطبہ میں آپ نے فرمایا :۔

(۱) اے لوگو! اب میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔ اب میرے دنیا سے سفر آخرت کا وقت آگیا ہو بس کسی کا مجھ پر حق ہو وہ مجھ سے لے لے۔

۲ ۔ اگر کسی کو میں نے کوئی ضرب لگائی ہو۔ تو وہ بھی مجھ سے بدلہ لے لے

۳ ۔ اگر میں نے کسی کا کوئی مال و سامان لیا ہو تو میرا مال موجود ہے وہ لے لے۔ وہ ذرہ نہ ڈرے کہ میں کوئی مزاحمت کروں گا۔ کیونکہ بدلہ و قصاص لینا میری عادت کے خلاف ہے۔

۴ ۔ میں اس کو دوست رکھتا ہوں جو مجھ سے اپنا حق وصول کرے یا میرے لئے اس کو جائز قرار دیدے۔ تاکہ میں اپنے پروردگار سے بحالت طیب نفس ملاقات کروں۔

اسی اثناء میں ایک شخص مجمع میں سے کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا ، یارسول اللہ میرے تین درہم آپ کے ذمہ باقی ہیں پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں تیری ہرگز تکذیب نہ کروں گا تو اتنا بتادے کہ وہ تین درہم مجھ تک کیسے پہنچے اس شخص نے عرض کیا کہ ایک دن ایک مسکین نے آپ سے سوال کیا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ میں وہ درہم مسکین کو دیدوں ۔ میں نے دیدیئے۔ پیغمبر اسلام نے فضل سے فرمایا کہ اس کو وہ درہم دیدے ۔۔۔

اس کے بعد پھر پیغمبر اسلام نے فرمایا کسی کا کوئی حق میرے ذمہ ہو تو وہ بیان کرے۔ کیونکہ میں رسوائی عقبےٰ سے ڈرتا ہوں کہ دنیا کی رسوائی سہل ہے۔

ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں نے مال غنیمت میں سے تین درہم خیانت کر لیئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے کہا کہ مجبوری و معذوری لاحق ہو گئی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ اے فضل اس شخص سے وہ درہم لے لو۔

اس کے بعد مجسمہ رحمت و پیکر اخلاق نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جس نے کوئی خطاء و گناہ کیا ہو وہ آج بیان کر دے تاکہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت کر دوں۔ ایک شخص نے مجمع کے سامنے اقرار کیا کہ میں جھوٹا اور منافق ہوں اور ایسی کوئی برائی نہیں ہے جو مجھ سے سرزد نہ ہوتی ہو۔ عمر ابن خطاب بھی موجود تھے انہوں نے اس شخص سے کہا کہ اے شخص تو نے یہ اقرار کر کے اپنے کو رسوا و بدنام کیا (پیغمبر فرمود فضیحت دنیا آسان تر است) پیغمبر نے فرمایا کہ دنیا کی رسوائی عقبےٰ کی رسوائی سے آسان تر ہے۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام نے درگاہ خداوندی میں اپنے ہاتھ بلند کر دیئے اور یوں دعا کی :۔

بار الٰہا اس شخص کو صدق اور راستی اور ایمان عطا فرما اور اس کو بدی سے نیکی کی طرف مائل کر دے۔

عدالت واقعہ صد و نہم ادائے حقوقِ والدین و اولاد

اگر کسی انسان نے از مہد تا لحد بحالت محکومی یا بحالت شہنشاہی و حکومت اپنے معاملات ذاتی، معاملات قوم و ہمسایہ، معاملات رعایا و ملازمین و متعلقین و لواحقین میں عدالت کاملہ برتی ہے اور اس کے دامن عدالت پر ذرہ بھر بھی ظلم کا دھبہ نہیں آیا ہے۔ مگر پھر بھی اگر اس عادل کامل نے اپنے عیال و اولاد اور والدین کے حقوق ادا نہیں کئے ہیں تو گویا اس نے اس سے پہلے جو بھی کچھ حقوق رعایا و برایا ادا کئے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی شہرت ناموری اور استحکام حکومت کا ڈھونگ رچایا تھا اور ان کارہائے عدالت کو اپنے لئے ذریعہ شہرت بنایا تھا۔ لیکن حقیقت میں اس کے دل میں جوہر عدالت مطلق موجود نہیں ہے۔ حاکم عادل لاکھوں کروڑوں انسانوں کے ساتھ حسن سلوک عادلانہ کرتا رہے۔ مگر اس کی اولاد فاقہ سے ہو۔ اس کی ازدواج مصیبت و افلاس میں مبتلا ہوں۔ اس کی زندگی میں اس کی اولاد در بدر خاک بسر دانہ دانہ کی طلب میں سرگرداں رہتی ہو اور اس شہنشاہِ عادل کے مرنے کے بعد اس کی اولاد بیٹا بیٹی وغیرہ بوجہ غربت و افلاس در بدر دست سوال دراز کرتی پھرتی ہو اور بحالت تنگدستی و مفلسی زندگی کے دن گذارتی ہو تو اس حاکم عادل اور شہنشاہ عادل کو اہل عالم اور ارباب تاریخ ہرگز عادل نہیں

سمجھیں گے اور نہ علم الاخلاق کے جاننے والے بلحاظ اخلاق کے اس کو فہرستِ صاحبان اخلاق میں شمار کریں گے۔

جب یہ کلیہ و قاعدہ مسلم موجود ہے تو اب ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنے والدین، ادر مربی و اقرباء دنیز اولاد کے کیا کیا حقوق ادا کئے اور ان کے ساتھ بلحاظ عادل کامل کیا کیا حسن سلوک ادا فرمایا۔

جہاں اس کتاب میں ازواج نبی کا ذکر کیا گیا ہے وہ تفصیلی طور پر لکھا گیا ہے کہ آپ کا سلوک ہر زوجہ کیلئے عادلانہ اور مساویانہ تھا۔ کبھی کسی زوجہ کو یہ موقعہ نہ ملا کہ وہ ایکدوسرے پر پیغمبر اسلام کی ترجیح کو ثابت کر سکے یا شکوہ و شکایت کر سکے۔

لباس، خوراک، فطری تعلقات، مکان، حسن سلوک، برتاؤ، دلجوئی، نگہداشت، پاس عزت و حفاظت ناموس ہر ایک معاملہ میں ازدواج کے ساتھ پیغمبر اسلام کا سلوک مساویانہ و عادلانہ تھا۔۔

پیغمبر اسلام کے والد بزرگوار کا انتقال اس وقت ہو چکا تھا جب آپ شکم مادر میں آٹھ ماہ کے تھے۔ والدہ ماجدہ نے اس وقت انتقال فرمایا جب آپ کی عمر تقریباً چھ سال کی تھی۔ اور حیات مادر گرامی میں پیغمبر اسلام حلیمہ سعدیہ کے ساتھ رہتے تھے۔ لہٰذا حقوق والدین کے ادا کرنے و سلوک عادلانہ کا موقعہ ہی پیغمبر اسلام کو نہیں ملا۔

دین اسلام نے حقوق انسانی کے ادا کرنے کے دو مواقع معین کئے ہیں۔ اول بحالت حیات دوسرے بعد ممات۔ اسلام حیاتِ بعد ممات کا قائل ہے۔ اور روز حشر و نشر و حساب یوم قیامت کا اعتقاد بھی دین اسلام میں موجود ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کو اپنے والدین یا اقربا یا مومنین کی خدمت و ادائے حقوق کا موقعہ اس کی زندگی میں نہ ملے تو وہ اس کے مرنے کے بعد بھی حقوق خاص کو ادا کر سکتا ہے۔ مثلاً دعائے مغفرت، ایصال ثواب، ذکر خیر وغیرہ پیغمبر اسلام نے اپنے والدین کے حقوق بعد ممات کو بہترین طریقہ پر ادا فرمایا۔ ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی، ایصال ثواب بھی کیا اور ذکر خیر بھی کرتے رہے۔ ملاحظہ ہوں تاریخی عبارات مگر باختصار۔ چونکہ بہ تفصیل یہ واقعات ابواب سابقہ میں لکھے جا چکے ہیں۔

حقوق والدہ ۔ طبقات ابن سعد ص ۲۳ :۔

(۱) فلما مر رسول اللہ صلعم فی عمرۃ الحدیبیہ .... رحمتہا

عمرہ حدیبیہ کے بعد جب پیغمبر اسلام مقام ابوا پر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کیلئے خدا کی طرف سے مجاز و ماذون کیا گیا ہوں۔ قال ان اللہ قد اذن لمحمد فی زیارۃ

قبر امہ یہ فرما کر آپ مادر گرامی کی قبر پر تشریف لیگئے اور ان کا ذکر خیر کرتے رہے اور گریہ فرمایا۔ آپ کے رونے پر اصحاب اور مسلمان بھی رونے لگے۔

اصحاب نے سبب گریہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ماں کی محبت و شفقتیں یاد آگئیں اور میں بے اختیار رونے لگا۔

حقوقِ مادرِ رضاعی حلیمہ سعدیہ

طبقات ابن سعد جلد ا ص ۔۔

استاذنت امرۃ علی النبی .... فقعدت الیہ

(ا) اس عورت نے جس نے آپ کو دودھ پلایا تھا (حلیمہ) نے آپ سے ملنے کی اجازت مانگی آپ نے اجازت دی وہ جیسے ہی آپ کے سامنے آئی پیغمبر اسلام میری ماں میری ماں کہتے ہوئے دوڑ پڑے اور فوراً ردائے مبارک دوش مطہر سے اتار کر بچھادی اور اس پر علیمہ کو بٹھایا۔

(ب) قدمت حلیمۃ علی رسول اللہ .... وانصرفت الی اھلھا۔

حلیمہ خدمت پیغمبر اسلام میں اس وقت حاضر ہوئیں جب پیغمبر اسلام کا عقد خدیجہ سے ہو چکا تھا۔ حلیمہ نے قحط پڑنے اور اپنے مویشیوں کے مرجانے کی خبر پیغمبر اسلام کو دی۔ پیغمبر اسلام نے حلیمہ کو چالیس بکریاں اور چالیس اونٹ مع ہودج کے عطا فرمائے اور حلیمہ ان مویشیوں کو لیکر اپنے وطن و قبیلہ میں چلی گئیں۔

واقعہ ۱۱۰ عدالت حقوقِ خواہرِ رضاعی

قبیلہ بنی سعد گرفتار ہو کر خدمت پیغمبر اسلام میں پیش ہوا۔ مسلمان شیما کے ساتھ یہ سختی پیش آئے تو شیما نے فریاد کی کہ اے مسلمانو! میں تمہارے رسول کی رضاعی بہن ہوں۔ مسلمانوں نے شیما کو پیغمبر اسلام کے سامنے پیش کیا۔ پیغمبر اسلام نے شیما سے پوچھا کہ اچھا تم کوئی علامت ایسی بتاؤ جو تمہارے قول کی تصدیق کرے۔ اس نے علامت بتائی پیغمبر اسلام نے فوراً اپنی ردائے پاک زمین پر بچھادی اور شیما کو اس پر بٹھایا اور بہت کچھ انعام و اکرام کیا۔ اور فرمایا کہ مجھ کو تمہاری محبت و عزت ہر طرح سے منظور ہے۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ رہو۔ اور اگر چاہو تو میں تم کو تمہارے قبیلہ میں بھیج دوں شیما نے کہا کہ مجھ کو میرے قبیلہ میں بھیج دیا جائے۔ پیغمبر اسلام نے ایک غلام اور ایک کنیز عطا فرمائی اور شیما کو ان کے قبیلہ میں واپس کردیا۔

واقعہ ۱۱۱ عدالت حقوق جد امجد

پیغمبر اسلام نے والدین کے سایۂ عاطفت میں تو پرورش نہیں پائی مگر جد امجد رسول عبد المطلب نے آپ کو

پرورش فرمایا۔ اور جب پیغمبر اسلام کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو عبدالمطلب نے بھی وفات پائی۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب کو وصیت فرمائی کہ وہ محمد کی کفالت و تربیت کریں اور ہر ممکن حفاظت اس امانت خدا کی کرتے رہیں۔

(۱) طبقات ابن سعد ص۸۵ ۔

بانه رسول الله یومئذ یبکی خلف سریر عبدالمطلب۔ — پیغمبر اسلام جنازہ عبدالمطلب کے پیچھے روتے ہوئے جارہے تھے

بہ وقت وفات عبدالمطلب پیغمبر اسلام کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔ آٹھ سال کی عمر کا بچہ کیا خدمت کر سکتا تھا۔ صرف اتنا ہی ناکہ وہ اپنے دادا کو یاد کر کے روئے اور آخری خدمت مشایعت جنازہ کرے۔ پیغمبر اسلام نے یہ دونوں خدمات ادا کیں اور ہمیشہ عبدالمطلب اور اپنے والدین کا ذکر خیر کیا۔ اور ان کے حق میں مغفرت کی دعائیں کیں۔

واقعہ ۱۱۲ عدالت حقوق مربی ابوطالب

طبقات ابن سعد جلد ۱ ص۷۵ ۔

کان ابی طالب یحبہ حباً شدیداً .... بصب بہا بشیئ قط۔

ابی طالب محمد سے بیحد محبت کرتے تھے۔ اتنی محبت وہ اپنی کسی اولاد سے بھی نہیں کرتے تھے۔ جب تک پیغمبر اسلام کو اپنے پہلو میں نہ سلا لیتے تھے۔ اس وقت تک خود نہیں سوتے تھے اور جب کہیں باہر جاتے تھے تو اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ اور جو چیز محمد کو رنج پہنچاتی تھی وہ ابوطالب کو بھی رنج پہنچاتی تھی۔ خدمات ابوطالب کا ذکر صفحات سابقہ میں کیا گیا ہے۔ درحقیقت ابوطالب ہی کی وہ ذات تھی جن کی مساعی جمیلہ کی وجہ سے نونہالِ اسلام پروان چڑھا۔ اور اس نے اپنے سایہ میں عالمین کو لے لیا اور جو تا قیامت سرسبز و باثمر رہے گا۔

(۱) اسنی المطالب ص۶۲ مطبوعہ دہلی ۔

یا عم ما اسرع ما وجدت فقدک — پیغمبر اسلام بعد وفات ابوطالب یہ الفاظ کہہ کر ابوطالب کا ذکر خیر کیا کرتے تھے۔ اے چچا آپ کے بعد مجھ پر آنے والی مصیبت کتنی جلد آپڑی۔

(۲) روضۃ الصفا جلد دوم ص۷۶ ذکر فوت ابوطالب و موت خدیجہ رض۔

(۱) حضرت مقدس نبوی با یمان ابوطالب اصدیق دار۔ — ابوطالب کے اس کلام کے بعد پیغمبر اسلام کو

فرمود کہ اے عم آں کلمہ را تو بگو تا فردائے
قیامت ترا بوسیلہ آں شفاعت کنم ابوطالب
جواب داد کہ بخدائے کہ اگر نہ اندیشہ از ملامت
قریش بود و ظن مردم کہ من از بیم مرگ ایمان
آوردم از برائے خاطر تو ایں کلمہ می گفتم و دل
ترا خرم و چشم ترا روشن می گردانیدم آنگاہ
حال وے تغیر یافتہ زبان در دہان جنبانید
و چیزے می گفت عباس گوش نزدیک دہانِ
ابوطالب بردہ سر برآورد و با پیغمبر گفت
اے برادر زادہ من آنکہ تو بگفتن آں امر فرمودی
می گوید محمد ابن اسحاق کہ از کبار مورخین و
اہل سیر است روایت کردہ کہ دراں زمان
کہ حضرت رسالت پناہ عرض کلمہ توحید را
بر ابوطالب کرد۔ اول ابا نمود اما در آخر
آہستہ گفت چنانچہ عباس شنید۔

امید ہو گئی کہ ابوطالب ایمان لے آئیں گے
تو آپ نے فرمایا اے چچا اس کلمہ کو آپ پڑھ
لیجئے تاکہ روز قیامت اس کلمہ کے ذریعہ
میں آپ کی شفاعت کرسکوں۔ ابوطالب نے
جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر مجھ کو ملامت
قریش کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ وقت
مرگ بوجہ خوف جان مسلمان ہوا ہے تو
میں آپ کی خاطر یہ کلمہ پڑھ لیتا اور تمہاری
آنکھیں روشن اور تمہارے دل کو خوش کر
دیتا۔ اس کے بعد ہی ابوطالب کی حالت بگڑ
گئی اور انہوں نے زبان کو حرکت دی اور کچھ
کہنا شروع کیا۔ عباس نے ان کے دہن
سے کان لگا دیئے۔ پھر سر اٹھایا اور پیغمبر
اسلام سے فرمایا۔ اے بھتیجے ابوطالب وہی
الفاظ کہہ رہے ہیں جن کے کہنے کا تم نے حکم
دیا تھا محمد بن اسحاق جو مورخین اور اہل سیر میں معتمد اور مستند میں کہتے ہیں کہ جب پیغمبر اسلام
نے ابوطالب پر کلمہ پیش کیا تو اول تو انہوں نے انکار کیا لیکن بعد کو آہستہ سے اقرارِ کلمہ کیا جیسا
کہ عباس نے سنا۔

(ب) منقول است کہ پیغمبر پیش جنازہ ابوطالب می
رفت و می گفت ایعم صلہ رحم بجا آوردی
و نیکو یہا کردی جزاک اللہ خیر الجزاء...
در سال دہم از بعثت ابوطالب فوت شدہ
و اندوہے عظیم ازیں جہت بر ضمیر انور حضرت
رسول استیلا یافت۔

منقول ہے کہ پیغمبر اسلام ابوطالب کے جنازہ
کے آگے آگے جا رہے تھے اور زبان سے کہہ
رہے تھے۔ اے چچا آپ نے میرے ساتھ صلہ
رحم کو پورا کیا۔ اور میرے ساتھ نیکیاں کیں
خدا آپ کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔ بعثت
کے دسویں سال ابوطالب کی وفات ہوئی۔

(ج) و دراں سال (سنہ ۱ ھ) ہنوز رسم جنازہ

اور پیغمبر اسلام کو وفات ابوطالب کا سخت صدمہ

و نماز میت فرض نشده بود و ایں سخن خلاف
صاحب مستقصی است کہ پیغمبر ہنگام فوت
ابو طالب علی را فرمود کہ و لا تصل علیہ

(د) ص۳۶۷ - پس آنحضرت بر بالین او (ابو
طالب) نشستہ فرمود- اے عم خدا تو
را جزائے خیر دہد کہ در وقت صغیر سن مرا
کفالت نمودی و در سن کبیر حمایت بجا آوردی
بعد ازاں فرمود اے عم مرا یاری نما بگفتن
یک کلمہ تا شفاعت کنم باں وسیلہ نزد خدائے
عزوجل در روز قیامت ابو طالب پرسید
کہ آں کلمہ کدام است - پیغمبر فرمود کہ بگو
لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ - ابو
طالب گفت بہ تحقیق میدانم کہ تو نیک خواہ
منی واللہ کہ اگر نہ خوف آں داشتم کہ ترا
سرزنش نمایند بعد از من و گویند عم تو ترسید
ہر آئینہ چشم تو را بگفتن ایں کلمہ روشن می
گردانیدم و دراں باب ایں ابیات خواندہ

ودعوتنی وعلمت انک ناصحی !
ولقد صدقت وکنت فیہ امینا
اظهرت دینا قد علمت بانه
من خیر ادیان البریة دینا !!
لولا الملامة اخذ اُنی دینه
وجدتنی سمحاً بذالک مبینا

قریش چوں ابیات شنیدند از ابو طالب
فریاد بر آوردند کہ از ملت پدراں خود

ہوا اور دسویں سال بعثت تک نماز میت
فرض نہیں ہوئی تھی - اور صاحب مستقصی
کی مخالفت میں یہ کلام ہے کہ پیغمبر اسلام نے
بعد وفات ابو طالب علی سے کہا نماز میت
نہ پڑھائی جائے -

(د) پیغمبر اسلام وقت نزع ابو طالب ان
کی بالین پر بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے کہ
اے چچا خدا آپ کو جزائے خیر دے کہ عہد
طفلی میں آپ نے میری کفالت و پرورش کی
اور عہد جوانی میں میری مدد اور حفاظت
کی - اس کے بعد فرمایا- اے چچا میری
مدد فرمائیے ایک کلمہ کہنے میں تاکہ میں اس
کے ذریعہ خدا سے روز قیامت آپ کی شفاعت
کر سکوں - ابو طالب نے پوچھا کہ وہ کلمہ کون سا
ہے - پیغمبر نے فرمایا کہو لا الہ الا اللہ وحدہ
لا شریک لہ - ابو طالب نے کہا کہ میں بخوبی
جانتا ہوں کہ تم میرے خیر خواہ ہو - خدا کی
قسم اگر مجھ کو نہ خوف ہوتا کہ میرے بعد لوگ
تم کو ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ تمہارا
چچا ڈر گیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھوں
کو روشن کرتا - اس کے بعد یہ اشعار پڑھے
"تم نے مجھ کو دعوت حق دی ہے اور میں
جانتا ہوں کہ تم مجھ کو نیک نصیحت کرنیوالے
ہو - یقیناً تم سچے ہو اور اپنے کار رسالت
میں امین ہو - بیشک تم نے ایسا دین ظاہر

عبدالمطلب وہاشم و عبدالمناف برمیگردی جواب داد کہ ابوطالب برملت اشیاخ خود می رود ۔

کیا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ عالم میں سب سے اچھا دین ہے۔ اگر مجھ کو خوف ملامت نہ ہوتا دین کے اختیار کرنے میں تو جو کچھ میں دبی زبان سے کہہ رہا ہوں وہ صاف کہتا ۔ جب قریش نے ابوطالب کی زبان سے اشعار سنے تو انہوں نے فریاد کی کہ اے ابوطالب تم اپنے آبا و اجداد عبدالمطلب وہاشم و عبدالمناف کے دین سے پھر گئے ہو ۔ جواب دیا کہ ابوطالب اپنے بزرگوں کے دین پر مرتا ہے ۔

(س) و بعد از فوت او چند روز در خانہ نشستہ طلب آمرزش و استغفار مینمود

(ط) کہ ابوطالب در مرض موت بنی ہاشم را جمع آوردہ گفت یا بنی ہاشم انتم صفوۃ اللہ وقلب العرب وانتم حزب اللہ وراس العرب منکم سید المطاع ومنکم المقدم الشجاع لم تتیرکوا نصیبا ماثرا الا اخترتموہ ولا شرفا الا ادرکتموہ فلکم علی الناس تفضل ولھم الیکم الوسیلۃ بعد ازاں فرمود .... کہ شمارا وصیت می کنم بمتابعت و معاونت محمد کہ امین قریش است و صدیق عرب ست و وے بامرے آمدہ است کہ جہان قبول آں کردہ بصدق و لسان قائل شدہ بخدا سوگند کہ من آں چناں می بینم کہ اشراف آفاق و مستضعفین اطراف دعوت اورا متابعت واجابت نمودہ اند ....

پیغمبر اسلام ابوطالب کی وفات کے بعد چند روز گھر میں خانہ نشین ہو گئے تھے اور ابوطالب کیلئے طلب استغفار و بخشش کرتے رہے

ط ۔ ابوطالب نے اپنی حالت مرض موت میں بنی ہاشم کو جمع کیا اور کہا اے بنی ہاشم تم خدا کے منتخب ہو ۔ عرب کا دل ہو تم خدا کا گروہ ہو اور عرب کا سر ہو ۔ تم میں سے وہ پیدا ہوا ہے جو تمام اہل عرب کا سردار ہے اور جو بہترین شجاع ہے ۔ تم ہر کمال کے مالک ہو اور ہر شرف کے پانے والے ہو .... تمکو تمام انسانوں پر فضیلت حاصل ہے اور تم ان کی مشکلات میں ان کا وسیلہ ہو اس کے بعد فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ محمد کی پیروی کرو اور مدد کرو جو قریش کا امین اور عرب کا صدیق ہے ۔ اور وہ ایسا پیغام لایا ہے ۔ کہ دل اسکو قبول کرتا ہے اور زبان اس کی تصدیق کرتی ہے ۔ خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ اشراف دنیا اور ضعفاء دنیا نے اس کے حکم کو مان لیا ہے اور اس کی پیروی قبول کر لی ہے ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اے بنی ہاشم بدو تقرب جوئید در نفس و مال و ارا معاونت نمائید۔ فقال و کونوا له ولاما فی حزبه حماة واللّٰه یسالك احد مسلکه الا رشد ولا یاخذ احد بیهدیه الا سعد فواللّٰه لو کانت لی موت فی اجل تاخیر لکیفیة الکوافی ولد فعت عنه الادواهی۔

اے بنی ہاشم محمد سے قریب ہو جاؤ اور اپنی جان و مال سے محمد کی مدد کرو۔ ابو طالب نے کہا کہ تم محمد کے دوست بنو۔ اس کے گروہ میں شامل ہو کر ان کے مددگار بنو۔ خدا کی قسم جو ان کا راستہ اختیار کرے گا ہدایت پائے جو کوئی ان سے ہدایت پائے گا۔ تو سعادت پائے گا۔ خدا کی قسم اگر مجھ کو موت نے اور مہلت دی ہوتی تو میں ہر کام میں ان کی کفالت کرتا اور ان سے ہر مصیبت کو دُور کرتا۔۔

(۳) کتاب مناقب آل ابی طالب جلد اول ص۳۳ :-

ترجمہ اصل عبارت :-

ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ ایک روز پیغمبر اسلام بازار ذی المجازہ میں کھڑے ہوئے تھے۔ اور اور دعوت و اعلان حق میں مصروف تھے۔ اور عباس ابن عبد المطلب قریب ہی کھڑے ہوئے تھے اور پیغمبر اسلام کی تقریر کو سن رہے تھے۔ کہ اثنائے کلام میں عباس نے کہا۔ کہ میں اس پہ گواہی دیتا ہوں کہ اے محمد تم جھوٹے ہو۔ اس کے بعد عباس ابو لہب کے پاس گئے اور اس سے واقعہ تقریر کو بیان کیا تو وہ بھی عباس کے ہمراہ آگیا۔ اور یہ دونوں بازار مجاز میں باآواز بلند صدا دیتے جا رہے تھے۔ اے ہمارے بھائیو یہ محمد کذاب ہے دیکھو کہیں تم کو تمہارے دین سے گمراہ نہ کردے۔ ابو ایوب انصاری کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے طلب اعانت کی۔ اور پھر ابو طالب ابولہب اور عباس کے پاس آئے اور کہا۔

تم دونوں کیا بکتے ہو کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے ہاتھوں کو توڑ دیا جائے اور تم کو اس بدکلامی کی سزا دی جائے اس کے بعد کے جملے ابو طالب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

ص۳۳ :- واللّٰه انه لصادق القیل ثم انشا ابو طالب -

خدا کی قسم محمد صادق القول ہیں۔ پھر ابو طالب نے یہ اشعار فی البدیہہ کہے :-

انت الامین امین اللّٰه لا کذب والصادق القول لا لهو و لعب

اے محمد تم امین ہو بلکہ خدا کی طرف سے امین ہو اسمیں مطلق جھوٹ نہیں ہے۔ تم صادق القول ہو

انت الرسول اللہ نعلمہ   اور لہو و لعب سے دُور رہو - ہم خوب
علیك تنزل من ذی العزۃ الکتب   جانتے ہیں کہ تم خدا کے رسول ہو اور اے
محمد تم پر صاحبِ عزت خدا کی طرف سے کتاب و وحی نازل ہوتی ہے ۔

(۴) ص ۳۶ :۔ جب پیغمبر اسلام اور خاندان بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں محبوس ہونا پڑا ہے - اور قریش مکہ نے لخت بنی ہاشم سے معاملات و تعاون باہمی کو ترک کر دیا ہے - اسی زمانہ کا ذکر ہے کہ ایک دن ابو طالب نے چالیس مرد بنی ہاشم کے کافر و مسلم کو جمع کیا اور ایک نظم پڑھ کر ان کو مخاطب کیا اس نظم کا پہلا شعر مندرج ہے ۔

الم تعلموا انا وجدنا محمداً   کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ ہم نے محمد کو نبی
نبیاً کموسیٰ خط فی اول الکتب !   پایا جس طرح موسیٰ نبی تھے جن کا ذکر کتب آسمانی میں لکھا ہوا ہے ۔

خلاصہ :۔

مندرجہ بالا عبارات تاریخی کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں :۔

(۱) ابو طالب پیغمبر اسلام کے چچا نے پیغمبر اسلام کی خدمت و نصرت اس طرح کی کہ مورخین اسلام معترف ہیں کہ اگر وہ ایسی نصرت و حمایت نہ کرتے تو دین اسلام پروان نہ چڑھتا ۔

(۲) جب پیغمبر اسلام کی عمر آٹھ سال کی تھی تو پیغمبر اسلام کے جدا مجد عبدالمطلب نے وفات پائی - اور وقت وفات محمد کو ابو طالب کے سپرد کیا - سنہ بعثت کے دسویں سال ابو طالب نے وفات پائی چالیس سال کی عمر میں پیغمبر اسلام نے کار تبلیغ اسلام شروع کیا اور اسی سال آپ کی بعثت ہوئی - اس حساب سے ابو طالب نے تقریباً بیالیس سال نصرت پیغمبر اسلام کی اور سخت ترین مواقع پر سینہ سپر رہے ۔

(۳) پیغمبر اسلام نے ابو طالب کے وقت وفات چاہا کہ اقرار کلمہ توحید لے لیں - تو بقول عباس بن عبدالمطلب ابو طالب نے کلمہ شہادت زبان پر جاری کیا - اور محمد ابن اسحاق معتبر راوی احادیث کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ ابو طالب نے اقرار کلمہ توحید کیا ۔

(۴) نماز جنازہ بعثت رسول کے دسویں سال تک یعنی وقت وفات ابو طالب و خدیجہ تک فرض نہیں ہوئی تھی - لہٰذا محض محدثین و مورخین کا یہ لکھنا کہ پیغمبر اسلام نے علی سے کہا کہ میت ابو طالب پر نماز جنازہ نہ پڑھائی جائے غلط ہے ۔

(۵) پیغمبر اسلام کے جواب میں ابو طالب کے اشعار عقیدت اسلام پڑھنا اس امر کا ثبوت ہے کہ ابو طالب

نے ابتدائے اسلام ہی میں کلمہ توحید پڑھ لیا تھا۔ وہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

انت رسول اللہ نعلمہ ۔ علیک تنزل من ذی العزۃ الکتب

ہم جانتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں اور تم پر رب العزت کی طرف سے کتاب نازل ہوئی ہے۔
یہ شعر بخوبی واضح کرتا ہے۔ دنیز قرائن وسیاق عبارات تاریخی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابوطالب اپنی ابتدائی زندگی اور ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر ظاہر بظاہر آپ نے اسلئے اظہار اسلام نہیں کیا تھا کہ پیغمبر اسلام کی نصرت وحمایت کا پہلو کمزور پڑ جائے گا۔ اور مشرکین قریش مثل محمد کے ابوطالب کے بھی جانی دشمن ہو جائیں گے۔ اور ابوطالب کو جو موقع نصرت حاصل ہے وہ نہیں رہے گا۔ چنانچہ ابوطالب نے پیغمبر اسلام سے ایک موقع پر کہا۔ اے بھتیجے اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ تم کو آزار دیں گے اور طنز کریں گے کہ تمہارا چچا موت سے ڈر گیا۔ اور ڈر کر مسلمان ہو گیا تو میں ضرور علی الاعلان کلمہ توحید کو پڑھ لیتا۔ چنانچہ ابوطالب نے اس مصرعہ میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ وحلانی مسمحا بن الٹ مبینا۔ اور یہ میں دبی زبان سے اب کہہ رہا ہوں اس وقت میں کھلے الفاظ میں علی الاعلان کہتا۔

(۶) بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ ابوطالب کافر تھے۔ یہ معاملہ دو صورتیں رکھتا ہے۔ ایک تو فرضی اور جھوٹی حدیث بنانے والوں کا اس میں بڑا ہاتھ ہے۔ دوسرے بعض مورخین کی کم بصیرتی ہے کہانہوں نے نسلاً بعد نسلٍ کتب تاریخ اسلامی کو نقل کرنا ہی تاریخ نویسی کا مقصد سمجھا اور ہر غلط اور جھوٹے واقع کو بھی درج کر دیا۔ اور دوسرے افراد معتبر وغیر معتبر کا امتیاز بھی نہ رکھا۔
کتاب مناقب کے ص ۳۶ پر ابوطالب کا یہ شعر درج ہے۔ کہ آپ نے اشراف بنی ہاشم کی موجودگی میں سب کو سنایا:۔

الم تعلموا انا وجدنا محمداً ۔ نبیاً کموسیٰ خط فی اول الکتب

اے بنی ہاشم کیا تم نہیں جانتے کہ ہم نے محمد کو نبی پایا جیسے موسیٰ نبی تھے جنکا ذکر کتب آسمانی میں لکھا ہوا ہے۔

جو پیغمبر اسلام اور دین اسلام کی سب سے زیادہ نصرت کرے۔ جو نبوت کو آغوش حفاظت میں پرورش کرے جو اپنی اولاد کو پیغمبر اسلام پر فدا ہونے کا حکم دے۔ جو علی کو پیغمبر اسلام کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دے اور بحالت نماز دیکھ کر مسرور ہو۔ جو اپنے آخری وقت میں بقول مورخین کلمہ توحید زبان پر جاری کرے۔ جو قریش کے ہنگامہ کرنے اور کہنے پر کہ ابوطالب اپنے بزرگوں کے دین سے پھر گیا ہے

کہے کہ میں تو اپنے بزرگوں کے دین پر دنیا سے جا رہا ہوں۔ جو آخری شعر میں صاف صاف کہے کہ ہم محمد کو مثل موسیٰ نبی برحق جانتے ہیں اور ان کو صاحب کتاب بھی مانتے ہیں۔ ایسے انسان کو بعض کم فہم اور کم ایمان مورخین و محدثین اسلام کافر کہیں۔ اس سے زیادہ تاریخ اسلام اور مورخین اسلام کی کم نگاہی اور کیا ہوگی

بعض مورخین کو اشتباہ بھی ہوا۔ وہ یہ کہ ابو طالب نے اپنے وقت آخر کہا کہ میں اپنے بزرگوں کے دین پر مرتا ہوں تو مسلم یہ سمجھے کہ ابو طالب کے بزرگ بھی ان کے بزرگوں کی مانند کافر تھے لہٰذا ابو طالب بحالت کفر فوت ہو گئے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ پیغمبر اسلام کا پورا خاندان بجز چند کے آدم سے عبدالمطلب اور عبداللہ ابن عبدالمطلب تک مومن موحد اور مسلم تھا۔۔

اس معاملہ کی تلاش کتب احادیث و تاریخ میں نہ کیجئے ورنہ الجھن اور بڑھیگی میں آپ کو سہل طریقہ بتائے دیتا ہوں جو آپ اور ہر معقول پسند انسان تسلیم کر لیگا۔

کعبہ مرکز اسلام تھا یا بت خانہ۔ اگر مرکز اسلام تھا تو اس کے متولی مسلمان تھے اور اگر کعبہ مرکز کفر تھا کہ اس میں ۳۶۵ بت نصب تھے۔ تو اس کے متولی کافر اور بت پرست تھے۔

تاریخ اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کعبہ خانہ خدا ہے نہ کہ خانہ اصنام۔ کعبہ دو پیغمبروں کی تعمیر کردہ عمارت ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل نے ملکر بنایا ہے۔ ان دونوں پیغمبروں نے بعد تکمیل عمارت کعبہ دعا بھی کی ہے کہ اے خدا اس گھر کو ہم نے تیرے نام سے منسوب کیا ہے تو اسکو پاک و پاکیزہ رکھنا۔ خدا نے بھی اپنے نبیوں کو حکم دیا تھا کہ اے ابراہیم و اسمٰعیل میرے گھر کو ہر نجاست سے پاک کر دو تاکہ رکوع کرنے والے اور سجدہ کرنے والے اس میں رکوع و سجدہ بجالاتے رہیں۔ ان حالات میں کعبہ کی ابتدا اسلام سے ہوتی ہے۔ اور کعبہ مرکز اسلام قرار پاتا ہے۔ ابراہیم و اسمٰعیل کے بعد ان کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ عبدالمطلب تک متولی خانہ کعبہ رہی۔ تو یہ طے کرنا پڑے گا کہ ابراہیم سے عبدالمطلب تک خانہ کعبہ کافروں کے قبضہ میں رہا یا مسلمانوں کے قبضہ میں۔ اگر کہا جائیگا کہ کعبہ میں بتوں کی خدائی تھی یہ بھلا مرکز اسلام کیسے ہو سکتا ہے۔ تو آپ کو تاریخ بتائے گی کہ ابراہیم ہی نے ایک بار اسی خانہ کعبہ سے بتوں کو توڑ کر نکالا تھا۔ اور خانہ کعبہ کو طاہر کر دیا تھا۔ مگر غاصبان خدائی نے پھر کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر متولیان خانہ کعبہ موحد و خدا پرست رہے اور اولاد ابراہیم سے کبھی اس کی تولیت چھینی نہ جا سکی جب ان موحدین کو موقعہ ملا خدا کے گھر سے بتوں کو نکال دیا اس کے علاوہ مسلمانوں کے اطمینان کیلئے قرآنی ثبوت پیش کیا جاتا ہے وہ خود فیصلہ کریں۔

جب ابرہہ نے خانہ کعبہ کو مسمار و برباد کرنا چاہا ہے اور ابرہہ لشکر کثیر اور ہاتھیوں کی فوج لیکر خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا ہے تو یقیناً خانہ کعبہ میں ۳۶۵ بت نصب تھے۔ اب اگر خانہ کعبہ مرکز کفر تھا تو خدا کو

خانہ کعبہ کی حفاظت نہ کرنی چاہیئے تھی۔ اور ابرہہ کے لشکر اور ہاتھیوں کو ابابیلوں کے لشکر سے فنا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اور اگر خانہ کعبہ اس وقت بھی مرکز اسلام تھا تو بیشک خدا کو اس کی حفاظت کرنی چاہیئے تھی۔ خدا نے حفاظت کی اور ابرہہ کو مع لشکر کے برباد کر دیا۔

اگر خدا خانہ کعبہ کی حفاظت ایسی حالت میں کر سکتا ہے کہ خانہ کعبہ میں ۳۶۵ بت موجود ہوں اور پھر بھی اس کی خدائی میں بٹہ نہیں لگتا۔ تو پھر خاندان ابراہیم جو عبدالمطلب تک اس وقت پہنچتا تھا۔ کیونکر مسلمان اور موحد نہیں ہو سکتا ہے۔ اہل اسلام و اہل ایمان اور صاحبانِ بصارت و بصیرت کا یہ عقیدہ ہے کہ خانہ کعبہ ابتدائے تعمیر سے ہی مرکزِ اسلام ہے اور اس کے متولی ہمیشہ مسلمان رہے ہیں اور آختک مسلمان ہیں اور تا قیامت مسلمان رہیں گے۔ ابو طالب کا مشرکین قریش کے جواب میں یہ کہنا کہ میں اپنے بزرگوں کے دین پر مرتا ہوں بالکل درست ہے۔

عبداللہ پدر بزرگوار محمد مسلمان تھے۔ عبدالمطلب مسلمان تھے، ہاشم مسلمان تھے۔ خدا نے اپنی امانت نور محمدی کو جن اصلاب میں رکھا وہ مسلمان تھے۔ چنانچہ قرآن نے بھی اس معاملہ کی شہادت پیش کی ہے۔ وتقلبك فى السٰجدين اے پیغمبر ہم نے تم کو یا تمہارے نور کو ہمیشہ ساجدین ہی میں رکھا اور اس کو ساجدین ہی میں منتقل کرتے رہے۔ بہر حال ابو طالب سب سے پہلے مسلمان تھے اور محافظ اسلام اور حامیٔ پیغمبر اسلام تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ عدالت پیغمبر اسلام کا مقتضا کیا ہوا۔ اور پیغمبر اسلام نے اس محسن اسلام کا بدلہ و صلہ نیکی کیا دیا۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) پیغمبر اسلام نے ابو طالب کے وقت آخر انتہائی ہمدردی کا سلوک کیا اور کلمہ توحید کی دعوت دی۔ اور بعد دعوت کلمہ توحید شفاعت اخروی کا وعدہ فرمایا۔

(۲) بعد وفات ابو طالب پیغمبر اسلام نے تین دن مسلسل ان کا سوگ منایا اور آپ خانہ نشین رہ کر ابو طالب کیلئے دعائے مغفرت میں مشغول رہے۔

(۳) پیغمبر اسلام نے جنازہ ابو طالب کی تکفین و تدفین کا انتظام ان کے بیٹے علی کے ہاتھوں کرایا۔

(۴) پیغمبر اسلام خود بہ نفس نفیس جنازہ ابو طالب کے آگے آگے چلتے رہے اور ان کا ذکر خیر کرتے رہے اور ان کے لئے دعائے خیر فرماتے رہے۔

(۵) سال وفات ابو طالب کا نام پیغمبر اسلام نے عام الحزن رکھ کر تاریخ اسلام میں ان کی یادگار قائم کر دی۔ تاکہ تا قیامت مسلمانانِ عالم خدمات و احسانات ابی طالب کو یاد رکھ سکیں۔

(۶) پیغمبر اسلام نے اپنی طفلی سے تا عمر پچاس سال کا ذکر کیا۔ اور بتایا کہ اس دوران میں میری کفالت میری پرورش، میری حفاظت با حسن وجوہ ابو طالب نے کی ہے۔

(۷) پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے فرزند علی کو اپنی کفالت میں لیا۔ اور ان کی کفالت پرورش تعلیم و تربیت کو اپنے ذمہ لیا۔ اور علی کو ایسا بنا دیا جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی ہے۔

(۸) پیغمبر اسلام نے ابوطالب کے فرزند علی کو اپنی اکلوتی لڑکی دیدی اور ان کی اولاد کو اپنی اولاد قرار دیا اور اپنے علوم روحانی کا ان کو وارث بنا دیا۔ اور ان کے حقوق کی ادائیگی کو اپنی امت پر فرض کر دیا۔

نتیجہ ۔ درحقیقت پیغمبر اسلام پر ابوطالب کے لاتعداد حقوق تھے اور علی ابن ابی طالب نے الولد سر لابیہ کے اعتبار سے ان تعداد حقوق میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ اور پیغمبر اسلام اور دین اسلام کی ایسی خدمات انجام دیں جن کی نظیر تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ اگر ان حالات کے پیش نظر پیغمبر اسلام ان حقوق ابوطالب کو ادا نہ کرتے تو یہ سراسر ظلم کے مترادف ہوتا۔ اور دامن عصمت نبوت ظلم سے پاک ہے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے حقوق ابوطالب کا صلہ و معاوضہ ابوطالب اور اولاد ابوطالب کو ایسا دیا ہے جو بلحاظ معاوضہ کسی طرح کم نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اگر بغور مطالعہ کتب تاریخ اسلام کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پیغمبر اسلام کے احسانات کا پلہ خدمات ابوطالب کے مقابلہ میں بھاری ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ ہر شخص اپنی وسعت و استطاعت کے بموجب ہی صلہ و معاوضہ دیتا ہے۔ پیغمبر اسلام مالک کائنات تھے۔ لہٰذا آپ نے آل ابوطالب کو ایسی منتخب چیزیں عطا فرمائیں جن کی نظیر کائنات میں ملنا ناممکن ہے۔ اور یہ سب اسلئے کیا گیا کہ عدالت پیغمبر اسلام اسی کی مقتضی تھی اور اصول اسلام اسی پر منحصر و مبنی ہے۔ هل جزاء الاحسان الا الاحسان خداوند قدیر کا معین کردہ قانون ہے۔

عدالت واقعہ ۱۱۳ صخر و محاصرہ طائف

فتح مکہ کے بعد تمام عرب میں صرف ایک طائف رہ گیا تھا جس نے اطاعت اسلام قبول نہیں کی تھی۔ پیغمبر اسلام نے قلعہ طائف کا محاصرہ کیا۔ اور چند روز کے بعد محاصرہ ترک کر دیا۔ مگر صخر جو ایک رئیس قبیلہ تھے۔ اہل طائف پر مسلط رہے آخر اہل طائف نے اطاعت قبول کر لی۔ فتح طائف کا مفصل حال صفحات سابقہ میں لکھا جا چکا ہے۔ یہاں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہو کر خبر دی کہ صخر نے اس کی پھوپی کو اپنے

قبضہ میں رکھ چھوڑا ہے پیغمبر اسلام نے صخر کو طلب فرما کر حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپی کو اس کے گھر پہنچا دو۔
چنانچہ صخر نے مغیرہ کی پھوپی کو واپس کر دیا۔

بادی النظر میں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ صخر کے دباؤ سے اہل طائف نے اطاعتِ اسلام قبول کی تھی۔ اور صخر کا یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ مگر چونکہ اہل طائف مسلمان ہو چکے تھے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے وہ حکم صخر کیلئے اور مغیرہ کیلئے مناسب سمجھا جو مطابق قانون عدالت تھا۔ اور اس معاملہ میں صخر کی خوشنودی و ناراضگی کا قطعاً لحاظ نہیں رکھا۔

عدالت واقعہ ۱۱۴ صخر و بنو سلیم

واقعہ مذکورہ کے بعد ہی بنو سلیم حاضر خدمت پیغمبر اسلام ہوئے اور عرض کیا کہ جس زمانہ میں ہم کافر تھے صخر نے ہمارے ایک چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں ہمکو ہمارا چشمہ واپس دلایا جائے
پیغمبر اسلام نے فوراً صخر کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا:۔

اے صخر جب کوئی قوم مسلمان ہو جاتی ہے تو اپنے جان و مال کی مالک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا تم بنی سلیم کا چشمہ ان کو واپس کر دو۔"

صخر نے حکم کی تعمیل کی اور چشمہ بنو سلیم کو واپس کر دیا۔ اس معاملہ سے بھی واضح ہوا کہ مقام عدالت میں پیغمبر اسلام بیگانہ و یگانہ کا مطلق پاس نہیں کرتے تھے۔ بلکہ جو مطابق قوانین عدالت امر ہوتا تھا اس کو پورا کر دیتے تھے۔۔

عدالت واقعہ ۱۱۵ بنی قینقاع

سال دوم ہجرت کا واقعہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تھی تو بنی قینقاع نے پیغمبر اسلام سے ایک معاہدہ کیا تھا کہ مسلمانوں پر حملہ نہ کریں گے۔ اور ان کے دشمن کی طرفداری و حمایت نہ کریں گے۔ بلکہ دشمن اسلام کے مقابلہ میں دین اسلام کی حمایت کریں گے۔ اسی اثناء میں ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان عورت اپنی کسی ضرورت سے بازار بنی قینقاع میں ایک زرگر کی دوکان میں بیٹھی تھی۔ پیچھے سے ایک یہودی آیا اور اس نے تمسخر و شرارت کرتے ہوئے اس مسلمہ کا لباس جانب پشت سے پھاڑ ڈالا اور وہ عورت برہنہ ہو گئی اتفاق سے اس وقت ایک مسلمان بھی وہاں موجود تھا۔ اسکو غیرت و غصہ آگیا اس نے لپک کر اس یہودی کو پکڑ لیا اور اسکو تلوار کے گھاٹ اتار دیا بازار بنی قینقاع میں غوغا ہو گیا۔ صدہا یہودی جمع ہو گئے اور اس مسلمان کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کی خبر پیغمبر اسلام کو ہوئی تو آپ نے یہودیوں کے ذی اثر سرداروں کو طلب فرمایا اور فرمایا کہ تم نے کیوں عہد شکنی کی اور خلاف معاہدہ کیا۔ تم خدا سے ڈرو اور سوچو کہ قریش کو خدا نے شکست

دی تم کو بھی حقیر کر دیگا میں خدا کا پیغمبر ہوں میری بات کا یقین کرو۔ یاد رکھو میری بات سچ ہو کر رہتی ہے۔ میں صادق القول ہوں۔

ایشاں گفتند اے محمد مارا ہم مدہ و از جنگ قریش و غلبہ بر ایشاں فریفتہ مشو و ایمن مباش با قومے رزم دادی کہ قانون حرب ندانستند اگر ایں کار با ما افتد طریق محاربت و سانہ مضاربت خواہی دانست ایں گفتند بہ خواستند و دامن بر افشاندند۔
(ناسخ التواریخ جلد ا ص ۱۲۷)

سرداران بنی قینقاع نے کہا اے محمد ہم کو نہ ڈراؤ اور قریش پر غلبہ پانے اور جنگ پر گھمنڈ نہ کرو اور بے خوف نہ رہو تم نے ایسی قوم سے جنگ کی تھی۔ جو جنگ اور شمشیر زنی کے قانون وقاعدوں سے ناواقف تھے۔ اگر ہم سے تم کو مقابلہ کرنا ہوگا تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کیونکہ جنگ کرتے ہیں۔ اور تلوار چلاتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ لوگ چلے گئے اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔

بنی قینقاع یہودی تھے۔ مدینہ سے متصل تھے۔ دشمن رسول و اسلام تھے۔ پھر انہوں نے خلاف معاہدہ کیا تھا۔ ان کے ہی آدمی کی زیادتی تھی۔ کہ ایک مسلمان عورت کو عریاں کر دیا۔ اور بعد کو ایک مسلمان کو قتل بھی کر دیا۔ ان تمام زیادتیوں کے باوجود بھی بنی قینقاع قائل و شرمندہ نہ ہوئے اور پیغمبر اسلام کو دھمکیاں دینے لگے اور گستاخیاں کرنے لگے۔ مگر آپ پیغمبر اسلام کی رواداری، صلح جوئی اور نیک دلی ملاحظہ فرمائیے کہ ان زیادتیوں کے باوجود بھی مطابق قوانین عدالت ان کو ان کا معاہدہ یاد دلا رہے ہیں۔ اور خود اس پہ عمل کر رہے ہیں۔ اعدا ان کے اتنے مظالم کو درگذر کرنے کو تیار ہیں۔ معاہدہ پہ قائم رہنا، معاہدہ کی پابندی کرنا اور دشمن کو موقعہ و فرصتِ غور دینا سب قوانین عدالت کی پابندی ہے۔

پیغمبر اسلام کی جگہ اگر کوئی دوسرا باختیار انسان ہوتا۔ تو ان گستاخیوں زباں درازیوں اور عہد شکنی کی سزا فوری دیتا۔ مگر مجسمہ اخلاق اور پیکرِ عدالت سے ایسا کیونکر ممکن تھا۔

عدالت واقعہ ۱۱۶ رد سفارش اسامہ بن زید

ایک عورت نے جو قبیلہ مخزوم کی تھی چوری کی قریش کی عزت و وقار کے اعتبار سے لوگوں نے کوشش شروع کی کہ معاملہ دب جائے اور وہ چور عورت بری کر دی جائے۔ لوگ اسامہ بن زید کے پاس آئے یہ سب جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام اسامہ کو بہت عزیز رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان کا خیال تھا کہ پیغمبر اسلام اسامہ کی سفارش کو رد نہ کریں گے اسامہ نے خدمت پیغمبر اسلام میں اس عورت کی سفارش کر دی۔ پیغمبر اسلام سنتے ہی بگڑ گئے اور آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔

بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ و برباد ہو گئے کہ وہ غربا پر جرم کی حد جاری کرتے تھے اور امراء سے درگذر کرتے اور ان کو معاف کر دیتے تھے۔ اس زن سارقہ پر حد جاری کی گئی۔

عدالت واقعہ ۱۱۷ دیت قتل یہودی

خیبر کے یہودیوں کو جب زمین بٹائی پر دی گئی اور اس زمین کو مجاہدین اسلام پر تقسیم کر دیا گیا تو عبداللہ بن سہل اپنے نخلستان میں اپنا حصہ (بٹائی) لینے گئے محیصہ ان کے چچیرے بھائی بھی ان کے ساتھ تھے۔ عبداللہ ایک کوچہ سے گذر رہے تھے کہ کسی یہودی نے ان کو قتل کر دیا اور ان کی لاش کو ایک گڑھے میں ڈال دیا۔ محیصہ نے آکر پیغمبر اسلام سے استغاثہ کیا۔ پیغمبر اسلام نے محیصہ سے پوچھا۔ کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ عبداللہ کو یہودی نے قتل کیا ہے۔ محیصہ نے عرض کیا کہ میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ مگر وہاں بجز یہودیوں کے دوسرا کوئی نہیں رہتا ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا۔ تو اچھا یہودیوں سے حلف لیا جائے۔ محیصہ نے عرض کیا کہ وہ کافر ہیں۔ ان کی قسم کا اعتبار ہی کیا ہے۔ وہ تو صدہا جھوٹی قسمیں کھا سکتے ہیں۔ یہ سنکر پیغمبر اسلام نے حکم دیا کہ یہودیوں سے باز پرس نہ کی جائے اور عبداللہ کا خون بہا بیت المال سے ادا کر دیا جائے۔

چونکہ محیصہ عینی شہادت نہ دے سکے علاوہ بریں حلف بھی نہیں اٹھا سکے اور نہ اس پر راضی ہوئے کہ یہودیوں سے ہی حلف لے لیا جائے۔ بس وہ تو یہ چاہتے تھے کہ عبداللہ کا قصاص یہودیوں سے لے لیا جائے۔ مگر ایسا قصاص لینا قانون عدالت کے خلاف تھا۔ لہٰذا پیغمبر اسلام نے محیصہ کی خوشی و ناخوشی کی ذرا پرواہ نہیں کی اور یہودیوں سے باز پرس نہ کرتے ہوئے عبداللہ کا خونبہا بیت المال سے دلوا دیا۔ اور اس طرح خون ناحق عبداللہ کا بدلہ و معاوضہ بھی اس کے ورثہ کو مل گیا اور محیصہ کی اشک شوئی ہو گئی اور معاملہ بھی مطابق قوانین عدالت طے ہو گیا۔

عدالت واقعہ ۱۱۸

ماخوذ از اسوۃ الرسول ہ

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب میں پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے اور مدینے کو روانہ ہوئے۔ شہر کے باہر پہنچ کر قیام کیا۔ زنانی سواری بھی ساتھ تھی۔ ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک سفید پوش آئے اور سلام کیا۔ ہم نے جواب سلام دیا۔ ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ اس کی قیمت پوچھی ہم نے بتایا کہ اس کی قیمت اتنی مقدار کھجوریں ہونگی۔ اس سفید پوش نے کوئی عذر نہیں کیا اور وہی قیمت منظور کر لی اور وہ شخص مہار شتر پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوا حتیٰ کہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ہم لوگوں کو اب خیال آیا کہ قیمت اور اونٹ دونوں ہاتھ سے گئے۔ کیونکہ ہم لوگ

اس مرد سفید پوش کو پہچانتے بھی نہ تھے ایک ساتھی نے دوسرے ساتھی کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا۔ محمل نشین خاتون نے کہا کہ تم مطمئن رہو۔ ہم نے کسی کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن نہیں دیکھا ہے ایسا انسان دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ محمد نے تمہارے لئے طعام شب اور اتنی کھجوریں بھیجی ہیں۔ یہ کھجوریں قیمت شتر تھیں۔ دوسرے دن ہم لوگ مدینہ میں داخل ہوئے پیغمبر اسلام خطبہ دے رہے تھے اصحاب کا اجتماع تھا۔ ہم لوگوں کو دیکھ کر ایک مرد انصاری نے کھڑے ہو کر پیغمبر اسلام سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ لوگ قبیلہ بنی ثعلبہ سے ہیں۔ اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے معاوضہ و بدلہ میں ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم بھی ان میں کا ایک آدمی قتل کر دیں پیغمبر اسلام نے جواب دیا۔

"باپ کا بدلہ و قصاص بیٹے سے نہیں لیا جا سکتا ہے۔"

عدالت واقعہ ۱۱۹

سرق ایک صحابی تھے انہوں نے ایک بدو سے اونٹ خریدا لیکن قیمت ادا نہ ہو سکی بدو ان کو پکڑ کر پیغمبر اسلام کی خدمت میں لایا اور واقعہ بیان کیا۔ پیغمبر اسلام نے سرق کو حکم دیا کہ قیمت شتر ادا کر دو۔ انہوں نے ناداری کا عذر کیا پیغمبر اسلام نے بدو سے کہا کہ تم سرق کو بازار لے جا کر فروخت کر لو۔ بدو ان کو بازار لے گیا ایک شخص نے سرق کو خریدا اور آزاد کر دیا۔

عدالت واقعہ ۱۲۰

ماخوذ اسوۃ الرسول ہ

ابو حدرد اسلمی ایک صحابی تھے ان پر ایک یہودی کا کچھ قرض تھا۔ مگر ان کے پاس بجز لباس جسم کے کوئی چیز بھی نہ تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پیغمبر اسلام جنگ خیبر کا ارادہ فرما رہے تھے۔ ابو حدرد نے اس یہودی سے کچھ مہلت طلب کی۔ لیکن وہ نہ مانا اور انکو پکڑ کر خدمت پیغمبر اسلام میں لے آیا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کا قرضہ ادا کر دو انہوں نے عذر کیا۔ آپ نے مکرر فرمایا۔ انہوں نے پھر معذرت کی یا رسول اللہ غزوہ خیبر قریب ہے شاید خدا مجھ کو وہاں سے کچھ دیدے تو میں قرضہ ادا کر دوں گا۔ پیغمبر اسلام نے پھر حکم دیا تو آخر اپنا تہمد اس یہودی کو قرضہ میں دیدیا۔ اور اپنے عمامہ کو کھول کر کمر کے گرد لپیٹ لیا۔

عدالت واقعہ ۱۲۱

اسلام سے پہلے یہودان بنو نضیر و بنی قریظہ میں عزت و شرافت خاندانی کی ایک عجیب وغریب حد قائم تھی کوئی قریظی کسی نضیری کو قتل کرتا تھا تو قصاص میں وہ قتل کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تھا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر خرما مقرر تھی۔ عہد اسلام میں جب یہ واقعہ پیش آیا تو یہ مقدمہ پیغمبر اسلام کے سامنے پیش ہوا آپ نے توریت

کے آئین کے مطابق النفس بالنفس کے حکم سے دونوں قبیلوں میں برابر کا حکم قصاص جاری فرمایا۔

عدالت واقعہ ۱۲۲

ایک بار آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ لوگوں کا گرد و پیش ہجوم تھا ایک شخص منہ کے بل آپ پر لدھ گیا دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی آپ نے اس کو ٹھوکا دیا۔ اتفاقاً لکڑی کا سرا اس کے منہ میں لگ گیا اور خراش آگئی آپ نے فوراً اس شخص سے فرمایا کہ تم مجھ سے اس کا قصاص لے لو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے معاف کیا (ماخوذ اسوۂ الرسول)

مذکورہ چند واقعات تاریخی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے کبھی مقام عدالت میں نہ اپنے گروہ کا لحاظ کیا نہ اپنے قبیلہ کا پاس کیا نہ غیر مسلم کے مقابلہ میں مسلم کا لحاظ کیا اور نہ مقام قصاص میں اپنی ذات کا پاس کیا۔

عدالت واقعہ ۱۲۳ عدالت بین الناس

اسعام شمائل و حسن خلق اسوۃ الرسول جلد چہارم۔ جریر ابن عبد اللہ کا بیان ہے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ نے مجھے دیکھا ہو اور مسکرا نہ دیا ہو۔

(ب) آپ اکثر اوقات متفکر رہا کرتے تھے۔ زیادہ تر خاموش رہتے تھے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہیں فرماتے تھے آپ کا ایک ایک فقرہ اور لفظ صاف اور واضح ہوتا تھا۔ ہاتھ سے اشارہ کرنا ہوتا تو پورا ہاتھ اٹھاتے اور ہتھیلی کا رخ بدل دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے بات کرنے میں مسرت کی کیفیت طاری ہو جاتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں ہنستے بہت کم تھے۔ مسکراہٹ آپ کی ہنسی تھی۔

کبھی مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ دل دہی اور تسکین کے انداز میں تقریر فرماتے تھے۔ فقرات پُر معنی ہوتے تھے۔ اور مختصر کلمات میں آپ کے بہت سے معانی و مطالب ہوتے تھے۔ آپ کا کلام و بیان حق و باطل میں فرق و تمیز بتانے والا ہوتا تھا۔ آپ کا کلام فضول الفاظ اور لغویات سے بالکل پاک و منزہ ہوتا تھا۔ اور خلاف مقصد کوئی کلام نہیں ہوتا تھا۔ صحیح بخاری میں آپ کے اسوۂ حسنہ کی تفصیل ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ (اسوہ جلد ۴ ص ۶)

محمد صلعم مطیع کو بشارت پہنچاتے۔ گنہگاروں کو عذاب سے ڈراتے۔ بیخبروں کی پناہ تھے۔ خدا کے رسول اور بندہ تھے۔ جملہ کاروبار کو خدا پر چھوڑ دینے والے بزرگ تھے۔ آپ نہ درشت خو تھے اور نہ درشت گو آپ کبھی چیخ کر نہیں بولتے تھے ۔ بدی کا بدلہ ویسا ہی نہیں لیتے تھے۔ معافی طلب کرنے والوں کو معاف فرما دیتے تھے۔ گنہگاروں کو بخش دیتے تھے۔ آپ کا فرض منصبی مذاہب کی کجی کو درست کر دینا تھا۔ آپ کی تعلیم اندھوں کو آنکھ اور بہروں کو کان دینا تھا۔ آپ غافل دلوں کے پردہ اٹھا دیتے تھے۔ آپ ہر خوبی سے آراستہ

جملہ اخلاق فاضلہ سے متصف۔ سکون ان کا لباس، نیکی ان کا شعار، تقویٰ ان کا ضمیر، حکمت ان کا کلام، عدل ان کی سیرت ہے، ان کی معرفت سراپا راستی، ان کی ملت اور ہدایت رہنمائے خلق ہے۔ وہ ضلالت کو اٹھا دینے والے گمناموں کو رفعت دینے والے، مجہولوں کو نامور کر دینے والے۔ قلت کو کثرت اور تنگدستی کو غنا و دولتمندی سے بدل دینے والے تھے (بحوالہ رحمت اللعالمین)

امام غزالی کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں:۔

محمد صلعم مویشی کو خود چارہ دیتے تھے۔ اونٹ کو آپ باندھتے تھے۔ گھر میں جھاڑو خود دیتے تھے۔ بکری خود دودھ لیتے تھے۔ خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ خادم کو اس کے کام کاج میں مدد دیتے تھے۔ بازار سے خود جا کر سودا لاتے تھے۔ ہر ادنیٰ اعلیٰ خورد و بزرگ کو سلام میں سبقت فرماتے تھے۔ جو کوئی ساتھ ہو جاتا تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر چلا کرتے۔ غلام و آقا، ترکی و حبشی میں ذرا فرق نہ فرماتے تھے رات دن کا لباس ایک ہی رکھتے۔ کیسا ہی کوئی حقیر شخص دعوت کیلئے کہتا قبول فرما لیتے۔ جو کچھ سامنے رکھ دیا جاتا اُسے بہ رغبت کھاتے تھے۔ رات کے کھانے میں صبح کیلئے اور صبح کے کھانے میں شام کیلئے اٹھا نہ رکھتے تھے۔ کم خوراک، کریم الطبع اور کشادہ رو تھے۔ مگر بہت ہنستے نہ تھے۔ چہرہ متفکر رہتا تھا۔ مگر ترش رو نہ تھے۔ متواضع تھے۔ جس میں دناءت نہ تھی۔ باہیبت تھے۔ جس میں درشتی نہ تھی۔ سخی تھے مگر مسرف نہ تھے ہر ایک پر رحم و شفقت فرمایا کرتے تھے کسی سے کچھ طمع نہیں رکھتے تھے۔ سر مبارک کو ہمیشہ جھکائے رہتے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں پیغمبر اسلام صلعم اپنے کنبہ والوں اور خادموں پر زیادہ مہربان تھے انس نے دس سال تک خدمت کی اس مدت میں ان کو اُف تک نہ کی زبان مبارک پر کبھی کوئی فحش لفظ نہیں آیا۔ کسی پر لعنت نہیں کی۔ دوسروں کی آزار دہی اور اذیت رسانی پر برابر صبر فرماتے تھے۔ خلق خدا پر ہمیشہ رحم فرماتے تھے۔ آپ کے دست و زبان سے کسی کو ضرر نہیں پہنچا۔ کنبہ کی اصلاح اور قوم کی درستی کی طرف نہایت توجہ فرماتے تھے۔ ہر شخص کی قدر و منزلت سے آگاہ تھے۔ آسمانی سلطنت کی طرف ہمیشہ نظر لگائے رکھتے تھے۔

شفائے قاضی عیاض میں ہے:۔

پیغمبر اسلام صلعم انصاف کے مقابلہ میں قریب و بعید آپ کے نزدیک برابر تھے۔ مساکین سے محبت فرماتے تھے۔ غرباء میں رہ کر خوش ہوتے تھے۔ کسی فقیر کو اس کی تنگدستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھتے اور کسی بادشاہ کو اس کی بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہیں جانتے تھے۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کی تالیف قلوب فرماتے تھے۔ جاہلوں کی حرکات پر صبر فرمایا کرتے۔ کسی شخص سے خود علیحدہ نہ ہوتے۔ جب تک کہ وہی خود نہ چلا جا

صحابہ سے کمال محبت فرماتے تھے۔ زمین پر بیٹھ جاتے اپنے جوتے میں آپ پیوند لگا لیتے۔ اپنے لباس میں پیوند لگا لیتے۔ دشمن اور کافر سے بھی بہ کشادہ پیشانی ملا کرتے (خدمت اموات) مدینہ میں ورود کے بعد آپ کا یہ معمول رہا کہ جب کسی مسلم کو حالت نزع میں پایا تو آپ اس کے سرہانے بیٹھے رہتے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے رہتے۔ اس کے مرنے کے بعد اس کی تکفین و تدفین میں شرکت فرماتے۔ جب بوجہ کثرت تعداد اہل اسلام یہ امر وجہ تعدلیہ ہو گیا تو یہ معمول رہا کہ مسلمان کی میت کو بعد تکفین کے خدمت پیغمبر اسلام میں لایا جاتا تھا اور آپ اس پر نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے۔

عیادت۔ مریضوں کی عیادت کا بہت **شغف تھا** مریض کی خبر پا کر دور دور تک عیادت کیلئے تشریف لے جاتے اور مریض سے الفاظ تسکین و تسلی کہتے۔ ایک بار ایک بدو مدینہ میں آ کر بیمار ہو گیا حسب عادت اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس پر شفقت فرماتے ہوئے کلمات تسکین فرمانے لگے۔ بدو مرض کی شدت میں گھبرا کر بولا۔

"آپ فرماتے ہیں انشاء اللہ خیریت ہے۔ یہاں وہ شدید تپ ہے کہ بغیر گور جھنکائے جانے والی نہیں ہے۔" آپ نے فرمایا۔ "ایسا نہ کہو خدا شافی ہے۔" (سیرت النبی باسناد بخاری و مسند حنبل) حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۱۲۲۔

عدالت واقعہ ۱۲۴ شفقت

اکثر لوگ اپنے بچوں کو پیغمبر اسلام کی خدمت میں لاتے تھے کہ آپ ان کا نام رکھدیں اور ان کے لئے دعا فرمائیں آپ اس بچہ کو آغوش میں لے لیتے دامن پر بٹھا لیتے تاکہ اس کے والدین کا اعزاز ہو۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ بچے آپ کے دامن پر پیشاب کر دیتے اور اصحاب شور مچاتے آپ فرماتے کہ بچے کو پیشاب کر لینے دو اس کا پیشاب قطع نہ کرو۔ بچہ جب پورا پیشاب کر لیتا تو آپ اس بچہ کیلئے دعا فرماتے اس کا نام رکھ دیتے۔ اس کے بعد آپ پانی سے اپنے دامن کو پاک کر لیتے تھے۔۔۔

عدالت واقعہ ۱۲۵ ایثار

ایک عورت نے پیغمبر اسلام کو ایک چادر تحفۃً دی آپ کو چادر کی ضرورت بھی تھی آپ نے وہ چادر قبول کر لی۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ چادر کیسی اچھی ہے۔ آپ نے وہ چادر اپنے دوش سے اتار کر ان کو دیدی جب وہ صاحب چادر لیکر چلے گئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت کو چادر کی ضرورت تھی۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ انہوں نے جواب دیا کہ۔ میں نے تو برکت کیلئے چادر لی ہے کہ مجھ کو اس چادر کا کفن دیا جائے۔

عدالت واقعہ ۱۲۶ ایثار

سنہ ۳ھ میں یہودان بنی نضیر میں سے مخیرق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغات - مثیب ، صافقہ ، دلال ، حسنیٰ ، برقہ ، اعواف ، مشربہ ام ابراہیم مرتے وقت پیغمبر اسلام کے نام وصیت کردیئے پیغمبر اسلام نے ان سب کو خیرات کر دیا -

عدالت واقعہ ۱۲۷ احتیاط بہ قصاص ماعز اسلمی

ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو زنا میں مبتلا ہو گئے تھے - لیکن فوراً مسجد میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوا ہے - آپ نے منہ پھیر لیا وہ دوسری سمت آئے آپ نے پھر منہ پھیر لیا - وہ بار بار اقرار زنا کرتے آپ بار بار منہ پھیر لیتے - بالآخر آپ نے فرمایا تمہیں جنون تو نہیں ہو گیا ہے - بولے نہیں - آپ نے فرمایا کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے - بولے ہاں - آپ نے فرمایا تم نے صرف ہاتھ لگایا ہوگا - وہ بولے نہیں مجامعت کی ہے - آخر مجبور ہو کر آپ نے حکم دیا کہ سنگسار کیا جائے -

شفقت بہ اموات عدالت ۱۲۸

اسوۃ الرسول جلد ۲ صـ ۴۱۲ :-

میدان بدر سے جب حملہ آور غنیم واپس چلا گیا تو پیغمبر اسلام میدان جنگ میں خود تشریف لائے - اور آپنے جانبین کی لاشوں کو دفن کرایا - اور آپ نے جہاں کسی مقتول کی لاش کو پایا اس کو وہیں دفن کر دیا - میت تو میت استخوان ہائے افتادہ کے ساتھ بھی یہی عمل کیا جاتا تھا - مشرکین کے مقتول کی تعداد زیادہ تھی لہٰذا ایک کنواں کھود کر سب کو اس میں دفن کر دیا گیا -

عدالت واقعہ ۱۲۹ شفقت بہ ابوحذیفہ

ابن ہشام صـ ۲۳ طبع مصر :-

ما اھر رسول اللہ صلعم ......

وقال لہ خیرا - پیغمبر اسلام نے جب مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین کی لاشوں کو لا لا کر کنوئیں میں جمع کریں تو عتبہ بن ربیعہ کی لاش کو لوگ زمین پہ کھینچتے ہوئے لائے تو ابو حذیفہ کو باپ کے لاشہ کو اس حال سے لاتے ہوئے دیکھ کر ملال ہوا - پیغمبر اسلام نے اس کے چہرہ سے آثار حزن و ملال کو معلوم کر لیا - اور فرمایا کہ اے ابو حذیفہ کیا تم کو اپنے باپ کی طرف سے کچھ دل میں خیال آیا ہے - پیغمبر اسلام نے جیسے ہی یہ سوال کیا - ابو حذیفہ نے جوش عقیدت میں جواب دیا -

یا رسول خدا کی قسم اسلام کی طرف سے مجھ کو ذرہ بھر بھی شک نہیں - لیکن مجھے اتنا خیال البتہ ہے

کہ میرا باپ صاحب رائے، متحمل اور صاحب آداب و کمال تھا۔ اور اس کے ان صفات کی وجہ سے مجھ کو ہمیشہ قوی امید تھی کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو سمجھ کر مشرف بہ اسلام ہو جائیگا۔ لیکن خلاف امید میں نے دیکھ لیا کہ دولت اسلام سے مشرف نہ ہونے کی وجہ سے آخر ان کی حالت کیا ہوئی اور یہ اس کے کافر مرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ سنکر پیغمبر اسلام نے ابو حذیفہ کیلئے دعائے خیر کی اور اس کو کلمات خیر سے یاد دیا فرمایا

عدالت واقعہ ۱۳۰

صحیح بخاری پارہ ۲۸ باب الدیات :۔

انس بن مالک نے بیان کیا ہے کہ ایک یہودی نے بوجہ حرص زیور کے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے بیچ میں رکھ کے کچل دیا تھا۔ اس لڑکی سے پوچھا کہ یہ تیرے ساتھ کس شخص نے ایسا کیا (اور چند لوگوں کے نام اس کے سامنے لئے گئے) فلاں نے یا فلاں نے یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اقرار کیا۔ اس یہودی کو خدمت پیغمبر اسلام میں لایا گیا اور وہ دمیں رہا آخر اس نے اقرار کیا تو اس کا سر بھی پتھر سے کچلا گیا۔

عدالت مکافات واقعہ ۱۳۱

ہجرت کے پہلے سال جب زید بن حارثہ اور ابو رافع جو پیغمبر اسلام کے آزاد کردہ تھے۔ فاطمہ زہرا، ام کلثوم اور سودا بنت زمعہ، اسامہ بن زید اور ام ایمن کو مدینہ لائے تو پیغمبر اسلام نے لطور صلہ و انعام کے زید بن حارثہ اور ابو رافع کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ عطا کئے۔

عدالت تسلیم، واقعہ ۱۳۲

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے ۔ بے نیازی تری عادت ہی سہی (غالب)

ناسخ التواریخ جلد ۲ صفحہ :۔

اجناس و فضائل جو تحت فضیلت عدالت ہیں انکو لکھا گیا اور اس معیار پر حالات پیغمبر اسلام کو پیش کیا گیا۔ فضیلت عدالت کے تحت ایک فضیلت تسلیم بھی ہے۔ تسلیم کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے تمام قوائے ظاہری و باطنی اور تمام جذبات، احساسات و خواہشات تابع مرضی خالق مطلق بنا دے اور اسکی زندگی کا ہر لمحہ طلب رضائے خدائے قدیر کیلئے وقف ہو جائے اور اس کے مزاج اور اس کی طبیعت پر بار نہ ہوتے پائے۔

پیغمبر اسلام کے تاریخی حالات پیش کئے گئے اور جلد سوم کتاب اخلاق محمد میں بھی پیش ناظرین کئے جائیں گے۔ ناظرین خود غور فرمالیں کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ طلب رضائے خدائے قدیر کیلئے وقف تھا۔ آپ نے اپنی ذات یا اولاد کیلئے کچھ بھی باقی نہ رکھا۔ اور کبھی رضائے خدا کے مقابلہ میں۔ اپنی عزت ذات و اولاد کو عزیز نہیں کیا۔ یہ اور بات ہے کہ خدا عادل ہے اور محسنین کے احسان کو ضائع نہیں کرتا

بلکہ کم از کم دس گنا زیادہ کر کے احسان کا بدلہ عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ خدائے قدیر نے جب دیکھ لیا کہ ہمارے حبیب محمد (صلعم) نے ہماری خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ تو اس مالک الملک نے اپنے حبیب کو مژدہ سنایا

(۱) ورفعنالك ذكرك (قرآن) اے محمد اے ہمارے حبیب) ہم نے تمہارے ذکر کو بلند اور ارفع کیا ہے

(۲) ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ (قرآن) (اے محمدؐ) تمہارا رب تم کو اتنا عطا کریگا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (مطلب یہ ہے کہ خدا محمد کو اتنا عطا کرے گا جو اس کی طاقت و قدرت میں ہے اور محمد کے دامن وسعتِ بشری میں گنجائش ہے۔

درحقیقت خدا کا وعدہ سچا ٹھہرا اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ خدائے قدیر نے محمد و آل محمد کو کائنات کا مالک و متصرف بنایا ہے۔

میں چند واقعات باب عدالت کے تحت تسلیم کے تاریخ سے پیش کرتا ہوں۔ اس موقعہ پر ضروری ہے کہ عدالت کے بارہ میں مزید مختصر چند سطریں لکھی جائیں۔ تاکہ عوام کی یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ عدالت صرف حقوق انسانی کے ادا کرنے ہی پر منحصر ہے۔ بلکہ حقیقت عدالت بخوبی واضح ہو جائے۔ تاکہ تسلیم و رضا پیغمبر اسلام کے سمجھنے میں دقت و دشواری نہ ہو۔

(۱) اخلاق جلالی ص۱۲۲ لمعہ ہفتم و اقسام عدالت۔

ارسطاطالیس تقسیم آں (عدالت) بہر سہ قسم کردہ۔ یکے آنچہ اقدام باآں جہت ادائے حق عبودیت حق تعالیٰ باشد۔

دوم آنچہ متعلق است بمشارکت بابنی نوع۔

سوم آنچہ قیام باآں برائے ادائے حقوق اسلاف باشد۔

ترجمہ:۔ ارسطو نے عدالت کو تین قسمیں بتایا ہے۔ اول خدائے تعالیٰ کے حقوق کو بہ حیثیت عبودیت ادا کرنا۔

دوم بنی نوع انسان کے حقوق کو ادا کرنا۔ سوم اسلاف و آباد اجداد کے حقوق کو ادا کرنا۔

(۲) پیغمبر اسلام صلعم در تعریف عدالت فرمودہ۔ عدالت، التعظيم لامر الله والشفقة على خلق الله تعالىٰ۔

ترجمہ:۔ پیغمبر اسلام نے عدالت کی جامع تعریف فرمائی ہے۔ عدالت یہ ہے کہ احکام خدا کی تعظیم کی جائے اور مخلوق خدا پر شفقت کی جائے۔

میں نے قسم دوم و سوم کو بہ تفصیل الواب کتاب ہذا میں درج کیا ہے اور قسم سوم یعنی حقوق خداوندی

کی ادائیگی کو باب معرفت و عبادت میں بہ تفصیل لکھا ہے۔ مگر چونکہ باب عدالت میں ایک فضیلت تسلیم در مناسبی ہے۔ لہٰذا مختصراً و نمونتہً چند واقعات لکھے جاتے ہیں۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۱

(۱) حیات القلوب جلد دوم ص ۲۲۶ بیان اخلاق حمیدہ۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ داخل ہوتا تھا۔ تو پیغمبر اسلام عبادت خدا کیلئے کمر بستہ ہو جاتے تھے اور ازواج سے کنارہ کشی فرما لیتے تھے۔ اور راتوں کو تمام رات بیدار رہتے تھے۔ اور بجز عبادت الٰہی کے دوسرا کام نہیں کرتے تھے۔۔۔

ص ۲۲۷ مسجد میں پشمینہ کا ایک خیمہ نصب کر دیا جاتا تھا۔ شبانہ روز بحالت اعتکاف در عبادت معروف رہتے تھے۔ جب بوجہ غزوہ بدر کے جو رمضان المبارک میں واقع ہوا تھا۔ آپ کو اعتکاف رمضان کا موقع نہیں ملا تو آپ نے دوسرے سال رمضان المبارک میں بیس یوم کا اعتکاف کیا۔ اور شبانہ روز دس طواف خانہ کعبہ کے بجالاتے تھے۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۲

ص ۱۲۷۔ ابو سعید خدری عیادت پیغمبر اسلام کیلئے حاضر ہوئے۔ پیغمبر اسلام کو شدید تپ تھی ابو سعید نے لحاف پر اپنا ہاتھ رکھا۔ شدت تپ کا احساس کیا اور کہا۔ یا رسول اللہ آپ کو شدید تپ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہم اہل بیت کی آزمائش شدید ہوتی ہے اور ہمارے لئے ثواب بھی مضاعف ہوتا ہے۔

عدالت، تسلیم واقعہ ۱۳۳

پیغمبر اسلام طلب رضائے خدا میں ہمہ وقت معروف رہتے تھے اور بحد طاقت بشری مشقت برداشت فرماتے تھے۔

اور اپنی ذات کو خالق یگانہ کیلئے مطلقاً وقف کر دیا تھا۔

آپ کا معمول تھا کہ شب کو وضو کا پانی اپنے سرہانے رکھتے تھے اور کچھ دیر سو جاتے تھے۔ پھر بیدار ہو کر آسمان کی طرف نظر کرتے تھے اور سورۃ آل عمران کی آخری آیات کو تلاوت فرماتے تھے پھر مسواک کر کے وضو کر کے چار رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ اور رکوع و سجود کو طول دیتے تھے۔ اور اتنا طول سجدہ کو دیتے تھے۔ کہ گویا آج شب سر کو سجدہ سے نہ اٹھائیں گے۔ پھر بستر پر لیٹ کر سو جاتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد پھر بیدار ہو جاتے تھے۔ پھر آسمان کو دیکھتے۔ اور اور آیات مذکورہ کو تلاوت فرماتے پھر مسواک کرتے اور وضو کرتے پھر چار رکعت نماز ادا کرتے۔ پھر بستر پر لیٹ جاتے

اور کچھ دیر سو جاتے اور پھر بیدار ہو جاتے حتیٰ کہ نافلہ صبح کو ادا کرتے۔ اس کے بعد مسجد کو تشریف لے جاتے تھے....

تسلیم (عدالت)، واقعہ ۱۳۴

ص ۲۲۸۔ پیغمبر اسلام کی خوراک جو کی روٹی تھی آپ کا حلوہ خرما تھا اور بس۔ پیغمبر ایک دن اصحاب کے ساتھ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے۔ کہ راہ میں مزبلہ پر ایک مردہ بکری کا بچہ پڑا ہوا دیکھا جس کے کان کٹے ہوئے تھے۔ پیغمبر اسلام نے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں کون اس بزغالہ مردہ کو ایک درم میں خریدنے کو تیار ہے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ ہم اس کو کسی قیمت پر لینے کو تیار نہیں ہیں اور مفت بھی نہ لیں گے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ واللہ دنیا میرے نزدیک اس بزغالہ مردہ سے بھی زیادہ بے قدر ہے۔

(عدالت) تسلیم واقعہ ۱۳۵

ایک صحابی خدمت پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ ایک کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور اس چٹائی کے نشانات جسم پر پڑ گئے ہیں اور آپ کے سرہانے لیف خرما کا تکیہ رکھا ہے۔ جس کے نشان رخسار مبارک پر پڑ گئے ہیں۔ صحابی نے عرض کیا کہ اے خدا کے رسول۔ شاہانِ عجم و روم ریشم اور دیبا پر سوتے ہیں آپ کیوں ایسے سخت بستر پر سوتے ہیں۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ میں خدا کے نزدیک ان سے بہتر ہوں۔ مجھ کو دنیا سے کیا سروکار ہے۔ دنیا کی مثال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ جیسے ایک سوار کسی درخت کے سایہ میں ٹھہرے اور جب سایہ درخت نہ رہے تو وہ شخص سامان چھوڑ کر وہاں سے چلا جائے۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۶

معتبر روایت ہے کہ پیغمبر اسلام روزانہ ستر بار استغفار پڑھتے تھے حالانکہ بے گناہ تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

اَتُوبُ اِلَی اللّٰہ۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۷

پیغمبر اسلام کی خدمت میں ایک صحابی کچھ رطب لایا۔ آپ نے خادم سے کہا کہ گھر میں جا کر کوئی ظرف لے آئے۔ خادم اندر گیا اور واپس آیا اور کہا کہ کوئی ظرف طباق وغیرہ نہیں ہے۔ آپ نے کپڑے سے زمین کو صاف کیا اور کہا کہ رطب یا خرمہ کو زمین پر ڈال دے۔ اور فرمایا کہ اس ذات اقدس کی قسم کھاتا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر دنیا خدا کے نزدیک پر پشہ کے برابر بھی قابل اعتبار ہوتی تو وہ کسی کافر و منافق کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۸

علی مرتضیٰؑ سے زیادہ کون واقف حالات نبوی تھا۔

علی نے نہجہ البلاغت میں پیغمبر اسلام کے متعلق فرمایا ہے۔

حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۲۳ :۔

تم لوگوں کو پیغمبر اسلام کی پیروی اور تاسی کرنے کیلئے یہی کافی ہے اور دنیا کی مذمت اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ پیغمبر اسلام نے دنیا کو ترک کر دیا۔ اور دنیا ان کو میسر نہ ہوئی ان کے غیروں کو حاصل ہوئی۔ اور آپ نے دنیا کو درہم و برہم و شکستہ کر دیا۔ اور دنیا کی طرف نظر تک نہ کی اور آپ کا دامن ہر ایک شخص کے دامن سے زیادہ خالی رہا آپ کا شکم طعام دنیا سے ہمیشہ خالی رہا۔ خدائے قدیر نے محمد کو مالک دنیا بنانا چاہا اور دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی۔ مگر آپ نے دنیا کو قبول نہ کیا کیونکہ خدا دنیا کو دشمن رکھتا ہے۔ لہٰذا آپ نے بھی دنیا کو دشمن رکھا۔ چونکہ خدا نے دنیا کو حقیر سمجھا ہے لہٰذا آپ نے بھی دنیا کو حقیر سمجھا۔ پیغمبر اسلامؐ کا یہ حال تھا کہ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ اور غلاموں کی مانند دو زانو بیٹھتے تھے اپنے نعلین اور لباس کو خود پیوند لگا لیتے تھے اور بغیر زین کے خچر پر سوار ہوتے تھے اور اپنے ساتھ سواری پر دوسرے کو ردیف بنا لیتے تھے۔ آپ نے ایک بار کسی زوجہ کے مکان پر تصویر دار پردہ دیکھا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ اس پردہ کو دروازہ سے ہٹا دو تاکہ زینت دنیا میری نظروں کے سامنے نہ آئے۔

علی مرتضیٰؑ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے دنیا سے مطلق منہ موڑ لیا تھا۔ یا یہ کہ آپ نے کبھی دنیا کو اپنے دل میں جگہ ہی نہ دی تھی۔ بیشتر ایسا ہوتا تھا کہ آپ نے اہل بیت کے ہمراہ گرسنہ رہتے تھے اور آخر دنیا سے گرسنہ ہی گئے اور اپنی ذات کیلئے پتھر پر پتھر نہ رکھا (یعنی مکان نہ بنایا)

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۳۹

امام حسینؑ نے فرمایا کہ جب پیغمبر اسلام درگاہ خدا میں ہاتھ اٹھاتے تھے تو تضرع و زاری کرتے تھے اور اپنی انگلیوں کو حرکت دیتے تھے۔ جیسے کہ کوئی سائل کچھ طلب کرتا ہو۔

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۴۰

امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ جدا محمد رسول خدا عبادت میں اسقدر تعب و مشقت برداشت کرتے تھے کہ پیروں پر ورم آجاتا تھا۔ ایک بار لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپ کیوں اسقدر مشقت عبادت برداشت کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ۔ کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔؟

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۴۱

امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ پیغمبر اسلام کبھی قسم نہیں کھاتے تھے۔ بلکہ جب قسم کی ضرورت ہوتی تو فرماتے..

لا و استغفر اللہ - نہیں میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں -

بعض خصائص پیغمبر اسلام برائے حصول رضائے خدا -

(و) خادم جب چکی چلانے سے تھک جاتا تھا - تو پیغمبر اسلام خود اس کی مدد فرماتے تھے -

(ب) حاضرین کی موجودگی میں تکیہ نہیں لگاتے تھے -

(ج) اپنے اہل و عیال کی خدمت خود کرتے تھے -

(د) آزاد و غلام جو بھی دعوت کرتا تھا قبول فرماتے تھے -

(ر) کم از کم مقدار تحفہ و ہدیہ بھی قبول فرماتے تھے -

(س) معاملات دنیوی کے بارہ میں کبھی غصہ نہیں فرماتے تھے - صرف کار رضائے خدا میں غضب و غصہ کرتے تھے -

(ص) شدت گرسنگی (فاقہ) میں پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے - چادر یمینی و جبہ پشمینی پہنتے تھے - اکثر لباس سفید ہوتا تھا - سر پر عمامہ (پگڑی) باندھتے تھے - جمعہ کو لباس نو ان کے لئے مخصوص تھا اپنا لباس کہنہ بھی عطا کر دیتے تھے اور سوال رد نہیں کرتے تھے -

عدالت، تسلیم، واقعہ ۱۴۲ یہ بات مشہور تھی کہ پیغمبر اسلام کسی کا سوال رد نہیں کرتے ہیں ایک بار ایک عورت نے اپنے لڑکے کو خدمت پیغمبر اسلام میں بھیجا - اور اس سے کہدیا کہ پیغمبر سے سوال کرو - اگر وہ جواب دیں کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے - تو یہ کہنا کہ اپنا کرتہ مجھ کو دیدو -

چنانچہ وہ لڑکا آیا اور پیغمبر اسلام سے سوال کیا - پیغمبر نے معذرت چاہی - لڑکے نے مطابق اشارہ والدہ پیغمبر اسلام سے آپ کا پیراہن طلب کیا - پیغمبر اسلام نے اپنا پیراہن اس کو دیدیا - اور خود ایک تہمند باندھ لی - اور بوجہ پیراہن نہ ہونے کے مسجد نہ جا سکے - خدائے قدیر نے جب اپنے حبیب محمد صلعم کی یہ عادت تسلیم و رضا دیکھی تو بذریعہ جبرئیل حکم بھیجا -

ولا تجعل یدك مغلولۃً الی عنقك و لا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوماً محسوراً -

(قرآن) اے محمدؐ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن میں نہ باندھو کہ کسی کو کچھ نہ بخشو اور نہ اپنے ہاتھ کو ایسا کھولو کہ جو کچھ پاس ہے وہ سب بخشش دو اور خود ملامت کردہ شدہ عریاں بیٹھ رہو - (مطلب یہ ہے کہ سخاوت و ایثار میں راہ اعتدال اختیار کرو)

عدالت تسلیم، واقعہ ۱۴۳ ایک دن ابوذر اور سلمان فارسی دو اصحاب پیغمبر اسلام کی

تلاش میں آئے۔ لوگوں نے بتایا کہ مسجد قبا کی جانب تشریف لیگئے ہیں۔ یہ دونوں صحابی مسجد قبا کی جانب روانہ ہو گئے۔ اثنائے راہ میں دیکھا کہ پیغمبر اسلام ایک درخت کے نیچے سجدۂ خالق میں سر بسجود ہیں یہ دونوں صحابی تادیر منتظر رہے۔ آخر انہوں نے خیال کیا کہ آپ سو گئے ہیں۔ قریب جا کر چاہا کہ بیدار کر دیں کہ اتنے میں پیغمبر اسلام نے سر اٹھایا۔ اور فرمایا کہ تم سمجھے کہ میں سو رہا ہوں۔ حالانکہ میں تمہارے آنے سے مطلع ہوں۔ اور میں تمہاری گفتگو سن رہا تھا۔ اور یاد رکھو کہ خدا نے ہر پیغمبر کو ان کی قوم کی زبان میں مبعوث کیا۔ اور مجھ کو ہر سیاہ و سرخ پر اور زبان عربی میں مبعوث فرمایا ۔(حیات القلوب)

تسلیم، واقعہ ۱۴۴

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ پیغمبر اسلام نافلہ شب کو استادہ پڑھتے تھے۔ اور اس طرح کہ کبھی ایک پاؤں کو اٹھا لیتے اور جب تھک جاتے تو دوسرے پاؤں کو اٹھا لیتے تھے۔ حتٰی کہ پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔ خدائے قدیر نے اپنے حبیب کی یہ تسلیم و رضا دیکھی تو بذریعہ ملک یہ پیغام محبت سنایا۔

طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقٰی۔

اے طیب و طاہر۔ ہادی خلق ہم نے قرآن آپ پر اسلئے نہیں نازل کیا ہے کہ آپ اپنے کو تعب و مشقت میں ڈالیں۔

تسلیم و رضا واقعہ ۱۴۵

صت ۲۰۳۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ ایک روز پیغمبر اسلام اپنی بیٹی فاطمہ زہرا کے گھر آئے۔ دیکھا کہ بیٹی چکی پیس رہی ہے اور ایک موٹا کپڑا جس سے اونٹ کی جھول بناتے ہیں اوڑھے ہوئے ہے۔ آپ آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا اے فاطمہ دنیا کی تلخی (مصائب) برداشت کرو تاکہ آخرت کی نعمات کی مستحق ہو سکو اس پر خدا تعالٰی کی جانب سے یہ پیام محبت آیا۔

وللآخرۃ خیر لک من الاولٰی۔ ولسوف یعطیک ربک فترضٰی۔

یقیناً آخرت بہتر ہے تیرے لئے دنیا سے اور تیرا رب تجھ کو اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا

تسلیم و رضا واقعہ ۱۴۶

پیغمبر اسلام نے سنہ ۱۰ نبوت ماہ شوال میں طائف کی طرف ہجرت کی تقریباً دس دن یا بروایتے پچاس روز طائف میں قیام کیا اور چاہا کہ اہل طائف کو تبلیغ توحید ربانی کا درس دیں۔

مگر اہل طائف نے نہایت ظالمانہ سلوک کیا جو مفصل ابواب سابقہ میں تحریر کیا گیا ہے اور پیغمبر اسلام طائف میں انتہائی بے لبسی و بیکسی کی حالت میں رہے۔ اور آخر لوگوں کے ظلم و جور و تمسخر سے

عاجز ہو کر ایک انگور کے باغ میں پناہ لی۔ اس وقت عالم یاس اور بے بسی میں درگاہ خداوندی میں ان الفاظ میں مناجات کی۔ اس مناجات کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے تسلیم و رضا کا بہترین مظاہرہ فرمایا ہے۔ آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْ اِلَيْكَ ضَعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِیْ وَهَوَانِیْ عَلَى النَّاسِ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِیْ اِلٰى بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِیْ اَوْ اِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِیْ اِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِیَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ يَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ يَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔

ترجمہ:۔ یا اللہ میں تیری درگاہ میں فریاد کرتا ہوں اور تجھ سے عرضداشت کرتا ہوں کہ میری قوت ضعیف ہے اور راہ تدبیر میرے لئے مسدود ہے۔ اور لوگوں کی نگاہ میں میں سبک و حقیر ہوں۔ اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اے خدا تو رب اور مالک و یاور ہے ان لوگوں کا جو کمزور اور ضعیف کر دیئے گئے ہیں۔ اور تو میرا رب اور مددگار ہے۔ جبکہ تو نے مجھ کو سپرد کر دیا ہے مقام بعید میں جہاں مجھ سے بہ سختی و ترشی لوگ پیش آتے ہیں۔ یا ان دشمنوں کو کہ مالک بن گئے ہیں میرے معاملات کے۔

اگر ان تمام حالات کی موجودگی اور تمام مصائب کے ہوتے ہوئے تیرا غضب اور ناراضگی مجھ سے نہیں ہے (بلکہ تیری رضا یہی ہے) تو مجھ کو ان تمام مصائب کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ بلکہ تیری عافیت اور عطا کردہ سکون میرے لئے زیادہ وسیع و کشادہ ہے۔

میں پناہ چاہتا ہوں تجھ سے تیرے اس نور کے وسیلہ سے کہ جس کے ذریعہ تو نے ظلمات اور تاریکیوں کو روشن بنا دیا اور بہتر بنا دیا معاملہ دنیا و دین کو۔

اگر تیرا غضب نازل ہو اور تیرا غصہ و ناراضگی ہو تو تجھ کو عتاب کا حق حاصل ہے اور میں تیرا ہوں حتیٰ کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔ اور اے خدا بجز تیرے کوئی طاقت اور قوت نہیں ہے۔۔

—٭—

پیغمبر اسلام کا ہر لمحہ حیات از مہد تا لحد قوانین عدالت کا آئینہ دار ہے۔ ہر قول ہر فعل، ہر عمل ہر معاملہ ہر معاہدہ، بلکہ آپ کی ہر حرکت اور ہر سکون قوانین عدالت کے مطابق تھا۔ آپ کی حیات پاک اور بعد وفات کسی دشمن یا دوست کو اس اعتراض کا موقع نہیں ملا کہ آپ کا کوئی فعل بھی خلاف عدالت ہوا ہو۔ میں نے چند واقعات تاریخی پیش کئے ہیں۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام کی ذات اقدس بحیثیت ایک انسان کے کامل ترین افراد عالم ہے مذاہب عالم کے پیشوا صفات و مکارم اخلاق کے حامل ہیں۔ مگر ہر کمال جس طرح ذات محمد مصطفیٰ میں بدرجہ کمال پایا جاتا ہے۔ وہ کسی رہبر عالم پیشوائے مذاہب عالم میں موجود نہیں تھا۔

قاعدہ کلیہ ہے کہ انسان اعلیٰ معیار انسانیت پر پہنچنے کیلئے اپنے سامنے کامل ترین نمونہ ہی رکھ کر منازل ارتقاء انسانی کو طے کر سکتا ہے۔ کیونکہ ناقص نمونہ دیکھ کر عمل کرنے والے بھی ناقص ہی بن سکتے ہیں اور کامل نمونہ عمل پر عمل کرنے والے کامل الصفات انسان ہو سکتے ہیں۔ انسانی منزل ارتقاء حدود تصورات سے بھی بالاتر ہے۔ لہٰذا اس کو ایسے ہی کامل نمونہ کی ضرورت ہے جو لامحدود صفات کاملہ کا حامل ہو۔ اس نظریہ کے بموجب اگر تاریخ عالم کے صفحات کی چھان بین کی جائے گی تو پیغمبر اسلام سے بہتر شخصیت نمونہ عمل انسانی بننے کیلئے نہیں پائی جائے گی۔

یہی وہ ذات ہے جس میں تمام صفات کمالیہ یکجا پائی جاتی ہیں۔ حکماء نے مکارم اخلاق یا صفات کمالیہ انسانی کا حصر صرف ان مکارم چہارگانہ میں کیا ہے۔ حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت میں نے مذکورہ ابواب میں ان ہر چہارگانہ صفات کا تذکرہ باسناد کتب تاریخی کیا ہے۔ اور بلحاظ بشریت وکمال بشریت ہر عمل و فعل و قول پیغمبر اسلام کو پیش کیا ہے۔ صاحبان انصاف و نظر بہ یقین تسلیم کریں گے کہ ذات پیغمبر اسلام عالم انسانیت کیلئے بہترین نمونہ عمل ہے۔ اور یہی وہ منارۂ ہدایت ہے کہ جس کی روشنی ازل تا ابد باقی رہے گی اور بنی نوع انسان کو فلاح دین و دنیا سے بہرہ اندوز کرتی رہے گی۔

اگرچہ ان فضائل چہارگانہ ہی میں تمام فضائل و اوصاف انسانیت جمع ہیں۔ چونکہ بہ تفصیل نمونہ حیات کاملہ پیغمبر اسلام کو پیش کرنا مقصود ہے لہٰذا ان مکارم اخلاق کی اقسام ضروریہ کو بھی مطابق حالات تاریخی پیش کیا جاتا ہے اور حیات پیغمبر اسلام کے تاریخی شواہد پیش کر کے یہ ثابت کیا جائے گا۔ کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا ہر لمحہ ہر اس صفت سے موصوف تھا۔ جو ایک انسان کامل اور نمونہ کامل کیلئے ضروری ہے دیگر ابواب جلد سوم کتاب انسانِ کامل میں ملاحظہ فرمائیے۔

تقسیم ابواب کتاب اخلاق محمدؐ بہ سہ حصص

حصّہ اوّل

باب حکمت (نظری و عملی)

ذکا، سرعت فہم، صفائے ذہن، سہولت تعلّم، حسن تعقل، تحفظ، تذکّر،

باب شجاعت

کبر نفس، نجدت، علو ہمت، ثبات، حلم، سکون، شہامت، تحمل تواضع، حمیّت، رقّت،

حصّہ دوم

باب عفت

حیاء، رفق، حسن ہدی، مسالمت، دعت، صبر، قناعت، وقار، حریت، سخا۔

باب عدالت

صداقت، الفت، وفا، شفقت، صلہ رحم، مکافات، حسن شرکت حسن قضاء، تودد، تسلیم، توکّل، عبادت،

حصّہ سوم

باب العلم

علم الٰہیات و معرفت، تدبیرِ منزل، سیاستِ مدان، طرزِ حکومت، تعلیم اخلاق، علم، خاندان،

فہرست مضامین

انسانِ کامل یا اخلاقِ محمدؐ حصہ دوم

دعائے مصنف

اے خدا اہل دنیا کو ہدایت کر کہ وہ پیغمبر اسلام کی سیرت کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنا کر اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں۔ اور اے خدا اہل اسلام کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیرے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر کے فلاح دارین حاصل کریں اور تمام باہمی تفرقوں کو ترک کر کے واحد ملت مسلم بن جائیں۔ اور اہل عالم کیلئے بہترین راہ نما ثابت ہوں۔

حسینی

(سید نذیر احمد خوشنویس ۱۹۶۵ء)